رجسٹرڈ نمبر اے (۲۷۱)

خاتون

نمبر ۱	بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۱۲ء	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

۱۔ مسلمانان سلف ۔ ۔ ۔ ا۔ب۔ن صاحبہ ۔ ۔ ۔ ۱

۲۔ محبوب خدا سے استدعا ۔ ۔ ۔ ز۔خ۔ش صاحبہ ۔ ۔ ۔ ۸

۳۔ زنانہ حاضر جوابیاں ۔ ۔ ۔ رابعہ سلطان بیگم صاحبہ ۔ ۔ ۔ ۱۰

۴۔ گلاب کا پھول اور معصوم بچہ ۔ ۔ ۔ سید مظہر حسین صاحب اختر ۔ ۱۳

۵۔ نصاب تعلیم مدارس اناث ۔ ۔ ۔ حضور بیگم صاحبہ بھوپال ۔ ۔ ۱۷

۶۔ رپورٹ صیغہ تعلیم نسواں ۔ ۔ ۔ سکرٹری صاحب صیغہ ۔ ۔ ۲۳

۷۔ اڈیٹوریل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

باہتمام خاکسار رشید احمد انصاری

مطبع احمدی علی گڑھ میں طبع ہوا

شیخ محمد عبداللہ بی اے پبلشر نے علی گڈھ سے شائع کیا

خاتون

۵۴

(۱) ۔ یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت ۱ے ۲ اور ششماہی ۱۲؍ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑہی لکہی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہی ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جاے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکہنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور با محاورہ اردو زبان میں لکہے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے کچہ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

(۱)

کبھی آپ نے گذشتہ اسلام کی اخلاقی۔ تمدنی۔ معاشرتی حالت کا اندازہ کیا ہے اور اس کے اصلی معیار پر نظر ڈالی ہے؟ غالباً نہیں آہ آپ تو یقیناً اسلام اور پیروان اسلام کو ذلیل و خوار تصور کرتی ہونگی۔ کیونکہ جہاں تک سُنا ہوگا اس بدنصیب قوم کی نسبت (نظماً نثراً زبانی اور تحریری) بجز کلمات بد کے بہت کم کچھ اور سنا ہوگا جسکا لازمی نتیجہ ہے .... کہ آپ کے دل میں اس کی طرف سے بیجا شکوک پیدا ہوں یا کم از کم یہ خیال تو ضرور پیدا ہو جائے کہ یہ قوم ایسی پست حالت میں ہے کہ مصلحان قوم تک اس کا اُبھرنا ناممکن خیال کر کے پریشان و بدحواس نظر آتے ہیں۔

بیشک آج اسلام اہل اسلام کی شامت اعمال سے ہر قسم کی بدگمانیوں اور شکوک کے لائق ہو رہا ہے اور بجز مصلحان قوم کی واویلا۔ کوشش مسلسل اور عملی کارروائی کے ہماری خراب حالت ہرگز درست نہیں ہو سکتی۔

مگر ہنوز یہ خیال کہ ہم ہمیشہ سے ایسے ہی تھے نہایت ظالمانہ ہے ہم کبھی ایسی بُری حالت میں نہ تھے بلکہ اپنا جواب آپ ہی تھے کوئی قوم ہماری ہمسری کا دعویٰ نہ کرسکتی تھی۔ اقبال ظلہ خوب فرماتے ہیں۔ ؎

بُت صنم خانوں میں سب سہمے ہوئے رہتے تھے
مُنہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے

تاہم بدقسمتی سے اکثر خواتین کے خیالات درست نہیں وہ "مسلمانانِ سلف" کے کارنامو سے بالکل ناواقف ہیں اور انہیں نہایت ذلت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں ان تکلیف دہ خیالات کا دفعیہ تاریخ دانی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔

یہ بات مسلم ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں نے شمع ہدایت روشن کی اور منزل مقصود کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ پھر اسی شمع سے تمام عالم منور ہوا اور اُسی روشنی کے سہارے سب نے اپنی اپنی راہ پائی۔

یکایک جو برق آکے چمکی عرب کی
کھلی کی کھلی رہ گئی آنکھ سب کی

جو جو کام مسلمانانِ سلف کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوئے ہیں ان کا جواب کسی قوم سے نہ بن پڑا۔ جن باتوں کو ترقی کا زینہ اور اقبال کا پیش خیمہ خیال کیا جاتا ہے وہ سب ہماری ایجاد کردہ نہیں۔

غرض یہ کہ مسلمان کبھی کسی بات میں غیروں سے کم نہیں رہے۔ اور وہ یورپ جو آج اپنے سوا سب کو وحشی اور نیم وحشی کے لقب سے مخاطب کرتا ہے ہماری اور صرف ہماری خرمنِ تہذیب کا خوشہ چین ہے۔

مثال کے طور پر چند حالات معتبر کتب تواریخ سے مستنبط کرکے لکھتی ہوں اس کے مطالعہ سے آپ کو خود معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانانِ سلف کیا تھے اور اب ان کی کیا

حالت ہی۔

سیر و سیاحت آجکل سیاحت سے زیادہ کوئی چیز مفید قوم نہیں سمجھی جاتی اور فی زمانا قریب قریب ہر ایک یوروپین جہانیان جہاں گرد ہی لیکن بحکم قل سیروا فی الارض سب سے پہلے مسلمانوں نے ہی سفر پر کمر باندہی اور جہاں تک اس زمانہ میں واقفیت تہی کوئی ملک ایسا نہ رہا جہاں ان کے قدم نہ پہونچے ہوں۔ سیوان اور ملیبار میں آپ عرب کی نسل موجود ہی۔

جبرالٹر۔ جسکو مسلمان جبل الطارق اور جبل الفتح کہتے ہیں عربوں کی ہزاروں یادگاروں سے معمور ہی۔

اسپین۔ مصر۔ ہندوستان۔ شام۔ دیلم وغیرہ میں مسلمان رحمت الٰہی کی طرح پہیل گئے تہے ان کا حساب اگر لکہا جاے تو ایک کتاب سیاہ ہوسکتی ہو مگر چونکہ مجہے بہت کچہ لکہنا باقی ہی اسلیے طول فضول سے احتراز کرتی ہوں۔

تعمیرات۔ سڑکیں میل اور کوسوں کے نشان۔ کوئیں سرائیں (جن کو اب ہوٹل وغیرہ سے موسوم کرتے ہیں) عبادت خانے سفارت خانے یہ سب عربی مسلمانوں کی ایجاد ہی گو اب اس میں کچہ زیادتی کرلی گئی ہو۔

سب سے پہلے شیر شاہ نے ایک سڑک بنوائی جو چار مہینہ کے راستہ میں پہیلی ہوئی تہی سات سات کوس کے فاصلہ پر ایک پختہ سرائے بنوائی لب سڑک جابجا کوؤں اور مسجدوں کا انتظام کیا۔ ہر مسجد میں امام موذن مجاور وغیرہ مقرر کیے سرایے میں ہندو مسلمان مسافروں کے آرام کیلیے نوکر رکہے دونوں طرف برابر خوبصورت درخت لگواے کوس کوس بہر پر مینار بنواے جس کی روشنی سے راستہ کا اندازہ ہو۔

حضرت عمر فاروق نے بہی تعمیرات میں کثرت سے حصہ لیا ہی بیسیوں نہریں نکالیں جن میں نہر امیر المومنین و نہر سعد و نہر منقل بہت مشہور ہیں۔

بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تیار کرائیں۔
دارالامارت۔ دیوان۔ بیت المال۔ قیدخانے۔ مہمان خانے۔ صیغہ فوج
فوجی صدر مقامات۔ فوجی بارکیں۔ فوجی چھاؤنیاں وغیرہ وغیرہ غرض ہزاروں قسم کی تعمیرات
ایجاد کیں۔ عدالتیں قائم کرکے اس میں قاضی مقرر کیے تاریخ اور سنہ لکھنا ایجاد کیا جو ابتک
جاری ہے۔
شاہجہاں والی ہند نے اپنی محبوب ترین بی بی **ممتاز محل** کا عالیشان
مقبرہ **تاج محل** ایسا بنایا جسکا جواب آجتک تمام دنیا میں موجود نہیں۔
خلفائے عباسیہ کی تعمیرات بھی اظہر من الشمس ہیں خصوصاً ہارون الرشید کا
لب دجلہ دارالمحل۔
اسی طرح جہان آرا بیگم دختر شاہجہان کو بھی تعمیرات کا بیحد شوق تھا۔ اس کی تعمیرات
کی خوبصورتی اور خوش سلیقگی کا (جو مستورات کی خاص صفت ہے) ایک زمانہ معترف ہے یورپین
سیاح ہزاروں تکلیفیں اٹھاکر انہیں دیکھنے کے لیے ہندوستان آتے ہیں۔ ان سب
میں بیگمی دالان۔ کارواں سرائے دہلی۔ مسجد ملا بدخشی۔ باغ آگرہ (جسکو اب لوگ سیر کا باغ
کہتے ہیں) باغ صفاپور (جو اچھول کے نام سے مشہور تھا) بہت نفیس اور نامور عمارتیں ہیں
علاوہ ان کے مسلمانوں کی اُن تعمیرات کا ذکر کرنا جو مختلف ملکوں میں ہیں خالی از
طوالت نہیں اسلیے اب ان کے علوم کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔
شوق علم خلفائے عباسیہ کے عہد میں۔ رومی۔ فارسی۔ سنسکرت۔ سریانی
ترکی عبرانی وغیرہ کے بے شمار ترجمے عربی زبان میں ہوئے۔
ابوجعفر منصور عباسی نے قیصر روم سے کتب حکمیہ کے ترجمے اور نقلیں
منگائیں۔ تحریر اقلیدس مجسطی اور کلیلہ ومنہ کا ترجمہ کرایا۔
ہارون الرشید نے اکثر علوم میں بڑی بڑی کتابیں لکھوائیں۔

مامون الرشید نے جزیرۂ قبرس سے یونانی فلسفہ کی بہت سی کتابیں بہم پہنچائیں اور یورپ میں جہاں کہیں کتابوں کا پتہ لگا وہاں سے طلب کیں۔

زیب النسا بیگم دختر شاہ عالمگیر بھی ایک نہایت علم دوست خاتون گذری ہے مصنفوں اور شاعروں کو مالامال کرتی تھی خوشنویسوں اور کاتبوں کو نوکر رکھ کر نایاب کتابوں کی نقلیں کراتی تھی۔ اس طرح وہ لاجواب کتب خانہ قائم کیا جسکا شہرہ ایران اور ترکستان تک پہونچگیا تھا کشمیری خوشنویس چونکہ اس زمانہ میں بہت مشہور تھے ایسلیے زیب النسا بیگم نے عالمگیر سے اجازت حاصل کرکے وہاں کتابت کا دفتر قائم کیا۔ وہیں سے کتابیں تیار ہوکر اُسکے پاس آتی تھیں اس دفتر کا انتظام ملا محمد شفیع الدین صاحب کے سپرد تھا اور اُنکو تنخواہ بھی بیگم صاحبہ ہی کے سرکار سے ملتی تھی۔ ملا صاحب نے باستمداد ملا عنایت احمد کلام مجید کی تفسیر بنام زیب التفاسیر اس خوبصورتی اور آراستگی سے تیار کرائی کہ خود عالمگیر دیکھکر پھڑک گیا۔

یہ نسخہ اب تک دولت ایران کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

ایک مثنوی مولوی معنوی کے ڈھنگ پر لکھی گئی جسکے دو سو شعر تھے مگر چھپی نہیں معرفت کا دریا بہا دیا گیا تھا۔ اور کتابیں بھی بنام نامی تصنیف ہوئیں مگر اب پتہ نہیں چلتا۔

علم جغرافیہ (مابین دجلہ و فرات) میں زمین دیار ربیعہ کے نام سے مشہور ہے۔ سنجار اسکا قدیم شہر ہے یہاں ایک بہت بڑا کف دست میدان ہے جسکو عرب بریہ کہتے ہیں ایک مرتبہ اس میدان میں اور ایک دفعہ کوفہ کے میدان میں مامون کے حکم سے مہندس لوگ جمع ہوئے اور کرۂ ارض کے ایک دائرہ عظیمہ کی پیمایش کی اور محیط کو چوبیس ہزار میل مشخص کیا۔ موسیٰ بن شاکر کے چاروں بیٹے۔ ابوجعفر۔ محمد۔ احمد۔ حسین (جن کی کتاب حیل بن موسیٰ مشہور ہے) اس کام پر مقرر کیے گئے تھے

مسلمانوں نے علم القبلہ والمیقات ایک نیا علم ہئیات سے مستنبط کیا جس میں سمت قبلہ اور اوقات نماز کی ہندسی قاعدہ سے تعین کی یہ مختصر علم ہئیت کی ہر عربی کتاب کا آخری حصہ ہوتا ہے مستقل رسالے بھی اسپر لکھے گئے جن میں سے بعض چھپ بھی گئے ہیں۔

جدید ہئیت نے چاند میں جو پہاڑ دریافت کیے ہیں باہمی امتیاز کے لیے ان کا خاص خاص نام رکھا ہے ان میں سے چند پہاڑوں کے نام یہ ہیں۔

نصیر الدین۔ ابو الفدا الحموی۔ ابن عذرا۔ بتانی۔ ثابت

ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا یہ نام اسلیے رکھے گئے ہیں کہ ان لوگوں نے ان پہاڑوں کو دریافت کیا تھا یا ان ناموں کی یادگار قائم کرکے مسلمانوں کے علمی احسانات کا یورپ عملی شکریہ ادا کرتا ہے۔

علم التاریخ: اہل یورپ جو آج علم تاریخ میں تمام عالم پر فائق ہیں اور جنہوں نے علم اللسان اور مختلف قوموں کی مذہبی کتابوں سے زمانہ قدیم کے حالات استخراج کیے ہیں اس فن میں ان کے اقرار کے مطابق انکے استاد عرب ہی تھے۔

افسوس ہے کہ عرب کی تاریخی کتابیں مسلمانوں میں نہیں پائی جاتیں بلکہ انگلستان جرمنی۔ فرانس۔ روم کے کتب خانوں میں دفتر کے دفتر موجود ہیں۔ ابو رشد حاجی خلیفہ ابن بطوطہ۔ ابن العاثر۔ مسعودی۔ طبری۔ حمزہ اصفہانی یہ سب بیش بہا نسخے یورپ کے کتب خانوں میں جابجا موجود ہیں۔

ڈاکٹر اسپرنگر صاحب نے لکھا ہے کہ مسلمان علم تاریخ پر جتنا فخر کریں بجا ہے نہ کوئی ایسی قوم گذری اور نہ اب موجود ہے جسنے مسلمانوں کی طرح بارہ سو برس تک کے علما کے حالات زندگی لکھے ہوں ہمکو پانچ لاکھ عالموں کا تذکرہ ان کی کتابوں سے ملسکتا ہے۔

علم الطب علم الطب میں بہی کوئی قوم مسلمانوں کا ہم پلہ نہو سکی۔ شاہانِ اسلام کی قدردانی اور شارع علیہ السلام کے حکم (اَلْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤمِنِ مُجِیبٌ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا) نے بلا مبالغہ لاکہوں عدیم المثال حکما رہیا کردیے۔ کتب تواریخ ہاتھ میں لے کر دیکہیے حکماے اسلام کے بیشمار حالات آپ کو نظر پڑینگے۔ انکے حیرت انگیز طریقہ علاج ملاحظہ کرکے اگر آپ دم بہر کے لیے متحیر و متعجب نہو جائیں تو ہمارا ذمہ۔

یورپ نے ہمارے علم طب ہی کو مکمل کرکے اسکا نام "سرجری" رکہ لیا ہی اور اب یہ علم انہیں کا ایجاد کردہ تصور کیا جاتا ہی مگر غور کرنے سے یورپ کی تمام قلعی کہل جائیگی۔ اصل حال یہ ہی کہ مسلمان حکماے سلف کی بے مثل و قابل قدر کتب حکمت۔ (موجودہ مسلمانوں کی ناقدری یا بالفاظ دیگر زمانہ کے بیرحم انقلاب سے) ان لوگوں کے ہاتہ لگ گئیں جن سے نسخہ ہاے نادرہ حاصل کرکے ہر شخص بجاے خود ضیا۔ ابن بیطار۔ ابوبکر رازی۔ بو علی سینا۔ بن بیٹہا ہی۔ غرضکہ قریب قریب ہر یوروپین ایجاد میں مسلمانان سلف کی اولیت پوشیدہ ہی۔

فلسفہ۔ علم فلسفہ کا رواج جسقدر خلیفہ اعظم مامون الرشید کے زمانہ میں ہوا ہی شاید ہی کسی دور میں اس کی مثال مل سکے مامون نے گویا اپنی زندگی فلسفہ پر وقف کردی تہی۔ جہاں کہیں فلسفہ کی کتابوں کا نشان پاتا بے طلب کیے اُسے چین نہ پڑتا تہا۔

ایک مرتبہ قیصر روم کو خط لکہا کہ ارسطاطالیس (بانی فلسفہ) کی جسقدر تصانیف ہاتہ لگیں دار الخلافہ بغداد کو روانہ کرو" یہ وہ زمانہ تہا کہ بادشاہان اسلام کے معمولی خط قیصر و فغفور پر فرمان کا اثر رکہتے تہے۔ قیصر تعمیل ارشاد پر مستعد ہوا مگر روم کے اطراف سے فلسفہ خود گمنام ہوچکا تہا بڑی تلاش سے ایک عمارت کا پتہ لگا جو قسطنطین کے زمانہ سے مقفل تہی یہ مکان کہولنے پر بہت سی محفوظ

کتب ہاتھ لگیں۔ قیصر نے پانچ اونٹ لاد کر خاص فلسفہ کی کتابیں دربار مامون میں روانہ کر دیں۔

تصنیفات ارسطو کے ترجمہ پر یعقوب بن اسحٰق کندی کو (جو مختلف علوم میں ید طولیٰ رکھتا تھا) مامور کیا۔ انکے علاوہ اس عالیشان خلیفہ نے مختلف مقامات سے لاکھوں کتب فلسفہ حاصل کیں۔

مامون جسقدر فلسفہ کے دلچسپ مسائل سے آگاہ ہوتا گیا اسکے شوق کو اور بھی ترقی ہوتی گئی اور زیادہ تحقیق و تجربہ پر مائل ہوا۔ علاوہ ان علوم کے کوئی فن ایسا نہ تھا جس سے مسلمان عاجز ہوں۔ ہر دشوار گذار میدان میں انکے نقش پا موجود ہیں جنکے ذریعے سے منزل مقصود تک پہونچ جانا کچھ دشوار کام نہیں۔

آمنہ

ا۔ ب۔ ن

محبوب خدا سے استدعا

آہ اے نام محمد! اے حرارت آفریں	چارۂ بیچارگاں تسکین دلہائے حزیں
اے دوا ے درد دل اے مرہم زخم جگر	آہ اے تریاق سم کفر اے حامی دیں
اے حرارت آفرین قلب بافسردگان	المدد! النصر! اے جانبخش جسم مومنین
یا محمد گرچہ تیری امت محبوب ہے	شامت اعمال سے مغضوب رب العالمین
آج کل نا گفتہ بہ گرچہ حال مومناں	انکی اگلی شان و شوکت گرچہ بالکل نہیں

ہاں مگر اے خاص محبوب خداوند کریم! ق   باعث ایجاد عالم۔ انتخاب المرسلیں

اب بھی تیرے اسم اعظم میں وہی تاثیر ہے   اب بھی تیرے نام پر قربان ہیں ہم شاہ ودیں

آج بھی سنتے ہیں جب نام محمد مصطفیٰ   لرزہ براندام ہو جاتے ہیں سارے مسلمیں

آجکل اے بانی اسلام! تیرے دین کے   درپئے نقصاں ہیں کل مذہب روئے زمیں

دشمنان دین حق ہیں صاحب سیف وقلم   اور دین حق ہے بے یار و مددگار و معیں

خندہ زن ہے آجکل توحید پر تثلیث آہ!   حامیان دین ہیں رنجیدہ و اندوہگیں

اب وہی یورپ ہمیں کہتا ہے بے تہذیب آہ   خرمن تہذیب اسلامی کا ہے جو خوشہ چیں

جسکے حق میں حق نے ان الدین عند اللہ[1] کہا   ہے وہ دین آماجگاہ طعنہائے مشرکیں

ہائے چرخ پیر کے ظلموں کا ہے عہد شباب   ہائے ہم سے مادر گیتی نے آنکھیں پھیر لیں

ہائے اسلامی ممالک کر لیے یورپ نے ہضم   ہائے دست غیر میں ہے خاتم و تاج و نگیں

حکمراں ہندوستان و مصر کے ہیں دوگر   پر مرا کو ظلم سے چھینا گیا ہے بالیقیں

روس کے ایران کے اوپر تیز ہیں دندان آز   کسقدر خود کام ہے! ایرانیوں کا ہم قریں؟

عزت اسلام کا ہے صرف ٹرکی پر مدار   جس کی مقبوضات میں ہے مہبط روح الامیں

حافظ بیت المقدس۔ خادم حرمین ہے   اسکا سلطان المعظم ہے امیر المؤمنیں

درگہ حق میں دعائے فتح ٹرکی کیجیے   منتظر ہے لب کشائی کی اجابت شاہ دیں!

دعا

اے خداوند جہاں! فریاد ہے فریاد ہے   ہیں گرفتار بلا تیرے عباد المخلصیں

رحم کر اے کبریا! اے پاک و برتر رحم کر   مسلموں کی لاج رکھ لے یا الٰہ العالمیں

حافظ دیں ہے فقط اک دولت عثمانیہ   کیوں نہو تی اسکی بد اندیش غربی سرزمیں

---

[1] ان الدین عند اللہ الاسلام

وہ ڈریپولی جو تھی مفتوح عثمانِ غنی ۔۔۔ اسپہ قابض ہوگئی ہے اٹلی کو تاہ بیں
پیر گردوں نے یہ لا لقا اوچشمانِ نجوم ۔۔۔ یہ زبردستی نہ دیکھی ہوگی دنیا میں کہیں
ہے محافظ آج وہ عالم میں بیت اللہ کی ۔۔۔ تو بھی ہو اس کا محافظ ربِ عالم آفریں!

اہل اٹلی کو شکستِ فاش ہو اس جنگ میں
فتح ہو ترکوں کی۔ آمیں۔ یا الہ العالمیں

راقمہ
ز۔ خ۔ ش

"زنانہ حاضر جوابیاں"

عنوان بالا پر اب تک پانچ چھ مضمون رسالۂ خاتون میں مینے نہایت دلچسپی کے ساتھ دیکھے۔ بہت دن سے میں بھی ارادہ کر رہی تھی کہ اسپر ضرور کچھ لکھوں مگر افسوس کہ زمانہ کے انقلابات تقدیر کی گردش نے موقع نہ دیا آج اسی عنوان پر ایک مضمون مکرمہ بہن۔ ا۔ ب۔ ن۔ صاحبہ کا رسالۂ خاتون بابت ماہ نومبر میں نظر پڑا چونکہ اس مضمون میں بہن موصوفہ نے خاکسار کو توجہ دلائی ہے آج فرض جانکر چند سطور لکھنے بیٹھی ہوں۔

پیاری مکرمہ بہن ز۔ خ۔ ش صاحبہ اور آ۔ ب۔ ن صاحبہ کی راے سے مجھے پورا اتفاق ہے اور میں بھی بہت زور سے اُنکی تائید کرتی ہوں۔ زنانہ حاضر جوابیوں کو مختلف کتابوں رسالوں سے ڈہونڈہ کر ایک رسالہ کی شکل میں جمع کرنے سے ایک نہایت دلچسپ رسالہ تیار ہونے کے علاوہ مستورات کی حاضر جوابیاں جو زمانہ گذشتہ کی تعلیم یافتہ خواتین کی ذہانت و لیاقت کا پورا ثبوت ہیں۔ اور جو زمانہ حال کی

مستورات کے لیے باعث فخر ہیں سنگدل زمانہ کے ہاتھوں تلف ہونے سے بچ جائینگی نیز بقول ایڈیٹر صاحب خاتون " ایک مجموعہ نسوانی ذہانت و طباعی کا بہترین نمونہ اور نہایت دلچسپ اور دلکش رسالہ ہوگا۔

ناظرات خاتون میں بہت سی بی بیاں بفضل خدا ایسی موجود ہیں جو اس کام کو نہایت آسانی کے ساتھ خاکسار سے بدرجہا بہتر انجام دیسکتی ہیں اور خود مکرمہ بہن ا۔ب ان صاحبہ و بہن ز-خ-ش صاحبہ اور ا خ ش صاحبہ جیسی قابل فخر اعلی التعلیم یافتہ بہنیں اپنی خداداد قابلیت اعلیٰ لیاقت سے ایسے کئی رسالے لکھ سکتی ہیں۔ لیکن بہن مکرمہ نے چونکہ خاکسار کو متوجہ کیا ہے میں اپنی عزیز بہن کی خاطر بخوشی اس خدمت کو اپنے ذمہ لیتی ہوں گو کہ میری ناچیز لیاقت ہرگز اس قابل نہیں کہ میں کسی کام کو ذمہ داری سے سکون کیا۔ میں اور کیا میری ناچیز تعلیم و واقفیت اور نہ اب وہ اگلا سا حوصلہ وہ ہمت وہ دل و دماغ باقی ہے جو خاطر جمعی کے ساتھ کسی کام میں ہمہ تن مشغول ہو جاؤں۔ تقدیر کی خوبی آسمان کی گردش نے دنیا میں کسی کام کا نہ رکھا سنگ حوادثات سے شیشۂ دل چکنا چور ہے انقلابات زمانہ سے دماغ پریشان ہوش بجا نہ دل ٹھکانے۔ بمصداق

ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانیوالے ہیں سامان تو گیا

اس حالت میں اپنے ٹوٹے ہوئے دل پریشان دماغ پست ہمت ناچیز تعلیم محدود واقفیت سے میری ناچیز کوشش بمصداق اس شعر کے ہے۔

مثال یہ میری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

چونکہ مینے اپنی زندگی اپنی قوم اپنے وطن اپنی ہم جنس بہنوں کی خدمت کے لیے وقف کردی ہے اور بہن مکرمہ موصوفہ کی خاطر مجھے اسقدر عزیز ہے کہ میں ہرگز نفی میں

وہ ٹریپولی جو تھی مفتوح عثمانِ غنی | اسپہ قابض ہوگئی ہے اٹلی کوتاہ بیں
پیرِ گردوں نے بہ لا لفا اوچشمانِ نجوم | یہ زبردستی نہ دیکھی ہوگی دنیا میں کہیں
ہے محافظ آج وہ عالم میں بیت اللہ کی | تو بھی ہو اس کا محافظ ربِّ عالم آفریں!

اہلِ اٹلی کو شکستِ فاش ہو اس جنگ میں
فتح ہو ترکوں کی۔ آمیں۔ یا الٰہ العالمیں

راقمہ
ز۔ خ۔ ش

"زنانہ حاضر جوابیاں"

عنوان بالا پر اب تک پانچ چھ مضمون رسالہ خاتون میں مینے نہایت دلچسپی کے ساتھ دیکھے۔ بہت دن سے میں بھی ارادہ کر رہی تھی کہ اسپر ضرور کچھ لکھوں مگر افسوس کہ زمانہ کے انقلابات تقدیر کی گردش نے موقع نہ دیا آج اسی عنوان پر ایک مضمون مکرمہ بہن۔ ا۔ ب۔ ن۔ صاحبہ کا رسالہ خاتون بابت ماہ نومبر میں نظر پڑا چونکہ اس مضمون میں بہن موصوفہ نے خاکسار کو توجہ دلائی ہے آج فرض جانکر چند سطور لکھنے بیٹھی ہوں۔

پیاری مکرمہ بہن ز۔ خ۔ ش صاحبہ اور آ۔ ب۔ ن صاحبہ کی راے سے مجھے پورا اتفاق ہے اور میں بھی بہت زور سے اُنکی تائید کرتی ہوں۔ زنانہ حاضر جوابیوں کو مختلف کتابوں رسالوں سے ڈھونڈھ کر ایک رسالہ کی شکل میں جمع کرنے سے ایک نہایت دلچسپ رسالہ تیار ہونے کے علاوہ مستورات کی حاضر جوابیاں جو زمانہ گذشتہ کی تعلیم یافتہ خواتین کی ذہانت و لیاقت کا پورا ثبوت ہیں۔ اور جو زمانہ حال کی

مستورات کے لیے باعث فخر ہیں سنگدل زمانہ کے ہاتھوں تلف ہونے سے بچ جائینگی نیز بقول ایڈیٹر صاحب خاتون " ایک مجموعہ نسوانی ذہانت و طباعی کا بہترین نمونہ اور نہایت دلچسپ اور دلکش رسالہ ہوگا۔

ناظرات خاتون میں بہت سی بی بیاں بفضل خدا ایسی موجود ہیں جو اس کام کو نہایت آسانی کے ساتھ خاکسار سے بدرجہا بہتر انجام دیسکتی ہیں اور خود مکرمہ بہین آ- ب- ان صاحبہ و بہن ز- خ- ش صاحبہ اور ا- خ- ش صاحبہ جیسی قابل فخر اعلی التعلیم یافتہ بہنیں اپنی خداداد قابلیت اعلی لیاقت سے ایسے کئی رسالے لکھ سکتی ہیں۔ لیکن بہن مکرمہ نے چونکہ خاکسار کو متوجہ کیا ہے میں اپنی عزیز بہن کی خاطر بخوشی اس خدمت کو اپنے ذمہ لیتی ہوں گو کہ میری ناچیز لیاقت ہرگز اس قابل نہیں کہ میں کسی کام کو ذمہ داری سے کیکر سکوں کیا میں اور کیا میری ناچیز تعلیم و واقفیت اور نہ اب وہ اگلا سا حوصلہ و ہمت وہ دل و دماغ باقی ہے جو خاطر جمعی کے ساتھ کسی کام میں ہمہ تن مشغول ہو جاؤں۔ تقدیر کی خوبی آسمان کی گردش نے دنیا میں کسی کام کا نہ رکھا سنگ حوادثات سے شیشۂ دل چکنا چور ہے انقلابات زمانہ سے دماغ پریشان ہوش بجا نہ دل ٹھکانے۔ بمصداق

ہوش و حواس تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانیوالے ہیں سامان تو گیا

اس حالت میں اپنے ٹوٹے ہوئے دل پریشان دماغ پست ہمت ناچیز تعلیم محدود واقفیت سے میری ناچیز کوشش بمصداق اس شعر کے ہے۔

مثال یہ میری کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
کرے قفس میں فراہم خس آشیاں کے لیے

چونکہ مینے اپنی زندگی اپنی قوم اپنے وطن اپنی ہم جنس بہنوں کی خدمت کے لیے وقف کردی ہے اور بہن مکرمہ موصوفہ کی خاطر مجھے اسقدر عزیز ہے کہ میں ہرگز نفی میں

جواب نہیں دیسکتی لہذا میں بسروچشم اس خدمت کو قبول کرتی ہوں اور بشرط زندگی حتی الامکان بہت جلد ایک رسالہ بعنوان زنانہ حاضر جوابیاں مختلف کتابوں اور رسالۂ خاتون و دیگر رسالجات سے جمع کرکے نیز عالم فاضل لوگوں سے دریافت کرکے اور جہانتک مجھ سے ممکن ہو نہایت صحت و تحقیق کے ساتھ مرتب کرکے اپنی پیاری بہنیں ا۔ ب۔ ن صاحبہ اور ز۔ خ۔ ش صاحبہ کی اور قوم کی خدمت میں پیش کرونگی۔ میں اپنی کل ناظرات خاتون بہنوں اور ناظرین بھائیوں سے استدعا کرتی ہوں کہ اگر انہیں زنانہ حاضر جوابیاں یاد ہوں تو براہ کرم رسالہ خاتون میں شائع کروانیکی تکلیف گوارا فرمائیں تاکہ خاکسار کو رسالہ تیار کرنے میں آسانی ہو۔ اور زنانہ حاضر جوابیاں تلف ہونے سے بچ جائیں اور جابجا بکھرے ہوئے موتی ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

خاکسار

رابعہ سلطان بیگم

زنانہ حاضر جوابیوں کا مجموعہ تیار کرنے کے لیے ہم نے مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کو منتخب کیا ہے جو بوجہ وسعت معلومات خاص طور پر اس کام کے لیے موزوں ہیں۔ مگر ابھی فارس کی بیگمات اور خواتین کے حالات کے متعلق چند خاص کتابوں کا انتظار ہے جن میں اسی قسم کے لطائف کے ملنے کی بہت کچھ امید ہے اسلیے خواتین اور بیگمات کو جسقدر زنانہ حاضر جوابیوں کی مثالیں مل سکیں وہ خاتون میں شائع کرادیں لیکن ان کا مجموعہ مع اضافہ کے اسوقت شائع ہوسکیگا جب کتب مطلوبہ آجائینگی۔

باوجود اسکے ہم رابعہ سلطان بیگم کی کوشش میں کبھی رکاوٹ ڈالنی نہیں چاہتے وہ اگر چاہتی ہیں تو اپنے حسب منشاء خاتون و نیز دوسرے رسالوں سے زنانہ حاضر جوابیاں مرتب کرسکتی ہیں۔

اڈیٹر

گلاب کا پھول اور معصوم بچہ

مارکوئس گارڈن کے چو طرفہ سُرخ سُرخ بجری پڑی ہوئی سڑک کے کنارے شاہ بلوط کے تناور درختوں کا جھنڈ اور سبزے کے ہرے ہرے قطعوں کے چاروں طرف گلاب کے نازک پودوں کی قطاریں جنپر اُوس کے قطرے موتیوں کی بہار دکھا رہے تھے، طلوع آفتاب سے قبل ایسا دلفریب نظارہ جسکی تصویر دیکھنے والوں کی آنکھوں سے مدتوں اوجھل نہو گی۔

چودھویں رات کے چاند کی روشنی رفتہ رفتہ پھیکی پڑتی جارہی تھی، تارے غائب ہونے شروع ہو گئے تھے اور رات کی آخری گھڑیاں ختم ہو کر گرجا کا گھڑیال صبح صادق کا مژدہ سنا رہا تھا کہ ایک آٹھ دس سال کا بچہ اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے، مصائب و آلام سے بیخبر اچھلتا کودتا باغ کے شمالی پھاٹک سے اندر داخل ہوا۔

جیمس کا باپ اگرچہ زیادہ دولتمند نہیں تھا لیکن اپنے حوصلہ اور بساط کے موافق اُسنے اچھی خاصی دولت پیدا کر لی تھی۔ لورپول کے کئی کارخانوں میں اس کے حصے تھے اور تمام بڑے بڑے سوداگر اُس کی نیک نیتی اور ضعیف العمری کی وجہ سے اُس کی عزت کرتے تھے۔ زندگی کے آخری دنوں میں خدا نے اُس کی مُراد پوری کی تھی اور حقیقت کی نظر سے دیکھا جاے تو آرتھر کو عمر بھر میں جیمس کے پیدا ہونے سے زیادہ کوئی خوشی نصیب نہیں ہوئی ہو گی۔

جیمس کی بدقسمتی کھویا ایلین کا رنڈاپا، ایک مُہلک مرض میں مبتلا رہ کر آرتھر نے چند ہی مہینوں میں جان دیدی اور اپنی تمام امیدوں پر حسرت بھری نظر ڈال کر

ہمیشہ کے لیے آرام سے جا سویا۔

ایلین بڑی صابر اور سمجھدار عورت تھی، اُس نے زمانہ کا نشیب و فراز بہت کچھ دیکھا تھا اور اپنے سے زیادہ سیکڑوں بدنصیب عورتیں اُس کی نظر سے گذری تہیں۔ آرتھر کی موت کا صدمہ (اگرچہ) اُسکے جسم کو گھلا ڈالنے کے لیے کافی تہا لیکن ایلین نے کلیجہ پر پتھر رکھکر اُن تمام مصائب و آلام کو صبر کے ساتھ برداشت کیا اور اپنے آیندہ امیدوں کے سلسلہ کو جیمس کی ننہی سی جان سے وابستہ کرکے مرحوم خاوند کے تمام کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اس آٹھ سال کے عرصہ میں بڑے بڑے انقلاب ہوگئے، سیکڑوں جوان عورتیں بیوہ۔ بیسیوں معصوم بچے یتیم، ہزاروں دولتمند مفلس اور لاکھوں ٹکرگدا مالدار کہلائے جانے لگے جیمس نے بہی اب نویں برس میں قدم رکھکر ماں کے غموں کو کسیقدر معدوم کرنے کی کوشش شروع کی اور جہاں تک ہوسکا اپنے آپ کو ایلین کے احکام کی بجاآوری میں مصروف رکہا۔

آج کی صبح ایلین کے چند غمناک گہنٹوں میں سے تھے۔ رات بہر اُسے پریشان خواب نظر آتے رہے، ایسا معلوم ہوتا تہا کہ کوئی آسمانی دیوی اُسے اپنی طرف بلا رہی ہے لیکن اُسکا جی نہیں چاہتا کہ جیمس کو تنہا چھوڑکر اُسکے ساتھ چلی جاے بعض ہیبتناک صورتیں اُسے ڈرانے اور جیمس کو اُس سے چہین لینے کی کوشش کرتی تہیں مگر وہ اپنی پوری طاقت سے اُن کے حملوں کو روکتی اور اپنے پیارے فرزند کو چہاتی سے لگاکر چہپا لیتی تھی۔ اس کشمکش سے تنگ آکر ایلین نے مجبوراً لمپ کی بتی کو اکسایا اور جب تک چاند کی روشنی غائب ہوکر صبح کا سہانا منظر نہ دکہائی دینے لگا ٹینی سن کی ایک مشہور نظم سے اپنے پراگندہ خیالات کو یکجا کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

گھڑیال نے گڑگڑ کر کے پانچ بجائے۔ گرجا کے گھنٹے نے غافلوں کو آگاہ کرنے میں اپنی پوری طاقت سے کام لیا، پولیس کے چوکیدار اور مالدار گروں کے نگہبان ایک ایک کر کے کسکنے لگے۔ ایلین نے بھی جیمس کو بیدار کیا اور دونوں ماں بیٹے کچھ ناشتہ کرنے کے بعد مارکوئس گارڈن کی سیر کو روانہ ہو گئے۔

باغ کے محافظ اور باغبان آنکھیں ملتے ایک دوسرے کے پیچھے چلے آرہے تھے۔ شبنم کی چھوٹی چھوٹی بوندیں ٹپ ٹپ کر نیچے گر رہی اور گلاب کی کلیاں کچھ بند کچھ کھلی ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی دھن میں اپنا پورا لطف دکھا رہی تھیں۔ جیمس کی زبان سے بے اختیار اماں کیسا سہانا وقت ہے، کیسے اچھے پھول ہیں، نکلا اور ساتھ ہی اس معصوم بچہ نے سامنے کے درخت سے ایک بڑا سا پھول توڑ لینے کی کوشش میں اپنا ہاتھ دراز کیا۔

ماں ذرا فاصلہ پر اپنے خیالات میں غرقاب کھڑی تھی۔ بچہ نے پھول توڑ لیا اور محبت بھری نظروں سے ہاتھ میں لیے کبھی سونگھتا کبھی سینہ سے لگاتا ماں کو دکھانے کی نیت سے آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ یکایک پھول ہاتھ سے گر کر ریزہ ریزہ ہو گیا، پتیاں ہوا میں اُڑنے لگیں۔ بچے کے مُنہ سے اماں میرا پھول کی آواز نکلی" اور ساتھ ہی کسی گہرے خیال نے اُسے بیہوش کر دیا۔

مارکوئس گارڈن کا سپرنٹنڈنٹ اور مالی ایلین کے گرد جمع ہو گئے۔ بچہ کو ہوش میں لانے کی تدبیر کی گئی اور کئی گھنٹے کی کوشش کے بعد جیمس نے دزدیدہ نگاہوں سے ماں کی محبت بھری صورت دیکھ کر کروٹ بدلی۔

اس غیر معمولی حادثہ سے مارکوئس گارڈن میں ایک شور مچ گیا۔ گلاب کی منتشر پتیاں جمع کی گئیں اور جیمس کو اُس کی ماں سمیت قریب کے ایک شفا خانہ میں علاج

کے لیے بھیجدیا گیا۔

روزانہ اور ہفتہ وار اخباروں میں جیمس کی اس اتفاقیہ علالت کا حال سنکر آرتھر کے ملاقاتی اور رشتہ دار جوق جوق مریض کو دیکھنے آنے لگے۔ ہر ایک اس کی تندرستی کا خواہاں تھا اور سب کی یہ خواہش تھی کہ جیمس جسقدر جلد اچھا ہو جاے بہتر ہے۔

رفتہ رفتہ جیمس اچھا ہوتا گیا، اس کی وہ شکایت اب بالکل جاتی رہی۔ ڈاکٹروں نے تشخیص کیا کہ جیمس کا بیہوش ہو کر کمزور ہو جانا گلاب کی پتیوں کے یک بیک منتشر ہو جانیکا صدمہ تھا۔

شفاخانہ کے بڑے ڈاکٹر نے بہت سے صاحب اولاد لوگوں کو جمع کرکے جیمس کے حوالے سے ایک طول طویل تقریر کرکے ثابت کیا کہ بچوں پر ایسے اتفاقیہ صدمات کا اثر کسقدر بڑا پڑتا ہے اور والدین کو ابتدا سے چھوٹے چھوٹے صدمات و تفکرات میں بچوں کو شریک نہ کرنیکا نتیجہ کیسا خراب نکلتا ہے۔ جیمس نے بھی اس کی تصدیق کی کہ مجھے اس سے پہلے ایسا کوئی ناگہانی حادثہ پیش نہیں آیا اور گلاب کے پھول کا یکایک ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا مجھے وہ پہلا صدمہ ہے جسکا اثر اب تک زائل نہیں ہوا۔

سید مظہر حسین اختر
(میرٹھی)

تجویز

دربارہ

نصاب تعلیم مدارس اُناث

از رشحات قلم

علیا حضرت جناب نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ جی۔ سی۔ ایس
آئی۔ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ آف بھوپال

دیباچہ ہندوستان میں تعلیم نسوان جیسے اہم اور وقیع مسئلہ پر جس تساہل اور تغافل سے قدم اُٹھایا گیا ہے۔ وہ اہل نظر کے لیے محتاج بیان نہیں ہے۔
ایک عرصے تک تو یہی طے نہیں ہوا کہ آیا صنف نازک پر تعلیم کا بار ڈالنا چاہیئے بھی یا نہیں
آخر جب خدا خدا کرکے مدتوں کے غور و خوض اور برسوں کے بحث مباحثے کے بعد
تعلیم نسوان کی ضرورت تسلیم کر لی گئی۔ تو پھر یہ مرحلہ پیش آیا کہ یہ تعلیم ہو کس قسم کی۔ باوجودیکہ
اس مسئلہ کے صحیح اور عمدہ فیصلہ پر ہندوستان کی آیندہ بہبودی اور صلاح و فلاح
کا زیادہ تر دارومدار ہے۔ مگر پھر بھی افسوس کی بات ہے کہ ہمارے اصحاب راے نے ابتک
وہ توجہ نہیں کی۔ جسکا اپنی اہمیت اور شان کی وجہ سے یہ مسئلہ مستحق تھا۔ حالانکہ منزل مقصود

اب بھی بہت دور ہے۔ اور یہ سوال اسکا دوسرا زینہ ہے۔ کیونکہ اسکے بعد عمدہ کتب درسی اور لائق اور قابل اُستانیوں کا مُہیا کرنا ایک اور نہایت مشکل اور اہم کام ہے۔ جسکا ابھی تک کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوا۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود بھی آثار اچھے معلوم ہوتے ہیں اور نااُمیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ قوموں کی بیداری اور ملکوں کی اصلاح ہفتوں اور مہینوں کا کام نہیں ہے۔ تعلیم نسوان کے لیے جابجا مدرسے قائم ہوچکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ طریقہ تعلیم کی تعلیم کے لیے نارمل ٹریننگ سکول بھی جاری ہو گئے ہیں لوگوں نے اپنی مادری زبانوں میں خاص لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ان کے مناسب حال کتابیں بھی تصنیف و تالیف کرنی شروع کر دی ہیں۔ غرضکہ ہر ایک پہلو سے کچھ نہ کچھ کام ہو رہا ہے جس میں سب سے زیادہ شکریے کے قابل گورمنٹ ہے جسکی کوشش قدردانی اور ہمت افزائی سے یہ پسندیدہ نتائج پیدا ہوئے ہیں۔

یہ سب کچھ ہے۔ مگر ابھی تک ایک نہایت ضروری بات کی کمی خاص طور پر کھٹکتی ہے تعلیم نسوان کا شور تو اٹھا ہے۔ لیکن اب تک ہندوستان میں اس تعلیم کا کوئی عمدہ اور مناسب نصاب تجویز نہیں ہوا جو مدرسے جاری ہیں۔ وہ یا تو اپنی اپنی پسند کردہ کتابیں پڑھاتے ہیں۔ یا اُسی نصاب کی پابندی کرتے ہیں۔ جو مدارس ذکور میں رائج ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدا نے عورتوں اور مردوں کو مختلف کاموں کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور دونوں کے جدا جدا فرائض بنائے ہیں۔ جنکا معاشرت ہند کے لحاظ سے متحد ہونا قرین قیاس نہیں ہے اسلیے کیونکر ہوسکتا ہے۔ کہ جو تعلیم و تربیت ایک فریق کے لیے مفید ہو۔ وہی دوسرے کی زندگی میں بھی کارآمد پائی جائے۔ یہ صحیح ہے کہ یونیورسٹیوں نے اس شعبے کو بھی اپنے سایۂ شفقت میں لے لیا ہے۔ مگر چونکہ ابھی تک عموماً ہندوستانی اور خاصکر مسلمان لڑکیاں یونیورسٹی کے امتحانوں کے درجہ تک بہت کم پہنچی ہیں۔ اسلیے یونیورسٹیوں کا اثر بھی زیادہ نمایاں نہیں ہوتا۔

جب علیگڈھ میں زنانہ نارمل اسکول قائم کرنے کی تجویز ہوئی اور سید عبداللہ صاحب نے اپنے لکچر میں اس امر کی ضرورت ظاہر کی تو مینے تعلیم اُناث کا عمدہ نصاب تیار کرنے کے لیے ایک معقول رقم انعاماً و امداداً دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ باوجودیکہ اس بات کو بھی بہت دن ہو گئے۔ مگر اب تک اسپر کوئی خاطر خواہ نتیجہ ظہور پذیر نہوا۔

اب کہ دیر میجسٹیز کی تشریف آوری نے ہندوستان کی سیاسی تمدنی اور معاشرتی تاریخ میں ایک نیا ورق اُلٹ دیا ہی ہر قوم اور ہر صوبہ مختلف اور مناسب صورتوں میں اس شاندار اور بے مثال واقعہ کو اپنی زندگی کے صفحے پر زرنگار الفاظ میں لکھنے کی کوشش کر رہا ہی۔ مروجنکی تعلیم ایک بلند پایہ تک پہونچ چکی ہی۔ اپنے دار العلوم قائم کر رہے ہیں۔ مجھے مناسب معلوم ہوا کہ میں بھی صنف ضعیف کی وکیل بنکر اپنا مجوزہ نصاب تعلیم اصحاب نظر کے سامنے پیش کروں۔ تاکہ سب کی مصلحت بینی اور رائے زنی کے بعد علی الاتفاق یہ اہم مسئلہ طے ہوجاے اور یوں اس شاندار اور مبارک موقع پر تعلیم اُناث کا سنگ بنیاد نصب کر دیا جاے۔ جسپر خدا کی عنایت گورنمنٹ کی حمایت اور اہل قوم کی سعی سے مجھے پوری امید ہی کہ ایک دن ایسی عظیم الشان عمارت قائم ہوجاے جو ہر طرح اس قابل قدر موقعے کی شان کے شایاں اور تمام سرزمین ہندوستان کے لیے باعث خیر و برکت ثابت ہو۔

مینے جو نصاب پیش کیا ہی وہ کسی طرح قطعی اور آخری نہیں کہا جاسکتا۔ اور گو مینے حتی الامکان اسپر پورا غور و فکر کیا ہی۔ اور اس کی ترتیب میں اُن تمام باتوں کو مد نظر رکھا ہی جو اپنی ریاست کے زنانہ مدارس کے حالات و ضروریات کو دیکھتے ہوئے مجھے لڑکیوں کے لیے کارآمد معلوم ہوئی ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ صرف ایک تجویز ہی اور اسپر جسقدر زیادہ توجہ سے رائے زنی کیجاے۔ اسیقدر اسکے مفید اور مکمل ہونے کی زیادہ امید ہوگی۔ کیونکہ یہ امر اہم کام کسی فرد واحد کے کرنیکا نہیں ہی بلکہ تمام قوم اور سارے ملک کی اعانت اور ہمدردی کا محتاج ہی۔ اور میں بالخصوص اصحاب قلم اور ارباب دل کو اسی طرف متوجہ کرتی ہوں کہ وہ اس مختصر تجویز

پر مناسب تامل فرما کر مجھے نہیں بلکہ تمام ابنائے ملک کو ممنون کریں۔ اس سے پہلے چند مرتبہ میں نے روسائے ہند کی اعلیٰ تعلیم کی بابت بھی اپنے کچھ خیالات ظاہر کیے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ کسی وقت انکی طرف بھی کامل توجہ ہوگی۔ اور میری تجاویز حسب دلخواہ بارآور ہونگی۔ کیونکہ مجھے پورا اطمینان ہے کہ دنیا میں کوئی کوشش رائگاں نہیں جاتی۔ لیکن بحکم کُلُّ اَمرٍ مَرھُونٌ بِاَوقَاتِھَا ہر ایک بات خواہ وہ کیسی ہی مفید اور کتنی ہی ضروری کیوں نہو۔ اپنے گرد وپیش کے حالات وخیالات سے وابستہ ہے اور اپنے معین وقت اور مناسب زمانے سے پہلے صورت پذیر نہیں ہوسکتی۔

اب میں اس مختصر دیباچے کے بعد اپنی تجویز دربارۂ نصاب سب اصحاب کے سامنے پیش کرتی ہوں اور خدا سے دعا مانگتی ہوں کہ وہ اسے ملک کے لیے سودمند اور قابل قبول بنائے۔

تمہید ۱۔ مدرسہ نسوان کے نصاب کے متعلق امور ذیل قابل توجہ ہیں۔

۱۔ اس نصاب میں گیارہ سال کا درس رکھا گیا ہے کیونکہ مدرسوں میں عموماً ہندوستانی بچوں کی تعلیم کا زمانہ ۵۔ ۶ سال کی عمر سے شروع ہوکر ۱۶۔ ۱۷ سال کی عمر تک ختم ہوجاتا ہے۔ اس تمام میعاد کے تین حصے کردیے گئے ہیں۔

اول۔ ورناکیولر (اردو یا ہندی زبان میں تعلیم) کا زمانہ (انگلو ورناکیولر (اردو یا ہندی نیز انگریزی زبان میں تعلیم کا زمانہ (سوم) ہائی اسکول (بغرض امتحان یونیورسٹی) کی تعلیم کا زمانہ ان لڑکیوں کے لیے جو تعلیم انگریزی نہیں پانا چاہتی ہیں ورناکیولر درس ۶ سال کا رکھا گیا ہے اور دیگر لڑکیوں کی ضرورت تعلیم کے خیال سے چوتھے سال کے اختتام پر پڑھائی کی گنجائش کردی گئی ہیں۔ انگلو ورناکیولر کے نصاب کے مقرر کرنے میں ضرورتاً اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ وہ ہائی اسکول کی پڑھائی میں کارآمد ہو۔ تاکہ لڑکیاں اگر چاہیں تو بتدریج الہ آباد یونیورسٹی کے امتحان میٹرک کے لیے تیار ہوسکیں۔

۲- کورس مجوزہ کے انتخاب میں ایسے مضامین کی تعلیم کا کہ جو ہندوستانی لڑکیوں کی آیندہ ضرورتوں کے لحاظ سے کارآمد ہوں بالخصوص التزام رکھا گیا ہے تاکہ لڑکیاں جب فارغ التحصیل ہوں تو اپنے فرائض منصبی و خانہ داری میں اچھی طرح ماہر ہوں اور اسی خیال سے علاوہ معمولی درس کے اس قسم کے مضامین کی جانب جیسے کہ ذیل میں بیان کیے گئے ہیں خاص توجہ دلائی گئی ہے علم الدین و اخلاق و سندکاری مثلاً کاغذ یا کاغذ کے سخت تختوں اور وصلیوں کی چیزیں بنانا۔ مٹی کی چیزیں بنانا۔ نقاشی۔ مصوری (ڈرائنگ) رنگ آمیزی (پنٹینگ) سوزن کاری۔ انتظام خانہ داری۔ تیمارداری۔ خفیف امراض و معمولی شکایات کا معالجہ وغیرہم۔

۳- درس کی تقسیم نقشہ ذیل سے اندازاً معلوم ہوسکتی ہے۔

نمبر شمار	مضامین	ورناکیولر اسکول	اینگلو ورناکیولر اسکول	ہائی اسکول
۱	اخلاق و دینیات	۶	۶	۶
۲	ورناکیولر (اردو و ہندی)	۸	۵	۵
۳	ریاضی	۴	۴	۶
۴	طبعیات معہ خانہ داری و حفظان صحت سبق اشیاء	۲	۲	۵
۵	تواریخ	۲	۲	۳
۶	جغرافیہ	۲	۲	۲
۷	صنعت و حرفت	۵	۴	۰
۸	سوزن کاری	۵	۲	۲
۹	موسیقی	۳	۱	۰
۱۰	ڈرل	۲	۲	۰
۱۱	انگریزی	-	۹	۱۰
۱۲	فارسی	۰	۰	۰
	میزان کل	۳۹	۳۹	۳۹

نوٹ ہفتہ میں چھ روز پڑھائی ہوگی۔ ایک روز نصف دن تعطیل رہیگی۔ پڑھائی کے پورے ایام میں ۵¼ گھنٹہ کام ہوا کریگا اور اس کل وقفہ کو (¾) پون پون گھنٹہ کے سات مساوی حصوں میں تقسیم کر لیا جائیگا۔ اس اسکیم کے متعلق یہ کہنا ایک نہایت ہی ضروری بات ہے کہ اسکی تکمیل اور کامیابی قابل اور لائق استانیوں کی ایک کافی تعداد کے تقرر پر منحصر ہے۔ ہر ورناکیولر اسکول میں مع مہتممہ مدرسہ کے ۸ استانیاں ہونی چاہیئں اور اینگلو ورناکیولر میں ۵ استانیاں چاہیئں اور ہائی اسکول کے لیے چار اور ہر ایک کے لیے دن میں چھ پیریڈ کام ہونا چاہیے۔ کسی درجہ میں ۳۰ لڑکیوں سے زیادہ داخل نہ کی جائیں۔ لڑکیوں کی زیادتی کی حالت میں مزید معلمات کی ضرورت ہوگی۔ اگر اتنی استانیوں کا انتظام نہ ہوسکے تو مضامین کم کر دینے چاہیئں تاکہ جسقدر کام ہو اچھی طرح پر ہو۔

نصاب ہذا ماڈل اسکولوں کے نصاب کے موافق رکھا گیا ہے۔ اور اسپر اچھی طرح عملدرآمد مدرسہ کی مجموعی حالت پر منحصر ہے۔

اس موقع پر اس امر کی جانب توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی اخلاقی تعلیم و تربیت کو ایک اچھے پیمانہ پر قائم رکھنے کے لیے ایسی لڑکیاں جن کی عمر بہت زیادہ ہو بالخصوص وہ جن کی شادی یا نکاح ہوگیا ہے اور جن کی عمر دس سال سے زیادہ ہے مدرسہ میں داخل نہ کیجاویں۔ اور اگر ایسی لڑکیوں کو داخل کرنے کی ضرورت ہو تو انکے لیے ایک خاص جماعت قائم کیجاوے۔

۴۔ حساب کے درس میں معمولی مدارس کے مقابلہ میں کسیقدر کمی کر دی گئی ہے بدیں نظر کہ حساب میں بہت سے ایسے قاعدے ہیں جو اگرچہ خاص حالتوں میں مفید ہیں لیکن عموماً کارآمد نہیں ہوتے بلکہ لڑکیوں کے لیے کسیقدر فضول و زائد ہوتے ہیں مثلاً سود مرکب جذر مکعب وغیرہ اگرچہ یہ قاعدے اور مدارس میں سکھلائے جاتے ہیں لیکن ہمارے مدرسہ کے درس میں اور انکی پڑھائیوں میں دینیات وغیرہ کی تعلیم کی وجہ سے بہت تفاوت پڑ جاتا ہے۔

اسیوجہ سے اُنکو ضرورتاً حذف کردیا گیا ہی۔

۵۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہی مدرسہ کی خاص ضرورتوں کے خیال سے تواریخ وجغرافیہ کا درس بھی کسیقدر کم کردیا گیا ہو مگر اس امر کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہو کہ تاریخ اور جغرافیہ دونوں کو ایک دوسرے سے باہم مرتبط کرکے پڑھایا جائے۔

۶۔ حسب مصرحہ ذیل مختلف مضامین کے لیے کتابیں تجویز کی گئی ہیں۔

اخلاق ودینیات	اسکے لیے کتابیں منتخب کی جارہی ہیں (پاکیزہ خیالات)
ورناکیولر (اردو ہندی)	اردو سلسلہ ریڈران تعلیم نسواں (گرل اسکولونکے لیے) پنجاب ہندی سلسلہ ریڈران تعلیم ممالک متحدہ آگرہ واودھ۔
اسباق الاشیا وغیرہ	سلسلہ ریڈران تعلیم پنجاب۔
صنعت وحرفت	سلسلہ ریڈران تعلیم پنجاب (نولٹن صاحب کا اطوار بازیچہ)
انگریزی	سلسلہ ریڈران تعلیم ممالک متحدہ آگرہ واودھ۔

درجہ ہفتم

(الف)	(ب)
۱۔ سفری صندوق یا ٹرنک	۱۔ تیر وکمان
۲۔ میز	۲۔ بٹوہ (منی بیگ)
۳۔ کرسی	۳۔ درانتی (یا ہنسیا)
۴۔ پھاوڑا	۴۔ حقہ
	۵۔ چھتری
	۶۔ دیہاتی گاڑی

(ج) | (د)

۱- آم کا درخت مع ایک یا دو شاخ و پتیاں و پھل | ۱- گائے
۲- برگد کا درخت مع ایک یا دو شاخ و پتیاں و پھل و لٹکتی ہوئی جڑیں۔ | ۲- تیندوا
۳- بھٹ کٹائی کا پھل | ۳- گھڑیال
۴- بھٹ کٹائی | ۴- ہاتھی

درجہ ششم

(الف)

۱- ہتوڑا
۲- زینہ لکڑی کا
۳- آری
۴- مونڈھا (بیٹھنے کا)
۵- مقراض

(ب)

۱- گملہ
۲- کلہاڑی۔ تیشہ
۳- چونگی

(ج)

۱- فرن کی پتی
۲- گلاب کا پھول
۳- شاخ مع پتیاں
۴- کھجور کا درخت

(د)

۱- شغال (گیدڑ)
۲- شیر
۳- گھوڑا

درجہ پنجم

(الف)

۱- چمٹی

(ب)

۱- چمچہ

۲- پرکار
۲- دیسی جوتا
۳- پنکھا
۳- پنجرا (پرندوں کا)
۴- مکان - جھونپڑی
۴- کیتلی

(ج)
۱- پیپل کا پتہ
۲- سورج مکھی کا پھول
۳- پیاز
۴- کھیرا

(د)
۱- مچھلی
۲- خرگوش (بیٹھا ہوا)

درجہ چہارم

(الف)
۱- کرکٹ کا بلا
۲- صندوق
۳- ٹوکری

(ب)
۱- پہیّہ
۲- ڈولچی
۳- ٹونٹی
۴- پھکنی یا (سنے)

(ج)
۱- بیگن کا پھول
۲- بیگن (پھل)
۳- انار
۴- املی کی پتی

(د)
۱- تتلی
۲- خرمگس
۳- کوّا
۴- کتّا

درجہ سیوم

(الف)
۱- کنجی

(ب)
۲- بوتل

۲۔ قلمتراش
۲۔ تھیلا
۳۔ جھاڑو
۳۔ قفل

(ج)

۱۔ مولی یا گاجر
۲۔ کیلا
۳۔ ارنڈ کا پتہ
۴۔ کنول کا پتہ
۵۔ کنول کا پھول

(د)

۱۔ شہد کی مکھی
۲۔ گھونگا
۳۔ چڑیا (بیٹھی ہوئی)
۴۔ بلی (بیٹھی ہوئی)

درجہ دوم

(الف)

۱۔ سیٹی
۲۔ مربع آئینہ
۳۔ جھنڈا
۴۔ کنگھا دیسی

(ب)

۱۔ چار کا پیالہ
۲۔ نقارہ
۳۔ توا آہنی (کھانا پکانے کا)
۴۔ چکی (دستی)
۵۔ لوٹا
۶۔ گدیلہ

درجہ اول

(الف)

۱۔ قلم
۲۔ کتاب
۳۔ بانس

(ب)

۱۔ ٹم ٹم (گاڑی)
۲۔ گھنٹی
۳۔ ٹوپی

۴- چابک یا کوڑا
۵- دیسی ترازو

۴- بیضاوی شکل کی رکابی
۵- کانچ کا گلاس

(ج)

۱- تربوز
۲- امرود
۳- گل ہزارہ (گیندے کا پھول)
۴- بڑ کا پتہ

(د)

۱- ہرن
۲- لڑکا

درجہ ابتدائی

(الف)

۱- چڑی
۲- پنسل
۳- سلیٹ
۴ لفافہ

(ب)

۵- گیند یا ممبر
۶- انڈا
۷- پتنگ
۸- لٹو (بھونرا)

(ج)

۱- نارنگی
۲- انجیر
۳- آم
۴- آم کا پتہ

(د)

۱- لڑکا
۲- چوزہ

- ابتدا میں جب چیزوں کا ڈرائینگ سلیٹ - کاغذ یا بورڈ پر بنایا جاوے تو محض خاکہ ہی بنایا جاوے -

ان اشیاء کے ڈرائنگ جو نصاب میں منتخب کیے گئے کبھی کبھی بلا اصل چیزوں کو

دکھلائے محض یادداشت سے کھنچوانے کی ہی مشق کرانی چاہیئے۔
برش سے رنگین ڈرائینگ بنانے یا رنگین چاک سے ڈرائینگ بنانے کی بھی عادت ڈالنی چاہیئے لیکن اس قسم کی ڈرائینگ کے لیے وہی چیزیں لینی چاہئیں جنکا نصاب کے لیے انتخاب کیا جا چکا ہے۔

(ب)۔ سادہ پیمانہ پر ڈرائنگ۔

(ج)۔ جغرافیہ کے نقشے جو جماعت میں پڑھائے جاتے ہوں۔

۷۔ درجہ ششم (الف) سادہ ڈرائینگ سلیٹ کاغذ یا بورڈ پر حسب نقشہ منسلکہ۔

(ب)۔ آسان جومیٹریکل ڈرائینگ۔

(ج)۔ جغرافیہ کے نقشے جو جماعت میں پڑھائے جاتے ہوں۔

۸۔ درجہ ہفتم۔ الف۔ آسان ڈرائینگ سلیٹ۔ کاغذ یا بورڈ پر حسب نقشہ منسلکہ

ب۔ آسان جومیٹریکل ڈرائینگ۔

نوٹ۔ کل درس کو ذیل کے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ الف۔ بے جان چیزیں جنکے خاکہ میں زیادہ تر خط مستقیم ہوں۔

ب۔ نباتات کے مختلف نمونے۔

ج۔ حیوانات کے مختلف نمونے۔

۲۔ ہر سال دس اشیاء سے زیادہ نہ لی جانی چاہئیں۔

۳۔ ڈرائینگ کے نمونے انتخاب کرنے میں جہانتک ممکن ہو مختلف اقسام کی چیزیں لی جانی چاہئیں۔

۴۔ چوتھے درجہ اور اس سے اوپر کے درجوں میں انتخاب کی ہوئی اشیاء میں سے کم سے کم نصف کا ڈرائینگ اصل چیزوں کو دکھلا کر کرانا چاہیئے نہ کہ ان کی تصویر لیکے

ضمیمہ (۱)

پرائمری ورناکیولر اسکولوں میں ڈرائنگ کا نصاب

۱۔ درجہ ابتدائی۔ سادہ ڈرائینگ یعنی خاکہ کشی سلیٹ یا کاغذ یا بورڈ پر جیسا کہ نقشہ منسلکہ میں دکھلایا گیا ہے۔

۲۔ درجہ اول۔ سادہ ڈرائینگ یعنی خاکہ کشی سلیٹ یا کاغذ یا بورڈ پر جیسا کہ نقشہ منسلکہ میں دکھلایا گیا ہے۔

۳۔ درجہ دوم۔ الف۔ سادہ ڈرائینگ یعنی خاکہ کشی سلیٹ یا کاغذ یا بورڈ پر جیسا کہ نقشہ منسلکہ میں دکھلایا گیا ہے۔

(ب) سادہ آلات ڈرائنگ کا استعمال مثل پرکار یا فٹ رول۔

(ج) معمولی سادہ چیزوں کی پیمائش۔

۴۔ درجہ سیوم الف) سادہ ڈرائینگ یعنی خاکہ کشی سلیٹ۔ کاغذ یا بورڈ پر حسب نقشہ منسلکہ۔

(ب)۔ سادہ آلات ڈرائینگ کا استعمال مثلاً رول۔ فٹ رول۔ سیٹ اسکویر

(ج) معمولی سادہ چیزوں کی پیمائش

۵۔ درجہ چہارم (الف) سادہ ڈرائینگ یعنی خاکہ کشی سلیٹ کاغذ یا بورڈ پر حسب نقشہ منسلکہ۔

(ب) سادہ پیمانہ پر ڈرائینگ۔

(ج)۔ جغرافیہ کے نقشے جو جماعت میں پڑھائے جاتے ہوں۔

۶۔ درجہ پنجم (الف) سادہ ڈرائینگ سلیٹ کاغذ یا بورڈ پر حسب نقشہ منسلکہ۔

۹۔ پتوں کی جماعت بندی اور استعمال (طلباء اوپر بیان کیے ہوئے پودوں میں سے

کسی ایک کے پتوں کی تصویر کھینچیں)

۱۰۔ پھل (طلبا رنگترے۔ آم۔ یا کیلے کی تصویریں کھینچیں)

۱۱۔ ۲۰ تک خود انتخاب کریں۔

۱۰۔ گیہوں چاول باجرہ۔ مکئی گنے۔ اور بانس کا مقابلہ۔ تاکہ طلبا کو اناج والی جماعت کا تصور ہو جائے۔

۱۱۔ ۲۰ تک خود انتخاب کریں۔

اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ مندرجہ بالا اصطلاحات طلبا کو سکھائی جائیں۔ یہ اصطلاحات اس جگہ محض اسلیے درج کی گئی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ فہرست کس اصول پر تیار کی گئی ہے۔

پانچویں جماعت

ا۔ جانوروں پر سبق۔

۱۔ دودھ پلانے والے جانور (طلبا گائے کی تصویر کھینچیں)

۲۔ (طلبا ایک پرند کی تصویر کھینچیں)

۳۔ رینگنے والے جانور (طلبا سانپ کی تصویر کھینچیں)

۴۔ پانی اور خشکی دونوں میں رہنے والے جانور اور مچھلیاں (طلبا مچھلی کی تصویر کھینچیں)

۵۔ چھلے دار اجسام والے جانور (طلبا ایک کیڑے کی تصویر کھینچیں)

ب۔ پودوں پر سبق

۱۔ پودے کے حصے۔

۲۔ جڑوں کی جماعت بندی اور استعمال (طلبا گاجر شلجم یا مولی کی تصویر کھینچیں)۔

۳۔ تنوں کی جماعت بندی اور استعمال (طلبا پیپل یا اور کسی تنے کی تراش کی تصویر کھینچیں۔)

۴- جن پرندوں کی بابت پڑھ چکے ہیں اُنکی جماعت بندی مثلاً -

(الف)- کُریدنے والے جانور - مرغی - مور اور کبوتر -

(ب)- درختوں پر چڑھنے والے جانور - طوطا اور کٹھ پھوڑا -

(ج)- درختوں پر بیٹھنے والے جانور - کوّا - اور چڑیا -

(د)- شکاری پرند - چیل اور گدھ -

(طلبار مرغی - طوطے - کوّے - چیل - اور ایک یا دو اور پرندوں کے پاؤں کی تصویریں کھینچیں)

۵- پودوں پر سبق - جن پودوں کا مندرجہ ذیل فہرست میں ذکر ہے اُن میں سے اکثر کے پھل اور پھول آسانی سے دستیاب ہوسکتے ہیں اور اوستانی کو اس امر کی احتیاط کرنی چاہئے کہ سبق کے وقت ہر ایک بچہ کے پاس کم از کم ایک روز اگر ممکن ہو تو دو نمونے ہوں -

۶- چنے - مٹر - اور بوٹ وغیرہ کا مقابلہ تاکہ طلبار کو (دو دال والے دانے کے پودے کی) جماعت کا تصوّر ہو جاے (طلبار مٹر کے شگوفے اور پھل کی تصویر کھینچیں)

۷- پھول کے حصّے - گلاب یا پوست کے پھول سے اس سبق کی تشریح کرنی چاہئے

۸- خربوزہ - کھیرے - اور کدو کا مقابلہ تاکہ طلبار کو (خرپودے اور لکڑی کی) جماعت کا تصور ہو جاے (طلبار خربوزے کو تراشیں پھر تصویر کھینچیں)

۹- گل لالہ - لسن پیاز کا مقابلہ تاکہ طلبار کو (سفید پھولدار درخت - سوسن - نرگس - پیاز - کنول کی) جماعت کا تصور ہو جاے (طلبہ پیاز کی تصویر کھینچیں)

تیسری جماعت ۲۰ سبق

۱- کُتّا	۳- گیدڑ
۲- بلّی	۴- گلہری

۵- طوطا
۶- کپاس
۷- بھنگ یا سن کا پودا

۸- خربوزہ
۹- کھیرہ
۱۰- بیر

۱۱- ۲۰ تک خود انتخاب کریں۔

چوتھی جماعت ۲۰- سبق

أ- جانوروں پر سبق

۱- گوشت خوار جانوروں کے خواص بلی چیتے۔ کتے اور گیدڑ پر مقابلہ کا سبق (طلبا بلی اور کتے کے سر دانتوں اور پنجے کی تصویر کھینچیں۔

۲- سم دار جانوروں کے خواص۔ گھوڑے۔ گدھے اور گینڈے کا مقابلہ (طلبا گھوڑے کے سر دانتوں اور سم کی تصویر کھینچیں)

۳- جگالی کرنے والے جانوروں کے خواص۔ گائے بکری اور اونٹ کے سر (طلبا ر) معدے اور پاؤں کی تصویر کھینچیں)

۴- کترنے والے جانوروں کے خواص۔ چوہے گلہری اور خرگوش کا مقابلہ (طلبا انکے دانتوں کی تصویر کھینچیں۔)

ضمیمہ (ب)

اسباق الاشیاء

پہلی جماعت - ۱۶ سبق

۱- گائے
۲- بکری یا بھیڑ

۳۔ اونٹ
۴۔ کوتا
۵۔ گیہوں
۶۔ جَو
۷۔ چنا یا چاول
۸۔ مکّی یا باجرہ

۹۔ ۱۶ تک خود انتخاب کرلیں۔

دوسری جماعت۔ ۱۶ اسبق

۱۔ گھوڑا
۲۔ گدہا
۳۔ بھینس
۴۔ مرغی
۵۔ پیاز
۶۔ ایک قسم کا ایسا بیج جس سے تیل نکلتا ہو جیسے سرسوں یا تل
۷۔ گاجر
۸۔ شلغم

۹۔ ۱۶ تک خود انتخاب کرلیں

رپورٹ

صیغہ تعلیم نسواں کی رپورٹ جو صیغہ کے سکرٹری نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس دہلی کے تعلیم نسواں کے اجلاس میں پڑہی۔

حضور عالیہ اور معزز حاضرین جلسہ۔

شعبہ تعلیم نسواں کو قائم ہوئے ایک عرصہ ہوچکا ہے اور اس عرصہ میں اس شعبہ کے چہ باقاعدہ اجلاس ہوچکے ہیں اور آج یہ ساتواں سالانہ جلسہ ہے جن حضرات کو اس سے پہلے کسی جلسہ میں شرکت کا موقع ملا ہو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر جلسہ کیا بلحاظ دلچسپی کیا بلحاظ تعداد

ہم کو ضرورتاً تعلیم کے مخالفوں کو اسوقت نظرانداز کرنا چاہیئے۔ صرف اُس گروہ پر توجہ کرنی ہی جو بظاہر تعلیم نسواں کا حامی ہی تعلیم نسواں کے حامیوں میں بھی بہت ہی قلیل تعداد ایسی ہی جنہوں نے اس صیغہ کی دشواریوں اور طریق عمل پر غور و توجہ صرف کی ہو۔ حامیوں کے گروہ میں طریق تعلیم کے متعلق اسقدر اختلاف ہی کہ ابھی تک کسی بات پر اتفاق ہی نہیں ہو چکتا۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ لڑکیوں کو ملازمت کرانی مقصود نہیں ہی بعض اصحاب کو بجز مذہبی تعلیم کے دوسرے مضامین کی تعلیم پر اعتراض ہی اور بعض کے نزدیک لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم میں اگر فرق کیا جاوے تو صرف کچھ مضامین میں باقی دیگر امور کے لحاظ سے تعلیم یکساں ہونی چاہیے مگر سخت دشواری تو یہ ہی کہ کسی قسم کی تعلیم ہو تو کیونکر ہو گھروں میں ہو یا محلہ وار مکاتب قائم کر کے تعلیم دیجائے یا ہر شہر میں مدرسے قائم کیے جاویں اور مدرسوں کے ذریعے سے تعلیم دیجاوے ان طریقوں کے متعلق بہت کچھ اختلاف ہی مگر اصلیت یہ ہی کہ اپنی ضرورتوں کے لیے آپ عارضی طور پر کچھ ہی انتظام فرمائے آخرکار وہی طریقہ جو قدیم سے آج تک تعلیم کے لیے کامیاب ثابت ہوا ہی اور جس کی طرف زمانہ کا عام رجحان ہی اختیار کرنا پڑیگا اور اُسکے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہ مفید ثابت ہو گا اور نہ کامیاب۔ جب تک مدرسے نہ بنیں گے اور لڑکیاں مدرسوں میں تعلیم نہ پائینگی وہ کسی طرح تعلیم یافتہ نہیں کہلا سکتیں ہاں ہمیں اپنے مذہبی اور شرفا کی رسوم کا پورا لحاظ رکھنا نہایت ہی ضروری ہو گا تاکہ کہیں تعلیم بجائے ایک مرغوب عنصر ثابت ہونے کے قابل نفرت نہ بنجائے۔ ہمکو پردہ کی پوری پابندی لازمی ہوگی۔ ہمکو لڑکیوں کے اخلاق کی نہایت سختی سے نگرانی لازمی ہو گی۔ ہم اگر اُن کو گھر کی چار دیواری سے باہر نکالینگے تو ہمارا فرض ہو گا کہ ہم ایک چار دیواری میں اُن کو محصور کریں جو گھر کی چار دیواری سے بھی زیادہ محفوظ ہو۔ گھروں میں وہ روزانہ خاداؤں اور ماماؤں کی صحبت سے ایسی باتیں سیکھتی رہتی ہیں جنکو خود اُنکی مائیں پسند نہیں کرتیں تو مدرسوں میں قابل اُستانیوں کی صحبت سے اُن کو وہ باتیں

حاصل ہونگی جو سلف کی مسلمان خواتین میں پائی جاتی تھیں اور جن پر آج ہم کو فخر کا موقع حاصل ہے۔ آپ کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ فیصدی کتنے ایسے ماں باپ ہیں جو خود بچوں کو عمدہ تربیت دے سکتے ہیں۔ میرے بیسیوں دوست ایسے ہیں جنہوں نے بے سود کوششیں کیں کہ اُنکے لڑکے گھر میں رہکر تعلیم حاصل کریں۔ ماسٹر ملازم رکھے مولوی رکھے خود بھی توجہ کرتے رہے مگر ان میں سے ہر شخص کو ناکامیابی ہوئی اور جب لڑکے جوان ہو گئے اپنے قابو سے نکل گئے تو معلوم ہوا کہ جو کچھ کیا غلط کیا۔ میرے بعض دوستوں نے گھروں پر انگریزی اور ہندوستانی قابل استانیاں رکھکر بھی لڑکیوں کو تعلیم دلائی بعد تعلیم حاصل کرنے کے مجھے اُنکی علمی قابلیت کے متعلق رائے قائم کرنیکا موقع بھی ملا ہے مگر میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ اُن کو تعلیم یافتہ نہیں کہہ سکتا۔ علاوہ بریں قوم میں کتنے اشخاص ایسے ہیں جو ایک یا دو لڑکیوں کے لیے گھر پر اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کرسکتے ہیں شاید لاکھوں میں دو چار ایسے ہوں تو ہوں اگر کوئی صاحب ایسے ہوں تو بڑی خوشی سے وہ اپنا الگ انتظام کریں ہمیں تو قوم کے لیے انتظام کرنا ہے اور قومی انتظام بجز اسکے ہو نہیں سکتا کہ ایک ایک درسگاہ میں ہزاروں نہیں تو سیکڑوں لڑکیاں پڑھ سکیں۔

حضرات مسلمان لڑکیوں کی تعلیم میں قوم کی جانب سے بہت کچھ سستی ہو رہی ہے۔ ہم لوگ ایک مرتبہ مدرسہ نسواں کی جانب سے ایڈریس لیکر ایک بڑے قومی لیڈر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نواب محسن الملک مرحوم اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور سر تھیوڈر مارلین اور بہت سے علیگڈھ کے دیگر کارکن موجود تھے اُن بزرگ لیڈر کے ہم پر بہت بڑے احسانات ہیں اور ہم کسی طرح اُنکے بار سے سبکدوش نہیں ہو سکتے مگر ایک فقرہ جو اُنکی زبان مبارک سے نکلا تھا وہ یہ تھا کہ ہمیں اپنی کوششوں کو منتشر نہیں کرنا چاہیے پہلے ایک کام کو پورا کرکے دوسرا شروع کرنا چاہیے اول لڑکوں کی درسگاہ کو بدرجہ تکمیل پہونچا کر پھر لڑکیوں کی تعلیم کی طرف توجہ کرنی چاہیے یہ

خیال اور بھی بہت سے بزرگوں کا ہی اور ہیں باادب عرض کرونگا کہ یہ خیال صحیح نہیں ہی۔

لڑکوں کی تعلیم کی تکمیل اُسوقت تک ناممکن ہی جبتک لڑکیوں کو تعلیم نہ دلائی جائیگی اگر درسگاہ کے معنی صرف اینٹوں اور چونہ کی دیواریں ہوں تو اُن کی تکمیل تو ہوسکتی ہی لیکن اگر اُس سے مراد تعلیم کی تکمیل ہی تو اُس کے لیے لڑکوں کو اُسوقت کا انتظار کرنا پڑیگا جب اُن کی مائیں پیدایش کے وقت سے ہی اُنکو تعلیم دینا شروع کرینگی۔

یہ خیال کہ لڑکیاں ملازمت کرکے خاندان کے لیے روپیہ پیدا نہ کرسکیں گی نہ حصول معاشرت کی ضرورتوں کے لیے لڑکیوں کا تعلیم پانا ضروری معلوم ہوتا ہی قابل تسلیم نہیں ہی۔ یہ خیالات بہت ہی تدو ذعور کا نتیجہ ہیں۔ قومی دولتمندی کے لیے اشد ضروری ہی کہ اعلیٰ درجے کے مستعد اشخاص پیدا ہوں جو زندگی کی کشمکش کی صعوبتیں برداشت کرکے منزل پر پہونچ سکیں۔ جبتک افراد کا سبہ یعنی (   ) کو ابتدا ہی سے اس کشمکش کے لیے تیار نہ کیا جائیگا آپ کی دولت پیدا کرنیوالی فوج نہایت کمزور اور ناقص رہیگی مگر جب تک آپ ڈرل سکھانیوالے افسروں کو خود ہی تربیت سے بے بہرہ رکھیں گے تو آپکے پاہیوں کو قواعد کون سکھائیگا۔

حضرات۔ اب ایک منٹ بھی ہمکو ضائع نہ کرنا چاہیے اور جس بات پر گذشتہ سات سال سے اتفاق ہوچکا ہی اس کی طرف پوری توجہ کرنی چاہیئے۔

اتفاق اس بات پر ہوچکا ہی کہ ایک لڑکیوں کی درسگاہ بناکر اُسکے ذریعے سے ملک میں روشنی پھیلائی جاے اُس درسگاہ کی بنیاد پڑچکی ہی۔ ہماری محسنہ حضور عالیہ ہمارے صدر انجمن اُسکے اصلی بانی ہیں۔ مجھکو یاد ہی کہ مینے اپنی پہلی عرضداشت میں جب امداد کی درخواست کی تھی تو حضور عالیہ کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ اُسوقت دنیا بھر کے مسلمانوں میں صرف ایک حضور عالیہ ہی مسلمان تخت نشین خاتون ہیں۔ حضور کا ہمجنس فرقہ جس بے کسی و بے لبسی کی حالت میں ہی اُس سے حضور بخوبی آگاہ ہیں اگر حضور عالیہ

کے زمانہ میں بھی اس فرقے کے لیے کچھ نہ ہوا تو سمجھنا چاہیے کہ پھر انکی ترقی اور بہبودی کے متعلق کچھ امید نہ رہیگی۔

میں اسوقت حضور عالیہ کے اصل خیالات سے واقف نہ تھا مجھے اس بات کے علم ہونے پر کہ حضور عالیہ کے پہلے ہی سے وہی خیالات تھے جو مینے اپنی پہلی عرضداشت میں ظاہر کیے تھے انتہا درجہ کی تقویت ہوئی اور آیندہ کے لیے توقعات بہت کچھ بڑھ گئے۔ حضور عالیہ کی پہلی امداد اُس مدرسہ کے لیے اصلی سنگ بنیاد تھی۔ جو علیگڈھ میں قائم ہوا ہے اور جس کا سنگ مرمر کا بنیادی پتھر اب رکھا گیا ہے۔ اُسکے بعد ہماری والیسی ریاستوں نے مثل بہاولپور اور خیرپور سندھ اور ٹونک نے بڑی فیاضی سے امدادیں دیں۔ اور روز بروز کچھ نہ کچھ کام میں اضافہ ہوتا رہا۔

مگر گذشتہ پانچ سال کا زمانہ نہایت تشویش کا زمانہ گذرا ہے اکثر بزرگوں کا خیال تھا کہ ایک لڑکی بھی مدرسہ میں نہ آئیگی یہ خیال ہوتا تھا کہ بورڈنگ بنا کر کیا فائدہ ہوگا کوئی لڑکی آکر داخل نہ ہوئی تو کیا نفع ہوگا۔ اس اثنا میں مدرسہ اور بورڈنگ کے لیے آراضی حاصل کرنے کی کوشش برابر جاری رہی اور تین سال کی محنت اور مقدمہ بازی سے خدا خدا کرکے گذشتہ اگست کے مہینہ میں اراضی پر قبضہ ملا ہے اب اس دوران میں اس بات کا قطعی یقین ہوگیا کہ اگر ابتدا میں قوم کی لڑکیاں کہیں کسی درسگاہ میں داخل ہونگی تو وہ علیگڈھ میں آکر داخل ہونگی اور علیگڈھ میں ضرور آئینگی۔ اس سال میں استقدر درخواستیں آئی ہیں کہ اُنکو دیکھکر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے خیالات میں کسقدر جلد تغیر ہوا ہے ۱۹۰۲ء کی کانفرنس میں جو لوگ مدرسہ قائم کرنے کے مخالف تھے اُن میں سے ایک صاحب نے لکھا ہے کہ میں اپنی لڑکی کو مدرسہ میں داخل کرنا چاہتا ہوں۔ بورڈنگ کب تک کھلیگا۔

صاحبو۔ بعض دوستوں کا اعتراض ہے کہ کام نہایت سستی سے ہورہی ہے اور میں بھی جانتا ہوں

کی عمر کے بعد کوئی شخص پسند نہیں کرتا کہ ہر روز اپنی بچی کو گلیوں اور بازاروں میں سے ڈولی میں مدرسہ میں بھیجے۔ اب اسکا کیا علاج ہی۔ ایک شخص جو دل سے مدرسہ کا حامی نہیں ہی اُسکا یہی فتویٰ ہوگا کہ اس مدرسہ پر قوم کا روپیہ صرف کرنا فضول ہی مگر وہ شخص جو چار منزلوں کے بعد اپنے راستہ میں ایک سخت رکاوٹ حائل دیکھتا ہی اور جسکو آگے بڑھنا مقصود ہی اس نے ایک ایسے بورڈنگ ہوس کو اس مشکل کا حل سمجھا ہی جس میں پردہ کا انتظام گھروں سے زیادہ عمدہ ہو جس میں بچیوں کے لیے اچھی مثالیں کم از کم اپنے گھروں کے برابر تو ضرور ہوں۔ بورڈنگ ہوس آج کی تجویز نہیں ہی پہلے روز کی تجویز ہی اور اس وقت کا جو آج محسوس ہو رہی ہی پہلے ہی پورا اندازہ کر لیا گیا تھا۔

جس بورڈنگ کی تعمیر اسوقت شروع ہوئی ہی اُسکا نقشہ آپ کے سامنے موجود ہی اسوقت استانیوں کے رہنے اور لڑکیوں کے رہنے اور تعلیم کے جملہ مکانات اس بورڈنگ کے اندر ہونگے اس بورڈنگ ہوس میں ڈبل پردہ کا انتظام ہوگا ایک چار دیواری کے بعد دوسری چار دیواری ہوگی۔ اول چار دیواری میں جو پھاٹک ہوگا اُس کے اندر ہوکر سڑک بنائی جائیگی جس کے راستہ سے دوسری چار دیواری کے پھاٹک تک پہونچکر بورڈنگ ہوس میں کوئی داخل ہوسکیگا۔ لڑکیوں کے لیے اٹھنے بیٹھنے کھیلنے کے لیے پردہ کا وسیع احاطہ ہوگا جہاں پر باہر سے کسی کی نگاہ کا پہنچنا ناممکن کر دیا جائیگا۔

جو اراضی اسوقت حاصل کی گئی ہی اس میں آٹھ بورڈنگ ہوس ہر ایک ۵۷ لڑکیوں کے رہنے کا اور ایک مدرسہ اور استانیوں کے رہنے کے مکانات بخوبی بن سکتے ہیں اور بہت سے وسیع قطعات کھیل و تفریح کے لیے باقی رہ سکتے ہیں آٹھ بورڈنگ ہوس کی تکمیل کے لیے زمانہ درکار ہی مگر اسوقت دو بورڈنگ ہوس اور ایک مدرسہ تو فوراً بننے چاہئیں ہر ایک بورڈنگ ہوس کی لاگت کا اندازہ پچاس پچاس ہزار روپیہ ہی اور اسیقدر اسکول کی عمارت کا اندازہ ہی۔ بسم اللہ کرکے ایک بورڈنگ ہوس

کی تعمیر شروع کروی اور امید ہو کہ جون تک یہ عمارت ختم ہو جائیگی ۔ اسوقت عمارت کے لیے ہمارے پاس کافی روپیہ نہیں ہو جس سے ایک بورڈنگ ہوس ہی بن سکے ۔ مگر منتظمین کو روپیہ کی طرف سے کچھ بہت تشویش نہیں ہی ۔ جس مدرسہ کی حامی اور سرپرست ہماری مخدومہ اور محسنہ جناب ہر ہائنس ہوں اور جس کی تکمیل کی ضامن اتنی بڑی قوم ہو اسکے لیے حسب ضرورت روپیہ ضرور ملیگا۔

موجودہ مدرسہ پر امسال اوسطاً سوا دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے صرف ہوئے ہیں یونیورسٹی کے چندوں کی وجہ سے اور تمام چندے بند کر دیے گئے ۔ اسوجہ سے امسال بجز مستقل عطیات کے اور کوئی آمدنی نہیں ہوئی ۔ مستقل عطیات سے ۴۲۱۹ روپیہ ۱۱ ر ۹ پائی کی آمدنی ہوئی اور اسکول پر اس میں سے ۲۵۱۴ روپیہ ۱۲ ار ۶ پائی صرف ہوئے

بزرگان قوم - ہمنے امسال اپنی ملکی بہنوں کو یونیورسٹی کے لیے بڑی خوشی سے چندے دیتے دیکھا اور ہر ایک کو یہ کہتے سنا کہ یہ ہماری یونیورسٹی ہی ۔ سیکڑوں لڑکیوں اور خواتین کے مضامین اخبارات میں یونیورسٹی کی حمایت میں دیکھے ۔ مجھے انتہا درجہ کی مسرت ہوئی کہ اب بیبیاں قومی کاموں میں حصہ لینے لگی ہیں ۔ مگر اب دوسری جانب بھی غور کیجیے ۔ دوسرے کانفرنس کے جلسہ تک یہ دیکھا جائیگا کہ آپنے بیبیوں کی بہتری کے لیے کیا امداد دی ۔ جیسے وہ ہمارے ہر ایک بہتری اور بہبودی کے کام کو بھولے پن سے اپنا کہتی ہیں ہم بھی انکی ترقی کے کام کو اپنا کام سمجھتے ہیں یا نہیں ۔ یا اسوقت یہ کہدینگے کہ ایک کام کو ختم کر دیں تو پھر دوسرے کو شروع کریں مجھے امید واثق ہو کہ اب آپ مدرسہ نسواں کے لیے اپیل کرنے والوں کو نہ ٹال دینگے۔

علی گڈھ میں تعلیم نسواں کی طرف خاص توجہ ہو رہی ہی ۔ اپنے ایڈرسوں سے حکام کی وساطت سے اور پرائیوٹ ملاقاتوں سے گورنمنٹ پر اثر ڈالا جا رہا ہے کہ

وہ جسقدر روپیہ تعلیم پر صرف کرتی ہو اسکا ایک خاص حصہ عورتوں کی تعلیم کے لیے مخصوص کر دے مگر حکام کی جانب سے بعض وقت جواب ملتا ہو کہ ہندوستانی بالعموم اور تمہاری قوم بالخصوص کچھ زیادہ مستعد معلوم نہیں ہوتی تم کیسے کہتے ہو کہ مسلمان تعلیم نسوان کی سچی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ آپ بزرگوں کا کام ہو کہ آپ اس بات کو گورنمنٹ پر ثابت کر دیں کہ آپ کے دل میں سچی خواہش موجود ہے۔

خطاب بحضور صدر جلسہ در نظم بے نظیر از شاہ سید محمد منظیر حسب صبا قادری ارثی اوام اللہ افضالہ۔

تیری جو عنایت ہو سلطان جہان بیگم — اپنی بڑی قسمت ہو سلطان جہان بیگم

اسوقت جو زینت ہو سلطان جہان بیگم — سب تیری بدولت ہو سلطان جہان بیگم

نسواں کی ترقی کا بیڑہ جو اٹھایا ہے — تیری ہی یہ ہمت ہو سلطان جہان بیگم

گو مستعد اسپر اب اور بھی ہوں لیکن — تجکو ہی فضیلت ہے سلطان جہان بیگم

نسواں تو یہ کہتی ہیں اب مرد بھی کہتے ہیں — اللہ کی رحمت ہے سلطان جہان بیگم

ہر نہی سے نافر ہو پابند اوامر ہے — کیا تیری طبیعت ہو سلطان جہان بیگم

وہ پاک و پسندیدہ بندی تو ہو خالق کی — باندی تیری عصمت ہے سلطان جہان بیگم

جو کام کیے تو نے مردوں سے نہو سکتے — کہنے کو تو عورت ہو سلطان جہان بیگم

نسواں میں جہالت ہو تعلیم کی حاجت ہو — ہاں تیری "معروف" ضرورت ہو سلطان جہان بیگم

جو قوم کی حالت ہو معلوم ہو سب تجکو — کیا کہنے کی حاجت ہو سلطان جہان بیگم

مخلوق کی خدمت ہو اللہ کی خدمت ہے — یہ حکم رسالت ہو سلطان جہان بیگم

دارا و سکندر کو جو زیر زمیں دیکھا — دولت ہو نہ حشمت ہو سلطان جہان بیگم

کوئی نہ رہا آخر نیکی ہی رہی باقی — سچی یہی دولت ہو سلطان جہان بیگم

تقدیر ازل کیا ہے دم بھر میں خدا جانے — جو دم ہو غنیمت ہو سلطان جہان بیگم

کیا فخر زمانہ ہیں یہ جملہ خواتیں بھی — تجھ سے جنہیں الفت ہو سلطان جہان بیگم

موجود ہو تو ہم میں ہم پر بھی رہیں غم میں
یہ کیسی مصیبت ہی سلطان جہاں بیگم

ہو لیتے ہیں رخصت ہم سب یہ دعا دیکر
کل جلسے کی رخصت ہی سلطان جہاں بیگم

خوش تجھ سے رہے خالق تو خوش رہے خالق سے
ہم سب کی یہ دعوت ہی سلطان جہاں بیگم

آمین

اڈیٹوریل

ریویو

علمائے سلف

یہ ایک سو اسو صفحہ کا رسالہ ہی جس میں گذشتہ علماے اسلام کے طلب علم۔ حق پسندی وراست گوئی اختلاف واتفاق اور حسن معاش وغیرہ کی کیفیت نہایت صداقت دلاویزی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بیان کی گئی ہی۔

یہ وہ تاریخی رسالہ ہی جسکو جناب مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی رئیس بھیکن پور ضلع علیگڈہ ٹرسٹی وسکرٹری دینیات اہل سنت والجماعت ایم اے او کالج علیگڈہ نے ندوۃ العلماء کے چوتھے سالانہ جلسے میں بمقام میرٹھ پیش کیا تہا۔

مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب کی ذات ان چند برگزیدہ نفوس میں سے ہی جو ریاست کی گدی کے ساتھ علم کے بھی صدرنشین ہیں۔ اور بالخصوص انکی عالمانہ تحریر ایک ایسا انوکھا ادبی انداز رکھتی ہی جو دوسرے علماء کی تحریریں بہت کم نظر آتا ہی۔ اسلیے یہ کتاب جو اپنے عنوان کے لحاظ سے بالکل نئی ہی انکی قلم کی رنگینی اور وسیع تاریخی معلومات کی وجہ سے بے مثل ہو گئی ہی۔

اس کو پڑہنے سے سلف صالح کی علمی کوششوں اور ترقیوں کی کیفیت پیش نظر ہو جاتی ہی

ہی۔ اور علم کے مفید اثرات جو ان مقدس بزرگوں پر ہوئے تھے اسکو دیکھکر ایک بینظیر سبق مسلمانوں کو ملتا ہی۔

باوجودیکہ یہ عنوان ایک بہت ہی وسیع عنوان تہا اور تاریخی لحاظ سے اس موضوع پر زیادہ ضخیم کتاب لکہی جاسکتی تھی۔ گر مولانا نے اس مختصر رسالہ میں ما قل ودل کے اصول کے مطابق اپنے مقصد کو پوری کامیابی کے ساتہ ادا کر دیا ہی۔ اور انہوں نے جس غرض سے اس موضوع پر قلم اٹھایا تہا اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور کوئی پہلو مضمون زیر بحث کا باقی نہیں رہا۔ مسلمان بیبیوں میں علم کا ذوق دکھاتے ہوئے مولانا نے بہت سے قدیمی تاریخی واقعات بیان کیے ہیں ان میں سے ایک واقعہ ہم انہیں کے الفاظ میں نقل کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین وناظرات کو انکی عبارت اور مضمون کے پیرایہ کا بہی اندازہ ہوجائے اور تاریخ کا ایک مفید سبق آموز واقعہ بہی معلوم ہو جائے۔ مولانا لکہتے ہیں۔

امام ربیعۃ الرائے (استاد امام مالک وخواجہ حسن بصری) کے والد فروخ خلافت بنی امیہ کے عہد میں لشکر میں ملازم تھے۔ جس زمانہ میں امام ممدوح اپنی والدہ کے بطن میں تھے اسوقت خراسان کو ایک لشکر خلیفہ دمشق کی جانب سے روانہ کیا گیا اور فروخ کی خدمت اس لشکر کے سپرد ہوئی۔ وہ دور۔ اسلامی فتوحات کا دور تہا۔ اور مسلمان فرمانروا برّ وبحر کو اسلامی پرچم کے نیچے لانے کا تہیہ کر رہے تھے فروخ کو خراسانی مہم میں ستائیس برس لگ گئے۔ جب وہ لوٹے تو جس بچہ کو ماں کے پیٹ میں چہوڑ گئے تھے وہ بڑا ہوکر امام وقت بن چکا تہا۔ قصہ مختصر فروخ لوٹ کر اپنے وطن مدینہ منورہ کو آئے اور گہوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لیے اپنے گہر کے دروازہ پر پہونچے۔ اور بند دروازہ کو نیزہ کی انی سے کھٹکھٹایا۔

ربیعہ نے جو کھٹکا سنا تو دروازہ کہولا اور باہر آئے۔ اگرچہ باپ نے بیٹے کو نہیں پہچانا مگر گہر ان کا تہا دروازہ کہلنے پر بے تکلف اندر جانے لگے۔ ربیعہ نے جو دیکہا کہ ایک اجنبی سوار اندر جانا چاہتا ہی تو انکو وحشت ہوئی اور للکار کر کہا یا عدو اللہ تو میرے مکان میں کس طرح گہسا پڑتا ہی۔

سپاہی منش فروخ کو جن کی رگوں میں فتح کا جوش تازہ تھا یہ سنکر طیش آگیا اور کہا کہ خدا کے دشمن میرے حرم سرا میں تیرا کیا کام ؟ غرض بات بڑھی اور خدائی پنچ پڑوسی جمع ہو گئے امام مالک صاحب بھی اُستاد کا معاملہ سمجھکر تشریف لائے اور مصلحانہ لہجہ میں فروخ سے کہا کہ بڑے میاں آپ کو ٹھہرنا ہی مقصود ہے تو دوسرا مکان موجود ہے۔ امام صاحب کی نرمی نے فروخ کے دل پر اثر کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ جناب میرا نام فروخ ہے اور یہ مکان میرا ہے۔ ربیعہ کی والدہ نے نام سنکر پہچانا اور کہا کہ یہ تو ربیعہ کے باپ ہیں۔ اب تو باپ بیٹے گلے ملے اور خوب روئے۔ دلوں کی حرارت جب رونے سے کم ہوئی تو دونوں گھر میں آئے۔ اندر آکر پھر جوش محبت میں صاف دل باپ نے بیوی سے پوچھا کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ فروخ جب اطمینان سے بیٹھے تو اُنکو وہ تیس ہزار اشرفیاں یاد آئیں جو چلتے وقت بیوی کو دے گئے تھے اور ان کی نسبت استفسار کیا۔ زیرک بیوی نے کہا گھبرائیے نہیں حفاظت سے رکھی ہیں ربیعۃ الرای اس عرصہ میں مسجد نبوی میں جاکر اپنے حلقۂ درس میں متمکن ہوئے۔ جس میں امام مالک اور خواجہ حسن بصری جیسے اعیان شامل تھے تلامذہ کا یہ ہجوم تھا کہ چاروں طرف سے شیخ کو گھیرے ہوئے تھے فروخ جو نماز پڑھنے مسجد میں گئے تو وہاں یہ عالم دیکھا۔ اور دیر تک شوق سے اس مجمع کو دیکھتے رہے۔ ربیعہ اسوقت سر جھکائے ہوئے تھے اور سر پر اونچی ٹوپی تھی اسلیے باپ کو ایک دفعہ پھر بیٹے کے پہچاننے میں دقت ہوئی۔ متعجب ہوکر لوگوں سے پوچھا کہ یہ شیخ کون ہے ؟ سامعین نے جواب دیا ربیعہ بن عبدالرحمن۔

فروخ کی اسوقت کی مسرت کا اندازہ سوائے عالم الغیب کے کون کرسکتا ہے۔ فرط مسرت میں ان کی زبان سے بے اختیار نکلا لقد رفع اللہ ابنی (اللہ نے میرے بیٹے کو بلند درجہ دیا) جب خوش خوش گھر آئے تو بی بی سے سارا ماجرا بیان کیا۔ بی بی نے کہا کہ آپکو کیا زیادہ پسند ہے؟ بیٹے کی یہ شان یا تیس ہزار اشرفیاں۔ شوہر نے کہا واللہ میں اس شان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

بی بی۔ یہ سمجھئے وہ اشرفیاں ربیعہ کی تعلیم میں صرف کردیں۔

زندۂ دل شوہر۔ واللہ ماضیعتہ (قسم رب کی تم نے وہ مال ضائع نہیں کیا)
اس واقعہ میں بالکل قابل غور ہی کہ ایک بچہ باپ کی تربیت سے محروم ہو کر ماں کی حفاظت
میں رہی اور ماں کے قبضے میں تیس ہزار اشرفیاں ہوں۔ پھر اس بچہ کو ایسی بیش بہا تعلیم دیجائے
کہ اسکے شاگرد دنیا کے نام آور امام ہوں۔ بیشک یہ اس عہد کی عورتوں کے عقل اور علم
دوست ہونیکی دلیل ہی۔ ہمارے ملک میں اگر چودہویں صدی میں کسی ماں کے اختیار میں
تیس ہزار اشرفیاں اور ایک بچہ دیدیا جاے تو معلوم نہیں بلند اقبال صاحبزادے کے اخلاق
کہانتک ترقی کریں

آہ مظلوماں

ظالم اور مظلوم دونوں آدم ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ جب سے آدم کا اس خاکی کرہ میں نزول ہوا ہی
اُسوقت سے آجتک مظلوموں کے دردانگیز نالے اور آہیں اس نیلے آسمانی گنبد سے ٹکرا ٹکرا کر
لوٹ رہے ہیں اور ہر بعد میں آنے والی نسل کو اپنے سے پہلے ظالم اور مظلوموں کے ظلم اور مصیبت
کی کہانی سُنا رہے ہیں مگر ان تمام درد کی صداؤں میں وہ آہیں سب سے زیادہ دل پر اثر کرنیوالی ہیں جو
مظلوم فرقہ نسوان کے منہ سے مردوں کے قسم قسم کے مظالم کی وجہ سے نکلتی رہی ہیں۔ ابھی
ہم اُس ننھی سی جان کا کمزور آواز میں چیخنا سُن رہے ہیں جسکو ایک جاہلیت کے زمانہ کا عرب
باپ اپنی مظلوم ماں کی گود میں سے چھین کر زندہ گاڑنے کو لیے جارہا ہی اور ہم اُس عصمت
وحیا کی پتلی حسن و زیبائی کی زندہ تصویر چودہ سالہ ہندو بیوہ کا جلتی آگ میں تڑپ تڑپ کر رونا
اور چیخنا سُن رہی ہیں جو اپنے مردہ شوہر کی چتا میں بٹھا دی گئی ہی اور چاروں طرف سے نارِ
جہنم کے شعلے برپا کردیے گئے ہیں جو اُسکے نازک جسم کو آن کی آن میں راکھ کا ڈھیر کیے
دیتے ہیں۔ یہ اور اسی قسم کے بہت بڑے بڑے ظلم بے رحم مردوں نے عورتوں پر کیے جن کی داستانوں
سے تاریخیں بھری پڑی ہیں مگر یہ سب ظلم زندگی کا خاتمہ کرنیوالے تھے ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ

دے دے کر اور رنجا رنجا کر خاتمہ کیا جاے بلکہ آن کی آن میں جسم کا اور اُسکے ساتھ ہی تکلیف کا خاتمہ کردیا جاتا تھا۔ مگر ایک خاص قسم کا رنج اور تکلیف جو مردوں سے عورتوں کو پہونچ رہے ہیں اور جنکے خاتمہ کی اسوقت تک کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی وہ رنج اور وہ تکالیف ہیں جو ایک چین سے بیٹھی بٹھائی بیوی کے سر پر ایک حریف بیوی یا سوکن کو لاکر بٹھا نیسے دیے جاتے ہیں۔ ایک بیوی جو اُنکے گھر کی ملکہ بنی بیٹھی ہی جو ایک گھر کو اپنے مرنے جینے کا ٹھکانا قرار دیچکی ہی جسکے رنج و راحت اُسی گھر کے در و دیوار سے وابستہ ہیں جسکو پورا وثوق اور اعتبار ہی کہ جو کچھ اُس گھر کی چار دیواری کے اندر ہی وہ اُسکی مالک ہی اور اُسکے حدود و اختیارات میں کوئی دوسرا شخص دخل دینے والا نہیں ہی اُسکے ننھے ننھے بچوں کا باغ لہلہا رہا ہی اور وہ مالن اُنکی شگفتگی اور شادابی کو دیکھکر نہال ہورہی ہی کہ یکایک کیا دیکھتی ہی کہ اُس کی سلطنت میں ایک ظالم غنیم گھس آیا ہی اُسکے اختیارات یا تو بالکل چھن گئے یا بہت کم رہ گئے جو چیزیں ابھی اُسکی تھیں اب اُس کی نہیں رہیں اُسکے یاس و شکستہ دل کو در و دیوار یاس کی تصویر دکھا دکھا کر رونے لگے اور بات بات میں اُسکو اپنی بے کسی اور بے بسی کا یقین ہونے لگا۔ ایسی بیوی کی دل سے نکلی ہوئی آہ اُن سب آہوں سے الگ سنائی دیتی ہی جو گنبد نیلوفری میں گونج رہی ہیں۔

ہم ہمیشہ سے اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادیوں کے دستور میں علاوہ اُن سخت حاجتوں کے جنکو اکثر وہ لوگ بیان کرتے ہیں جو تعدد ازدواج کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ ایک بڑی خرابی اور بڑا ظلم یہ ہی کہ اس کی وجہ سے فرقۂ نسوان کی سخت حق تلفی ہوتی ہی۔

ہم نے اُن لوگوں کو جنہوں نے دوسری یا تیسری شادیاں کیں ہیں یہ کہتے سنا ہی کہ ہماری دوسری بیوی بڑی فرمانبردار ہی اور ہمکو اُس کی وجہ سے بہت آرام ہی مگر آجتک ہم نے کسی کی زبان سے یہ نہ سنا کہ ہماری پہلی بیوی کو دوسری کی وجہ سے بہت رنج نہیں پہونچا بلکہ اس بات کا شاکی پایا کہ پہلی بیوی سخت حاسد ہی اور در پے آزار ہی اور ہماری دوسری بیوی کی جانی دشمن ہورہی ہی غالباً جسقدر لوگ دوسری شادیاں کرچکے ہیں اُن سب کو ایک جگہ جمع کرکے اُن سے شہادت لیجاے اور دریافت کیا جاے کہ تمہاری دوسری شادی کی وجہ سے پہلی بیوی تکلیف اور رنج میں ہی یا نہیں۔ تو اگر

وہ لوگ ایمان اور انصاف سے اظہار دینا پسند کرینگے تو اُنکی یہی شہادت ہوگی کہ بیشک ہماری پہلی بیبیونکو
ہماری دوسری شادی کی وجہ سے ایسا سخت رنج پہنچا ہی کہ جسکے مقابل میں اور تمام تکلیفیں اور رنج گرد ہیں
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ شادی کا دستور صرف مردونکی خوشی کے لیے ہی یا اس خوشی میں عورتوں کا
بھی کچھ حصہ ہی اگر یہ خوشی محض مردوں کے ہی لیے مخصوص ہی کہ جب تک اُنکے دل نے جس عورت کو پسند کیا
اُسکے ساتھ رہی اور جب وہ دل سے اُتر گئی تو اپنی خوشی کے لیے کسی اور کو لا بٹھایا اور اس میں
عورت کے خیالات اور عورت کی امیدیں اور عورت کی دلی خواہشوں کا لحاظ کچھ ضروری نہیں ہی
تو بیشک مردوں کو وہ آزادی دیجاسکتی ہی جو وہ اسوقت برت رہے ہیں ورنہ اگر دستور شادی دونوں
کے مشترکہ فائدے کے لیے قائم ہوا تھا تو مردوں کو ہرگز یہ حق نہیں ہی کہ وہ عورتوں کی خوشی اور
اُنکی امیدوں کو اسطرح خاک میں ملائیں۔

غالباً حامیان تعدد ازدواج انصاف کو بالکل ہی پس پشت نہ ڈالدینگے اور اس بات کے
تسلیم کرنیسے اُنکو انکار نہوگا کہ ایک سے زیادہ شادیاں زیادہ تر اُسی رغبت کا نتیجہ ہیں جو ہر انسان کے
دل میں پائی جاتی ہی یعنی ایک جدید چیز کی طرف انسان کو طبعاً بہ نسبت ایک پرانی چیز کے زیادہ رغبت ہوتی ہی
ایک بی بی کے ساتھ رہتے رہتے جب طبیعت اُکتا جاتی ہی تو وہ طبعاً دوسرے کی خواہش کرتا ہی بعض
حالتوں میں مجبوریاں اور ضرورتیں بھی ہوتی ہیں جو مستثنیات میں داخل ہیں مگر ہمارا تجربہ بتاتا ہی کہ سو میں
ننانوے دوسری اور تیسری شادیاں اُس طبعی رغبت کا نتیجہ ہیں۔ یہ طبعی خواہش اور رغبت حیوانات
میں بھی ایسے ہی پائی جاتی ہی جیسی انسانوں میں۔ یہ رغبت اور خواہش کوئی ملکوتی وصف نہیں ہی
جسکو ہم قدر اور ہمدردی کی نگاہ سے دیکھیں اور اُس سے آزادی سے کام لینا روا رکھیں۔ انسان
کے دل میں ہر روز بہت سی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں اور اُسکو تکلیف دیتی ہیں مگر مذہب۔ قانون۔
سوسائٹی۔ ملکی وسائل وغیرہ اسکی کل خواہشوں کے موافق اُسکو آزادی سے کام کرنے نہیں دیتی
پھر کیا وجہ ہی کہ ہم انسانونکی دوسری شادیاں کرنے کی رغبت اور خواہش کے راستہ میں کافی روک
ٹوک نہ پیدا کریں کہ جس سے وہ بیکس بیبیوں پر اسقدر تشدد نہ کرسکیں۔

حامیان کثرت ازدواج کے پاس دیگر ایک دلیل ہو کہ ہمارے مذہب نے ایک سے زیادہ شادیوں کو جائز رکھا ہو پھر ہم کون ہیں دخل در معقولات دینے والے ہم ان بزرگوں کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر مذہب نے اس دستور کو اُس حد تک جائز رکھا ہو جس حد تک اس پر عمل ہو رہا ہو تو ہم اپنی بحث سے اور مخالفت سے دست بردار ہونیکو تیار ہیں۔ قران پاک ہماری ابدی نجات کا وسیلہ ہو جسکی تعلیم کو ہم نہ صرف اعتقاداً بلکہ نفس الدین ہی اکمل و اتم خیال کرتے ہیں اُسمیں حسب ذیل احکام کو غور سے سنو اور اُس پاک تعلیم پر عمل کرنیکو آمادہ ہو جاؤ۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً۔

ترجمہ۔ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں میں عدل نہ کرسکو گے تو سوائے اُنکے عورتوں میں سے جو تمہیں پسند آئیں دو دو تین تین چار چار نکاح میں لاؤ اور اگر یہ خوف ہو کہ عدل قائم نہ رکھہ سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔

اب اس اجازت نامے کے ایک ایک حرف پر غور کرو اور دیکھو کہ اس سے جواز محض ثابت ہوتا ہو یا اس زمانے کے لوگوں کے لیے ایک مخالفت نکلتی ہو۔ اگر ہمکو حکم دیا جائے کہ اس درخت پر تم چڑھ سکتے ہو بشرطیکہ گر کر تمہاری ٹانگ نہ ٹوٹ جائے اور ہماری آنکھوں کے سامنے جو جو اس درخت پر چڑھا اُس کی گر کر ٹانگ ٹوٹ گئی۔ تو کیا ہم پھر بھی اصرار کیے جائینگے کہ اس درخت پر چڑھنا جائز قرار دیا گیا ہو ہم اسپر ضرور چڑھینگے۔ پھر چڑھنے والے کی حالت سے ہماری فطرت سلیم بشرطیکہ وہ بہک نہ جائے نتیجہ نکال سکتی ہو کہ حکم دینے والا ضرور جانتا تھا کہ اس درخت پر چڑھنا مناسب نہیں ہو اور اگر چڑھو گے تو گر کر ضرور ٹانگ ٹوٹیگی اور اسی لیے کہدیا کہ اگر گر کر ٹانگ نہ ٹوٹے تو چڑھ جاؤ۔ اب کتنے بزرگ ایسے ہیں جنھوں نے دوسری شادیاں کیں ہیں اور جو انصاف کر رہے ہیں۔ ہم اُن لوگونکو مخاطب کر رہے ہیں جنھوں نے دوسری شادیاں کی ہیں اور جو صرف مذہبی بحث یا تاریخ کے چند واقعات سے استدلال پکڑنے کے سوائے اور کوئی معقول دلیل اپنے پاس نہیں رکھتے۔ ہمارا روئے سخن اُن حضرات کی طرف ہو جو آپ بیتے واقعات پر نظر کرکے اسقدر

ہر ہائنس نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ تاج الہند
جی۔ سی۔ ایس۔ آئی و جی۔ سی۔ آئی۔ ای
فرمانروای بھوپال دام اقبالہا

جو

لیڈیز کلب بھوپال کے جلسہ میں ۲۹ جنوری سنہ ۱۹۱۲ء کو ارشاد فرمائی

ممبران کلب!!

میں تمہارے ایسے پُرجوش طریقہ سے خیر مقدم کرنے اور تم سب کی اُس سچّی
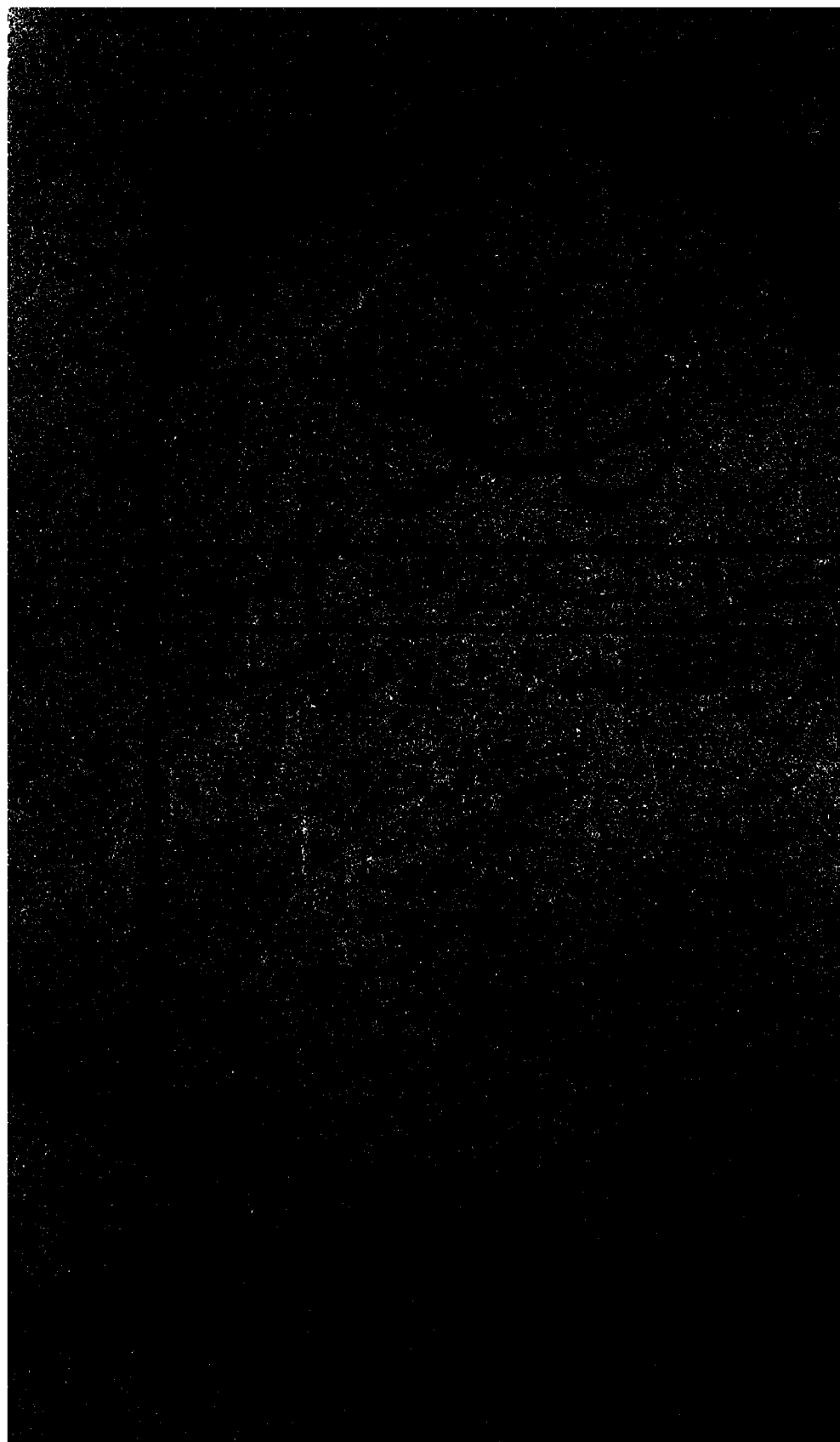
محبت کی جو ہر موقع پر نہایت شاندار طریقہ سے نمایاں ہوتی ہی بہت قدر کرتی ہوں۔
اس میں شک نہیں کہ سفر یورپ سے واپس آنے کے بہت دیر بعد آج ہم سب اس کلب میں جمع ہوئے ہیں لیکن اس دیر کا سبب بھی بہت ہی مبارک تھا۔ یعنی دربار دہلی کی تیاریاں اور مصروفیتیں اس اجتماع کی مانع رہیں اور یہ مصروفیتیں ایسی سعید و مبارک تھیں کہ جنکے باعث ہم میں سے کسی کو اس دیر کا افسوس نہو گا۔

خواتین کلب!

تمھارے خیالات جو میری ذات کی نسبت ہیں ضرور قابل عزت ہیں۔ اور میں اُن کی وقعت کرتی ہوں مگر ان خیالات سے زیادہ تر میں اُس عمل اور فعل کی عزت اور قدر کرتی ہوں۔ جو میری ہدایتوں اور نصیحتوں اور ارادوں۔ کے متعلق تم سے ظاہر ہوتے ہیں
یاد رکھو کہ میرے لیے دنیا میں یہی سب سے زیادہ خوش کرنے والی چیز ہی کہ میں اپنی تمام کوششوں کو سرسبز دیکھوں۔ اور خاصکر اُس کوشش کو جسکا تعلق اپنی جنس کی بہتری اور فائدہ سے ہے۔

تم نے میرے جشن تاجپوشی لندن میں شریک ہونے لیوی میں باریاب ہونے اعلیٰ حضرت ملک معظم قیصر ہند و علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی نوازشہائے خسروانہ سے ممتاز و مشرف ہونے نور کرون آف انڈیا کے خطاب ملنے پر جو اظہار مسرت کیا ہی درحقیقت یہ تمام باتیں میری تمام رعایا خاندان اور احباب کے لیے باعث افتخار و مسرت ہیں اور میں پہلے خدا اور اسکے بعد اپنے شہنشاہ اور شہنشاہ بیگم کا شکریہ دلی ارادت کے ساتھ ادا کرتی ہوں۔ کہ جناب ممدوحین نے ایسے مراحم خسروانہ مبذول فرماکر مجکو افتخار و اعزاز عطا فرمایا۔

اور مجھے امید ہی کہ میری امن پسند رعایا ایسے عزیز و کریم شہنشاہ و شہنشاہ بیگم کی افزونی اقبال و عمر کے لیے بارگاہ الٰہی میں ہمیشہ خلوص دل سے دعا کریگی اور جس طرح

میرے دل میں وفاداری و اطاعت اور عقیدت و محبت کا جوش ہے ایسا ہی میری رعایا اور خاندان میں رہے گا۔

استنبول میں اعلیٰحضرت سلطان المعظم اور علیا حضرت سلطانہ سے جو شرف ملاقات حاصل ہوا اور اس ملاقات کے نتیجہ میں جو بیش بہا اور گراں قدر تحفہ یعنی موی مبارک رسول مقبول صلعم کی ریش اطہر کا مجکو نصیب ہوا۔ اسکے لیے میں سلطان المعظم کی بدل ممنون ہوں لیکن یہ بھی ہمارے شہنشاہ اور ہماری فیاض گورنمنٹ کی عنایت و آزاد خیالی اور اعتماد کی ایک روشن دلیل ہے۔ کہ ہندوستانی والیان ملک ممالک دنیا کی سیر و سیاحت کرکے معلومات و تجربات حاصل کرتے ہیں۔ اور غیر ملک کے فرمانرواوں سے ملتے ہیں۔ مجھے استنبول جانے اور سلطان المعظم سے ملنے کی نہایت خوشی کے ساتھ اجازت عطا فرمائی گئی۔ اور ہر موقع پر سلطنت انگریزی کے سفیر نے میرے احترام کا خیال رکھا۔

معزز خواتین!

مینے (۱۰) ماہ پہلے اس کلب کے جلسہ میں جو تم نے مجھے خدا حافظ کہنے کے لیے منعقد کیا تھا تم سے کہا تھا کہ میرے اس سفر کی بڑی غرض یہ بھی ہے کہ اپنی آنکھوں سے یورپ کی ترقی یافتہ حالت کو دیکھوں اور وہاں سے جو خوبیاں اخذ کر دں اُنسے اپنے ملک اور اپنی قوم کو فائدہ پہونچاؤں۔

میں نے اس غرض کیواسطے جو کچھ تجربات حاصل کیے ہیں اُسکا اظہار انشاء اللہ تعالےٰ آیندہ عملاً کرنا چاہتی ہوں۔ جو کہ اپنے اوقات معینہ پر ہو گا۔ مگر ان تجربات کے فائدہ کو مکمل ہونے کے لیے تعلیم کی اشد ضرورت ہے۔

میں نے اس سفر میں مختلف ملک جہاں مختلف طریقوں سے حکومت ہوتی ہے دیکھے اور وہاں اگرچہ زیادہ نہیں تاہم اکثر اشخاص سے بھی ملاقات کا موقع ملا اُنکی عادتوں

اور خصلتوں کو معلوم کیا۔ طرزِ معاشرت پر نظر کی رفاہ عام کے کام انسانی آسائش و آرام کے اسباب معائنہ کیے ملکوں کو آباد زراعت کو سرسبز دولت کو نمایاں دیکھا۔ باشندوں میں اخلاق متانت آزادی وطن کی محبت تہذیب و بلند حوصلگی مخلوق خدا کے ساتھ ہمدردی پائی۔ ان خصائل کی جانچ کرنے کا موقع مجھے انگلستان میں زیادہ حاصل ہوا اور یہ تجربہ وہیں کے لوگوں سے حاصل کیا۔

میں نے یہ عمدہ خصائل جوان اور سن تمیز پر پہنچے ہوئے لوگوں ہی میں نہیں دیکھے بلکہ معصوم بچوں میں بھی یہی نمایاں صفات ہیں۔ غرض میں نے اس سیاحت میں اپنا وقت فضولیات میں صرف نہیں کیا۔ بلکہ جس بڑے مقصد کے واسطے یہ سفر اختیار کیا تھا اُسی کو پیش نظر رکھتی رہی۔ میرے تجربات و نتائج سیاحت بہت طولانی اور تفصیل طلب ہیں جنکو بشرط حیات موقع بموقع عملاً ظاہر کرنا چاہتی ہوں۔ خدا میرے ارادے میں کامیابی دے۔ اسوقت صرف اسقدر کہنا کافی سمجھتی ہوں کہ یہ تمام خصلتیں اور نیکیاں روز افزوں دولت اور ترقی۔ ماؤں کی تعلیم یافتہ ہونے اور اپنے بچوں کو ابتدا سے خود تربیت کرنے کے ثمر ہیں۔

آغوش مادر کی یہ تربیت گاہیں یا مدرسے مزدوروں کے گھروں سے لیکر امرا اور بادشاہوں کے محلوں تک میں موجود ہیں۔ مائیں تعلیم یافتہ ہیں جو اپنے بچے کی خود ہی اُستاد اور معلم ہیں۔ وہ خود حفظ صحت کے اُصول پر اپنی زندگی بسر کرتی ہیں اور انہیں اُصول کے ساتھ بچوں کی پرورش کرتی ہیں جس سے بچوں کی نشو و نما پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ ابتدا سے اُن کو جھوٹ سے نفرت انسانوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی ترغیب اپنے ملک اور قوم کی محبت چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ بڑوں کا ادب عالی حوصلگی بلند ہمتی اور اپنے بادشاہ کی سچی عزت و اطاعت کی تعلیم دیجاتی ہے اور نو دس سال کی عمر تک اس تعلیم کے کتنے ہی درجے طے ہو جاتے ہیں۔

یہ تعلیم جو مہد سے شروع ہوتی ہی ایسی پختہ اور مضبوط ہوتی ہی جسکا اثر لحد تک قائم
رہتا ہے۔

اور اسی تعلیم کا نتیجہ ہی کہ اسوقت یورپ تمام روی زمین کا سرتاج بنا ہوا ہی۔ اور یورپ
میں انگلستان۔ اُس تاج میں نہایت قیمتی اور چمکتا ہوا ہیرا ہی جس کی آب و تاب نے سب کو
ماند کر رکھا ہی۔ لیکن اے خواتین تم کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے دو سو برس پہلے اسی یورپ
میں جسکو آج ہندوستان میں تمثیلاً پیش کیا جاتا ہی عورتیں تعلیم سے بالکل محروم تھیں مگر
مردوں نے تعلیم حاصل کی عورتوں کی تعلیم کی ضرورت سمجھی اور اُن کو مدد دی عورتیں بھی
ہمت اور کوشش کے ساتھ مصروف ہوئیں۔ امیروں نے غریبوں کی مدد کی ایک نے
دوسرے کو توجہ دلائی اور آج وہ آسمان تعلیم کا تارا بنگئیں۔

پس اے ممبران کلب تمہاری زندگی کا حقیقی مقصد یہ ہونا چاہیے کہ جہانتک تمہاری
طاقت و قدرت ہو اپنی جنس کو تعلیم کی طرف مائل کرو غریبوں کو مدد دو۔ اور تمام نیکی کے
کاموں سے زیادہ نیکی کا کام اپنی جنس کی تعلیمی مدد سمجھو۔ اسلیے بجاے فضول تقریبات
اور اخراجات کے زنانہ اسکول زنانہ کلب اور ایسے رسالوں اور اخباروں کو جو تمہارے
فائدے اور دلچسپی کیواسطے جاری ہیں امداد دو۔ کیونکہ ہر قسم کی کامیابیاں اور ترقیوں کا
سنگ بنیاد تعلیم نسواں ہی ہی۔ یاد رکھو کہ اگر ایک نسل بھی تعلیم یافتہ ہوجائے گی تو انشاءاللہ
تمہارے ملک تمہاری قوم اور تمہاری جنس کا جہاز افلاس و ادبار کے طوفان سے نکلجائیگا۔

لیکن میں اس تعلیم کے ساتھ اُس آزادی کو پسند نہیں کرتی جو اعتدال سے متجاوز
ہو چکی ہی اور ہمارے یہاں کی پردہ نشین ناخواندہ بلکہ خواندہ عورتوں کو کبھی اُسکا خیال بھی
نہیں گذر سکتا۔ ممکن ہی کہ یہ آزادی جو سرزمین یورپ میں ہی وہاں کے مناسب ہو۔ یا
یہ آزادی مذہب عیسوی کی تلقین و ہدایت کے مطابق ہو۔ مگر ہندوستان اور بالخصوص
مسلمانوں کے لیے کسی طرح اور کسی زمانہ میں میرے خیال میں نہ موزوں ہوگی اور نہ خدا تعالے

کے احکام کبھی غیر مفید ہو سکتے ہیں۔

پس ہم کو اس حدیث پر عمل کرنا چاہیے خذ ما صفا۔ ودع ما کدر۔ (اچھی چیزوں کو لو اور بُری چیزوں کو چھوڑ دو) مسلمان عورتوں کو کبھی اُس آزادی سے زیادہ کی خواہش نہیں کرنی چاہیے۔ جو مذہب اسلام نے اُن کو عطا کی ہے اور وہ آزادی ایسی آزادی ہے جو عورت کو اپنے حقوق سے مستفید ہونے اور تمام خرابیوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔

میں یہاں پر بافسوس ظاہر کرتی ہوں کہ ترکی خاتونیں جہاں تعلیم کی طرف راغب ہو رہی ہیں وہاں اُن میں یورپ کی سی آزادی کا بھی میلان طبع ہے جسنے اُن کو یقیناً فی زمانہ ایک خطرناک رستہ پر ڈال دینے کا اندیشہ پیدا کر دیا ہے۔ خداے تعالیٰ اُنکو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا کرے جو اُن کی عزت کے واسطے مفید ثابت ہو۔

ہماری قومی تاریخ ہم کو جتا رہی ہے کہ مسلمان عورتوں نے اسلام اور شعائر اسلام کی پابند رہکر دنیا میں کیسے کیسے کارہاے نمایاں کیے ہیں کیسے کیسے علوم و فنون میں دستگاہ حاصل کی اور اُن کی تربیت و تعلیم نے کیسے کیسے اولوالعزم عالم اور مشہور اشخاص پیدا کیے دور کیوں جاؤ خود بھوپال میں اسی نتیجہ تعلیم پر نظر ڈالو۔ اور گذشتہ دونوں فرماں روا بیگمات کے حالات دیکھو جو تعلیم کے اعلیٰ نتایج ہیں۔

غرض تعلیم حاصل کرو اور پابند طریق اسلام رہو تاکہ تمہاری قومی ترقی ہو اور تم کو ہر قسم کی کامیابیاں حاصل ہوں۔

خدا کا بڑا کرم ہے کہ سلطنت تعلیم کی حامی ہے اور مالک سلطنت کی بڑی آرزو اپنی رعایا میں تعلیم کی اشاعت اور ترقی ہے۔

پس اگر اس وقت ہم نے تساہل کیا تو اپنے ہاتھوں سے نقصان عظیم اُٹھائیں گے۔

خواتین!

تم میں سے اکثر کو میرے حالات سفر بھی سننے کا اشتیاق ہوگا۔ لیکن میں آجکل سخت عدیم الفرصت ہوں اور اس لیے تمہارے اشتیاق کو پورا نہیں کر سکتی۔ شاہ بانو سفرنامہ لکھ رہی ہیں۔ اور ختم ہونے کے قریب ہے۔ اگرچہ وہ سفرنامہ اُن کی ہمعمروں کے واسطے مفید اور دلچسپ ہوگا۔ اور اسی کی ہندوستان کو ضرورت ہے کہ کم عمر بچے اس قسم کی کتابوں کو پڑھیں اور سمجھ لیں تاکہ اُن میں خود حوصلہ اور ولولہ پیدا ہو۔ خدا نے چاہا تو تم جلد اسکو سنوگی اور دیکھوگی اور حالات تفصیل کے ساتھ معلوم ہوجائینگے تاہم مجھے تمہارا شوق مجبور کر رہا ہے کہ نہایت مختصر طور پر اسوقت کچھ بیان کروں۔

جب ہم سرزمین انگلستان پر پہونچے تو ہم کو بالکل اجنبیت نہ تھی۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ جگہ بھی مثل ہمارے وطن کے ہے۔ اور درحقیقت یورپ بھر میں صرف انگلستان ہی ایک ایسا ملک ہے جہاں ہندوستانیوں کو گھر اور وطن کا لطف حاصل ہو سکتا ہے۔ اور کیوں نہو جبکہ خدا نے ایک ہی بادشاہ کو جو برٹش قوم کا ہے دونوں جگہ حکمراں بنایا ہے اور دونوں ملک کے باشندے اُسکے ظل عنایت میں ہیں۔ اور دونوں کی محبت کا مرکز اُسی کی ایک ذات اقدس ہے۔ البتہ طرز معاشرت کاروبار وغیرہ میں امتیاز ضرور تھا۔

یہاں اکثر قدیم احباب سے پُر لطف ملاقاتیں ہوئیں اور سب نہایت عزت و محبت اور بے تکلفی کے ساتھ ملے۔ اس کلب کی نہایت عزیز و محترم وزیٹر لیڈی منٹو سے بھی ملاقات ہوئی اور اُن کو نہایت خوش پایا۔

خواتین کلب! میں اپنی لیڈیز کلب کو اس سفر میں کبھی نہیں بھولی۔ اور جسوقت لیڈی منٹو سے ملی میں نے کلب کا ذکر کرکے اُنکے وعدہ کو یاد دلایا جو اُنھوں نے افتتاح کلب کے وقت فرمایا تھا۔ کہ میں ضرور ہر مجسٹی سے اپنے وزٹ اور کلب کے نام کا تذکرہ

کروں گی۔ امید ہے کہ ہر مجسٹی اپنی تصویر اس کلب کو عنایت کریں۔ غرض لیڈی صاحبہ نے اپنے اُس وعدہ کا ایفا فرمایا اور ہر مجسٹی نے مجکو اپنی تصویر جو یورپ میں عنایت فرمائی وہ میں آج کلب کو سپرد کرتی ہوں۔ اور امید کرتی ہوں کہ تمام ممبر ہمیشہ ہر مجسٹی اور اُنکے خاندان کے اور ان کی سلطنت کے بقاے دوام کے لیے دعا کرینگے اور اس کلب اور اسکے مقاصد کی اشاعت اور ترقی میں کوشش کرکے اس عطیہ کی شکر گزاری کا ثبوت دینگے۔

خواتین! میں اعلیٰحضرت ملک معظم قیصر ہند کی اور علیاحضرت ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کی رسم تاجپوشی میں شریک ہوئی جسکا میں کچھ حال اپنے خط میں لکھ چکی ہوں اسلیے اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ شاہنشاہ کی لیوی یعنی دربار میں باریابی امرا میں شرف حضوری حاصل ہوا۔ اور گارڈن پارٹی وغیرہ میں بھی شرکت حاصل ہوئی جہاں (۷۰۰) معزز خواتین۔ اور جنٹلمین مدعو تھے۔ ہمیشہ لیوی یا گارڈن پارٹی کے جلسوں میں تمام معززین ایک جگہ اور ایک جلسہ میں جمع نہیں ہوتے۔ بفضل خدا وسیع مملکت ہے ہزاروں امرأ ہیں۔ اسلیے ہر پارٹی کئی وقت اور متفرق اوقات میں ہوتی ہے۔ آج ایک گروہ کی باری ہے اور کل دوسرے گروہ کی۔ میں بیان نہیں کرسکتی کہ ان سب موقعوں پر میرے ساتھ کس قدر اعلیٰ اخلاق اور اعزاز کا برتاؤ کیا گیا۔ جس سے میرے دل میں ایک عجیب شکر گزاری پیدا ہوئی ہے۔ میں نے کوئن الگزینڈرا سے بھی شرف نیاز حاصل کیا جو مرحوم ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی بیوہ ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ حضور ممدوحہ کی ملاقات سے کیسا اثر میرے دل پر قائم ہوا۔ ایک طرف اُنکے اخلاق شاہانہ۔ دوسرے طرف اُن کی بیوگی کی دلگداز حالت نے میرے قلب پر متضاد کیفیتیں پیدا کردیں۔ اثنائے گفتگو میں جناب ممدوحہ نے ۱۸۷۵ع میں ہندوستان نہ آسکنے کا افسوس فرمایا اور پھر امید ظاہر کی کہ وہ بھی ہندوستان کو دیکھیں گی۔

انگلستان کے علاوہ جرمن آسٹریا ہنگری فرانس کے بھی شہر دیکھے اور مختلف حالتیں پائیں۔

قسطنطنیہ کی بھی سیر کی۔ اگرچہ نہایت خوبصورت اور قدیم شہر ہی۔ صدہا مسیحی اور اسلامی یادگاریں ہیں۔ تمام ملکوں کے باشندے یہاں جمع ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ یورپ کے ملکوں کی طرح صفائی و تہذیب نہیں۔ ترکی تعلیم یافتہ خاتونوں میں تہذیب و شائستگی ضرور ہی۔ اور عموماً اسلامی اخلاق اور اسلامی مہمان نوازی باقی ہی۔ تاہم ابھی کامل تعلیم یافتہ ہونے کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ معاشرت انگریزی طریق پر ہی۔ مگر کسی قدر فرق کیساتھ ہی اور اس تفریق کی وجہ پردہ کے احکام ہیں۔ مجموعی حالت غور کرکے یہی کہا جاسکتا ہی کہ ابھی ان کو بہت کچھ کرنا باقی ہی اور بہت کچھ سیکھنے کی احتیاج ہی۔

یہاں کثرت سے مساجد ہیں اور علمائے معمور ہیں لیکن علماء کی حالت بالکل ہندوستانی عالموں کی طرح ہی۔ اُن میں ہنوز تعصبات موجود ہیں یہ ہمارے علماء کے لیے قابل غور ہی کہ جبکہ وہ باتیں جو احکام الٰہی سے ممنوع نہ ہوں اور دنیاوی ضروریات سے لوگ اُسکے کرنے پر آمادہ ہوں تو اپنی قوت ممیزہ کی عینک سے اُسکو ملاحظہ کرلیا کریں کہ آیا اسمیں کوئی ممنوعات شرعی۔ یا اصل اسلام میں حارج ہونے کی تو کوئی بات نہیں ہی۔ لیکن ایسا نہیں کرتے ان وجوہات سے اُن کا اثر کم ہوتا جاتا ہی اور ایسے ہی اسباب نے ترکوں کی نئی جماعت نے اُن کا اقتدار زائل کردیا ہی۔ لیکن یہ قابل غور ہی کہ اس اثر کے ساتھ ہی ساتھ ویسا ہی کچھ ضعف احکام شرعی کی پابندی میں پیدا ہوتا جاتا ہی۔

افسوس ہی کہ پردہ کی رسم بھی اُٹھتی جارہی ہی اور آزادی کی طرف عورتوں کا قدم تیزی سے بڑھ رہا ہی۔ ترکش سلطنت کے توشکخانہ میں چند تبرکات ہیں اُن کی بھی زیارت کی۔ لیکن خرقہ شریف کی زیارت اچھی طرح نہ ہوسکی کیونکہ وہ پندرہ رمضان کو بڑے ادب اور احترام کے ساتھ کھولا جاتا ہی اور اُسوقت ہم کو وہاں زیادہ قیام کا موقع نہ تھا۔

البتہ ایک اور مستند خرقہ شریف کی زیارت ہوگئی۔ قدم شریف اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلمی نسخہ قرآن مجید کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ وہ نسخہ ہے جس کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تھے اور اُسکے اوراق پر ہنوز خون کے داغ موجود ہیں۔

سلطان المعظم نے نہایت تپاک اور اخلاق سے باریابی کا شرف عطا کیا۔ فارسی میں گفتگو ہوئی۔ تھوڑی دیر گفتگو رہی۔ پھر یہاں سے حرم سرا میں سلطانہ کی ملاقات کو گئی۔ سلطان المعظم ہمراہ تھے۔ خود تعارف کرایا۔ اور میرے اور سلطانہ کے مابین مترجم تھے۔ تھوڑی دیر بعد یہ فرماکر

کہ شما اینجا رو کشادہ گپ بزنید۔ من رخصت می شوم۔ تاکہ با سفیر انگلشیہ و نواب زادگاں قہوہ نوشی کنم۔

تشریف لے گئے۔ سلطان المعظم کے تشریف لیجانے کے بعد میں نے نقاب اُٹھایا میرے اور سلطانہ کے درمیان مختلف مضمونوں پر باتیں ہوتی رہیں۔ اسوقت سلطان المعظم کے ایک سکرٹری کی لڑکی مترجم تھیں۔ میں اُنسے انگریزی میں کہتی اور وہ سلطانہ سے ترکی میں بیان کردیتیں۔

قسطنطنیہ کے بعد دوسرا ملک اسلامی مصر دیکھا۔ یہاں آزادی بالکل یورپ کی طرح ہی مصر کی دارالسلطنت قاہرہ میں ایک بڑا مشہور مدرسہ جامع ازہر کے نام سے ایک عالیشان مسجد میں ہے ہزاروں طالب علم رہتے ہیں اور تعلیم پاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مفید تعلیم مفقود ہے۔

یہاں جو کچھ ترقی ہے وہ سب انگریزی اقتدار اور اثر کا نتیجہ ہے۔

المختصر اس سیاحت وسفر سے سلطنت برطانیہ میں جو انصاف امن و امان۔ اور آزادی ہے اس کی وقعت ہزارہا حصہ زیادہ ہوگئی۔ فقط

حضرت صفیہ رضؓ

حضرت صفیہ کے والد عبدالمطلب بن ہاشم ہیں اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب ہے جو حضور اکرم کی خالہ تھیں۔ حضرت صفیہ حضور کے والد عبداللہ کی علاتی اور حضرت حمزہ سیدالشہداء کی حقیقی بہن ہیں۔ ان کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا نکاح حارث بن حرب کے ساتھ ہوا تھا جو ابوسفیان کے بھائی تھے۔ انکے انتقال کے بعد عوام بن خویلد کے ساتھ ہوا۔ ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے ایک تو حضرت زبیر جنکو دربار نبوت سے حواری کا خطاب ملا اور جو اُن دس صحابہ میں سے ہیں جنکے جنتی ہونے کی خوش خبری دنیا ہی میں آگئی تھی یعنی

حضرت ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعدؓ۔ سعیدؓ۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم

دوسرے سائب جو عبدالکعبہ بھی کہے جاتے تھے۔

حضرت صفیہ ہجرت سے پہلے اسلام لائیں۔ آنحضرت کی چھ پھوپھیوں میں یہی ایک ایسی ہیں جنکے اسلام لانے پر تمام مورخ متفق ہیں۔ باقی برہ۔ امیمہ اور ام حکیم یہ تین مسلمان نہیں ہوئیں۔ اور عاتکہ اور اروی کے متعلق اختلاف ہے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ دونوں مکے میں اسلام لائیں اور پھر وہاں سے ہجرت کرکے مدینہ شریف آئیں۔ لیکن ابن اثیر اور ابن اسحاق جو بہت بڑے مورخ ہیں کہتے ہیں کہ سوائے حضرت صفیہ کے آنحضرت کی کسی پھوپھی کو اسلام لانا نصیب نہ ہو سکا۔

مدینہ شریف آنے کے بعد ۳ھ میں جنگ اُحد کا وہ دردناک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کا

سب سے بڑا امتحان تھا اور جس کی کیفیت ہم اس سے پہلے حضرت ام عمارہؓ کے حالات میں لکھ چکے ہیں۔ اس جنگ میں اسلام کا بہترین سپاہی میدان جنگ میں شہید ہوا یعنی سید الشہدا حضرت امیر حمزہؓ۔ ہندہ نے جسکا باپ عتبہ بدر کی لڑائی میں مارا گیا تھا اپنے انتقامی جوش کا اس طرح اظہار کیا کہ سید الشہدا کا مُثلہ کیا یعنی ناک اور کان وغیرہ کاٹ لیے۔ سینہ چاک کر ڈالا اور کچے کلیجے کا ایک ٹکڑا موتھ میں ڈالا لیکن نگل نہ سکی اسلیے اُگل دیا۔

میدان جنگ کی ادہر یہ کیفیت تھی اُدہر سے حضرت صفیہ نے نیزے مار مار کر بھاگے ہوئے مسلمانوں کا موتھ پھر میدان جنگ کی طرف پھیرا۔ وہاں پہونچکر جب لڑائی کا خاتمہ ہوچکا تو وہ قلبی محبت اور وہ خونی کشش جو بھائی بہنوں میں ہوتی ہی اِن کو کھینچ کر اس طرف لیچلی جدہر سینہ فگار بھائی پڑا ہوا تھا جس کی شکل بگاڑی جاچکی تھی۔ آنکھیں نکال لی گئی تھیں اور کلیجے کے ٹکڑے اِدہر اُدہر پڑے ہوئے تھے۔

حضور انور نے دور سے دیکھا اُسی وقت حضرت زبیر کو حکم دیا کہ دیکھو اپنی ماں کو منع کردو اِدہر نہ آنے پائے۔ حضرت زبیر دوڑے اور منع کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ میں نے سُنا ہی کہ میرے بھائی کا مثلہ کیا گیا ہی میں اُسکو دیکھنے آئی ہوں۔ حضرت زبیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرماتے ہیں۔ اُنھوں نے کہا کہ میں رونے اور نوحہ کرنے کے لیے نہیں آئی ہوں بلکہ دیکھوں گی صبر کرونگی اور مغفرت مانگونگی۔

زبیرؓ نے دربار نبوت میں آکر عرض کیا۔ حضور نے فرمایا خیر دیکھ لینے دو۔ تب وہ قریب گئیں۔ کیفیت دیکھ کر جی بے قرار ہوگیا لیکن اسلامی صبر کا دامن پکڑ کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھکر دعاے مغفرت مانگی اور کفن کے لیے بیٹے کو دو چادریں حوالہ کیں۔ اور وہاں سے باچشم تر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔

حضرت زبیرؓ کہتے ہیں کہ وہ چادریں ہم نے لیں کہ اُن میں حضرت حمزہ کو دفن کریں

لیکن انہیں کے قریب ایک انصاری شہید تھا اسکے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا تھا جو حمزہ کیساتھ ہم نے مروت کے خلاف سمجھا کہ ایک کو دو چادروں میں دفن کریں اور ایک کو بے کفن چھوڑیں اسلیے دونوںکو ایک ایک چادر میں لپیٹ کر دفن کیا۔

حضور اکرم نے فرمایا کہ میں اس سے زیادہ تکلیف دہ اور دردناک منظر پر کبھی کھڑا نہیں ہوا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں حمزہ کی لاش کو اسی طرح چھوڑ دوں اور اسکو درند و پرند کھا جائیں لیکن صفیہ کے دل کو رنج ہوگا اور میرے بعد لوگ یہی طریقہ اختیار کرینگے اسلیے میں دفن کرتا ہوں۔ قسم ہے رب کی کہ میں تیرے بدلے اے حمزہ ان لوگوں میں سے ستر آدمیونکا مثلہ کرونگا جنہوں نے تیرا مثلہ کیا ہے۔ لیکن اسکے بعد جبرئیل اُترے اور پیغام لائے کہ صبر بہت اچھی چیز ہے تب آپ اس خیال سے درگذرے۔ اور صبر کیا۔

۵ھ میں شوال کے مہینہ میں مکہ کے کافروں نے یہ ارادہ کیا کہ اسکے ای فوج لیجلو کہ مسلمانوں کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے۔ انھوں نے ہزاروں روپیے اپنے آس پاس کے قبائل کو تقسیم کیے تاکہ وہ اسلحہ خریدیں سواری کے لیے اُن کو اونٹ دیے۔ اور تقریباً دس ہزار کی جمعیت لیکر اسلام کو مٹانے کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مشکل یہ تھی کہ مدینہ کے قرب وجوار میں جو یہودی تھے وہ بھی باوجود اسکے کہ مسلمانوں سے عہد و پیمان کر چکے تھے لیکن مکے کے کافروں کے ساتھ شریک ہو گئے اور اُنھوں نے بھی یہی چاہا کہ لاؤ متفق ہو کر اسوقت اسلام کو مٹا ڈالیں۔

مسلمانوں کی کل لڑنے والی جماعت تین ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ حضور اکرم نے جب کافروں کے یلغار کی خبر سُنی تو اسی قلیل جماعت کو لیکر مدینہ سے باہر نکلے اور حضرت سلمان فارسی کی رائے کے مطابق حفاظت کے لیے ارد گرد مورچہ بندی کی اور خندق کھودی۔

مسلمانوں کے لیے یہ بڑی مصیبت کا وقت تھا۔ ایک طرف قحط۔ دوسری طرف افلاس اسپر دشمن زبردست۔ لیکن اسلام کی صداقت کی وجہ سے وہ ان مصائب کو اپنی خوشی

اور دائمی راحت کا سبب سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ان سب تکالیف کو جھیلتے تھے۔

اس خندق کے کھودنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس شریک تھے کئی کئی دن جب فاقہ سے گذر جاتے تھے تو جھکتے نہیں بنتی تھی اسلیے شکم پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔

کافروں سے لڑائی شروع ہوئی۔ ایک دن جبکہ تمام مسلمان لڑائی میں مشغول تھے اور عورتیں اور بچے پیچھے ایک محفوظ کوٹ میں چھوڑ دیے گئے تھے جہاں کوئی ان کی حفاظت کے لیے موجود نہیں تھا۔ چند شریر یہودیوں نے یہ سوچا کہ چلو مسلمانوں کے حرم پر چھاپا ماریں وہ لوگ اس ارادہ سے کوٹ کی دیوار سے لگ کر آ کھڑے ہوئے اور ایک شخص کو اُس کے دروازہ کے قریب بھیجا کہ تم کان لگا کر سنو اور خبر لاؤ کہ کوٹ کے اندر کچھ مسلمان تو حفاظت کے لیے نہیں موجود ہیں۔ وہ آکر چپ چاپ دروازہ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اور اندر کی آواز پر کان لگایا۔

حضرت صفیہ نے اسکو اوپر سے دیکھ لیا۔ وہاں کوئی مرد موجود نہیں تھا صرف حضرت حسان جو دربار نبوت کے شاعر ہیں عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑے گئے تھے۔ حضرت صفیہ نے اسنے کہا کہ دیکھو دروازہ پر ایک یہودی کھڑا ہوا ہے اور وہ یقیناً جاسوسی کے لیے آیا ہے لہٰذا تم جا کر اسکو قتل کرو۔ حضرت حسان میں یہ جرأت کم تھی اُنھوں نے کہا کہ یہ مجھ سے نہ ہو سکیگا۔ یہ سُنکر حضرت صفیہؓ کو بہت ہی اندیشہ ہوا اُنھوں نے خیال کیا کہ یہ جا کر ضرور خبر دیگا کہ اس کوٹ میں کوئی مرد نہیں ہے۔ اور یہودی آکر ہم کو لوٹ لینگے۔ مسلمان دشمن کے مقابلہ میں ہیں وہ ہماری مدد نہیں کر سکیں گے۔ یہ سوچکر وہ خود دروازہ پر آئیں اور آہستہ آہستہ پٹ کھولکر ایک دم اس یہودی پر حملہ کیا اور ایک ایسا لٹھ اسکے سر پر مارا کہ وہ گرا اور مر گیا۔

اندر آکر اُنھوں نے حضرت حسان کو خبر کی۔ اور کہا کہ تم جا کر اسکا سامان تو کم از کم لیلو کیونکہ اسکے اسلحہ وغیرہ میں نے محض اسوجہ سے نہیں نکالے کہ وہ مرد ہے۔ لیکن حضرت حسان اسپر

بھی راضی نہ ہوئے۔ آخر وہ خود اسکا سر کاٹ لائیں اور اُس طرف لیجا کر دیوار کے نیچے پھینکا جہاں اسکے ساتھی اسکا انتظار کر رہے تھے۔ سر کو دیکھتے ہی ڈر گئے اور اُنھوں نے سمجھ لیا کہ اس کوٹ میں بھی ضرور کچھ مسلمان حفاظت کے لیے ہیں۔

حضرت صفیہ نے آنحضرت کے رحلت فرمانے پر مرثیہ میں اشعار کہے ہیں۔ ایک شعر یہ ہے۔

ان یوماً اتی علیک لیوم　　　کورت شمسہا وکان مضیئا

جس دن آپ نے رحلت فرمائی اُس روز آفتاب تاریک ہوگیا حالانکہ وہ روشن تھا

حضور کی وفات کے دس برس بعد ۲۰ھ میں حضرت عمر کی خلافت میں ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں دفن ہوئیں۔

اسلم

جاپان

تیرھواں باب

پتنگ بازی

میلے کے دو ہفتوں بعد ایک روز تارو اپنے باپ اور اپنے چھوٹے بھائی آئی تو کے ساتھ پتنگ اُڑانے کے لیے باہر نکلا۔ اسکے بہت سے ہمسایے پہلے ہی سے پتنگ بازی میں مشغول تھے۔ کچھ تو اپنے مکانوں کی چھتوں پر سے پتنگیں اُڑا رہے تھے اور کچھ کھڑکیوں میں سے۔ لیکن ہمارے دوستوں نے اسکو پسند نہ کیا اور وہ زیادہ کشادہ جگہ کی تلاش میں اپنی گلی کے پیچھے ایک بلند میدان میں پہونچے۔ یہاں اور لوگ بھی پتنگ اُڑا رہے تھے اور یہ بھی انہیں میں شامل ہوگئے۔ آج ہر شخص خواہ بوڑھا ہو یا جوان۔ جھنڈیاں ٹوپی

ہوئی زرد صورت کے ساٹھ برس کی عمر والوں سے لیکر تین سال کے ننھے بچوں تک ہر عمر کا آدمی پتنگ اُڑا رہا تھا۔ تین چار برس کے خورد سال بچّے متانت و سنجیدگی کے ساتھ پتنگ اُڑانے میں اپنے عمر رسیدہ دادا سے کم نہ تھے۔ تھوڑی دیر میں اوہاراسان بھی ان سب سے جا ملی۔ اس کی پیٹھ پر اسکا شیر خوار بھائی بندھا ہوا تھا اور وہ بھی اپنی مٹھی میں چھوٹے سے تاگے کا سرا پکڑے ہوئے تھا جسکے دوسرے سرے پر پتنگ کی ایک دھجی بندھی ہوئی تھی جو اسکے سر پر دو تین گز کے فاصلے سے عجب دلکش انداز کے ساتھ ہوا میں اُڑ رہی تھی۔

تارو کا دماغ آج آسمان پر تھا۔ آج کے روز وہ پہلی مرتبہ لڑانے کی بڑی پتنگ اُڑانے والا تھا۔ پتنگ بڑے مضبوط دبیز کاغذ کو بانس کی تیلیوں پر لگا کر بنائی گئی تھی اور پانچ مربع فٹ بڑی تھی۔ یعنی اس کی پتنگ خود اسکے باپ کے قد سے زیادہ بڑی تھی۔ ایک دن پہلے تارو نے کانچ کو خوب باریک پیس کر اور اس میں سریش ملا کر تیس گز کا مانجھا تیار کیا تھا جو اسوقت پتنگ سے بندھا ہوا تھا۔ اس مانجھے کے ذریعے وہ اپنے حریف کی پتنگ کاٹنے کی توقع کر رہا تھا۔

اسوقت اوج ہوا میں مختلف رنگوں اور شکلوں کی بیشمار پتنگیں اُڑ رہی تھیں۔ بعض صرف سُرخ۔ زرد۔ سبز۔ نیلی اور قوس قزح کے رنگ کی تھیں اور بعض پر دیوتاؤں۔ مشہور بہادروں نبرد آزما سورماؤں اور بڑے بڑے اژدہوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اکثر پتنگیں تو مچھلیوں۔ باز۔ عقاب اور تیتریوں کی شکل کی تھیں۔ بعضوں میں وہیل مچھلی کی ہڈیاں لگی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے جب وہ پتنگیں ہوا میں بلند ہوتی تھیں تو اُن میں ایک عجیب و غریب باجہ سا بجتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واقعی اوج ہوا میں اُسوقت پلٹنیں اور رسالے جنگ کر رہے ہیں۔ کہیں تو ایک ایک پتنگ لڑائی جارہی تھی اور کہیں پتنگ بازوں کی ایک جماعت جس میں بیس آدمیوں سے کم شامل نہ ہونگے اپنی نیلی پتنگوں کا ایک اُتنے ہی

آدمیوں کی دوسری جماعت سے جن کی سرخ پتنگیں تھیں مقابلہ کر رہی تھی۔ پتنگیں اپنے اُڑانے والوں کے اشاروں کے مطابق کام کرتی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر سے ان میں کی کوئی نہ کوئی پتنگ حریف کی ڈور سے کٹ کر زمین پر آرہتی تھی۔

تارو نے جلد اپنی پتنگ اوپر چڑھالی۔ کیونکہ ہر پتنگ کا زور اور اسکو سطح ہوا پر اپنے قابو میں رکھنے کا طرز مختلف ہوتا ہے اسلیے تارو کو تھوڑی دیر تک اس سے واقف ہونے کی کوشش کرنی پڑی۔ اس کے بعد اُس نے اچانک یہ دیکھا کہ ایک بڑی عقاب کے شکل کی پتنگ اس کی پتنگ کی طرف بڑھی چلی آرہی ہے۔ اُس نے پتنگ اُڑانے والے کی طرف دیکھا اور یہ معلوم کرلیا کہ ایک اسکا ہمسن لڑکا جسکا نام کنایا تھا اپنی عقابی پتنگ کو اسکی طرف بڑھا رہا ہے اور اس طرح گویا اسکو مقابلہ پر بلا رہا ہے۔ تارو نے فوراً اس دعوت کو قبول کرلیا اور لڑائی شروع کر دی گئی۔ کنایا نے اوّل تیزی سے اپنے کاغذی عقاب کو تارو کی پتنگ پر جو بہت چمکدار رنگ کی تھی گرایا لیکن تارو نے اپنی ڈور کو ڈھیل دیکر اس حملہ سے اپنی پتنگ بچالی۔ اس کے بعد اس نے اپنی پتنگ اوپر اُٹھائی اور اسکو کنایا کے کاغذی عقاب پر بٹھا لینے کی کوشش کی۔ کنایا نے ہوشیاری کے ساتھ اپنی پتنگ اس حملہ سے الگ کرلی اسی طرح کوئی گھنٹہ بھر ایک دوسرے کی پتنگ پر حملہ کرتے رہے۔ کبھی ایک پتنگ دوسری پتنگ کا تعاقب کرتی۔ کبھی ایک دوسری پر جھپٹتی۔ کبھی ایک دوسری کے حملہ سے بچ کر نکل جاتی۔ غرض کامل ایک گھنٹہ کے مقابلہ کے بعد آخر کار عقاب نما پتنگ کو ایک کامیابی کا موقع مل گیا اور تارو اس دفعہ اپنی پتنگ کو نہ بچا سکا۔ تارو نے بہتیری کوشش کی لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر میں اس کے ہاتھ میں کی ڈور ڈھیلی پڑ گئی اور اس کی بڑی پتنگ کٹ کر آہستہ آہستہ زمین پر آرہی۔ کنایا نے میدان مار لیا۔ تارو کے لیے اب سوائے اسکے کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی شکست کو ایک شریف جاپانی کی طرح خاموشی کے ساتھ برداشت کرے۔ اس نے بشاشت کے ساتھ مسکراتے ہوئے اپنے

فاتح کو تین دفعہ بہت ادب سے سلام کیا۔ تارو نے بڑی ہی سنجیدگی کے ساتھ ان سلاموں کا جواب دیا اور اپنی فتح کی ہوئی پتنگ لینے کے لیے لپکا۔

تارو کا چھوٹا بھائی آئی تو نہایت توجہ اور دلچسپی کے ساتھ یہ ساری جنگ دیکھتا رہا۔ جب اسکے بھائی کو شکست ہوئی اور کنایا فاتحانہ تارو کی پتنگ پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھا تو آئی ٹو کی زبان سے نہ کوئی حرف نکلا اور نہ اس نے جنبش کی۔ وہ بہت خاموشی کے ساتھ یہ سب باتیں دیکھتا رہا۔ آخر میں صرف اس کی آنکھیں زیادہ چمکنے لگیں۔ اُس نے اپنی پتنگ کو ڈور دینا شروع کیا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ کنایا پھر پتنگ اڑائے تارو کی پرانی پتنگ آئی ٹو کو ملی تھی۔ پتنگ دو مربع فٹ سے بھی کم تھی اور خوب اُڑاتی تھی۔ آئی ٹو نے بھی اسکے لیے خاص مانجھا تیار کیا تھا اور وہ مقابلہ کے لیے ہر طرح تیار تھا۔ تقریباً دس منٹ میں کنایا نے پھر ایک پتنگ چڑھائی۔ اب کی دفعہ اس نے تارو سے جیتی ہوئی پتنگ سے کام لیا تھا۔ اپنی عقاب کی شکل والی بڑی پتنگ تو اُس نے رکھ چھوڑی تھی اور اُسی وقت فتح کی ہوئی پتنگ وہ اُڑا رہا تھا۔ اُس نے بمشکل اپنی نئی پتنگ اوپر چڑھائی تھی کہ ایک چھوٹی سی پتنگ بہت تیزی کے ساتھ اس کی طرف جھپٹی۔ یہ پتنگ آئی ٹو کی تھی اور اب دونوں کا مقابلہ شروع ہوا۔

پتنگوں کی جنگ میں اس مرتبہ اوّل سے زیادہ وقت صرف ہوا اور مقابلہ بھی دلچسپ تھا۔ آئی ٹو کی پتنگ چھوٹی تھی اور اس لیے ہوا میں اس کی قوت بھی زیادہ نہ تھی۔ لیکن آئی ٹو نے اپنی اس کمی کو ایک بہت قابلِ تعریف کمال سے پورا کیا اور کچھ اس انداز سے کنایا کا مقابلہ کرتا رہا کہ اکثر لوگ اسکا تماشہ دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ نہایت خاموشی اور متانت کے ساتھ دونوں کا مقابلہ دیکھا جا رہا تھا۔ یکایک آئی ٹو نے جھٹکا دیا اور ایک اچھا موقع ہاتھ آجانے پر حریف کی پتنگ پر ایک ایسا حملہ کیا کہ ایک لمحہ میں وہ بڑی پتنگ کٹ کر زمین پر آرہی۔ حسبِ قاعدہ کنایا نے آئی ٹو کو عاجزانہ سلام کیا اور آئی ٹو نے

اسکا جواب دیا۔ اسکے بعد بلا کسی لفظ کے زبان سے نکالنے کے آئی ٹو نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا اور تارو فوراً اپنی مرغوب اور دلپسند تپنگ کو لینے کے لیے بھاگا۔ تپنگ لیکر واپس آنے کے بعد اُس نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا۔

آئی ٹو! اب یہ تپنگ تمہاری ہے۔

آئی ٹو نے کہا

نہیں! نہیں!! ہم دونوں اپنی اپنی تپنگ لے لیں گے۔ مجھے بڑی خوشی ہی کہ میں نے کنایاسے وہ تپنگ واپس حاصل کر لی۔

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

زنانہ حاضر جوابیاں

جس وقت خاتون میں عنوان بالا پر مضمونوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا میرا ارادہ اُسی وقت لکھنے کا تھا۔ لیکن خدا سہل انکاری کو شرمائے جس کی بدولت قلم پکڑنے کی توفیق نہ ہوئی اور صرف ایک آدھ بات میرے لیے باقی رہ گئی جسے لکھ کر لہو لگا شہیدوں میں داخل ہوتی ہوں۔

(۱)

نواب آصف الدولہ مرحوم نے ایک مرتبہ یہ مطلع کہا

جہاں میں جہانتک جگہ پایئے　　عمارت بناتے چلے جایئے

جس کے جواب میں دُلہن بیگم نے جو اُنکے زمانے کی ایک قابل اور نہایت متقی پرہیزگار خاتون تھیں یہ مطلع لکھا۔

مت کرو فکر عمارت کی کوئی زیر فلک　　خانۂ دل جو گرا ہو اُسے تعمیر کرو

(۲)

اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ نے ایک مرتبہ ایک خواص کو حکم دیا کہ "مجھے علی الصباح جگا دینا" اتفاقاً مرغ نے آدھی شب کو اذان دے دی جس سے خواص نے یہ خیال کیا کہ صبح ہوگئی ہے اور بادشاہ سلامت کو جلدی جگانا ضروری ہے۔ لیکن جب بادشاہ خواب راحت سے بیدار ہوئے تو بہت سی رات تھی اسلیے نماز تہجد ادا کرکے پھر سو گئے۔ خواص نے دوبارہ آکے دیکھا تو خیال کیا کہ شاید ابھی بیدار ہی نہیں ہوئے اسلیے دوبارہ جگایا تو بادشاہ سلامت بہت غصہ ہوئے اور کہا

سر بُریدن لازم است

بیچاری خواص نے اُسی وقت جاکر زیب النسا بیگم کو جگایا اور اُن سے تمام واقعہ بیان کیا۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ کے حضور میں زیب النسا بیگم نے عرض کی کہ اس گنہگار کنیز کی نسبت جہاں پناہ کا کیا حکم ہوا ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا

سر بُریدن لازم است

زیب النسا بیگم نے معاً جواب دیا

سر بُریدن لازم است آں مرغ بے ہنگام را ایں پری پیکر چہ داند وقت صبح و شام را

بادشاہ اس حاضر جوابی سے بہت خوش ہوئے اور کنیز کی خطا معاف کر دی۔

(۳)

اہل ایران نے زیب النسا بیگم کی شاعری کا چرچا سُن کر مصرعہ بھیجا۔ ع

دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود

اور کہا اس پر مصرعہ لگایا جائے۔ زیب النسا بیگم نے ہر چند فکر کی لیکن مصرعہ نہ لگ سکا آخر عاجز ہوکر باغ میں چلی گئی اور تردد کے عالم میں سوچنے لگی۔ فرطِ الم سے گوہر اشک آنکھوں میں بھر آئے مگر ساتھ ہی دُرِ مضمون بھی ہاتھ آگیا یر بیسے اور

داد دیجیے۔

ذرا بلق کسے کم دید موجود　　بجز اشک بتان سرمہ آلود

(۴)

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی کنیز کی نسبت مشہور ہو کہ شیخ کے خرمن کمال کی خوشہ چینی کرتے کرتے وہ خود بھی کامل ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے دروازہ پر آکے دستک دی شیخ نے کنیز کو دیکھنے کا حکم دیا کنیز دروازہ پر گئی تو ایک ایک چشم شخص کھڑا تھا جسنے اس سے کہا کہ شیخ سے عرض کرو عبداللہ آپ سے ملنا چاہتا ہو۔ کنیز شیخ کے حضور میں واپس آئی اور عرض کیا کہ "عبہ اللہ آمدہ است" شیخ نے متعجب ہو کر اس عجیب لفظ کے معنی دریافت کیے تو ستم ظریف کنیز نے جواب دیا۔ بر عین او نقطہ واقع است۔

(۵)

ایک دفعہ ایک آئینہ فغفور چین نے شاہجہاں کو تحفہ بھیجا تھا اور عالمگیر سے زیب النسا کو ملا تھا۔ ایک پرستار روشن نامی کے ہاتھ سے ٹوٹ گیا کنیز بیچاری سخت خوف زدہ ہوئی اور زیب النسا بیگم سے آکے روتے روتے عرض کی

از قضا آئینہ چینی شکست

زیب النساء نے ہنسکر کہا

خوب شد اسباب خود بینی شکست

راقمہ

بنت حفیظ اللہ از امرتسر

کنواری لڑکیوں کا پردے سے پردہ

حیدرآباد دکن کے علاوہ خدا کا شکر ہو کہ جہاں کی کنواری لڑکیاں اس نامعقول دستور

سے آزاد ہیں اور ملکوں کی لڑکیوں کا حال تو مجھے معلوم نہیں ہے۔ مگر یہاں یعنی سہارنپور میں کنواری لڑکیوں کو پردہ سے بھی پردہ کرایا جاتا ہے اور سخت قید و پابندی کے ساتھ وہ اپنے کنوارپن کا زمانہ ختم کرتی ہیں اور ان پر دوہرا ظلم کیا جاتا ہے یعنی عورتیں اور لڑکیاں بیچاریاں ہمیشہ چار دیواری میں قید رہتی ہی ہیں اسپر طرہ یہ کہ انھوں نے اپنے اوپر آپ ہی اور سختیاں و پابندیاں واجب کرلی ہیں اور کرتی جاتی ہیں اور اپنے ہاتھوں آپ اپنے پانوں میں کلہاڑی مارتی ہیں۔ جہاں اور ظلم و سختیاں ہماری ملک کی مستورات نے اپنے اوپر اپنے ہاتھوں لازم و ضروری کرلی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کنواری لڑکیوں کا بیاہی ہوئی لڑکیوں یا عورتوں اور نائن ڈومنی اور رشتہ دار عورتوں سے بھی پردہ کرایا جاتا ہے اور اس نامعقول رواج پر ان کو نہایت فخر حاصل ہے۔

یہاں کی کنواری لڑکیوں کی اتنی مجال اور جرأت نہیں ہے کہ کسی سے بات کرنا تو درکنار جو کسی غیر عورت کو اپنا پلّہ بھی دکھائیں۔ غرض پردے میں پردہ کرتے کرتے ان لڑکیوں کی طبیعت پردے کی ایسی عادی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے بات کرتے بھی شرماتی ہیں۔ اور نائن ڈومنی وغیرہ کو کنواری لڑکیوں کے گھر میں پکار کر آنا پڑتا ہے اور اگر کوئی بدتمیز نائن وسلوب الحواس ڈومنی بے اطلاع کیے اندر آجائے تو ان کو ہزاروں صلواتیں سُننی پڑتی ہیں (اور لڑکیوں کی بے پردگی جو ہوتی ہے وہ جُدا رہی)

اگر کوئی عورت خیر صلاپوچھنے آئے یا کوئی رشتہ دار عورت ملنے کو آئے تو ان پر اور ایک آفت آئی اور صورت دیکھتے ہی اپنے چھپانے کے لیے بے تحاشا دوڑیں اور کوٹھری میں سے صحن میں بھی آجاتی تھیں مگر اس دن یہ آزادی بھی گئی گذری ہوئی۔ اور جب تک وہ عزیز ان کے ہاں رہیں ان کو دوہری قید بھگتنی پڑی۔

جس طرح بتیلی دار جانوروں کے بچے آدمیوں کی آہٹ پا کر اور آدمیوں کی صورت دیکھ کر بتیلی میں گھس جاتے ہیں بالکل اسی طرح کنواری لڑکیاں بھی اپنی ماں بہنوں کے علاوہ

اجنبی عورتوں کو دیکھکر اپنے آپ کو چھپالیتی ہیں۔ آخر آنے والی کی نظر کبھی ان پر پڑہی جاتی ہو گی اور تھوڑی بہت صورت دیکھ ہی لیتی ہونگی۔ اور بیا ہے جانے پر ان سے پردہ ناجائز ہو جاتا ہی پھر اس پردے سے کیا فائدہ۔ ہاں چھپیں تو اس طرح کہ پھر کبھی سامنے ہی آئیں جیسا کہ مردوں سے پردہ کیا جاتا ہی ورنہ سامنے آئیں۔ اس پردہ سے سوائے اسکے کہ لڑکیوں کی عقل پر پردہ پڑے اور کوئی نفع سمجھ میں نہیں آتا۔ جن لڑکیوں کی پرورش اس طریقہ پر ہو تو بھلا ان کی تہذیب اخلاق وعقل کا کیا بیان ہی۔

خدا کا شکر ہی کہ پڑہنے لکھنے کا تھوڑا بہت شوق ہر ایک ملک کی مستورات کو ہو گیا ہی مگر جو لڑکیاں پردے سے پردہ کرتی ہیں اور جن کی ماؤں کو بھی دستکاری نہیں آتی وہ لڑکیاں دستکاری وغیرہ کا کام جو میموں کے سوا کسی کو نہیں آتا کیسے سیکھہ سکتی ہیں اور وہ کب گوارا کر سکتی ہیں کہ میم وہ بھی کون غیر مذہب غیر زبان غیر لباس غیر چال چلن اور محض بے پردہ عورت کے سامنے ہی نہیں بلکہ اس کے پاس بیٹھ کر اُس سے گفتگو کریں اور دستکاری سیکھیں (معاذ اللہ کہیں ایسا ہو سکتا ہی اس میں سخت بدی پڑیگی اور کنواری لڑکیوں کے دیدہ کا پانی ڈہل جانے کا اندیشہ ہی)

غرض پردے سے پردہ کرتے کرتے لڑکیاں پردہ سے ایسی مانوس ہو جاتی ہیں کہ جن رشتہ دار عورتوں سے ان کا پردہ ناجائز اور خلاف شریعت سمجھا جاتا ہی شرم کے مارے وہ ان کے سامنے آنا بھی گوارا نہیں کرتیں اور اگر جبراً وقہراً سامنے آ بھی گئیں تو ان کی عوض بولے کون گم سم بھیگی بلی بنی بیٹھی ہیں۔ اور یہی وجہ ہی کہ آدمیوں کا خوگر نہ ہونے سے یہ طریق گفتگو اور ملنے جلنے کی تہذیب سے ناواقف رہتی ہیں۔ وہ ہمیشہ جاہل بنی رہتی ہیں اور عورتوں سے پردہ ٹوٹنے پر بھی تہذیب و شائستگی سے محروم رہتی ہیں۔

اور اگر ان لڑکیوں کی ماؤں سے پوچھا جائے تو فرماتی ہیں کہ اس طرح پردہ کرنے سے

لڑکیاں ہزاروں اعتراضوں اور نکتہ چینیوں سے بچی رہتی ہیں یعنی نہ کوئی ان کو دیکھے گی اور نہ ان پر اپنی رائے زنی کریگی۔

مثلاً ہم نے فلاں لڑکی کو دیکھا وہ تو بڑی بدتمیز ہے۔ بڑی اترا کر چلنے والی ہے۔ بڑی شوقین طبیعت ہے اور اُس نے پاجامہ کے پائینچے ایسے سی رکھے ہیں کہ چٹکی لو تو گوشت اُٹھ آئے وغیرہ وغیرہ ان بیہودہ اعتراضوں سے بچانے کے لیے بیچاری لڑکیوں پہ ظلم کیا جاتا اور ان کی عقل پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔

لڑکیوں کے پردہ کرانے اور اُن کو قید میں قید بھگتانے سے یہ بہتر ہے کہ ان اعتراضوں کی پرواہ نہ کر کے لڑکیوں کو عورتوں سے پردہ نہ کرائیں بلکہ اس دستور کو اُٹھا دینے کی کوشش کریں اور لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دیجائے اور نشست و برخاست اور ملاقات کے قواعد سکھائے جائیں (اور اگر کچھ گناہ نہو تو میموں سے بھی ملایا جائے) اور ان کو عادت ڈالی جائے کہ وہ ہر ایک عورت سے پردہ کرنے کی عوض اسکو بہتر سمجھیں کہ نہایت تہذیب و سلیقہ کے ساتھ ہر ایک عورت سے پیش آئیں۔

مگر شرم و لحاظ لڑکیوں کے لیے ضروری ہے اور شرم کو اس درجہ تک نہیں پہنچانا چاہیے کہ غرور و تکبر کا بدنما دھبا لگے بلکہ موقع محل پر بات کرنا اور اگر کوئی بات کرے تو اُسکا اپنی عقل کے موافق سوچ سمجھ کر جواب دینا چاہیے۔ اس طرح ملنے جلنے سے اور دوسروں کو دیکھکر لڑکیاں انسانیت کے جامے میں آسکتی ہیں اور ان بیچاریوں کو بھی دین و دنیا کی کچھ خبر ہو سکتی ہے۔

ہم نے مانا کہ پردے سے پردہ کرنے میں بیچاری مظلوم لڑکیاں بہت سے اعتراضوں اور بدنامیوں سے بچی رہتی ہیں مگر اعتراض دوسرے ہی لوگ کر کے چپ ہو رہتے ہیں اور ان کا کچھ نقصان بھی نہیں ہوتا۔ لیکن انکے اعتراضوں سے ڈر کر بیچاری مظلوم لڑکیونکا عورتوں سے پردہ کرنا ان کو سخت نقصان پہنچاتا ہے۔

اور اس پردہ کی حالت میں بیچاری مظلوم لڑکیوں کی عقل اور اخلاق پر پردہ پڑ جاتا ہے اور زنگ لگ جاتا ہی۔ ہاں اسکا علاج یہ ہو سکتا ہی کہ سرے سے لڑکیوں کے پردے سے پردہ کرنے کا دستور ہی اُٹھا دیا جائے۔

جب سب کی لڑکیاں ہر ایک عورت کے سامنے آنے لگیں گی تو اس خوف سے کہ ہم اگر دوسروں پر اعتراض کرینگے تو دوسرے بھی ہماری لڑکیوں پر اعتراض کرینگے۔ مگر جب سرے سے یہ دستور ہی اُٹھ جائیگا تو کسی کو کسی پر اعتراض کا حق نہیں رہیگا اور اس طرح ہم میں اتحاد اور قومی ہمدردی بڑہیگی اور دوسروں پر نکتہ چینی کرنے کی عادت بھی چھوٹ جائے گی اور بیچاری لڑکیاں بھی اس پردہ کی تکلیف سے بچی رہیں گی۔ اور ان کی عقل میں ترقی ہو گی اور ہر ایک چال چلن سے بھی واقف ہو جائیں گی۔

پیاری لڑکیو اور پیاری بہنو! خدانخواستہ میرا مطلب یہ نہیں ہی کہ تم اپنے پردے کو چھوڑ دو اور دیدہ دلیرن جاؤ نہیں ہرگز نہیں اور نہ میں لڑکیوں کے پردے کی مخالف ہوں شوق سے پردہ کرو مگر اکہرا پردہ کرو اور اعتدال سے زیادہ نہ بڑہو۔

میری یہ تحریر شاید بہنوں کو نہیں بلکہ اُن بہنوں کو ناگوار گزرے گی جو اس وحشی دستور کو پسند کرتی ہیں اور اس کی حامی ہیں اسلیے میں معافی کی خواستگار ہوں اور خداوند کریم سے دست بدعا ہوں کہ وہ ہمارے ملک کی مستورات کو اس نامعقول دستور کے دور کرنے کی توفیق عطا کرے اور بیچاری مظلوم بے زبان کمزور و کم عقل مخلوق کو اس قید اس پابندی کے علاوہ پردے سے پردہ کرنے سے نجات دے آمین ثم آمین فقط

خاکسار

عالیہ بیگم بنت محمد احمد تمنائی

از سہارنپور

نعتِ قومی

شافعِ محشر! میرے ہادی محمدؐ مصطفےٰ!
مجھ سے ہو سکتا ہی تیری نعت کا کیا حق ادا

نور پھیلایا جہاں میں تو نے اے ماہِ عرب!
کفر کے بدلے ہدایت کا دیا روشن کیا

تو نے روشن کر دیا ہی نور سے اسلام کے
جس عرب پر چھا رہی تھی کفر کی کالی گھٹا

تیری پیدائش کا مژدہ لیکے جو آئی کنیز
تیرے عم نے ہو کے خوش آزاد اُس کو کر دیا

اس طرح سے تیرے پیدا ہوتے ہی آشادیں
ہو گئی حریت نسواں کی گویا ابتدا

ہم مسلماں ہیں محمدؐ مصطفےٰ امت تری
کرتے ہیں پر کام ایسے جو نہیں ہم کو روا

خانۂ دل بن گیا ظلمت کدہ افسوس ہے
بجھ گیا صد حیف اپنی قوم کا روشن دیا

ہم میں وہ جرأت نہیں ۔ ہمت نہیں حکمت نہیں
علم اور اخلاق کا نقشہ دیا دل سے مٹا

رہبرِ ملت! مصیبت اس لیے ہم پر پڑی
جو ترے ارشاد تھے ہم نے دیا اُن کو بھلا

گر شفاعت تو کرے اسوقت بیڑا پار ہے
آسرا ہی ڈوبتے بیڑے کو تیرا ناخدا

(از [illegible]) امرتسر

ہماری لڑکیوں کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم

خوش قسمتی کی بات ہے کہ تعلیم نسواں نے ہمارے ملک میں اب کئی ابتدائی مراحل کو طے کر لیا ہے۔ اور ہر گوشہ ملک میں اس ضرورت کو محسوس کر لیا گیا ہے کہ عورتوں کی تعلیم کے بغیر کسی صورت سے بھی مرد ترقی نہیں کر سکتے۔ بغیر تعلیم نسواں کے آجتک کسی قوم نے ترقی حاصل نہیں کی اور جب تک ہندوستانی بھی عورت ذات کو اپنی ترقی کا ایک ضروری جزو نہ خیال کرینگے۔ وہ شاہراہ ترقی کو نہ پا سکیں گے۔

چونکہ ہمارے ملک میں تعلیم نسواں کی حالت بہت ابتدائی ہے اسلیے ابھی تک یہ بات طے نہیں ہو چکی کہ عورتوں کو کس قسم کی تعلیم دلوائی جائے۔ اور اسوقت تک جسقدر مدارس ہندوستان میں لڑکیوں کے ہیں قریباً سب میں لڑکیوں کی تعلیم لڑکوں کی تعلیم کے طرز پر ہو رہی ہے۔

گو یہ تعلیم نہ ہونے سے تو بہت بہتر ہے۔ مگر اس تعلیم سے لڑکیوں کو بجائے فائدے کے نقصان زیادہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ لڑکیوں کو جو تعلیم حاصل کرنے کے بعد لڑکوں سے بالکل مختلف زندگی بسر کرتی ہیں۔ اگر لڑکوں کی طرز پر تعلیم دیجائے گی تو وہ ٹھوکریں کھائیں گی۔ اور بہت کم کامیابی کا مونہ دیکھیں گی۔

اسلیے حامیان تعلیم نسواں کو لازم ہے کہ سب سے پہلے وہ لڑکیوں کے لیے تعلیم کا ایک الگ معیار قائم کریں۔ اور سب مدرسوں میں وہی نصاب تعلیم جاری کریں جسکو پڑھکر لڑکیاں اپنے مذہب اور اخلاق میں اپنی نظیر آپ ہو جائیں۔

آجکل کے مدارس نسواں میں شاذ و نادر مذہبی اور اخلاقی تعلیم کی طرف توجہ کی جاتی ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور یہ بے توجہی آہستہ آہستہ بہت ہی زہریلا بیج بو رہی ہے

کیا ہندوستان کے مسلمان اپنے اُس دین کو جوسے دسیکے علمای وقت اور عورتوں کے حلقہ میں بھی نام کو باقی رہ گیا ہی اپنی عورتوں کو موجودہ مدارس کی تعلیم دلواکر بالکل ہی کھونا چاہتے ہیں۔

موجودہ مدارس نسواں ہیں جہاں قوم کی ہونہار بچیاں ہزاروں کی تعداد میں شُدبُد حاصل کررہی ہیں نام کو بھی اخلاقی اور مذہبی تعلیم کا دخل نہیں۔ اور چونکہ اُن کی اُستانیاں خود بھی ان صفات سے پورے طور پر متصف نہیں ہوتیں اور اگر ہوتی ہیں تو عموماً سرکاری سکولو میں مذہب کی بات چیت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اسلیے وہ اپنی شاگردوں کو کوئی بات نہیں بتا سکتیں۔ توجب لڑکیاں پرائمری اور مڈل سکولوں سے ابتدائی ادھوری تعلیم حاصل کرکے فارغ ہوتی ہیں تو اپنے مذہب اور اخلاق کی طرف سے بالکل کوری کی کوری ہی رہجاتی ہیں اسکے علاوہ خانہ داری کی اور دنیاوی سمجھ بھی اُن میں بہت کم ہوتی ہی۔ کیونکہ گھر سے جہاں وہ اگر ماں کو خانہ داری کے کام کرتے دیکھتیں تو ضرور کچھ حاصل کرلیتیں۔ برسوں غیر حاضر ہی جاتی ہیں۔ اور دوسرے لفظوں میں وہ ایسی تعلیم حاصل کرکے نہ دین کی رہتی ہیں نہ دنیا کی

میری ناقص رائے میں عورتوں کی تعلیم کا سوال اُٹھانے والوں اور اس امر میں تن من سے کوشش کرنے والوں کو سب سے پہلے یہ لازم ہی کہ وہ اپنی لڑکیوں کو پہلی عمر میں بہ نسبت اسکے کہ انگریزی کی تعلیم دلوائیں فارسی اور عربی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں۔ اور قرآن شریف یا ترجمہ پڑھوائیں۔ اور اسلامی اخلاق کی کتابوں سے عبور کرائیں۔

ابتدائی عمر میں لڑکیاں اگر اپنے مذہب میں پختہ ہوجائینگی اور عربی فارسی میں کچھ استعداد حاصل کرینگی تو گویا وہ اپنی آیندہ زندگی میں ایک سبکے کو دین کے راستے پر لانے کے قابل ہوسکیں گی۔ اسکے بعد اُن کو اختیار ہی کہ دنیاوی زندگی میں سلطنت کا علم یعنی انگریزی بھی پڑھ لیں۔ اور اگر وہ بچپن میں صرف انگریزی کی تعلیم ہی حاصل کریں اور جیسا کہ آجکل دیکھا گیا ہی وہ مذہبی اور اخلاقی تعلیم کا نام بھی نہ جانتی ہوں تو دین اسلام کا جسے خداوند کریم نے

قرآن شریف میں فرمایا ہی کہ "اللہ کے نزدیک سب سے اچھا دین اسلام ہی" خدا حافظ ہی"

ہماری عورتوں کی مذہبی تعلیم کا یہ حال ہی کہ اگر آج کسی اسلامی زنانہ سکول کے لیے دینی تعلیم دلوانے کے لیے کسی اُستانی کی ضرورت پڑے تو ہندوستان میں گنتی کی چند عورتیں بھی نہ مل سکیں گی جو قرآن شریف کا لفظی ترجمہ اور عربی کا ابتدائی کورس پڑھا سکیں۔ برخلاف اسکے انگریزی داں لڑکیاں بیسیوں موجود ہیں۔

کیا یہ ہمارے لیے شرم اور افسوس کا مقام نہیں ہے کہ ہماری عورتوں میں مذہبی تعلیم کا یہ حال ہو۔

رقمہ

ایڈیٹر شریف بی بی ۔ لاہور

مُسلم یونیورسٹی فنڈ

دلی شکریہ کے ساتھ ۱۵ نومبر تک کے وصول شدہ چندے کا حساب لکھا جاتا ہے۔

عزیز بہن بنت حفیظ اللہ صاحبہ نے بھی ایک قابل قدر رقم سے تین رسید بھیاں پُر کر کے عنایت کی ہیں۔ اسوقت تک جسقدر چندہ وصول ہوا ہی۔ اُس میں سب سے بڑی رقم آپ ہی کی ہی۔ خدا اجر نیک دے اس قومی خدمت گزاری کا۔

دوسری معزز بہن بیگم سید نذیر حیدر صاحبہ کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے خود بھی چندہ کیا اور اپنی چھوٹی ہمشیرہ بنت سید حامد شاہ صاحبہ سے بھی کرایا۔ جسکا چندہ گذشتہ نمبر میں شائع ہو چکا ہی۔ اور مشکور ہوں اپنی بہن بنت سید قمرالدین احمد صاحب قمر ہوشنگ آباد کی جنھوں نے نہایت کوشش سے کام شروع کیا اور بہت جلدی دو رسید بھیاں پُر کر کے معہ چندے کے عنایت کیں۔ اور پھر بغرض فراہمی چندہ ہوشنگ آباد سے جگور تشریف لے گئیں۔ اور اب وہاں مصروف ہیں۔ خداوند کریم کامیاب کرے۔

ایسی ایسی علو ہمتی قابل تقلید مثال ہونی چاہیے ہمارے واسطے۔

اور کیسی خوشی کی بات ہے کہ ان دونوں نئی دلہنوں بہن بیگم بدر الحسن صاحبہ بدایوں و بیگم حسن محمد حیات صاحبہ ہردوئی کی کوشش چندہ جنہوں نے عوام کے کہنے سننے کی پرواہ نہ کرکے شادی کے نئے دنوں میں گھونگٹ کے اندر اپنے قومی فنڈ کا کام جاری رکھا۔ میں نے پہلی فہرست چندہ لکھتے وقت پیاری بہن بیگم مسعود الحسن صاحبہ مرادآباد کا نام مثال کے طور پر لکھ کر اپنی دیگر بہنوں سے یہ استدعا کی تھی کہ ہماری اور نئی دلہنوں کو بھی اس عالی ہمت دلہن مسعود الحسن کی تقلید کرنی چاہیے۔ سو آج میں خوش ہوں کہ یہ رایہ کہنا پُر اثر ثابت ہوا اور اسی فنڈ میں ان دونوں نئی دلہنوں نے مدد دی جن کی شادیاں جون گذشتہ میں ہوئیں۔ اور انہیں دونوں دونوں نے چندہ فراہم کیا جسکا حساب آج لکھا جاتا ہے۔

بیگم عزیز الدین احمد صاحبہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر جھٹ پٹ بھی خاص شکریہ کی مستحق ہیں جنکے اپنے چندے سے پنجاب میں زنانہ فنڈ کی بنیاد پڑی تھی۔ ان کے بچوں نے بھی پھول یونیورسٹی فنڈ میں روپیہ جمع کرکے بھیجا۔ اور پھر آپ نے مجھ سے رسید بھی لیکر کوئٹہ میں کام شروع کر دیا۔ سو روپیہ تو آپ فراہم کر چکی ہیں۔ اور ابھی مصروف کارروائی ہیں خدا اونکی کوشش میں برکت بخشے۔ نیز ہمشیرہ عزیزہ ہمشیرہ محمد اکرم صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس پونہ نے تیس روپے اور بھیجے ہیں۔ پچاس اس سے پہلے بھیج چکی ہیں۔ اور ابھی اور کرتیں۔ مگر افسوس کہ اپنی خالہ صاحبہ کے بیوقت انتقال سے اُنہیں پونہ سے جالندھر آجانا پڑا اور کام بند ہوگیا۔ اس صدمے میں ہمیں اپنی عزیز بہن سے دلی ہمدردی ہے۔

علاوہ انکے مجھپر شکریہ واجب ہے اپنی روشنخیال ہمدرد قوم بہن کے۔ بی مس عبا سیٹھ صاحب میسور کا جن کی طرف سے قابل قدر مدد فنڈ کو ملی ہے۔ آپ نے پچاس روپیے پہلے اپنی طرف سے عنایت کیے اور میرے کہنے سے پھر میسور میں کام شروع کر دیا۔

جس سے سو روپیہ اور وصول کرکے مجھے بھیجے ہیں۔ اور ابھی کام کر رہی ہیں۔ ان کی چھوٹی ہمشیرہ ہمشیرہ محمد عبا سیٹھ نے بھی اپنے ننھے دوستوں سے گیارہ روپیہ جمع کیے ہیں۔ خدا اس بچّی کو علم و عمر بخشے۔ اسکے پیارے پیارے خط بلبلی کی اُردو میں جو چندے کے متعلق آتے ہیں مجھے پڑھکر بہت خوشی ہوتی ہی۔

مکرمہ بہن بیگم منشی نیاز احمد صاحبہ گجرات بھی کچھ عرصہ سے فراہمی چندے میں مصروف تھیں۔ مگر افسوس کہ اسی درمیان میں اسکے نوجوان بھائی نے بیوقت انتقال کیا۔ اُنکے خاندان بھر کے لیے یہ حادثہ جانگزا تھا۔ تو بھلا بہن بیچاری کا کیا حال ہوا ہوگا۔ تاہم ایسی حالت میں آپنے چھبیس روپیہ فراہم کر لیے تھے۔ جن کو میں بہت کچھ قابل قدر سمجھتی ہوں۔

ہمشیرہ معظمہ بیگم عبدالرزاق صاحب پشاور نے تو گویا یہ عہد کر لیا ہی کہ جب تک یہ فنڈ جاری ہی وہ اس میں کچھ نہ کچھ پہنچاتی رہیں گی۔ چنانچہ پندرہ روپیہ اس فہرست کے لیے بھی مل گئے جو اُنھوں نے اپنی ایک ملنے والی بہن سے اُنکے شوہر کی پہلی ترقی کی کل رقم اپنے فنڈ کے لیے لیلی۔

بیگم ناظر الحسن صاحبہ خلیل آباد و بنت میاں صمدانی صاحب رئیس پشاور کے چندے اور آیندہ کے لیے وعدہ امداد کا شکریہ۔

فہرست چندہ درج ذیل ہی

بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۰۹۳ مالہ ۱۲۱ وصول ہوئے
توسط بنت حفیظ اللہ صاحب بی اے وکیل امرتسر
بیگم حفیظ اللہ صاحب بی اے وکیل امرتسر عہ
بنت حفیظ اللہ صاحب ″ عہ
والدہ میاں عزیز اللہ صاحب بی اے
از کوہ مری .. .. صہ

بیگم عبدالمجید صاحب امرتسر صہ
بیگم عباد اللہ صاحب ″ عہ
بیگم سراج الدین صاحب دہلی ″ عما
بیگم مولا بخش صاحبہ ″ سے
بیگم سید محمد شاہ صاحب منصف ″ عا
بیگم آغا عنایت اللہ صاحبہ ″ صہ

بیگم منشی غلام رسول صاحبہ امرتسر للعہ/
بیگم عبدالاحد صاحب سیٹھ " عہ/
بیگم ہدایت اللہ صاحب سیٹھ " عہ/
بیگم میاں غلام رسول صاحب " عہ/
دختران میاں عبدالخالق صاحب مرحوم " عہ/
بیگم ڈاکٹر جلال الدین صاحب دنداں ساز " ۸/
تاج بیگم صاحبہ " صہ/
بیگم عبدالرحمن صاحب " عہ/
والدہ صاحبہ عبیداللہ صاحب " سے/
بیگم خواجہ اسد جو صاحب سوداگر پشمینہ " سے/
بیگم خواجہ عمر جو صاحب " " " سے/
بیگم میاں عبدالرزاق صاحب " للعہ/
بیگم میاں شاہدین صاحب ٹھیکہ دار " عہ/
بنت دوم حفیظ اللہ صاحب بی اے وکیل " صہ/
بیگم میاں رحیم بخش صاحب پہلوان " عہ/
بیگم میاں عبدالعزیز صاحب سب انسپکٹر پولیس " عہ/
بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۰ ما ۱۵ الف وصول ہوئے
بتوسط بنت حفیظ اللہ صاحب بی اے وکیل امرتسر
بیگم رحمت اللہ صاحب اورسیر ٹری ورکس ہنگو عسہ
بیگم خواجہ جلال الدین صاحب سوداگر پشمینہ امرتسر عہ/
بیگم خواجہ محمد قاسم صاحب " " عہ/

بنت خورد حفیظ اللہ صاحب بی اے وکیل امرتسر صہ/
بنت رحمت اللہ صاحب " عہ/
بیگم میاں عزیز اللہ صاحب بی اے کوہ مری صہ/
بیگم سید وزیر علی صاحب انسپکٹر ریلوے لودہیانہ عـہ
بیگم شیخ عطا محمد صاحب سب انسپکٹر ریلوے " عسہ
بیگم شیخ مہر الدین سب انسپکٹر ریلوے سنگروا عسہ
بیگم شیخ عصمت اللہ جان صاحب سب انسپکٹر
ریلوے کالکا .. .. صہ/
بیگم سید حسین شاہ صاحب سب انسپکٹر ریلوے وزیرآباد صہ/
بیگم سید ظہور الحسن صاحب سب انسپکٹر " انبالہ صہ/
بیگم سید غلام بیگ صاحب بی اے ایزنگ " صہ/
بیگم کمال محمد خاں صاحب سب انسپکٹر ریلوے فیروزپور صہ/
والدہ صاحبہ سعیدالدین سب انسپکٹر ریلوے انبالہ للعہ/
بیگم سعیدالدین صاحب " " " عہ/
بیگم دوم " " " " " عہ/
بیگم سوئم " " " " " عہ/
بیگم نظام الدین صاحب لودہیانہ عہ/
بیگم سید ایوب علی صاحب سکنہ نگینہ عہ/
بیگم سید گوہر علی صاحب " " عہ/
بیگم محمد عالم صاحب نولکھا لاہور عہ/
بیگم خواجہ محمد قاسم صاحب سوداگر پشمینہ امرتسر سے/

بیگم خواجہ عبدالصمد صاحب تاجر پشمینہ امرتسر للعہ/
بیگم نواب نصیر الدین صاحب سب انسپکٹر پولیس لاہور عـہ
بذریعہ رسیدی نمبر ۴۵۸۳ وصول ہوئے معرفت ۵۶ ا/
بتوسط بنت حفیظ اللہ احمد صاحب بی اے وکیل امرتسر
بیگم نظام الدین صاحب تاجر چرم ” عـہ/
بیگم محمد الدین صاحب مدرس ایم اے او
ہائی اسکول امرتسر .. .. عہ/
بیگم شیخ غلام محمد صاحب اڈیٹر اخبار وکیل
امرتسر ہال بازار .. .. صہ/
بیگم شیر زماں صاحب سب انسپکٹر پولیس سیالکوٹ صہ/
بنت شیخ محمد عمر صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا
ہال بازار امرتسر .. .. .. عہ/
بیگم غلام حسن صاحب منصف لودہیانہ عـہ
بیگم اکرام الحق صاحب انسپکٹر پولیس ملتان عـہ
بیگم حسن شاہ صاحب امرتسر عہ/
بیگم سید نور الحسن صاحب نگینہ عہ/
بیگم سید احمد علی صاحب ” صہ/
بیگم داؤد خاں صاحب ہیڈ کانسٹبل لودہیانہ عہ/
بیگم وزیر علی صاحب کانسٹبل ریلوے انبالہ عہ/
جناب عزیزن صاحبہ حجن ” صہ/
ہمشیرہ غلام محمد صاحب ڈوشیرنل کورٹ امرتسر عہ/

بیگم شیخ شہاب الدین صاحب سب انسپکٹر پولیس امرتسر عہ/
بیگم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب تاجر پشمینہ ” عہ/
بیگم میاں ولی محمد صاحب رنگساز ” عہ/
بیگم خواجہ عزیز الدین صاحب دنیانگری ” عہ/
بیگم خواجہ پیر محمد صاحب لشٹ دری ” عہ/
بیگم سید محمود علی صاحب نگینہ عہ/
بیگم عبید اللہ احمد صاحب سب اورسیر امرتسر عہ/
ہمشیرہ میاں عنایت اللہ صاحب ” ۴/
بنت غلام محمد صاحب ڈوشیرنل کورٹ ” ۸/
بیگم سید محمود علی صاحب نگینہ ۴/
بیگم اعظم الدین صاحب ” ۴/
بیگم یوسف علی صاحب ” ۴/
بیگم دوئم ” ” ” ۸/
بیگم سوئم ” ” ” ۴/
بیگم علی بخش صاحب لودہیانہ ۴/
شہیدن ملازمہ بیگم محمد عسکری صاحب نگینہ ۴/
عیدہ خادمہ ” ” ” ” ۴/
فاطمہ بیگم صاحبہ ” ۴/
سکینہ بیگم صاحبہ ” ۲/
مائی تالو ۲/
مائی فجو ۱/

جن تیرست ہیں ٭ ر ابابت کے وضع کیے گئے
باقی ۱۲ /
بذریعہ رسید بہی نمبر ۴۸۹۶ وصول ہوئے معہ ۵/
بتوسط بیگم سید نذیر حیدر صاحب سپرنٹنڈنٹ
سیالکوٹ۔
بیگم سید چراغ علی صاحب سیالکوٹ عا/
بیگم سید محمد الدین صاحب قریشی ،، /۸
بیگم پیران دتا صاحب قریشی ،، /۸
بیوہ میراں بخش صاحب قریشی ،، /۲
بیگم نذیر شاہ صاحب کیکے زیاں ،، /۸
بیگم رمضان شاہ صاحب ،، /۲
بیگم جماعت علی صاحب ،، /۲
بیوہ شیر علی شاہ صاحب ،، صہ/
بیگم افضال شاہ صاحب ،، /۴
بیگم سید اکبر علی شاہ صاحب ،، /۸
بیگم غلام نبی صاحب ،، عا/
بیگم مرزا بدر الدین صاحب بی اے سکرٹری
میونسپل بورڈ سیالکوٹ .... عہ/
بیگم گلاب خان صاحب اورسیر سیالکوٹ .... صہ/
بیگم چودہری محمد امین صاحب بی اے پلیڈر
سیالکوٹ .. .. صہ/

بیگم میاں برکت علی صاحب معہ کئی خواتین
خاندان خود سیالکوٹ لعہ/
بیگم سراج الدین صاحب ،، ۴/ ۹
بیوہ غلام علی شاہ صاحب قیمت بالیاں
سیالکوٹ عہ/۴
بیوہ سیدن شاہ قیمت بالیاں دو عدد سیالکوٹ ۵//
بیگم مولوی عبد الحکیم صاحب سیالکوٹ للعہ/
بیگم سید الف شاہ صاحب ،، عا/
بیگم ملک انار الدین صاحب ،، عا/
بیگم مولوی صدر الدین صاحب بی اے بی ٹی
ہیڈ ماسٹر سیالکوٹ عہ/
بیگم سید زمان شاہ صاحب مالک قومی پریس
سیالکوٹ .. .. للعہ/
ہمشیرہ شادی گوجر سیالکوٹ /۲
بیگم سید نذیر حیدر صاحب سپرنٹنڈنٹ
چنگی سیالکوٹ للعہ/ ۹
بذریعہ رسید بہی نمبر ۵۲۵ وصول ہوئے ۹/ ۱۲
بتوسط بنت سید قمر الدین احمد صاحب قمر ہوشنگ آباد
ہمشیرہ منشی اکرام حسین صاحب شاہ گنج عا/
بنت قاضی اسد اللہ صاحب ہوشنگ آباد صہ/
بنت محمود الحسن صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر، عا/

بنت دوم محمود الحسن صاحب اکسٹرا سسٹنٹ کمشنر ہوشنگ آباد
خالہ صاحبہ بنت " " " عہ/
بیگم سید مصباح العثمان صاحب اکسٹرا سسٹنٹ کمشنر
ہوشنگ آباد .. .. للعہ/
بنت مصباح العثمان صاحب ہوشنگ آباد ۴/
بنت خورد " " " ۴/
زینب بیگم صاحبہ عہ/
بیگم سید محمد یعقوب صاحب اشرف کورٹ انسپکٹر
پولیس ہوشنگ آباد .. .. عہ/
رحیمن بیگم صاحبہ اناّ بنت سید قمر الدین احمد صاحب قمر
ہوشنگ آباد ۴/
اہلیہ واصل خاں خادمہ بنت سید قمر الدین احمد صاحب
قمر ہوشنگ آباد ۲/
مسماۃ امیرن خادمہ بنت سید قمر الدین احمد صاحب قمر
ہوشنگ آباد ۲/
بیگم منشی معشوق علی صاحب مرحوم رئیس اعظم جگور
ضلع لکھنؤ .. .. صہ/
م. م صاحبہ بنت معشوق علی صاحب جگور سے/
ج. م بنت " " " سے/
بنت محرم علی صاحب رئیس " ۶/
والدہ صاحبہ محمد زکی صاحب رئیس " ۶/

اہلیہ منور علی ملازم بیگم صاحبہ معشوق علی صاحب
مرحوم رئیس جگور ۸
مسماۃ رحیمن خادمہ بیگم معشوق علی صاحب مرحوم
رئیس اعظم .. .. جگور ۴
دلدار علی ملازم بیگم معشوق علی صاحب مرحوم
رئیس اعظم .. .. .. جگور ۱/
بشیر علی ملازم بیگم معشوق علی صاحب مرحوم
رئیس اعظم .. .. جگور ۱
والدہ صاحبہ ہاجرہ بیگم ہوشنگ آباد ۴/
مسماۃ وزیرن خادمہ بنت سید قمر الدین احمد
صاحب قمر .. .. ہوشنگ آباد ۲/
والدہ کریم صاحب .. .. .. " ۲/
بذریعہ رسید بہی نمبر ۴۵۸۹ وصول ہوئے للعہ ۵/
بتوسط بنت سید قمر الدین احمد صاحب قمر ہوشنگ آباد
بیگم نذر عباس صاحبہ ہوشنگ آباد صہ/
بھاوج صاحبہ قاضی اسد اللہ صاحب ہوشنگ آباد عہ/
بیگم قاضی اسد اللہ صاحب " ۶/
یوسف علی صاحب سیٹھ " ۸
بیگم علی بھائی صاحب جنرل مرچنٹ " ۱۰
بذریعہ زینت صاحبہ " ۴/
بیگم عبدل صاحب سیٹھ بھوری " ۴/

بیگم راجہ کامران شاہ صاحب جاگیردار ہوشنگ آباد عہ/
بیگم الطاف حسین صاحب سب انسپکٹر پولیس ،، عہ/
بیگم محمد فاضل صاحب سیٹھ ،، عہ/
بیگم محمد علی صاحب ٹھیکیدار ،، ۸/
ذریعہ زینب بیگم صاحبہ ،، ۱۲/
خالہ صاحبہ عبد الغفور صاحب ٹیچر ،، ۱۲/
بیگم امانت حسن صاحب سب انسپکٹر پولیس ،، عہ/
بیگم رمضان خاں صاحب سب انسپکٹر ،، عہ/
بیگم سید قمر الدین احمد صاحب قمر ،، لعہ/
منہاالقنار بنت سید قمر الدین احمد صاحب ،، عہ/
بنت سید قمر الدین احمد صاحب قمر ،، عہ/
بنت قمر الدین احمد صاحب منجانب والدہ صاحبہ
مرحومہ ہوشنگ آباد . . . عہ/
بذریعہ بھاوج صاحبہ اسد اللہ صاحب ۱/
بیگم عبد القادر صاحب ٹیچر ہوشنگ آباد ۱۲/
اہلیہ رحمن خاں منہیار ،، ۲/
بیگم لعل محمد صاحب ڈاکٹر پنشنر ،، ۴/
جن میں سے ۱۲ فیس منی آرڈر بنت قمر الدین
صاحبہ نے وضع کی باقی رقم میزان ہر دو کا ہی
[illegible]

بذریعہ رسید بی نمبر ۱۹۴ وصول ہوئے لہ/
بتوسط بیگم حسن محمد حیات صاحب ہردوئی
بیگم و بنت سید علی صاحب مرحوم ہردوئی عہ/
بیگم محمد ہاشم صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ،، عہ/
بیگم سید امجد علی صاحب وکیل رئیس اعظم ،، عہ/
بیگم مولوی محمد عبد الغنی صاحب اسسٹنٹ سشن
جج ہردوئی . . . . . . عہ/
بیگم محمد عبد اللہ صاحب کارخانہ برف ہردوئی عہ/
بیگم منشی نبی بخش صاحب بی اے ،، عہ/
بیگم حکیم مولوی محمد علی صاحب منیجر و مالک
مرقع عالم پریس . . . ہردوئی ۱۲/
بیگم سید اکبر علی صاحب ،، ۱۲/
والدہ صاحبہ مقبول حسن خاں صاحب ،، عہ/
بیگم نذر محمد صاحب عراقی ،، ۴/
بیگم منشی محمد بخش صاحب محافظ دفتر ،، عہ/
بیگم منشی شاہ محمد صاحب ،، ۴/
بیگم منشی نثار حسن صاحب عطار ،، عہ/
بیگم منشی شمس الدین صاحب سب رجسٹرار
مہاراج گنج گورکھپور ۱۲/
بیگم قاضی محمد مصطفےٰ صاحب ڈپٹی کلکٹر ہردوئی ۱۲/
بیگم منشی عمران احمد صاحب تحصیلدار ،، عہ/

بیگم سید علی حامد صاحب منصف سندیلہ ہردوئی عہ؍

بیگم سید مہدی حسن صاحبہ ؍؍ عہ؍

بنت غلام حیدر صاحب اردلی ؍؍ ۸؍

بیگم منشی محمود الحق صاحب بی اے ؍؍ عہ؍

بیگم چودہری محمد نصرت علی صاحب رئیس ؍؍ عـہ؍

بیگم چودہری حسن جان صاحب رئیس ؍؍ صہ؍

بیگم چودہری محمد رؤف صاحب رئیس ؍؍ عہ؍

بیگم چودہری عبد العزیز صاحب رئیس ؍؍ عہ؍

بیگم منشی احمد بخش صاحب اورسیر ؍؍ عہ؍

بذریعہ رسید بہی نمبر ۵۲ وصول ہوئے مالعہ

اور ۲ طلائی کیلیں روپیہ ابھی کونڈ ہر -

متوسط بیگم عزیز الدین احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ

کمشنر جھنگ پٹ -

بیگم فیروز الدین صاحب کوئٹہ عـہ؍

بیگم غلام مرتضیٰ صاحب ؍؍ سے؍

بیگم محمد عبد اللہ صاحب ؍؍ صہ؍

بیگم منشی محمد شریف صاحب ؍؍ للعہ

بیگم منشی جمیل احمد صاحب ؍؍ عہ؍

بی بی رحیمن صاحبہ ؍؍ صہ؍

نامعلوم اسم بی بی صاحبہ ؍؍ عہ؍

بیگم مولوی فیروز الدین صاحب ؍؍ صہ؍

والدہ صاحبہ منشی سکندر خانصاحب کوئٹہ سے؍

بیگم منشی حشمت علی صاحبہ ؍؍ سے؍

بیگم الہ دتا صاحب ؍؍ عا؍

بیگم سید امداد علی صاحب ؍؍ عـہ؍

بی بی امینہ بیگم صاحبہ ؍؍ صہ؍

بیگم سلمان خانصاحب مرحوم ؍؍ ۲ کیلیں طلائی

بیگم مرزا علی محمد صاحب ؍؍ عہ؍

جناب نانی صاحبہ بیگم عزیز الدین احمد صاحب عہ؍

بیگم احمد مرزا صاحب کوئٹہ صہ؍

بیگم خانصاحب نجف علی خانصاحب ڈیرہ دون صہ؍

بیگم شربت علی خانصاحب کوئٹہ صہ؍

بیگم منشی طاؤس خانصاحب ؍؍ عہ؍

بیگم قاضی نذیر حسن خانصاحب ؍؍ عـہ؍

بیگم سردار یوسف خانصاحب ؍؍ صہ؍

بیگم ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ صہ؍

بیگم کریم بخش صاحب چاغی نوشکی عا؍

بیگم دانا محمد علی صاحب ؍؍ عـہ

بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۰۸۴ وصول ہوئے عہ؍

متوسط بیگم نیاز احمد صاحب گجرات پنجاب

بیگم مفتی محمد الدین صاحب وکیل گجرات عہ؍

بیگم مفتی محمد الدین صاحب قیمت بالیاں گجرات عا
بیگم میاں نور احمد صاحب ٹھیکیدار " عہ/
بیگم مرزا غوث محمد صاحب حکیم " عہ/
مرزا بیگم صاحبہ راجہ فتح محمد صاحب مرحوم " ۴/
اہلیہ حجام حسن محمد صاحب مرحوم " عہ/
بیگم مولوی امام الدین صاحب ایجنٹ مسلم
یونیورسٹی .. .. گجرات عہ/
بیگم حافظ محمد اسمٰعیل صاحب " عہ/
نامعلوم الاسم صاحب فدیہ روزہ ماہ رمضان " عہ/
بیگم میاں عطا محمد صاحب متصل مزار شاہ حسین گجرات عہ
بیگم نیاز احمد صاحب گجرات صہ/
مفتی نذیر احمد صاحب فرزند مفتی محمد الدین صاحب " عہ/
مفتی محمد اقبال صاحب " " " " عہ/
نور فاطمہ بیگم سید حیدر شاہ صاحب وزیرآباد صہ/
بیگم چوہدری حیات محمد ذیلدار صاحب وزیرآباد عہ/
والدہ صاحبہ حکیم مراد علی صاحب " ۸/
بیگم حکیم سلطان علی صاحب " عہ/
والدہ صاحبہ مفتی عبدالکریم صاحب میونسپل
کمشنر .. .. وزیرآباد عہ/
بیگم غلام حسن صاحب ٹھیکیدار " عہ/
والدہ صاحبہ " " " عہ/

بیگم منشی نواب خانصاحب وزیرآباد عہ/
بیگم منشی خادم حسین فرزند عطا محمد صاحب گجرات ۸/
۵/ اخراجات روانگی روپیہ وغیرہ بموجب تحریر
بیگم نیاز احمد صاحب گجرات باقی ۱۲؍ ۲/

بذریعہ رسید بی نمبر ۲۶۹ وصول ہوئے للعہ ۱۱/
بتوسط بیگم بدر الحسن صاحب بدایوں
بیگم عزیز الحسن صاحب بدایوں عہ/
عزیز فاطمہ صاحبہ " للعہ/
ہمشیرہ صاحبہ عزیز فاطمہ صاحبہ " عہ/
بیگم واجد علی صاحب " عہ/
بیگم حکیم فضل احمد صاحب " صہ/
بنت مولوی ابوالحسن صاحب فرشوری " عا/
بنت خورد " " " " عا/
بنت مولوی فصیح الدین صاحب فرشوری ڈپٹی کلکٹر
بارہ بنکی .. .. للعہ/
بیگم ظفر عمر صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بدایوں صہ/
بیگم ریاض الدین صاحب فرشوری " للعہ/
بیگم صبیح الدین صاحب " " للعہ/
میمونہ بیگم بنت مولوی رشید الدین صاحب فرشوری
بدایوں .. .. صہ/

بنت مولوی رضی الدین صاحب فرشوری بدایوں للعہ
بیگم آرا - یو صاحبہ ،، للعہ
بیگم ظہور حسن صاحب ٹونک والے ،، ،، صہ
ننھی صدیقہ جہاں بنت ظہور حسن صاحب ٹونک والے
بدایوں .. .. عہ
مقدسہ بانو صاحبہ .. .. .. بدایوں صہ
اقدسہ بانو بیگم اسمعیل رضا صاحب وکیل ،، عہ
ہمشیرہ صاحبہ سید اصغر علی صاحب ،، عہ
والدہ صاحبہ معراج صاحب ،، ۸
والدہ صاحبہ ابو الحسن صاحب ،، ۸
بیگم فیاض الدین صاحب فرشوری ،، ۸
بنت قاضی عنایت رضا صاحب وکیل ،، عہ
م - خاتون صاحبہ ،، عہ
موتی خادمہ ننھی صدیقہ جہاں سلمہا ،، ا
نصیبن خادمہ ،، ،، ،، ا
ایک خاتون صاحبہ ،، ۲
بیگم بدر الحسن صاحب انسپکٹر زراعت کانپور
بدایوں .. .. عہ
چھوٹی خادمہ بیگم بدر الحسن صاحب بدایوں ۲
مولا کی بہو خادمہ ،، ،، ا
حسن بانو صاحبہ بیگم حضرت نظامی اڈیٹر ذوالقرنین عہ

معرفت بنت عبد الغفور صاحب بریلی
بنت عبد الغفور صاحب ،، عہ
سیدہ خاتون بنت رضی الدین صاحب ،، عا
حمیدہ خاتون بنت ،، ،، ،، عہ
کفایت فاطمہ صاحبہ بنت کفایت اللہ صاحب
رئیس کانپور .. .. .. بریلی عہ
مختار بیگم صاحبہ ہمشیرہ تہو بیگ رئیس ،، عہ
ممتاز بیگم شفقت حسین صاحب علی گڑھ ۸
پھول ستارہ بیگم بنت کریم الدین صاحب بریلی عا
،، ،، ،، ،، ،، عہ
مقصود فاطمہ صاحبہ ،، ۲
والدہ مقصود فاطمہ صاحبہ ،، ا
ایک بی بی صاحبہ ،، ا
جمیلن خادمہ بنت عبد الغفور صاحبہ ،، ۱۲
خادمہ رضی الدین صاحب کپڑا ۲
مخل خادمہ بہادر حسین صاحب بریلی ۸
بھٹیاری ،، ا
جن میں سے عہ بیگم بدر الحسن صاحبہ نے
فیس منی آرڈر منہا کیا باقی
عہ
۱۱

بتوسط کے۔ بی۔ عباس سیٹھ صاحب میسور
بیگم عبدالشکور صاحب سیٹھ میسور ص/
بیگم محمد سیٹھ صاحب " ص/
بیگم گل محمد صاحب سیٹھ " ص/
بیگم محمد اسحاق صاحب سیٹھ " ص/
بیگم قاسم صاحب سیٹھ " ص/
زہرا بی صاحبہ " ۸/
فاطمہ بی صاحبہ " ۸/
چھوٹی ہمشیرہ صاحبہ محمد سیٹھ صاحب نے جو چندہ
جمع کیا اسکا حساب یہ ہے۔
ہمشیرہ صاحبہ محمد عباس سیٹھ صاحب میسور للعہ/
بنت قاسم سیٹھ سلمہا " ص/
بنت اسحاق صاحب " " عہ/
عائشہ بی بی صاحبہ " ۲/
ہاجرہ خاتون سلمہا بنت محمد اسمٰعیل صاحب
رسالدار .. .. میسور عہ/
بنت حاجی محمد حسن سیٹھ صاحب سلمہا بمبئی عہ/
عبدالرزاق صاحب سیٹھ " عہ/
سیٹھ محمد حسن صاحب " عہ/
بنت عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب سلمہا
بنگلور .. .. عہ/

میزان ماہکا ایک روپیہ فیس منی آرڈر
کے بی صاحبہ نے منہا کیا باقی ماہیعہ

معرفت ہمشیرہ صاحبہ محمد اکرم صاحب یوئل
بیگم سید معین الدین صاحبہ یوئل ص/
بیگم فخر الدین صاحبہ جالندہر بستی دانشمندان ص/
بیگم ممتاز علی صاحب " عہ/
بیگم گل محمد جان صاحب " عہ/
ہمشیرہ صاحبہ عطا محمد صاحب " عہ/
بیگم عبدالمجید خانصاحب " عہ/
ہمشیرہ صاحبہ غلام جیلانی صاحب " عہ/
ہمشیرہ صاحبہ فخر الدین صاحب " عہ/
بیگم عبدالحق خانصاحب " عہ/
بھاوج صاحبہ محمد اکرم صاحب بی اے علیگ
ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس یوئل برار ص/
ہمشیرہ صاحبہ محمد اکرم صاحب بی اے علیگ
سپرنٹنڈنٹ پولیس یوئل برار ص/
ہمشیرہ صاحبہ محمد اکرم صاحب بی اے علیگ
سپرنٹنڈنٹ پولیس امام ضامن کے مے/
بیگم عبدالواحد صاحب لائل پور عہ/
بنت قاضی عبدالرحمٰن صاحب " ص/

بیگم منشی عبدالعزیز صاحب لائل پور عہ/
بیگم شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹرایٹ لا
اڈیٹر رسالہ مخزن لاہور لائل پور عا/
بیگم کریم بخش صاحب ؍؍ صہ/
میزان عـہ/ ۶ ۔ فیس منی آرڈر بیگم مولوی
غلام باری صاحب وکیل سے وضع کیے
باقی مجھے وصول ہوئے لعہ/
بیگم صاحبہ ڈپٹی جیلر سنٹرل جیل پشاور ـعہ/
بنت ایس حسین صاحب الہ آباد عـہ/
بنت غلام محمد صاحب احمدی پھلوار سہ/
بنت میاں صمدانی صاحب رئیس اعظم پشاور صہ/
بنت عبدالعزیز صاحب بیرسٹرایٹ لا ؍؍ عہ/
بنت عبدالمجید صاحب سوداگر ؍؍ عہ/
نامعلوم الاسم بی بی صاحبہ ؍؍ عہ/

بیگم ناظرالحسن صاحب خلیل آباد صہ/
ہمشیرہ ؍؍ ؍؍ ؍؍ عہ/
مرسلہ ہمشیرہ صاحبہ ناظرالحسن صاحب ؍؍ صہ/
انجمن اسلامیہ کوہاٹ صـہ/
بیگم محمد حیات خانصاحب انسپکٹر ہنگو صہ/
بنت حبیب اللہ صاحب کاکوری عا/
بیگم ڈاکٹر لطف کریم صاحب ؍؍ عہ/
بنت ؍؍ ؍؍ ؍؍ صہ/
بذریعہ پھول وصول ہوئے للعہ/
میزان ۱۱۲۶ ؍؍ ۵/
صحیح میزان خاتون اکتوبر نمبر ۱۰۹۲ ؍؍ ۱۵/
میزان کل ۲۱۱۹ ؍؍ ۴/

خاک ربنت نذرالباقر

اڈیٹوریل

(اپیل)

مدرسۂ نسواں علیگڈھ

مدرسۂ نسواں علیگڈھ کی تعمیر جاری ہے۔ اور امید ہے کہ شروع اگست تک لڑکیوں کے

رہنے کے کمرے اُستانیوں کے رہنے کے مکانات اور تعلیم کے کمرے مکمل ہو جائینگے۔ ہمارے پاس جسقدر سرمایہ تھا اُس میں سے ایک بڑا جزو کم و بیش قریب چودہ ہزار روپیہ کے خرید آراضیات پر صرف ہو چکا ہی اور بیس ہزار روپیہ تعمیر کے لیے موجود ہی۔ اور بیس ہزار روپیہ کی اور تکمیل مکانات مذکورہٗ بالا کے لیے ضرورت ہی۔ میں نے یہ معاملہ ایسوسی ایشن کے جلسہ میں ممبر صاحبان کے سامنے پیش کیا کہ بیس ہزار کی فراہمی کی کیا سبیل کیجائے تو نواب وقارالملک بہادر پریسیڈنٹ ایسوسی ایشن نے ارشاد فرمایا کہ اخبارات میں اسکا اعلان کیا جائے کہ ہمارے پاس اسوقت اتنا روپیہ موجود ہی اور باقی اتنے روپیے کی اور ضرورت ہی اور ہمدردان تعلیم نسواں سے خصوصاً اور قوم سے عموماً اپیل کیا جائے کہ وہ ازراہ فیاضی مدرسہ نسواں کی تکمیل میں امداد فرمائیں۔ میں اسوقت بہ تعمیل حکم نواب صاحب قبلہ و ممبران کمیٹی اپنی قوم کے سامنے یہ اپیل پیش کرتا ہوں۔

میں اُن حضرات کے سامنے جن کی نگاہ سے یہ اعلان یا اپیل گزرے ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جسکے سُننے سے اور جسپر غور کرنے سے ہر شخص کے دل میں جو کچھ بھی قومی درد اور احساس رکھتا ہی صداقت اور جوش پیدا ہو سکتا ہی۔

واقعہ یہ ہی کہ ایک مرتبہ انگلستان کی نامی یونیورسٹی کیمبرج کو مالی دقتیں پیش آئیں اور وہاں کے منتظمین کی طرف سے قوم سے مالی امداد کا عام اپیل کیا گیا تو اوّل ہی روز خزانچی یونیورسٹی کے پاس کسی گمنام شخص نے بیس ہزار پونڈ یا تین لاکھ روپیے کے نوٹ بھیجدیئے۔ جس سے جسقدر فوری اور ضروری دقتیں تھیں وہ سب رفع ہوگئیں۔ اور قوم کو ہمیشہ کے لیے اس بات کے فخر کا موقع ملا کہ ہم میں ایسے اشخاص موجود ہیں جو قوم کے آڑے وقت میں اُسکے کام آتے ہیں اور قومی ضرورتوں کا پورا احساس رکھتے ہیں۔ جب تک ہم میں یہ بات ہی ہم اُسوقت تک زندہ ہیں اور جب یہ بات نہ رہے گی ہم مُردہ کہلائیں گے۔"

گو اپیل کرتے وقت میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ہماری قوم میں اسوقت ایسے بڑے بڑے دولتمند موجود ہیں کہ جو بڑی بڑی رقمیں فوراً دیدینگے۔ مگر میں کسی قومی کام کرنے والے کی طرف سے سخت ناشکری سمجھونگا اگر وہ یہ کہے کہ قوم ہماری اپیلوں کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ مجھے اپنی قوم پر بے اعتباری نہیں ہے۔ غفلت شعاری کی سب کو شکایت ہے اور میں بھی اپنے کو اُس سے مستثنٰی نہیں کرسکتا۔ مگر جب قوم کو اپنی ضروریات پورے طور پر جتلائی جاتی ہیں اور اسکو یقین ہو جاتا ہے کہ ان ضروریات کے پورا کرنے پر ہماری قومی زندگی کا انحصار ہے تو وہ اپنی وسعت کے موافق اُن ضروریات کے پورا کرنے میں دریغ نہیں کرتی۔

تعلیم نسواں کی ضرورت کو قوم تسلیم کر چکی ہے اور اس بات پر بھی بجز چند اختلافی آوازوں کے باقی سب کا اتفاق ہے کہ علیگڈھ میں جو مدرسہ قائم ہو رہا ہے وہ ہماری اُس دقت کا حل ہے جو ہم کو اپنی قوم کی مستورات کی تعلیم میں درپیش ہے۔ ایسی حالت میں ہم بڑے وثوق سے قوم سے امداد کی توقع رکھتے ہیں اور امید ہے کہ بہت جلد قوم کے فیاض دل بزرگ اس موجودہ قومی ضرورت میں ہماری امداد فرمائینگے۔

تجویز نصاب

خاتون کے گزشتہ نمبر میں ہم نے حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ بھوپال ام ملکہا کی جانب سے نصاب نسواں کی ترتیب کی تجویز شائع کی ہے جو ناظرین کے ملاحظہ سے گذری ہوگی اسکے علاوہ حضور عالیہ نے اس اپنی تجویز کو رسالہ کی شکل میں طبع کراکے ہزارہا جلدیں تقسیم کرائی ہیں اور مختلف اخبارات میں بھی یہ تجویز شائع ہو چکی ہے۔ اب مسلمانوں میں بہت کم لوگ ایسے ہونگے جو اس تجویز سے واقف نہونگے۔ ہم اس سے قبل بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ حضور عالیہ نے ایک خاص رقم ترتیب نصاب کے لیے عطا فرمائی تھی اور ہم نے دو مشہور مسلمان اہل قلم سے

نصاب کی متعدد ریڈیں تیار کرائیں اور حضور عالیہ کی خدمت میں پیش کیں مگر وہ حضور عالیہ کو ناپسند ہوئیں۔ اسکے بعد ہم نے اخبارات میں عام طور پر اعلان کیا کہ اگر کوئی صاحب اُس نقشہ کے موافق جو ہم نے اس سے قبل اخبارات میں شائع کرادیا تھا کل نصاب یا اُسکا جز مرتب کرکے پیش کریں تو حسب پسند سرکار عالیہ اسکا معاوضہ دیا جائے گا۔ نیز اپنے طور پر جناب مولوی محمد اسمٰعیل صاحب رئیس میرٹھ سے خواہش کیگئی اور خاکسار اڈیٹر اور نواب وقار الملک بہادر نے مولوی صاحب موصوف سے درخواست کی کہ وہ نصاب مرتب فرمائیں۔ اُن کا ہم سے وعدہ ہی کہ اسکو مرتب کردینگے اور ہمارے پاس جسقدر کتابیں اور مصالحہ تھا وہ سب اُن کی خدمت میں بھیجدیا اور ہم کو امید ہے کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہونگے۔ اور ریڈروں کا سلسلہ اگر اُنھوں نے تیار کردیا تو ہم کو یقین ہے کہ اُس سے بہتر کوئی دوسرا سلسلہ نہوگا۔ مگر باینہمہ اگر قوم میں کوئی اور بزرگ جو اسوقت ہماری نگاہ میں نہیں ہیں۔ نصاب کا مرتب کرنا اپنے ہاتھ میں لیں تو ہم حضور عالیہ کی جانب سے اُس رقم میں سے جو حضور عالیہ نے اس کام کے واسطے عطا فرمائی تھی بعد منظوری حضور عالیہ کے تین ہزار روپیہ بطور معاوضہ کے دینگے۔ شرط یہ ہی کہ یہ نصاب اُس نقشہ کے موافق ہو جو حضور عالیہ نے خود تجویز فرمایا ہی۔ اور جو خاتون جنوری ۱۹۱۲ء کے صفحہ ۱۷ سے شروع ہو کر شائع ہوا ہے۔

دوسری شرط یہ ہی کہ بعد ترتیب نصاب کے اول کمیٹی نصاب علیگڈھ اُسکو دیکھے گی اور اُس کی منظوری اور ضروری ترمیمات کے بعد حضور عالیہ کی خدمت میں منظوری کے لیے پیش ہوگا اور بعد منظوری سرکار عالیہ کے معاوضہ دیا جائیگا۔

تیسری شرط یہ ہی کہ تعلیم نسواں ایسوسی ایشن علیگڈھ اسکو طبع کرائیگا اور تالیف کرنیوالے بزرگ کو خود بعد پانے معاوضہ کے حق طبع نہوگا۔

نوٹ

ہم کو سخت ندامت ہی کہ اسوقت تک باوجود اسکے کہ ہماری سچّی ہمدرد اور محسنہ جناب سرکارعالیہ
کو اس نصاب کی تیاری کی طرف اسقدر توجہ ہی۔ یہ نصاب تیار نہو سکا۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ
مسلمانوں کی اسقدر بڑی قوم میں کوئی شخص ایسا نہیں ہی جو حسب منشار سرکار عالیہ مدارس اناث
کے لیے نصاب تیار کر سکے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اب اس اعلان کے بعد کوئی نہ کوئی صاحب
ضرور توجہ فرمائینگے اور اس ضروری کام کی انجام دہی میں اپنا وقت صرف کرکے اسکو
کامیابی کی حدتک پہونچائینگے۔

مدرسۂ نسواں علیگڈھ میں مولود شریف

ہم کو اس خبر کے شائع کرنے میں بڑی مسرت ہی کہ مدرسۂ نسواں علیگڈھ کی لڑکیوں نے
خود ہمارے سامنے درخواست پیش کی کہ اگر ہم کو اجازت ہو تو ہم چندہ کرکے مدرسہ میں
محفل میلاد منعقد کریں۔ ہم نے بڑی خوشی سے ان اپنی عزیز بچیوں کو اجازت دی۔ انھوں نے
خود ہی چندہ کیا اور باہر سے چند معزز ہمدرد بیویوں نے بھی چندہ دینا چاہا لیکن بڑے شکریہ
کے ساتھ اسکے لینے سے انکار کیا کہ ہم خود اپنے ہی چندہ اور اپنی ہی کوشش سے اس مبارک
موقع کو بارونق بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ۲۹ فروری ۱۹۱۲ء بروز جمعرات اُنھوں نے مدرسہ
کے مکان کو ایک گلزار بنادیا۔ چاروں طرف دیواروں پر چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں نصب
کیں۔ ستونوں پر پھول اور پتے لپیٹے۔ کاغذ کی بیلیں کاٹ کاٹ کر مکان کے تمام دالان
و صحن میں موقع موقع سے لٹکا دیئے اور تمام وسیع صحن اور دالانوں کو فرش فروش سے
مرتب کرکے نہایت ہی خوش منظر بنادیا۔ ہم کو گو ان کی کوشش اور توجہ کے متعلق بالواسطہ
حالات معلوم ہوئے ہیں مگر جو حالات معلوم ہوئے اُس سے ہم اپنی ان عزیز قومی بچیونکی
شگفتگی کا پورا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جن بیگم صاحبہ کی زیر نگرانی یہ تمام انتظام ہوا اُن کی

خوشی اور سچی دلچسپی کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ وہ صبح سے شام تک برابر مدرسہ میں اُن بچیوں کے ساتھ کام کرتی رہیں اور شام کو جب گھر آئیں تو بیان کیا کہ زندگی بھر میں اس سے زیادہ مجکو خوشی نہیں ہوئی کہ میرے مدرسہ کی بچیوں نے خود اتنے بڑے جلسہ کا انتظام کرلیا۔

گو ہندوستان میں اسوقت گورنمنٹ کی طرف سے اور مشن کی طرف سے مدارس قائم ہیں جن میں اعلیٰ تعلیم ہوتی ہے اور کہیں خال خال کسی مسلمان لڑکی کا نام بھی کامیاب متعلمات میں نظر آتا ہی۔ مگر وہ بات اور وہ شگفتگی اور وہ خوشی جو مسلمان بچیوں کو اپنے قومی مدرسہ میں حاصل ہوسکتی ہی وہ کہیں دوسری جگہ نہیں ہوسکتی۔

ہمیں امید ہی کہ قوم کی توجہ سے ہمارا یہ کمزور پودا کسی وقت میں ضرور ایک سایہ دار درخت ہوگا۔ اور ہماری قومی بہنوں کو اُسکے تلے امن سے بیٹھنا نصیب ہوگا۔

مدرسۂ نسواں علیگڈھ کے حامیوں کا گروہ گو کچھ بڑا گروہ نہیں ہی مگر ہم اپنے قومی بزرگوں کے شکرگزار ہیں کہ اُنھوں نے عام طور پر اس کی مخالفت بھی نہیں کی اور تعلیم یافتہ گروہ تو عموماً اس مدرسہ کا شروع سے حامی رہا ہی۔

اسوقت دو جانب سے مخالفت کی آواز بلند کی گئی ہی ایک تو مولوی ممتاز علی صاحب اڈیٹر تہذیب النسواں تو اس قسم کی مخالفت کر رہے ہیں جسکو لوگ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑنا کہتے ہیں۔ اور اُن کی بے بنیاد مخالفت کا ہم مفصل جواب دے چکے ہیں اور نیز اخبارات میں اُنکے جواب میں دیگر حامیان تعلیم نسواں یا روشنخیال خواتین کے قلم سے بھی مضامین دیکھنے میں آئے ہیں۔

دوسری جانب سے اخبار کامریڈ کلکتہ نے بھی مخالفت کی ہی اور وہ موجودہ مدرسہ کو سکرٹری کا ذاتی خبط بتاتے ہیں۔ ہم نے چند درچند وجوہات سے اخبار کامریڈ کا

کچھ جواب نہیں دیا اور ہم اب بھی سکوت اختیار کرتے ہیں ممکن ہی کہ ہماری خاموشی اسکا کافی جواب متصور ہو۔ مولوی ممتاز علی صاحب جو نہایت کھُلی اور نہایت سختی سے مخالفت کرتے ہیں اُنکے جواب میں ہمارے پاس بھی متعدد خطوط مردوں اور عورتوں کے خاتون میں اشاعت کے لیے آئے ہیں۔ ہم نے اسوقت تک اپنی یہ پالیسی رکھی ہی کہ ہم خاتون میں اس قسم کی بحث نہ چھیڑیں کیونکہ اگر ہم ایسا کرینگے تو لامحالہ ہماری اخبار بہنوں میں دو گروہ پیدا ہونگے اور ہم فرقہ بندیوں کے نہایت سخت مخالف ہیں۔ پڑھی لکھی مستورات کو ہم ایسے جھگڑوں سے دور رکھنا چاہتے ہیں اور اسی وجہ سے ہم اُن نامہ نگاروں سے معافی مانگتے ہیں جنہوں نے ہمارے پاس مدرسہ کی خاص ہمدردی سے مولوی ممتاز علی صاحب اور اخبار کا مرِیڈ کی مخالفت کے جوابات اشاعت کے لیے بھیجے اور اُن کو ہم اس مجبوری سے شائع نہیں کر سکتے۔

لیکن ان مضامین میں ایک مضمون ہماری ایک معزز بہن خاتون کی قدیم معاون کا ہے جنھوں نے اپنے مضمون کے نیچے ایک مسلمان خاتون لکھا ہی اور اُنھوں نے اپنے پرائیویٹ خط میں باصرار ہمیں لکھا ہی کہ ہم اُن کا مضمون خاتون میں شائع کر دیں اور اپنی ہمدردی کے جوش میں ہم کو ملزم بھی گردانا ہی کہ ہم اپنی تحمل اور بردباری کی وجہ سے مدرسہ کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔ اسلیے اُنکے اصرار سے مجبور ہو کر اُن کا مضمون ہم شائع کر دینگے۔ مگر ہم اپنی عام پالیسی بدلنا نہیں چاہتے۔ لیکن اگر یہی حالت رہی تو ہم مجبور ہو کر اپنی پالیسی بدلیں گے مگر ابتک اس کی نوبت نہیں پہونچی کہ ہم اپنے لیے اس پالیسی کا بدلنا ایک مجبوری تسلیم کر لیں۔

ہم اپنی بہن صاحبہ کو یقین دلاتے ہیں کہ دنیا میں اچھے کاموں کی مخالف کامیاب نہیں ہوتے بلکہ اچھے کام اور اچھے کاموں کے کرنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور مخالفوں کی مخالفت حرف غلط کی طرح دنیا سے مٹ جاتی ہی۔ ہم اپنی بہن صاحبہ کو

اسکا بھی یقین دلاتے ہیں کہ قرآن پاک کو ہم خدا کا کلام سمجھتے ہیں اور اُس پر پورا اعتقاد رکھتے ہیں اور اُس میں سینکڑوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان اللہ مع الصابرین

ہم کو نہایت افسوس اور صدمہ ہے کہ ہماری معزز اور لائق دوفاضلہ بہن بلبت نصیرالدین حیدر صاحبہ عرصہ سے متواتر آسمانی مصائب میں مبتلا ہیں۔ گزشتہ دنوں میں اُنکے بیان وحشتناک موتیں ہوئی ہیں۔ اور اب نئی افتاد پڑی ہے کہ اُنکے والد صاحب قبلہ وکعبہ پر پانچویں مرتبہ فالج گرا ہے۔ حالت بہت نازک ہے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ ہکو اس حادثہ رنج افزا میں بہن صغریٰ کیساتھ دلی ہمدردی ہے اور ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ مریض کو جلد شفا دے۔

آج ہم نہایت رنج سے اپنے معزز دوست مولوی عزیز مرزا صاحب سکریٹری مسلم لیگ کی وفات کی خبر شائع کرتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون مولوی صاحب موصوف بلحاظ اپنے ذاتی اوصاف و قومی خدمات کے ایک ایسے بےمثل فرد تھے کہ موجودہ اشخاص قوم میں کوئی صاحب اُن کی خالی جگہ پُر نہیں کر سکتے۔ وہ نہایت سچے اور سادہ عادات کے مسلمان تھے۔ دو سال کا عرصہ ہوا کہ وہ حیدر آباد سے پنشن لیکر آگئے تھے۔ اُن کا ارادہ مستقل طور پر علیگڈھ میں رہکر قومی خدمت کرنے کا تھا۔ مگر قوم نے اُنکے سپرد ایک اور ضروری کام کر دیا اور اُن کو با دل ناخواستہ لکھنؤ میں جا کر قیام کرنا پڑا۔

مرحوم عرصہ سے مرض ذیابطیس میں مبتلا تھے اور کھانے پینے میں سخت احتیاط کرتے تھے مگر آخر کار مرض غالب آیا۔ اندر کوئی پھوڑا ہو گیا جسمیں اپریشن ہوا اور اپریشن کے دوسرے روز یعنی ۲۲ فروری کو انتقال کر گئے۔ مرحوم نے چھ صاحبزادے چھوڑے ہیں۔ ایک صاحب تو ولایت سے انجنیری کا پاس کر کے آ گئے ہیں۔ دوسرے صاحب بیرسٹری کا پاس کر کے بہت جلد واپس آنیوالے ہیں۔ اور چار صاحبزادے چھوٹی جماعتوں میں تعلیم پاتے ہیں۔

اسوقت ان سب کو سخت پریشانی کا سامنا ہے کیونکہ مرحوم نے کوئی جائداد یا آمدنی نہیں چھوڑی۔ امید کیجاتی ہے کہ حیدر آباد سے بچوں کے لیے کوئی وظیفہ مقرر ہو جائے ہمیں امید کہ

رجسٹرڈ نمبر اے (۲۷۱)

خاتون

جلد ۸ | بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۳

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

(۱) بیگمات بھوپال .. .. .. حافظ محمد اسلم صاحب .. .. .. (۱)

(۲) علیگڑھ اور مولوی ممتاز علی صاحب کی مخالفت .. .. .. ایک مسلمان خاتون صاحبہ (۹)

(۳) ان الشرک لظلم عظیم .. .. .. ا۔ ب۔ ن صاحبہ .. .. .. (۱۷)

(۴) بے کاری و خانہ داری .. .. .. ا۔ ب۔ ن۔ صاحبہ .. .. .. (۱۹)

(۵) آہ مظلوماں .. .. .. مس نصیر الدین حیدر صاحبہ .. .. .. (۲۳)

(۶) دنیا پرستی اور ہمارا فرض .. .. .. بدر النسا بیگم صاحبہ .. .. .. (۲۶)

(۷) شستان مملکت یا اُجڑی ہوئی سلطنت .. .. .. رابعہ سلطان بیگم صاحبہ .. .. (۲۷)

(۸) زنانہ حاضر جوابیاں .. .. .. حشمت علی صاحب .. .. .. (۴۱)

(۹) مسلم یونیورسٹی فنڈ .. .. .. بنت نذر الباقر صاحبہ .. .. .. (۳۹)

(۱۰) اڈیٹوریل .. .. (۷۵)

باہتمام خاکسار عبد اللطیف پرنٹر

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اس کی سالانہ قیمت (دیے) اور ششماہی ۱۲ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات پہنچے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلی لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی مدنی سے کچھ بچیگا تو اُس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط وکتابت وترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈہ ہونی چاہیے۔

بیگمات بھوپال

رسالہ خاتون میں اکثر مشہور خواتین کے حالات شائع ہو چکے۔ ہندوستان کی بیسیوں نامور عورتوں کی سوانح عمریاں لکھی گئیں لیکن ابتک بیگمات بھوپال کی تاریخ نہیں چھاپی گئی حالانکہ انکے روشن کارنامے نگاہوں کے سامنے ہیں۔

میں عرصہ سے یہ چاہتا تھا کہ ان عالیشان بیگمات کے حالات لکھوں۔ لیکن پھر یہ سوچتا تھا کہ یہ کام کسی بھوپال ہی کے اہل قلم سے ہو تو بہتر ہی۔ عربی میں مثل ہے کہ صاحب البیت ادری بمافیہ۔ گھر والے ہی گھر کا حال خوب جانتے ہیں۔ وہیں کا کوئی شخص اسکو اچھی طرح لکھ سکتا ہی۔ اسی خیال سے بعض احباب کو اس طرف متوجہ بھی کیا لیکن اُنھوں نے الٹا مجھی پر یہ بوجھ ڈالا۔

میں نے چونکہ مشہور خواتین اسلام کا سلسلہ شروع کر رکھا ہی جس میں ان بیگمات کا بھی شامل کرنا ضروری تھا اسلیے خود ہی لکھنے کے لیے آمادہ ہونا پڑا۔ لیکن انکے حالات

لکھنے سے پہلے نہایت اختصار کے ساتھ ریاست بھوپال کی سرسری تاریخ بھی بیان کر دینی ضروری ہے تاکہ واقعات ترتیب پاکر صحیح طور پر ذہن نشین ہوں۔

ریاست بھوپال کے بانی سردار دوست محمد خاں ہیں جو ایک افغانی قبیلہ میرازی خیل میں سے تھے اور تیراہ کے باشندے تھے۔ وہ سنہ ۱۱۲۰ھ میں بہادر شاہ کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ یہاں مختلف مقامات پر ملازمت کرتے ہوئے منگل گڈھ[1] کی رانی کی نوکری کی۔

سردار موصوف چونکہ بہادری اور جانبازی میں یکتائے روزگار تھے اسلیے رانی نے ان کی بڑی عزت کی اور اپنا موُنھ بولا بیٹا بنایا۔ کچھ زمانے کے بعد جب وہ مری تو ان کو بھی اس کے ترکہ سے کسی قدر مال و زیور ملا۔ یہ وہاں سے بیرسیہ میں آ رہے۔

بیرسیہ اس زمانہ میں دہلی کے ایک رئیس تاج محمد خاں کی جاگیر میں تھا۔ چونکہ سلطنت مغلیہ کمزور ہو گئی تھی جا بجا ملک میں لوٹ مار اور غارت گری ہوتی تھی۔ بالخصوص کوہستانی مقامات میں جہاں پہاڑوں اور جنگلوں کی وجہ سے ڈاکوؤں کو نہایت عمدہ موقع حاصل تھے۔ تاخت و تاراج کا بازار بہت گرم تھا۔ تاج محمد خاں کے کارندوں سے جگر ڈاکوؤں کی شورش سے خون ہو رہے تھے۔

سردار دوست محمد خاں نے ان کو پریشان دیکھ کر اپنی اولوالعزمی سے پرگنہ بیرسیہ کا تیس ہزار روپیہ سالانہ پر ٹھیکہ لے لیا۔ اور اپنے عزیزوں اور ہمقوموں کو جمع کر کے ڈاکوؤں کا استیصال کرنا شروع کیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے ملحقہ پرگنے اپنے قبضہ میں کر لیے۔

ان کی روز افزوں ترقی دیکھ کر مالوہ کے صوبہ دار دیا بہادر نے اجین سے ان پر لشکر کشی کی مگر سردار موصوف نے اس کی کثیر التعداد فوج کو اپنی تھوڑی سی جمعیت سے شکست فاش

---

[1] ریاست بھوپال کے پرگنہ بیرسیہ میں ایک گاؤں کا نام

دی اور اُسکا تمام ساز و سامان اور توپخانہ چھین لیا۔ جس سے اُن کی طاقت اور شہرت بہت بڑھ گئی۔

اسی زمانہ میں گنور کے راجہ کو اسکے بھائیوں نے زہر دیکر مار ڈالا۔ اس کی بیوی رانی کملاپتی نے سردار دوست محمد خاں کے پاس اپنا دردناک قصہ کہلا بھیجا اور قاتلوں کے انتقام کی ملتجی ہوئی۔ سردار موصوف نے پہونچکر اسکے شوہر کے قاتلوں کا علاقہ چھین لیا۔ رانی کملاپتی نے بھی ان کو اپنی ریاست کا مختار کر دیا۔ اسکے مرنے کے بعد گنور کا قلعہ اور علاقہ بھی انکے ملک مفتوحہ میں شامل ہوگیا۔ اب وہ ایک بڑی ریاست کے مالک اور مقتدر رئیس شمار ہونے لگے۔

پہلے ان کا قیام اسلام نگر میں تھا جو بھوپال سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ انھوں نے موجودہ شہر بھوپال[1] کو جو تالاب کے کنارے پہاڑی پر ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اپنا دار الریاست قرار دیا اور نہایت مبارک ساعت میں یعنی عین حج اکبر کے دن ۱۱۴۰ھ میں ایک سنگین قلعہ کی بنیاد

---

[1] یہ گاؤں راجہ بھوج والی دہار نگری نے آباد کیا تھا۔ اور اسکا نام اپنے نام پر بھوج پال رکھا تھا۔ کثرت استعمال سے بھوپال ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ راجہ بھوج جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمعصر ہے ایک مسلمان بزرگ عبد اللہ چنگال کے ہاتھ پر جو اس زمانہ میں مکے یا مدینے سے تشریف لائے تھے اسلام لایا تھا۔ اگرچہ یہ واقعہ کسی تاریخ میں نہیں ہے لیکن عبد اللہ چنگال کے مزار پر جو دہار میں ہے ایک قصیدہ فارسی زبان میں لکھا ہے اسکے چند شعار سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں

چو وقت آمد کہ خورشید حقیقت — شود طالع دریں یلدائے دیجور

رسید ایں شیر مرد از مرکز دیں — دریں دیر کہن با جمع جمہور

بزد برہم تماثیل و بتاں را — مصلے ساختہ آں معبد زور

چو راے بھوج دیدش از فراست — مسلماں گشت با اہل ہمہ سور

بنور شرع روشن گشت ایں شہر — رسوم شرک شد معدوم و مدحور

رکھی اور اردگرد فصیل کھچوائی ۔

۱۱۵۳ھ میں جب سردار دوست محمد خاں نے انتقال کیا تو نظام الملک آصف جاہ والی حیدر آباد دکن سے جو جاتے وقت سردار موصوف کے بڑے بیٹے یار محمد خاں کو اپنے ہمراہ دکن لیتے گئے تھے ۔ نوابی کا خطاب ۔ خلعت اور ماہی مراتب دے کر بھوپال کو رخصت کیا۔

انھوں نے یہاں آکر بجائے بھوپال کے اسلام نگرہی کو آباد کیا۔ کئی ایک پرگنے فتح کرکے اپنے مقبوضات میں شامل کیے ۔ پیشوا مرہٹہ والی پونا سے بھی بھوپال کے قریب ان کا مقابلہ ہوا۔ اور اسکو شکست فاش دی ۔ پندرہ سال نوابی کرنیکے بعد وفات پائی۔

نواب یار محمد خاں کے بعد ۱۱۶۶ھ میں انکے بیٹے فیض محمد خاں جنکی عمر اسوقت صرف ۱۱ سال کی تھی گدی پر بیٹھے ۔ ان کی کوشش سے رائسین کا مشہور قلعہ ریاست میں شامل کیا گیا۔ اور اس کی قلعداری کی سند دربار دہلی سے انکے نام ہوئی ۔

پیشوا جو نواب یار محمد خاں سے شکست کھا کر گیا تھا۔ اس نے انکے زمانہ میں انتقام لینے پر کمر باندھی۔ اور چڑہائی کی۔ بھوپال کی فوج تاب مقابلہ نہ لاسکی ۔ آخر تقریباً نصف ریاست مرہٹوں کو دیکر صلح کرنی پڑی۔

۱۲۰۹ھ میں نواب فیض محمد خاں کے مرنے کے بعد انکے چھوٹے بھائی حیات محمد خاں بجائے انکے رئیس ہوئے ۔ انکے عہد میں ریاست میں خانہ جنگیاں ۔ شورشیں ۔ اور لڑائیاں رہیں۔ انہیں کے زمانہ میں وزیر محمد خاں جو نواب حیات محمد خاں کے چچازاد بھائی شریف محمد خاں کے بیٹے تھے ریاست کے مختار کار ہوئے ۔

سنہ ۱۲۲۳ھ میں نواب حیات محمد خاں کے مرنے کے بعد انکے بیٹے نواب غوث محمد خاں مسند نشیں ہوئے لیکن ان کی نوابی برائے نام تھی اصل کار پرداز ریاست کے وزیر محمد خاں تھے۔

وزیر محمدؐ خاں اُن چند افراد میں سے تھے جن کی بہادری ہندوستان کے لیے سرمایۂ ناز ہے۔ ان کے پاس ایک سرنگ گھوڑا پنکھراج نامی تھا جس کی دُم کسی لڑائی میں کٹ گئی تھی۔ وہ ان کو اس قدر عزیز تھا کہ ایک دم کے لیے بھی اسکو اپنی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ پنڈاروں میں ان کی یہ دہاک تھی کہ جب کوئی کہہ دیتا تھا کہ دُم کٹے گھوڑے کا سوار آگیا تو انکے کلیجے لرز جاتے تھے۔

یہ وزیر محمد خاں ہی کا دل وجگر تھا کہ سنہ ۱۲۱۸ھ میں جب مہاراجہ سیندھیا۔ اور راجہ ناگپور نے متفقہ طاقت سے ۴۰ ہزار فوج لیکر بھوپال پر چڑھائی کی تو انھوں نے رستم کے کام کیے۔ اور اپنی کل ۱۱ ہزار فوج سے اتنی بڑی عظیم الشان جماعت کو شکست دی۔ وہ دراصل اس ریاست کے لیے ایک سنگین قلعہ تھے۔

سنہ ۱۲۳۱ھ میں ان کی وفات کے بعد انکے بیٹے نواب نظر محمدؐ خاں بھوپال کے رئیس ہوئے۔ اور نواب غوث محمد خاں کی بیٹی گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ کے ساتھ ان کا عقد ہوا سنہ ۱۲۳۳ھ میں انکے بطن سے نواب سکندر بیگم پیدا ہوئیں۔

انکے زمانہ میں ریاست کے تعلقات سرکار انگریزی سے بہت مستحکم ہوگئے۔ کمپنی کی طرف سے جو فوج پنڈاروں کے تادیب کے لیے مامور کی گئی تھی نواب صاحب موصوف نے ۱۵ لاکھ روپیے کے زیور اور جواہرات بیچ کر جس کی بیع میں ان کو ۱۲ لاکھ کا خسارہ اُٹھانا پڑا۔ سرکار کمپنی کی مدد کی۔ اسکے صلے میں پانچ محال کی ملکیت ریاست کو عطا ہوئی۔ نیز قلعہ اسلام نگر جو مہاراجہ سیندھیا کے قبضہ میں تھا سرکار کمپنی کی مدد سے واگذاشت ہوا۔

عین جوانی کے زمانہ میں جبکہ اسلام نگر میں شکار کھیلنے گئے تھے غلطی سے بندوق سر ہو گئی جس کی گولی سر میں لگی اور وہ ہلاک ہو گئے۔

مرتے وقت نظر محمد خاں نے وصیت کی تھی کہ میرے بعد گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ ریاست کی مختار ہوں اور میری بیٹی سکندر بیگم جب بڑی ہو تو اسکا اخوان ریاست میں سے جس کے ساتھ عقد ہو وہی رئیس ہو۔ چنانچہ باتفاق ارکین ریاست و صاحب بہادر پولیٹکل ایجنٹ ۱۲۳۵ھ میں نواب گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ مختار ریاست قرار پائیں اسوقت بیگم صاحبہ موصوفہ کی عمر اٹھارہ سال سے کچھ ہی زیادہ تھی۔
انکے وزرا اکرم محمد خاں اور حکیم شہزادمسیح فرانسیسی نے نہایت قابلیت کے ساتھ ریاست کا انتظام کیا۔ تمام رعایا خوش حال اور ریاست سرسبز تھی۔
۱۲۵۰ھ میں سکندر بیگم صاحبہ جب سترہ سال کی ہوئیں تو ان کا عقد نواب نظر محمد خاں کے بھتیجے نواب جہانگیر محمد خاں کے ساتھ کیا گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد حسب قرارداد نواب جہانگیر محمد خاں نے ریاست کی حکومت طلب کی۔
نواب گوہر بیگم صاحبہ نے نامعلوم وجوہ سے مخالفت کی۔ اس معاملہ نے طول کھینچا اور بہت کچھ ردوکد کے بعد اتنا ہوا کہ ریاست کے کچھ مقدمات نواب صاحب کے پاس بھی آنے لگے۔
نواب صاحب کی یہ بالکل بجا خواہش تھی کہ ریاست انکے حوالے کیجائے۔ لیکن بیگم صاحبہ کی مخالفت کی وجہ سے جب انھوں نے مدعا برآری کی صورت نہ دیکھی تو دوسری تدبیر کی۔ انھوں نے ۱۲۵۲ھ میں گیارہویں شریف بڑی دہوم سے کی۔ اس میں تمام اخوان وارکان ریاست کو مدعو کیا۔ نواب گوہر بیگم اور سکندر بیگم بھی شریک ہوئیں حسن اتفاق سے سکندر جہاں بیگم صاحبہ کے کان میں کسی نے کہدیا کہ یہ سارا ساز و سامان

تمہارے اور نواب گوہر بیگم صاحبہ کے قتل کے لیے کیا گیا ہی۔ نواب صاحب کے مسلح آدمی گھات میں چھپے ہوئے بیٹھے ہیں۔ جوں ہی فاتحہ کے بعد آتشبازی شروع ہو گی تمہارے جسموں سے سر ندارد ہو جائینگے۔

یہ کیفیت سُن کر فاتحہ خوانی کے بعد ہی سکندر جہاں بیگم اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور نواب گوہر بیگم صاحبہ کو بھی اس کی خبر کی۔ اسی وقت دونوں اپنے محل میں آگئیں۔ اور فوراً نواب صاحب کے رفقاء کی گرفتاری کے لیے دوڑ بھیجی گئی۔ انکے پچاس نوکر گرفتار کر کے ریاست بدر کیے گئے۔ ریاست کے بھی بعض ملازم جن پر سازش کا شبہ ہوا نکال دیے گئے۔ نواب جہانگیر محمد خاں نظر بند ہو گئے اور انکے محل پر فوجی پہرہ لگا دیا گیا۔

بہوا خواہوں نے اس ناگوار واقعہ کے بعد ہر چند کوشش کی کہ مصالحت ہو جائے لیکن نہ ہو سکی۔ آخر نواب صاحب کے اعزہ اور طرفداروں نے سیہور میں جو بھوپال سے دس کوس کے فاصلہ پر ہی لڑائی کی تیاری شروع کی۔ اور ایک دن رات کو دو گھوڑے ایک معتمد کے ذریعہ سے بھیجے۔ اس نے شہر کے کنارے وہ گھوڑے لاکر کھڑے کیے اور مخفی طور پر نواب صاحب کو اطلاع پہنچائی۔

اتفاقاً اُس رات کو ایک رئیس کے یہاں شادی کی محفل تھی جس میں اکثر لوگ شریک تھے۔ نواب صاحب نے موقع پایا۔ بھیس بدل کر محل سے نکل گئے اور گھوڑے پر سوار ہو کر سیہور پہونچے۔ انھوں نے مہاجنوں اور بنیوں سے بہت سا روپیہ قرض لیکر کئی ہزار سپاہی نوکر رکھے۔ اور اس فوج کو لیکر کئی ایک پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔

صاحب پولیٹکل ایجنٹ نے بیگم صاحبہ کو لکھا کہ گو ریاست کے اندرونی معاملات میں میرا دخل نہیں ہی لیکن میں یہ دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ باہم صلح اور صفائی کر لینی چاہیے تاکہ فساد رفع ہو جائے۔ چنانچہ مصالحت کے لیے دو آدمی بیگم صاحبہ کیطرف سے اور دو آدمی نواب صاحب کی جانب سے صاحب پولیٹکل ایجنٹ کے پاس جمع ہوئے

بیگم صاحبہ کی طرف سے اصرار تھا کہ ابھی دس برس تک نواب صاحب اطاعت کریں اسکے بعد ان کو ریاست ملیگی۔ نواب صاحب کے سفیر تین برس تک کی اطاعت تو قبول کرتے تھے لیکن دس برس پر راضی نہ ہوتے تھے۔ آخر صلح نہ ہوسکی۔

بیگم صاحبہ نے بھی بھوپال سے راجہ خوش وقت رائے کی سرکردگی میں مقابلہ کے لیے فوج روانہ کی۔ اور مقام آشٹہ میں رود پاربتی کے کنارے لڑائی ہوئی۔ دونوں طرف سے تقریباً تین سو سوار پیادے کام آئے۔

اسی درمیان میں وائسرائے کے دربار سے پولٹیکل ایجنٹ کے نام رفع نزاع کے لیے احکامات صادر ہوئے۔ انھوں نے اپنے میرمنشی کو آشٹہ بھیج کر ریاست کی فوج کو بھوپال واپس کیا۔ اور خود بھوپال آکر بیگم صاحبہ کو فہمائش کی کہ وعدہ خلافی کرنی مناسب نہیں ہے ریاست نواب صاحب کو سپرد کر دیجیے اور اپنی جان عزت اور جاگیر کا محافظ سرکار کمپنی کو سمجھیے۔

بیگم صاحبہ نے اس مشورہ کو قبول کیا۔ ان کی حین حیات تک کے لیے آٹھ سو سولہ مواضع کی جاگیر الگ کر دی گئی جس کی آمدنی کچھ ہی کم پانچ لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔

جاگیر لیکر بیگم صاحبہ خانہ نشین ہوئیں اور نواب جہانگیر محمد خاں مسند نشین ہوئے۔

نواب گوہر بیگم صاحبہ کی حکومت کا زمانہ کم و بیش اٹھارہ سال تک رہا۔ وہ اپنے دور حکومت میں بہت نیکنام اور رعایا میں ہر دلعزیز تھیں۔ خانہ نشینی کے بعد بھی وہ جبتک زندہ رہیں گورنمنٹ انکے ساتھ وہی برتاؤ کرتی رہی جو ایک والی ملک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ان کو جاگیر میں دیوانی۔ فوجداری اور مال کے کل اختیارات بھی حاصل تھے۔ ان کی ذاتی سلامی کی پندرہ توپیں تھیں۔ اور دربار دہلی کے بعد کراؤن آف انڈیا کا تمغہ بھی ملکہ معظمہ نے ان کو عطا کیا تھا۔ وہ بڑی عبادت گزار اور فیاض تھیں۔

ان کی سخاوت اور نیکی ضرب المثل تھی۔ اور اسی وجہ سے بھوپال کے تمام باشندے ان کے گرویدۂ احسان تھے اور ان کو ماں باپ سے بھی بڑھ کر اپنا شفیق و مربی سمجھتے تھے۔

انھوں نے اپنی بیٹی سکندر بیگم کے ہمراہ مکہ معظمہ جا کر فریضۂ حج بھی ادا کیا۔ اور وہ اکثر اپنے محل کے حجرہ میں بیٹھی ہوئی قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتی تھیں۔

تقوے کا یہ عالم تھا کہ خود اپنی زندگی ہی میں اپنے شوہر کے باغ میں ایک مقبرہ اپنے لیے تیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ ۲۴ محرم ۱۲۹۹ھ کو جب انھوں نے انتقال فرمایا تو اسی مقبرہ میں دفن کی گئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۸۳ سال کی تھی۔

ان کی یادگار خاص بھوپال کی جامع مسجد ہے جو چوک میں واقع ہے۔ یہ مسجد نہایت سنگین اور بہت عالیشان ہے۔ ۱۲۴۸ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۱۲۷۳ھ میں اختتام کو پہونچی۔ اس کی تعمیر میں پانچ لاکھ ساٹھ ہزار روپیے صرف ہوئے۔ اس سے زیادہ با موقع اور پُر رونق مسجدیں کم دیکھنے میں آئینگی جس سے بانیہ کے حُسن نیت کا پتہ چلتا ہے۔

عیش باغ نامی ایک نہایت عمدہ سرسبز باغ بھی جسکے بیچ میں ایک بہت بڑی باولی اور ارد گرد نہایت عمدہ عمارتیں ہیں اور ہر چہار طرف پختہ دیوار ہے بیگم صاحبہ موصوفہ کی یادگار ہے۔ لیکن سب سے اچھی یادگار اُن کی وہ ہے جو بھوپال کے باشندوں کے دلوں میں قائم ہے یعنی یہ کہ وہ بڑی نیک۔ بڑی فیض رساں اور غریبوں کی ہمدرد تھیں۔

(باقی پھر) اسلم

علیگڈہ اور مولوی ممتاز علی صاحب کی مخالفت

ماہ گذشتہ کے خاتون میں ہم نے اپنے نوٹ میں جو مولوی ممتاز علی صاحب کی مخالفت کے

زیر سایہ پڑی ہے۔

(از سر سید لائف)

کاش اس ایثار سے لوگ سبق حاصل کریں۔

غرض کہ اسی مدرستہ العلوم کی بدولت علی گڈہ نہ صرف ہمارا تعلیمی مرکز ہو گیا ہے بلکہ ہماری تمام تمناؤں کا مبدا و منتہا ہے۔ اور اب علی گڈہ و اضلاع علیگڈہ میں ایسی۔ مقتدر ذیجاہ۔ فدائے قوم جماعت پیدا ہو گئی ہے۔ جس کی نظیر یقیناً کوئی شہر پیش نہیں کر سکتا۔ اور لفضلہ تعالیٰ یہ شہر مرجع آفاق ہو گیا ہے۔

پس لازمی ہے کہ جو صدا علی گڈہ سے بلند ہو۔ اس کی گونج اطراف ہند میں پہونچے۔ چنانچہ اس قلیل عرصہ میں علیگڈہ انسٹیٹیوشن نے مسلمانان ہند کی تعلیم میں تحیر انگیز۔ معجز نما کرشمہ دکھایا ہے۔ ؎

عاقبت مقبولی کالج بدیں غایت رسید تربیت گاہ غریباں شد گزر گاہ شہاں

اور جب ہماری یونیورسٹی قائم ہو جائیگی تو (چشم بد دور) سرچشمہ تہذیب و تمدن علیگڈہ عنقریب قرطبۂ ثانی بنجائیگا۔ پس یہاں سے زیادہ کونسا مقام زنانہ تعلیم کے مرکز ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

مولوی ممتاز علی صاحب! آپ کو اچھی طرح یاد ہو گا۔ کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ۱۹۰۵ء میں آپنے ہر چند کوشش کی۔ کہ مجوزہ محمڈن گرلس سکول بجائے علیگڈہ کے لاہور میں قائم ہو۔ مگر قوم نے بالاتفاق انکار صریح کر دیا۔

اس موقع پر قوم نے جو الفاظ آپ کی شان میں استعمال کیے تھے۔ وہ بھی آپ کو بخوبی معلوم ہیں اور دوران تقریر میں آپ کو بار بار خاموش کر دیا جانا بھی یقیناً پیش نظر ہو گا۔

گستاخی معاف! آپنے لاہور میں کونسا گرل سکول قائم کر لیا جو اس قومی و

اسلامی مدرسہ کو جاری رکھ سکتے۔

قوم تہذیب فنڈ کو کیا کہہ کر ردئے جو آپ کے مجوزہ اسکول کے نام سے ہزاروں کی تعداد کو پہونچ گیا تھا۔ پس یہی حشر آپ کے ہاتھوں ہمارے اسکول کا ہوتا۔

توبخویشتن چہ کردی۔ کہ بہ ماکنی نظیری بخدا کہ۔ واجب آمد ز تو احتراز کردن

کیسے مزے کی بات ہی کہ جب یہ مدرسہ آپ کے ہاتھ میں نہ رہ سکا۔ تو آپ سرے سے مدرسہ کے قیام کے ہی مخالف ہوگئے اور مختلف اضلاع و دیار میں پرائمری سکولز قائم کراکے رہا سہا شیرازۂ قومی درہم و برہم کرنا چاہا۔ اگر خدانخواستہ تعلیم نسواں فنڈ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر معمولی الف بے تے کے مدارس میں ضائع ہو تو زنانہ تعلیم پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ تعلیم نسواں کی ضرورت اب مسلم ہو چکی ہی۔ اور جا بجا لڑکیاں پرائیویٹ طور پر تعلیم پا رہی ہیں۔ اب فوراً ضرورت ہی کہ بجائے ان فضولیات کے باقاعدہ ہائی ایجوکیشن کا بندوبست ہو۔ اگر ایم اے او کالج کے اجرا کے وقت چند آپ کے ہمخیال بزرگ پیدا ہو جاتے کہ بجائے ایک کالج کے مختلف مقامات میں انگریزی کے ابتدائی مدرسے قائم کیے جائیں تو آج یہ "امیدگاہ اسلام" کس طرح عالم وجود میں آتا۔

نورمل اسکول علیگڈھ ہی پر منحصر نہیں۔ بلکہ علیگڈھ کے کل کاموں سے آپ کو اختلاف رہا ہی۔ سات کروڑ مسلمانان ہند میں صرف آپ ہی وہ بزرگ ہیں جو محمڈن یونیورسٹی اور محمدن کالج کا قیام فضول سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ ہی کہ آپ کی رائے ہمیشہ جمہور اسلام سے علیحدہ رہتی ہی۔ چنانچہ آپ مضمون زیر بحث میں رقم طراز ہیں۔

اس طرح علیگڈھ سے اسکے کالج کے فائدوں کے عوض ملک کو دوسرے قومی کاموں کے اٹھنے میں سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہی اور قومی کاموں کا

یہ مرکز دوسرے قومی کاموں کے اُٹھنے میں سخت ہارج اور ناکامی کا موجب بنتا ہے۔

ایک جگہ آپ **بانیان وسرپرستان کالج** پر یہ رکیک الزام لگاتے ہیں۔

اب ان کا دل کسی طرح گوارا نہیں کرتا۔ کہ اسلام کی بھلائی کا کوئی کام جس میں، علی گڈھ کی شرکت اور اپنے نام آوری حاصل کرنے کا موقع نہ ہو۔ کسی دوسرے شہر میں ہو۔

کاش آپ بانیان وسرپرستان کالج پر یہ اتہام خودغرضی عائد کرتے ہوئے تامل فرماتے۔ کیونکہ اس مقدس زمرے میں ہز آنر لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ۔ سر سید نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک۔ نواب سر فیاض علیخاں۔ ہز ہائنس سر **آغا خان**۔ نظام دکن (بالقابہم) جیسے بہت سے سربرآوردہ اکابر ملک شامل ہیں اور سرپرستان کالج (کلہم اجمعین) منتخب لیڈران قوم ہیں۔ کیا ان حضرات کی شان خودغرضی سے مبرا نہیں ہے ؎

اُنھوں نے خودغرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید   وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائینگے اُنکو

علی الخصوص ان نا ملائم الفاظ میں صاحبان ممدوح الصدر کو یاد کرنا!

جب ہمارے سب سے معزز قومی مجمع کی حالت وحیثیت یوں ٹھیکہ دار کی سی ہوجائے تو پھر کشادہ دلی اور فیاض طبعی جو قومی مدد دینے کے لیے درکار ہے کہاں باقی رہ سکتی ہے۔

آپ ہمیشہ علیگڈھ کو پنجاب کی امداد کا طعن دیا کرتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر پنجاب یا لاہور نے ایک بہترین قومی خدمت انجام دی۔ تو احسان کس پر کیا؟ بیشک اس سے مسلمانان پنجاب کی روشن دماغی۔ حب قومی۔ اور ایثار نفسی کا اظہار ہوتا ہے۔ اور فی الواقع پنجاب نے تمام حصص ہند سے

زیادہ محمدن کالج کی (یایوں کہیے کہ آپ اپنی) معاونت کی ہے اور اسی واسطے انھوں نے زندہ دلانِ پنجاب کا لقب پایا۔ اور صرف اسی لیے سرسید مدت العمر انکے معترف رہے ہیں۔ اب بھی لاہور کی ذی اثر جماعت مثلاً نواب فتح علی خاں صاحب خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا۔ مولوی محبوب عالم صاحب اڈیٹر پیسہ اخبار۔ ترجمان اسلام ڈاکٹر اقبال پی۔ ایچ۔ ڈی وغیرہ۔ محمدن کالج کے زبردست مدد و معاون ہیں۔ اور ہم مقر ہیں کہ ہمارا کالج انہیں جیسے شیدایان قوم کے ایثار نفس کا نتیجہ ہے۔ جزاہم اللہ خیرا۔

اگر آپ کو علیگڈہ سے ذاتی پرخاش ہے تو مردانہ اخبارات کے ذریعہ سے اظہار خیالات کیجیے۔ تہذیب النسواں کیوں بے خبر پردہ نشین خواتین کو گم راہ کررہا ہے، لیکن ہمیں یقین ہے کہ جوں جوں خواتین میں روشنخیالی پیدا ہوتی جائیگی۔ وہ حق و باطل میں تمیز کرنا سیکھتی جائیں گی۔ یاد رکھیے اگر آپ کے ہاتھوں زنانہ اسکول علیگڈہ کو کچھ نقصان پہونچا تو بدنصیب خواتین کو (جنکے آپ کو دعواے ہمدردی ہے) وہ نقصان عظیم پہونچیگا۔ جس کی تلافی ناممکن ہے۔

علیگڈہ نارمل اسکول (جو نہایت معتمد و لائق وفائق ہاتھوں میں ہے) بے انتہا مفید کام کررہا ہے اور ہم ذاتی واقفیت کی بنا پر اس مدرسہ کی نسبت اپنا دلی اطمینان ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ فی الحال یہ اسکول مختصر پیمانے پر جاری ہے۔ لیکن جوں ہی بورڈنگ ہاؤس تیار ہوا (اور وہ دن بعنایت ایزدی بہت قریب ہے) تو بیرونجات کی شریف زادیاں بھی بآسائش و سہولت تمام اسکے چشمہ فیض سے سیراب ہوسکیں گی۔ آجتک جو ترقی اسکول میں توقف واقع ہوا وہ اغلباً قلت سرمایہ کی وجہ سے۔ دوسرے یہ بھی بھولنا نہ چاہیے کہ ملک روم ایک دن میں آباد نہ ہوا تھا۔ ابھی اس مدرسہ کو جاری ہوئے کونسے سالہا سال گزر گئے

جو کامل طور پر تعلیم یافتہ استانیاں پیدا کر دیتا۔ آخر ایک جاہل مطلق لڑکی کو قاعدہ سے لیکر اعلیٰ تعلیم تک پڑھا دینا بھی کچھ وقت مانگتا ہے یا نہیں! کیا آپ ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتے ہیں۔

اب۔ ایسی حالت میں۔ کہ اس کی تکمیل میں ذرا سی کسر باقی ہے اور ممکن ہے کہ اگر امداد قومی اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو یہ اسکول زنانہ کالج بنجائے۔ یہ تفرقہ انگیز مضامین کسقدر ضرر رساں اور چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانے والے ہیں۔

مولوی صاحب مکرم! ہمدردی نسواں کا مقتضےٰ تو یہی تھا کہ آپ مدرسہ مذکور کو ہر طرح قلمے۔ قدمے۔ سخنے امداد فرماتے اور بحیثیت ایک محب الوطن ہونے کے اسکے سچے فدائے قوم سکرٹری کا ہاتھ بٹاتے۔ نہ کہ ان نازک قومی معاملات میں ذاتیات کو دخل دیتے ہیں۔ مولنا حالی کے یہ اشعار بعینہ ہمارے زنانہ اسکول پر صادق آتے ہیں۔

یہ دار العلم سد راہ آسیب زماں ہوگا ۔۔۔ اسی دار الشفا میں بخت پیر اپنا جواں ہوگا
کسوٹی ہے یہ دار العلم اسلامی اخوت کی ۔۔۔ ہم اُس سے بدگماں ہونگے۔ جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
بُرا کہنا گھروں میں بیٹھ کر اچھا نہیں یارو

میرا ارادہ اختصار کو مدنظر رکھنے کا تھا مگر نفس مضمون کی اہمیت نے اسے کسی قدر طویل کر دیا۔ میں امید کرتی ہوں کہ بہ تقاضائے الحق مُرٌّ اگر اس مضمون کا کوئی جملہ ناگوار خاطر ہو تو ہمارے مہربان مولوی صاحب معاف فرمائیں گے۔

اخیر میں میری مودبانہ التجا ہے کہ وہ آئندہ ایسی دل آزار تحریرات متروک کر کے خواتین کو شکرگزار فرمائیں۔ ذرا خیال تو کیجیے غریب قوم کو ایسے مضامین سے کسقدر نقصان پہنچتا ہے
مصرعہ۔ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

خاکسار۔ ایک مسلمان خاتون

اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ

شرک کیا چیز ہے اور اسکے معنی کیا ہیں؟

شرک کے معنی ہیں خدا کا شریک ٹھہرانا اور اُس کے نظام آفرنیش میں کسی کو دخیل سمجھنا۔ صرف خدا کا کسی کو بیٹا کہنا یا فرشتوں وغیرہ کو اُس کے کارخانۂ قدرت میں شریک بتانا ہی شرک نہیں بلکہ اس کی دو قسمیں ہیں۔

شرک القول اور شرک الفعل۔

شرک القول اُسے کہتے ہیں کہ انسان اپنی زبان سے شرکیہ الفاظ ادا کرے۔ اور شرک الفعل اُس چیز کا نام ہے کہ انسان اپنی زبان سے تو کچھ نہ کہے مگر اسکے حرکات و سکنات سے شرک کی بو آتی ہو۔

شرک القول تو اس طرح پر معاف بھی ہو سکتا ہے کہ بلا کسی خیال کے آدمی کے مونھ سے کوئی شرکیہ جملہ نکل جائے اور اُسکا قصد نہو۔ چنانچہ نبی آخر الزماں علیہ التحیۃ کی حدیث ہے انما الاعمال بالنیات یعنی تمام کام نیت پر منحصر ہیں۔

ناظرات بابرکات! شرک الفعل کی مثال اس طرح پر فرض کیجئے کہ حمیدہ کو خدا نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ عزت۔ دولت۔ عیش اطمینان صرف کمی ہے تو ایک ننھی سی جان کی۔ اس موقعہ پر جو جو۔ ٹونے ٹوٹکے۔ سحر۔ جادو۔ جھاڑ پھونک اس کے گھر ہوتے ہونگے۔ وہ سب کے سب شرک ہیں اور انکے خیال سے میرے رونگٹے کھڑے ہوئے جاتے ہیں۔

وہاں کبھی پیروں سے منتیں مانگی جاتی ہونگی کبھی شہیدوں سے مرادیں۔ گاہ خوتانِ پاک کے نام کی دیگیں ہوتی ہونگی۔ گاہ زین خاں کے بکرے۔ نعوذ باللہ من شر الشیطان

ومن غضب الرحمٰن۔ بھلا کوئی بی حمیدہ سے پوچھے کہ آیا جس خدا نے تجھ پر اتنے احسانات کیے اور اسقدر گوناگوں نعمتیں عطا کیں اسکا شکریہ یہی ہی جو تو ادا کر رہی ہے؟ اری اپنے خدائے لایزال سے دعا کیوں نہیں کرتی کہ تیری رہی سہی تکالیف بھی مٹا دے چنانچہ حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہی اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبو لی ولیومنوبی (یعنی اے مسلمانو مجھی سے دعا کرو اور مجھی پر ایمان لاؤ کیونکہ جب انسان دعا کرتا ہی تو میں ہی اُسے قبول کرتا ہوں)

شاید حمیدہ صفت خواتین کہہ اُٹھیں کہ جب ہماری مراد پوری نہیں ہوتی تب ہم ایسا کرتے ہیں۔ اسکا جواب خود باری تعالیٰ دیتا ہی۔

ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین۔ یعنی ہم تم کو ہر چیز سے آزمائیں گے خواہ وہ خوف ہو یا بھوک۔ نقصان مالی ہو یا جانی۔ یا نقصان خورد نوشی پس جس نے اس کو صبر سے برداشت کیا اسکو بشارت دو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اے مسلمان بہن بھائیو! جب تم پر کوئی مصیبت نازل ہو تو سمجھ لو کہ ہمارا مہربان خدا ہم کو آزما رہا ہی کہ آیا یہ بندہ میری فرمانبرداری کرتا ہی یا نہیں؟ پس ایسی حالت میں اُسی کی طرف رجوع کرو اور توبہ استغفار کے بعد سچے دل سے اپنی ثابت قدمی اور اندفاع مصیبت کی دعا مانگو پھر ناممکن ہی کہ خداوند پاک ہم پر نظر رحم نہ فرمائے اور ہماری مصیبت دور نہ کرے۔

ہمارے روز بروز تنزل کا سبب بھی یقیناً یہی ہی کہ ہم اپنے پاک اور مقدس مذہب کی طرف سے غافل نظر آتے ہیں۔ اور ہمارے افعال میں اکثر شرک اور کفر کی جھلک پائی جاتی ہی۔

شرک آہ! وہ خانہ برانداز شرک۔ جس کی نسبت پروردگار عالم اپنے کلام پاک میں صاف صاف فرما چکا ہی۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذالک لمن یشاء و من یشرک باللہ فقد ضل ضلالاً بعیدا ہ یعنی اللہ شرک کو کبھی معاف نہیں کریگا باقی تمام گناہ بخش دیگا۔ جس شخص کے چاہے گا اور جس نے شرک کیا اللہ کے ساتھ وہ بیشک (راہِ راست سے) بہت دور بھٹک گیا۔

پس اے میرے ہمقوم بہن بھائیو! خدا کی درگاہ میں استغفار کرو اور جہانتک ہو سکے شرک سے دور رہو۔ اور یقین جانو کہ ہندوستان میں جو آئے دن نت نئے وبال نظر آتے ہیں ان کا سبب بھی شرک ہی ہی جو بدقسمتی سے اس سرزمین میں وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔

اے مالک الملک مجھے اور میرے تمام ہم مذہب بہن بھائیوں کو اس بلائے بے درماں سے نجات بخش۔ بحق احمد مصطفٰے محمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم۔ آمین۔

گنہگار

ا۔ ب۔ ن

بے کاری و خانہ داری

ایک نو عمر لڑکی موسم گرما میں جب باغ کو پانی دیتے دیتے تھک گئی تو وہ ایک ہوادار مکان میں چلی گئی جہاں وہ لیٹتے ہی سو گئی۔ خواب میں کیا دیکھتی ہی کہ دو عورتیں اسکے سامنے پتلیوں کی طرح نمودار ہوئیں۔ ان میں سے ایک تو خوب چست چلد بدن کی طرح جسم پر منڈھے ہوئے سُرخ بادلہ کے کپڑے پہنے

ہوئے تھی جنکے حاشیوں پر زری کے انچل توسعے لگے ہوئے تھے۔ اسکا سفید گاچ کا ٹیکہ زمین تک لٹک رہا تھا اس کی چمکیلی اور گھونگروالی زلفوں پر مصنوعی پھولوں اور پروں سے بنی ہوئی ٹوپی عجیب بہار دکھا رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں تاج گھر کا ٹکٹ تھا اور دوسرے میں ایک عمدہ اور زرین کپڑے کا جوڑہ جسمیں ایک خوشنما فیتے سے کام کیا ہوا تھا۔ وہ تبسم کناں اس لڑکی کی طرف بڑھی اور ایک سُریلی آواز سے (جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس لڑکی سے واقف ہی) اس طرح مخاطب ہوئی۔

میری پیاری میلیا! میں ایک مہربان پری ہوں۔ میں نے تمہاری پیدائش سے لیکر اب تک نگہبانی کی ہی۔ اور نہایت ہی خوشی سے تمہارے بے مثال حُسن و جمال کو بڑھتے ہوئے دیکھا ہی اور اب وہ اس درجہ تک بڑھ گیا ہی کہ میں تمہارے ساتھ بڑی خوشی سے بہنا پا کر سکتی ہوں۔ دیکھو میں تمہارے لیے یہ کیا لائی ہوں۔ لو اس خوشنما پوشاک اور ٹکٹ کے ذریعے تم میرے خوبصورت محل کی بے اندازہ خوشیوں میں آزادانہ شریک ہو سکتی ہو۔ تم میرے ساتھ اپنے ایام زندگی ابدی خوشی اور دلگی میں صرف کرو گی۔ ایک خوبصورت تتلی کی مانند جو ایک پھول سے دوسرے پھول پر اُڑتی پھرتی ہی تمہارا یہی کام ہوگا۔ کہ خوشی خوشی ایک مقام سے دوسرے مقام میں اُچھلتی کودتی پھرو۔ اور ثنا خواں تماشائیوں کے روبرو اپنے جوہر اور خوبیاں ظاہر کرو۔ میرے رشک ارم محل میں نہ توکسی بات کی ممانعت ہی اور نہ کوئی کام کرنا پڑتا ہے، بس وہاں خوشی اور زندہ دلی ہی زندہ دلی ہی۔ اے میری پیاری بچی آؤ تاکہ میں پوشاک تمہیں پہناؤں جسے پہن کر تم طلسماتی پری بنجاؤ گی اور پھر قدم اُٹھاتے میرے ساتھ چلی چلنا۔

میلیا اس کے دام محبت میں پھنس گئی اور چاہا کہ اس مدعو کرنے والی پری کی درخواست

منظور کر دں۔ مگر یکایک اسکے دل میں خیال آیا کہ اسکا نام تو دریافت کر لینا چاہیے۔
پرسش کے بعد اُس نے بتایا کہ میرا نام آرام پری ہے۔

اس کے بعد دوسری پتلی بڑہی۔ یہ سرتاپا سفید لباس سے ملبس تھی۔ اور صاف بالوں پر سفید ہی سادی ٹوپی پہنے ہوئے تھی۔ اسکا تمام بدن بالکل صاف ستھرا اور بیداغ تھا۔ اس کی آنکھوں سے سنجیدگی اور آسودگی ٹپکتی تھی اور اسکے چہرے سے مستقل مزاجی اور صداقت نمایاں تھی۔ اسنے ایک ہاتھ میں ہلکی سی چھتری سی لیے ہوئے تھی۔ اور دوسرے میں ایک ٹوکری۔ اس کی پٹی میں ایک مقراض تاگا۔ سوئی اور وہ اوزار جو مستورات کے کام آتے ہیں موجود تھے۔ ایک کنجیوں کا گچھا بھی ایک طرف لٹک رہا تھا۔ وہ اس دوشیزہ خوابیدہ سے مخاطب ہوئی۔

میلیا! بس وہ پری ہوں جسنے تمام عمر تمہاری والدہ ماجدہ کی رفاقت کی اور اب تم کو بھی اپنے سایۂ عاطفت میں لینا چاہتی ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسی فریفتگی میرے مخالف کی طرح نہیں ہے۔ جس سے میں تمہیں اپنی طرف مائل کر دں۔ اگر تم میری پیروی کروگی تو تمام وقت کھیل کود میں صرف کرنے کے بدلے تم کو علی الصباح اٹھنا ہوگا۔ اور تمام دن مختلف کاروبار کرنے ہونگے۔ ان میں سے بعض تو مشکل ہی ہونگے اور بعض محنت طلب۔ اور ان میں کچھ نہ کچھ بدنی یا قلبی محنت بھی درکار ہوگی۔ تم کو پاکیزہ لباس پہننا ہوگا۔ تمام دن گھر میں رہنا پڑے گا۔ اور تم کو ہر وقت اپنے حسن کی ترقی کے خیال میں رہنے کی جگہ اسکے برعکس کارآمد بننے کی کوشش کرنی پڑے گی۔ لیکن ان تمام کاموں کے عوض۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ تمہیں ایسی روحانی خوشی حاصل ہوگی کہ وہ سب کے سب جنکو تمہاری واقفیت ہے تمہاری عزت اور تعریف کرینگے۔ اگرچہ تمہارے ننھے سے دل کو میری درخواست میری مخالف سے کم درجہ کی معلوم ہوتی ہو۔ لیکن یقین کرو کہ یہ اس سے ہزار درجہ

بہتر ہے۔ اس کے علاوہ اُس نے وہ وعدے کیے ہیں جو اس کی طاقت سے
بالکل باہر ہیں۔ آرام کی طاقت سے کہیں دور ہے کہ وہ ابدی خوشی اور راحت بخشے
وہ خوشی جو وہ دیتی ہے حباب کی طرح بہت جلد زائل ہوجاتی ہے اور اس کے بعد
کمزوری اور نفرت اپنا غلبہ کرتی ہے۔ وہ بھیس بدلے ہوئے ہے اور یہ خوبصورت
چہرہ جو اُب دیکھتی ہو حقیقت میں اسکا اصلی چہرہ نہیں ہے۔ رہا میری بابت۔ سو
میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ میری ہردلعزیزی ہرگز کم نہوگی بلکہ ترقی کرتی جائیگی۔
اور تم دن بدن خوشی و خرمی حاصل کرتی رہوگی۔ گو اسوقت تم مجھے سنجیدہ دیکھتی ہو
لیکن کام کے وقت تم مجھے گاتے بھی سُنوگی اور جب کام ختم ہوجائے گا تو میں
ناچونگی بھی۔

بس اب میں اس بارے میں کافی بیان کرچکی ہوں اب وقت آگیا ہے کہ تم جس
طریقہ پر چلنا چاہو اسکو پسند کرو اور اُسی انتخاب پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے گا
اگر تم میرا نام دریافت کرنا چاہتی ہو تو سنو خانہ داری پری میرا نام ہے۔

میلیا نے گو اس بیان کو سردمہری سے سُنا مگر خوب غور اور توجہ سے سُنا۔ وہ
اسکے طریقہ سے خوف زدہ ہوگئی تھی تاہم پہلی پتلی کی طرف دیکھنے سے نہ رُک سکی۔
وہ ابتک اپنے جادو بھرے تحائف اس طریقہ سے پیش کیے جاتی تھی کہ میلیا نے
اس کی درخواست کو رد کرنا ناممکن خیال کیا۔

اتنے میں لڑکی کی خوش نصیبی سے پری کے چہرے کی نقاب ہوا سے اُڑگئی
میلیا نے بجائے ایک خندہ پیشانی اور بشاش چہرے کے ایک کمزور اور زردی مائل
چہرہ دیکھا۔ جسپر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

یہ دیکھکر وہ نہایت ہی خوف زدہ ہوگئی اور اس کی طرف سے مونھ پھیر کر
لاپروائی سے دوسری سنجیدہ اور صادق رفیقہ کے ہاتھ میں اپنا

ہاتھ سے دیدیا۔

(نقل از کتاب)

خاکسار ا۔ ب۔ ن

آہِ مظلوماں

بنت نذر الباقر صاحبہ کے مذکورہ بالا نام کے قصے پر ہم جنوری نمبر خاتون میں ریویو لکھ چکے ہیں۔ مگر اس قصہ کی خوبی نے ہماری لائق و فاضلہ بہن بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ کو بھی مائل کیا کہ وہ اسپر ریویو لکھیں۔ چنانچہ اسکو بھی ہم اپنے رسالہ میں درج کرتے ہیں۔

یہ ریویو نہیں ہے بلکہ ہم اسکو فرقۂ نسواں کی حقوق کی حمایت سمجھتے ہیں اور ہم خوش ہیں کہ اس مضمون پر خود مستورات قلم اٹھانے لگی ہیں۔ دنیا کا یہ اصول ہے کہ جب تک کوئی فرقہ اپنے حقوق خود طلب نہیں کریگا اور اس کی حفاظت کی کوشش نہ کریگا اسوقت تک وہ اپنے حق سے محروم رہے گا۔ ہم نے حقوق نسواں کی حمایت کا جو بیڑا اٹھایا ہے اس میں خود روشنخیال بیویوں کو ہماری مدد کرنی چاہیے۔ پھر انشاءاللہ امید ہے کہ ہم کامیاب ہونگے۔

اڈیٹر

قصے کے پیرایہ میں یہ ایک مختصر و عبرت خیز لب لباب ہے اُن شرمناک جذبات اور دردناک بدسلوکیوں کا جو ہندوستان کی عورتوں کو ناانصاف و ناخداترس مردوں کے ہاتھ سے سوکناپے کی صورت میں تادم مرگ بھگتنا پڑتا ہے پھر کس طرح کہ۔ موذے کا گھاؤ۔ بیوی جانے یا پاؤں۔ اندر اندر ہی تپ دق اور اختلاج قلب جیسے مزمن امراض نے کام تمام کر دیا۔ جاں ہونٹوں میں گھٹ

گھٹ کر دل و جگر اور تمام اعضائے رئیسہ کے سیلے چھترے اور گولیاں بن گئیں۔ سوزش دردِ نہانی سے جلا جلا۔ اور گھلا گھلا کر یبوست و حرارت کا پُتلا بنا دیا۔ مگر مونھ سے اُف نہیں نکلتی۔ یاس و ناامیدی اور بے وفائی کے خاتمہ کن اثر نے آنکھ کا آنسو تک خشک کر دیا۔ لیکن زبان سے مُہر اور تمام اگلا پچھلا معاف ہو رہا ہی۔ اور بچوں سے بے اعتنائی نہ کرنے کی وصیت کی جا رہی ہی۔ جو اُسی ناحق شناس کی تو نسل ہیں۔

اللہ اکبر اے عورت! کیا تیرا سا حوصلہ کوئی دکھا سکتا ہی؟ استغفر اللہ! کیا بدی اور کیا بدی کا شوربا!! جسمانی بزرگی اور ہے۔ اور اخلاقی و روحانی طاقت و جبروت اور!!!

ہوتے مردانِ دلاور ہیں بسیرت ممتاز　　ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز چیل

پُرانے تعلیم یافتہ یا جُہلا کو تو چھوڑو۔ کہ وہ تو ایک طرح معذور بھی ہیں۔ کہ آنکھوں سے یہی دیکھا۔ کانوں سے یہی سُنا۔ خود اسی اُدھیڑبن اور قطع برید میں عمر بھر لگے رہے۔ اب آخری وقت میں کیا خاک ‥ ‥ ہونگے۔ رونا تو اُن کا ہی جو تعلیم یافتہ ہو کر افعال ناشائستہ و حرکات قبیحہ کے مرتکب ہوں۔

بعض ایسی بھی مثالیں سُننے میں آئی ہیں۔ اور دیکھی گئی ہیں۔ کہ پہلی بیوی (جسکا شاید پہلا ہونا ہی سو جرموں کا ایک جرم ہی) بدقسمتی سے ناخواندہ ہی۔ یا ناخواندہ نہیں ہی تو اُن کی طرح سے ون۔ ٹو۔ تھری۔ فور نہیں ہی۔ اگر وہ بھی ہی تو ہائے کمبخت اعتدال و متانت کی تیلی۔ تیتری کی طرح ہوا میں نہیں اُڑتی۔ اب دوسری کی فکر پڑی۔ لوگوں کا مونھ بند کرنے کو اُڑا دیا کہ پہلی جاہل ہی۔ یا ایک تعلیم یافتہ کو اپنے پورے ہمرنگ کی تلاش ہی۔ جو سلے میں جائے یہی تعلیمیافتگی یہ شریکی و مہذب بدمعاشی نہیں ہی تو کیا ہی!

میں حیران ہوں کہ ایسے لوگ شرعی آڑ تو لیتے ہیں مگر علی علیہ السلام کے طرز عمل کو نہیں دیکھتے۔ جسکا وجود قرآن شریف کی تفسیر تھا۔ جسکا ہر قول و فعل شارع برحق کا منشا و مآل تھا۔ کیا وہ عادل نہ تھے؟ پھر وہ کونسا عدل تھا جسکی ناقابل عہدہ برا شان نے خاتون قیامت کی زندگی میں آپ کو دوسری شادی کی جرأت نہ ہونے دی۔ حضرت علی تو اُس شرط کا حق پورا نہ کر سکے۔ ما و شما مسلمان کر سکتے ہیں!

پُرانے ہوں یا نئے بات یہ ہی کہ مذہبی و اخلاقی تعلیم عجیب چیز ہے۔ انہیں قدیم و جدید تعلیم یافتوں میں ایسے بھی ہیں جن کی خانگی زندگی قابل نمونہ و باعث فخر ہو جن کی بیویاں پلک اُٹھا اُٹھا کر راج کر رہی ہیں۔ اور لطف یہ ہی کہ بہت سی اُن میں سے الف کے نام بے نہیں جانتیں۔ مگر شریف الطبع و حوصلہ مند شوہروں کی آنکھ پر میل تک نہیں۔

چونکہ آہ مظلوماں کا موثو عورتوں کے حقوق کی جائز حمایت اور مصرف مسلم یونیورسٹی کی امداد ہی اس لیے میں اسکو فرقہ بے زبان کی ڈھکی چھپی مصیبتوں کے انکشاف کا دیباچہ اور قومی ہمدردی کی قابل تقلید مثال خیال کرتی ہوں۔ میں مس نذر الباقر کے اس قصہ کو فن قصہ نگاری کی تنقیدی نظر سے دیکھنا موصوفہ کے اعلیٰ اغراض تصنیف کی ہتک سمجھتی ہوں۔ وہ رینالڈس و شرر وغیرہ کا ہمپایہ بننا نہیں چاہتیں۔ خدا ان کو ہندوستان کی اسلامی دنیا میں اپنی بے سخن بہنوں کی حمایت میں وہی فتح نصیب کرے۔ جو اولیور کرومویل کو انگلستان کی پولیٹکل دنیا میں اپنے ہمجنسوں کے حقوق حاصل کرنے میں دی۔

انصاف پرست مردوں کو اس قصہ کا جوش کے ساتھ خیر مقدم کرنا چاہیے تاکہ مہذب دنیا میں بدگمانی نہو کہ اپنے ہم صورتوں کی قلعی کھلنے سے بھچتے اور بگڑتے

ہیں۔ اور ناعاقبت اندیشوں سے جو آپا دھاپی مچا رکھی ہے سچے دل سے اس کی
اصلاح نہیں چاہتے۔ ہمارا دوست وہی ہے جو ہمارا عیب ہمارے موں پر کہے۔

راقمہ

مس نصیر الدین حیدر تیموریہ

دنیا پرستی اور ہمارا فرض

اے انسان ناداں اگر تجھ میں خود دنیا کے بھیدوں کے معلوم کرنے کا مادہ
نہیں ہے تو اوروں کی طرف دیکھ کر ہی عبرت پکڑ۔ اے صاحب ہوش یہ دنیا
چند روزہ ہے۔ اس میں دل لگانا عبث ہے! اپنے آپ کو تو ملک عدم کا ایک
مسافر سمجھ اور دنیا کو ایک سرائے کہ تو صرف چند روز کے واسطے
اس سرائے میں آیا ہے اور ہمیشہ اپنے واپس جانے کی یاد دل میں رکھ۔ سفر کے واسطے
اچھا اچھا توشہ تیار کر۔ یہاں کے جانے کے بعد تیری نیکیاں سب کی زبان پر ہوں
تاکہ تیرے دوست تجکو نیکی سے یاد کریں۔

ہائے میں اپنے دل میں یہی پیچ و تاب کھاتی ہوں کہ ہم لوگوں کو سوا اسے
پیٹ بھرنے کے اچھا کھانے کے اچھا پہننے کے یا ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر
رہنے کے اور کوئی فکر دنیا میں نہیں ہے۔ غرضکہ سوا اپنی بھلائی کے اور کوئی فکر
ہم کو نہیں ہے۔ ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اپنی بہتری کے واسطے کرتے ہیں۔ کیا ہم کو
لازم نہیں ہے کہ ہم اپنے اور بھائی بہنوں کی بہتری کی جانب بھی توجہ کریں۔

آہ آہ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ آخر مرنا ہے۔ خدا جانے وہ کونسا دن آجائے
کہ اُس بادشاہ ذی جاہ کی طلبی آجائے۔

ہم کو چاہیے کہ ہم اُس عالی وقار کی طلبی سے پیشتر اپنا سب بندوبست

کر رکھیں۔ کم سے کم ہم کوئی ایسا قومی کام کر جائیں جو ہمارے بعد ہم کو کوئی نیکی کے نام سے یاد کرے۔ اللہ بس باقی ہوس

راقم خاکسار
بدر النسا بیگم ۔ از لودہیانہ

سُنسان مملکت یا اُجڑی ہوئی سلطنت

دنیا فانی ہے دنیا کی ہر چیز کے لیے زوال لازمی ہے۔ فلک پیر کی نیرنگیاں زمانے کے انقلابات مشہور ہیں۔ انسان اگر چشم غور سے صفحۂ دنیا کا مطالعہ کرے تو یہ سراسر عبرت کی جگہ ہے۔

زمانے کی نیرنگیاں بھی عجیب ہیں آج زمانہ ایک کے موافق ہے کل مخالف آج عروج ہے کل زوال۔ آج آبادی ہے کل ویرانی۔ آہ کیسے کیسے ذی عزت نامور مشہور بادشاہ جن کے رہنے کے لیے عالیشان محل، جن کی حفاظت کے لیے ہزاروں بندگان خدا ہر وقت حاضر رہا کرتے تھے انقلاب زمانے کے ہاتھوں ایسے محتاج بیکس ہو گئے کہ تن ڈھانکنے کو چیتھڑا اور پیٹ بھرنے کو ٹکڑا تک نصیب نہ تھا۔ کیسی کیسی بڑی سلطنتیں کیسے کیسے عظیم الشان ملک، لاکھوں بستیاں ہزاروں شہر انقلاب زمانے کے ہاتھوں ایسے تباہ برباد ویران سُنسان ہو گئے کہ آج اُن کا کوئی نشان ہی نہ رہا اور اُن کا کوئی نام بھی نہیں جانتا۔

منجملہ اُنکے ایک سلطنت بیجانگر ہے۔ ابھی بہت تھوڑا زمانہ گذرا ہے کہ یہ چھوٹا سا قریہ (بیجانگر) ایک عظیم الشان وسیع سلطنت کا پایہ تخت تھا جسمیں ڈھائی تین صدی تک ہندوؤں نے نہایت کامیابی کے ساتھ بادشاہت کی

جس کی آبادی کروڑوں اور فوج لاکھوں کی تعداد میں اور بے حساب اَن گنت دولت تھی۔

سلطنت بیجانگر ایک ایسی وسیع عظیم الشان سلطنت تھی جس کی دولت و وسعت کا اندازہ اس وقت کے لوگ ہرگز ہرگز نہیں کرسکتے۔ اور نہ اس سلطنت کے گزشتہ حالات کو یقین کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس کی عظمت و جبروت کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ یہ سلطنت دنیا کی عظیم الشان چیدہ سلطنتوں میں شمار کی جاتی تھی۔ تمام ہندوستان بلکہ یورپ میں اس کی دھاک تھی اور دُور دُور سے لوگ اس سلطنت میں آتے تھے اور یہاں کی دولت و عظمت کو نہایت حیرت و تعجب کی نظروں سے دیکھتے تھے۔

افسوس ہے کہ ایسی عظیم الشان سلطنت انقلاب زمانہ کے ہاتھوں ایسی تباہ و برباد ہوئی کہ آج دنیا میں اسکا نشان ہی نہ رہا۔ عبرت کا مقام ہے کہ ایسی بڑی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور سوائے چند ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں کے کچھ باقی نہ رہا۔ یہانتک کہ اب یہ سلطنت "ہمپی کے کھنڈر" کے نام سے موسوم ہے۔ اور شہر بیجانگر جو اس وسیع سلطنت کا پایۂ تخت اور اپنی رونق آبادی دولت کے لحاظ سے بلا مبالغہ ایک لاثانی بے نظیر شہر تھا۔ جس کی سر بفلک عمارتیں اس سلطنت کی دولت و ثروت کا پتہ دے رہی تھیں آج ایک ویران چھوٹے سے قریے بلکہ صرف چند ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں کی صورت میں نمودار ہے۔

افسوس! سنگدل زمانے نے اس بارونق شہر کو صرف چند کسانوں کا مسکن بنا دیا۔ وہ شہر جس کی گھما گھمی اور رونق سے انسان حیران رہ جاتا تھا آج اُس کی یہ حالت ہے کہ دن کو جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ نہ وہ رونق نہ وہ

چھل پھل ٹوٹی پھوٹی عمارتیں مجسم عبرت بنی کھڑی ہیں اور زبان حال سے پکار پکار کر اپنی ویرانی پر نوحہ کرتی ہیں۔ بیکسی ان کی حالت زار پر آنسو بہاتی ہے۔ حسرت اس تباہی پر خاک اڑاتی ہے۔ ذرہ ذرہ سے عبرت ٹپک رہی ہے۔ الّو اپنی حسرت ناک آواز سے اس حالت پر نوحہ کر رہا ہے۔

اس عظیم الشان سلطنت کو انقلاب زمانہ نے اس قدر جلد از یاد رفتہ کر دیا ہے کہ بجز ایک دو مختصر سی کتابوں کے اس سلطنت کی کوئی مستند کامل تاریخ تک نہیں ملتی۔

لیکن خوشی کی بات ہے کہ مولوی بشیر الدین احمد صاحب (مددگار معتمد مالگزاری حیدر آباد دکن) فرزند رشید شمس العلماء ڈاکٹر مولانا حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی نے نہایت کوشش محنت سے اس اجڑی ہوئی از یاد رفتہ سلطنت کے کل حالات ابتداے سلطنت سے آخر تک نہایت شرح و بسط کے ساتھ دلچسپ پیراے میں نہایت تحقیق کے ساتھ ایک کتاب کی صورت میں بنام تاریخ بیجانگر یا لیمپی کے کھنڈر جمع کیے ہیں۔

کتاب کیا ہے گویا انقلاب زمانہ کا ایک کامل فوٹو ہے کہنے کو تو نام صرف تاریخ بیجانگر ہے لیکن کل بادشاہان دکن سلاطین ہند و بریدیہ دگلبرگہ و بیدر عادل شاہ بیجاپور و نظام شاہ احمد نگر و قطب شاہ گولکنڈہ و عماد شاہ برار و گورنران پرتگال وغیرہ کے قدیم حیرت انگیز کارنامے۔ مفصل حالات سلطنتوں کا عروج و زوال قدیم حکومت کے طریقے وغیرہ نہایت موثر دلچسپ محققانہ پیراے میں درج ہیں۔

کتاب نہایت سیدھے سادے مگر بہت دلچسپ و موثر عبرت خیز طرز پر لکھی گئی ہے۔ برمحل موزوں اشعار و قدیم قابل دید عمارات کے نقشوں نے

کتاب کی خوبی کو دوبالا کر دیا ہے۔ زبان کی شستگی طرز بیان کی سادگی محاورات کے استعمال غرضکہ کتاب کی خوبی کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ اسکے مصنف مولوی بشیر الدین احمد صاحب ہیں جنکے والد ماجد و خود صاحب موصوف کی انمول بیش بہا کتابوں کو جو عام مقبولیت و خاص امتیاز حاصل ہے وہ علمی دنیا سے پوشیدہ نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ اس سے بہتر کتاب سلطنت بیجانگر کے حالات میں ہونی ناممکن ہے کیونکہ یہ کوئی معمولی کتابوں سے واقعات نقل کر کے لکھی ہوئی کتاب نہیں۔ بلکہ مصنف ممدوح نے نہایت محنت کوشش سے خود حالات جمع کیے ہیں۔

سلطنت بیجانگر کا تعلق زیادہ تر گولکنڈہ۔ احمد نگر۔ بیجاپور۔ گلبرگہ۔ بیدر۔ ادھونی۔ بلگاؤں۔ رائچور۔ مدگل۔ کو اسے تھا اور مصنف ان میں سے اکثر مقامات پر بوجہ ملازمت سالہا سال رہ چکے ہیں۔ مدتوں بیجانگر کے کھنڈروں میں پھرتے رہے ہیں ہر ایک چیز اپنے آنکھوں سے دیکھی ہے واقعہ کی پوری تحقیق کی۔ وہاں کے پرانے لوگوں سے دریافت کیے۔ اُن کھنڈروں کے مختلف کتبوں۔ پرانی تحریروں سے تفتیش حالات میں مدد لی۔

راجہ صاحب اناگندی (راجگان بیجانگر کے موجودہ جانشین) کے ذریعے بہت سے حالات اس سلطنت کے معلوم ہوئے جو کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم ہونے ناممکن تھے۔

غرضکہ سالہا سال کی محنت اور جانفشانی کے بعد ان جابجا بکھرے ہوئے موتیوں کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے اس بھولی ہوئی سلطنت کی یاد تین سو سال بعد لوگوں کے دلوں میں ازسر نو تازہ کی ہے۔

اس کتاب کی عمدگی و خصوصیت پر نظر کرتے ہوئے کامل یقین ہے کہ پبلک

مصنف کی اس محنت اور اس قابل قدر قابل دید لاثانی کتاب کی ضرور قدر کرے گی نیز گورنمنٹ نظام کی علمدوستی مشرقی علوم کی سرپرستی حمایت کے لحاظ سے یہ توقع کرنی کچھ بیجا نہیں ہے کہ ریاست حیدرآباد دکن میں اس قابل قدر تصنیف کو خاص عزت و امتیاز حاصل ہونا چاہیے۔

نہایت عمدہ سفید ولایتی کاغذ پر ۲۲۴ صفحوں کی کتاب ہے۔ لکھائی چھپائی قابل تعریف باینہمہ صفات قیمت صرف ڈہائی روپیہ جو اس کتاب کے لیے بہت کم ہے۔ مصنف ممدوح سے بمقام حیدرآباد دکن ملسکتی ہے۔ خریداری سے پبلک کو مصنف کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

آخر میں ہم مولوی بشیرالدین احمد صاحب کو اس بے بہا کتاب کی تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں کہ خداوند عالم نے اس اہم کام کو مولوی صاحب ممدوح کے ہاتھوں پورا کرواکے انہیں ایک خاص عزت سے سرفراز فرمایا جسکے سبب ہمیشہ ہمیشہ ان کا نام علمی دنیا میں چمکتا رہیگا۔ خداوند عالم ان کی تصانیف میں روزافزوں ترقی عطا فرمائے۔ آمین

راقمہ

رابعہ سلطان بیگم

زنانہ حاضر جوابیاں

حضرت رابعہ کا قصہ

یہی قصہ بعینہٖ اگرچہ اس سے پہلے سہروردیہ بیگم صاحبہ کا لکھا ہوا خاتون میں شائع کیا جاچکا ہے لیکن اب حشمت علی صاحب نے اسی کو زنانہ حاضر جوابیوں کے ذیل میں بھیجا ہے۔ اسلیے ہم اس خیال سے کہ "ہر گلے را رنگ و بوی دیگر است"

اسکو شائع کرتے ہیں۔

اڈیٹر

حضرت رابعہ بصریہ نے عہد کر لیا تھا کہ اُن سے کسی قسم کا سوال کیا جاے وہ اسکا جواب قرآن کی آیتوں سے دیتی تھیں۔ اور بجز کلام الٰہی کے اور کوئی لفظ اپنی زبان سے نہیں نکالتی تھیں۔

عبداللہ بن مبارک جو ایک مشہور محدث گذرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں اونٹنی پر سوار مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو جا رہا تھا۔ راستہ میں دور سے ایک سیاہی نظر پڑی۔ نزدیک جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک بڑھیا ہی۔ میں نے اس سنسان بیابان میں اسکو تنہا دیکھ کر تعجب کیا۔ قریب جاکر سلام کیا۔ اُسنے کہا۔

سلام قولاً من رب الرحیم — اللہ مہربان کی طرف سے سلام
سورۂ یٰسین۔ رکوع ۴ — کہا جاتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک نے پوچھا کہ یہاں کیا کرتی ہو۔ جواب دیا۔

ومن یضلل اللہ فما لہ من ھاد ۝ — اللہ جسکا رستہ بھلا دے پھر اسکو کوئی
سورۂ مومن رکوع ۴ — بتانے والا نہیں ہی

حضرت عبداللہ نے سمجھ لیا کہ یہ رستہ بھولی ہوئی ہی۔ اور پھر پوچھا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہی۔ اُسنے کہا

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً — پاک ہی وہ ذات جسنے اپنے بندہ کو
من المسجد الحرام الی المسجد الاقصےٰ — ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد
سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱ — اقصےٰ تک سیر کرایا۔

حضرت عبداللہ نے جان لیا۔ کہ یہ حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر اب بیت المقدس جانا چاہتی ہی۔ اور پھر پوچھا کہ اس جنگل میں تمہارا قیام کب سے ہی۔ جواب ملا۔

ثلاث لیال سویا — تین راتیں پوری ہو چکی تھیں۔

سورۂ مریم رکوع ۱

حضرت عبداللہ نے پھر سوال کیا۔ کہ ایسے جنگل میں تمہارے پاس کھانے کو تو کچھ نہ ہوگا۔ پھر کیسے گذارہ کیا۔ بولی۔

ھو یطعمنی ویسقین — وہی اللہ کھلاتا اور پلاتا ہے

سورۂ شعراء رکوع ۵

پھر حضرت عبداللہ دریافت کرتے ہیں۔ کہ یہاں ادائے نماز کے لیے وضو کیسے کرتی ہو۔ کیونکہ یہاں جنگل میں پانی کا نام و نشان نہیں ہے۔ جواب میں کہا۔

فان لم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدًا طیبًا — اگر نہیں پانی نہ ملے۔ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔

سورۂ نساء رکوع ۷

حضرت عبداللہ کے پاس کچھ کھانا تھا۔ خیال کیا۔ کہ بھوکی ہونگی انہیں کھانے کو دوں مگر وہ فرماتی ہیں۔

ثم اتموا الصیام الی الیل — رات تک روزے کو پورا کر کے پھر کھانا کھانا چاہیے

سورۂ بقر رکوع ۲۳

چونکہ مہینہ رمضان کا نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ نے وجہ دریافت کی۔ تو بولی کہ

ومن تطوع خیرًا فھو خیر لہٗ ۵ — جو نفل کے طور سے روزہ رکھے تو اُسی کا بھلا ہے۔

سورۂ بقر رکوع ۲۳

پھر حضرت عبداللہ نے کہا۔ کہ ہم لوگوں کو تو سفر میں روزہ رکھنا مباح ہے۔ جواب میں بولی کہ

وان تصوموا خیرٌ لکم ان کنتم تعلمون — اگر روزہ ہی رکھو تو کچھ بُرا نہیں کاش کہ تم جانتے۔

سورۂ بقر رکوع ۲۳

حضرت عبداللہ نے جو سوال کیا۔ اسکا جواب آیات قرآنی سے ملتا رہا۔ تو یہ گھبرائے۔ اور کہنے لگے کہ جس طرح میں آزادی کے ساتھ بات چیت کرتا ہوں۔ تم بھی ایسے کیوں نہیں کرتیں۔ ہمیں قرآن شریف کے سمجھنے میں سخت دقت ہوتی ہے اُسنے جواباً کہا۔ کہ

مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید۔ سورۂ ق رکوع ۲ — انسان کوئی بات نہیں بولتا مگر وہ فوراً لکھ لیا جاتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا اعمالنامہ قرآن ہی سے پُر ہو۔

پھر حضرت عبداللہ نے سوال کیا۔ کہ تم کس قبیلہ سے ہو۔ تو جواب دیا کہ

ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئولا سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴ — جس بات کا تجکو علم نہیں۔ اُس کے پیچھے نہ ہو لیا کر۔ کیونکہ (قیامت کے دن) کان۔ آنکھ اور دل سے جواب دہی ہو گی۔

حضرت عبداللہ اس سوال سے نادم ہوئے۔ اور معافی مانگی۔ تو اُس نے بدیں آیت جواب دیا۔

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم سورۂ یوسف رکوع ۱ — تم پر آج کچھ سرزنش نہیں۔ اللہ تم سے درگذر کرے۔

حضرت عبداللہ نے چاہا۔ کہ یہ جنگل میں بیٹھی ہیں۔ میں انہیں اونٹنی پر سوار کرکے ساتھ لے چلوں۔ جب ارادہ ظاہر کیا۔ تو بولی۔ کہ

وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ۔ سورۂ بقر رکوع ۲۵ — جو نیکی کا کام کروگے اللہ اسے جانتا ہے۔ اور اجر دیگا۔

حضرت عبداللہ نے اونٹنی بٹھا دی اور کہا آؤ۔ تو انہیں جو پردہ رکھنا منظور تھا

کہا کہ

قل للمومنین یغضوا من ابصارھم — مومنین کو چاہیے۔ کہ اپنی آنکھیں
سورۂ نور۔ رکوع ۴ — نیچی رکھا کریں۔

حضرت عبداللہ نے موںھ پھیر لیا۔ اور انہیں سوار ہونے کو کہا۔ جب وہ اونٹنی کے پاس آئیں اور سوار ہونے لگیں۔ تو اونٹنی بھڑکی۔ اور اُن کی چادر پھٹ گئی۔ ساتھ ہی زبان سے نکلا۔

وما اصابکم من مصیبۃ فبما — جو کچھ تمہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ وہ تمہارے
کسبت ایدیکم۔ سورۂ شوریٰ رکوع ۴ — ہی ہاتھوں کا کمایا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ نے کہا۔ کہ اچھا ذرا ٹھہرو میں اونٹنی کی ٹانگ باندھ دوں۔ پھر سوار ہو جانا۔ بولی کہ

ففہمناھا سلیمان — جیسی کہ ہم نے حضرت سلیمان کو عقل دی تھی
سورۂ انبیا رکوع ۶ — ویسی ہی تم کو اب سمجھ آ گئی۔

حضرت عبداللہ نے اونٹنی کو باندھ دیا۔ اور اُنہیں سوار ہونے کے لیے اشارہ کیا۔ اب وہ اونٹنی پر سوار ہوئیں۔ اور سواری کے شکریہ میں یہ آیت پڑھی۔

سبحان الذی سخر لنا ھذا — پاک ذات ہے وہ جس نے یہ
وما کنا لہ مقرنین۔ وانا — (جانور) ہمارے مسخر کیے۔ ہم تو
الیٰ ربنا لمنقلبون۔ — ان کی تسخیر کے قابل نہ تھے۔ اور
سورۂ زخرف۔ رکوع ۱ — بیشک ہمیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

حضرت عبداللہ نے آگے بیٹھ کر اونٹنی کی نکیل ہاتھ میں لی اور اونٹنی کو دوڑانا اور چلانا شروع کیا۔ تو حضرت رابعہ بصری نے فرمایا۔

واقصد فی مشیك واغضض — اپنی چال میں میانہ روی کر۔ اور
من صوتك سورۂ لقمان رکوع ۲ — اپنی آواز کو نرم کر۔

حضرت عبداللہ نے اونٹنی کو آہستہ کیا۔ اور چلانا چھوڑ کر آہستہ آہستہ بطور ترنم کچھ اشعار پڑھنا شروع کیے۔ اس پر حضرت رابعہ بصری نے ہدایت کی۔

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ — جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جائے
سورۂ مزمل رکوع ۲ — پڑھا کر۔

حضرت عبداللہ حیران ہو کر بولے کہ اللہ پاک نے تجھے کیسی خوبی دی ہے۔ تو انھوں نے فرمایا۔

وما یذکر الا اولوا الالباب — اس کی قدر ذی عقل ہی جانتے
سورۂ آل عمران رکوع ۱ — ہیں۔

حضرت عبداللہ جن کے دل میں حضرت رابعہ بصری کی طرف سے بہت نیک گمان بیٹھ گیا تھا۔ اسی خیال میں مستغرق جاتے جاتے سوال کر بیٹھے کہ آپ کا شوہر بھی ہے۔ اسپر حضرت رابعہ بصری نے قدرے برہم ہو کر فرمایا۔

یاایھا الذین آمنوا لا تسئلوا — اے مومنو ایسی باتوں کی دریافت
عن اشیاء ان تبد لکم تسوءکم — نہ کرو کہ اگر وہ تم کو ظاہر کردی جائیں
سورۂ مائدہ رکوع ۱۴ — تو تم کو بری لگیں۔

حضرت عبداللہ چپ ہو گئے۔ اور جاتے جاتے قافلے میں پہونچے۔ پھر سوال کیا۔ کہ اس قافلہ میں آپ کا کوئی ہے۔ تو یہ فرمایا۔

المال والبنون زینۃ الحیوۃ الدنیا — مال اور اولاد دنیا کی زینت
سورۂ کہف رکوع ۶ — (کی چیزیں) ہیں۔

اس سے حضرت عبداللہ سمجھے کہ اسکے بیٹے قافلے میں ہونگے۔ دریافت

کیا۔ کہ اُن کا پتہ کیا ہی۔ تو فرمایا

وعلامات وبالنجم هم یهتدون	اُن کی نشانیاں ہیں۔ وہ ستارہ کو
سورۂ نحل رکوع ۲	دیکھکر قافلہ کو چلاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ نے جانا کہ قافلہ کے سردار ہونگے۔ حضرت عبداللہ اونٹنی کی نکیل پکڑکر قافلہ میں چکر لگانے لگے اور اُن کو کہا۔ کہ اپنا خیمہ بچا لو۔ حضرت رابعہ بصری اپنے بیٹوں کے نام پھر آیات قرآنی سے اس طرح ظاہر فرماتی ہیں۔

واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا	اللہ نے حضرت ابراہیم کو
سورۂ ن، رکوع ۱۳	دوست بنایا
وکلم اللہ موسیٰ تکلیما	موسیٰ سے اللہ نے کلام کیا
سورۂ ن رکوع ۱۳	
یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ	اے یحییٰ مضبوطی سے کتاب کو لے

حضرت عبداللہ نے سمجھ لیا کہ ابراہیم۔ موسیٰ و یحییٰ اس کے تینوں بیٹوں کے نام ہیں۔ اور ان ناموں سے آوازیں دینا شروع کیں۔ لڑکے سُن کر ان کی طرف دوڑے آئے۔ اور اپنی ماں کو اونٹنی سے اُتارا اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ حضرت رابعہ بصری نے لڑکوں سے کہا۔

آتنا غداءنا لقد لقینا من	ہم کو کھانا دو۔ اس سفر سے
سفرنا ھذا نصبا۔	تکلیف تو ضرور ہوئی۔
سورۂ کہف رکوع ۹	

لڑکوں نے کہا کہ کھانا تو موجود نہیں۔ حضرت رابعہ بصری نے پھر کچھ دیر خاموش رہ کر فرمایا۔

فابعثوا احدکم بورقکم ھذہٖ	اپنے پاس سے ایک کو اپنا یہ روپیہ

إلى المدينة فلينظر أيها أزكى طعاماً فليأتكم برزق منه — سورہ کہف رکوع ۳

دیگر شہر کی طرف بھیجو۔ وہ جاکر دیکھے کہ کس کے ہاں اچھا کھانا ملسکتا ہے۔ تو اُس میں سے (بقدر ضرورت) کھانا ہمارے پاس لے آوے۔

یہ سُنتے ہی ایک لڑکا بازار کی طرف گیا۔ اور شہر سے کچھ کھانا لاکر ہمارے آگے رکھ دیا۔ پھر حضرت رابعہ بصری نے فرمایا۔

كلوا واشربوا هنيئاً بما اسلفتم في الايام الخالية — سورہ حاقہ رکوع ۱

ایام گزشتہ میں جو تم نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ اس کے بدلے میں کھاؤ اور پیو۔

حضرت عبداللہ یہ کلام الہیٰ کی باتیں سُن سُن کر ششدر رہے۔ اور اُن لڑکوں سے حال دریافت کیا۔ لڑکوں نے بتایا۔ کہ یہ ہماری والدہ ہے۔ چالیس برس گزر چکے ہیں۔ کہ یہ ہمیشہ آیات قرآنی سے ہی باتیں کرتی ہے۔ اس عرصہ میں اس کی زبان سے ایک لفظ تک غیر از کلام الہیٰ نہیں نکلا۔ عام بول چال میں کلام کرنا اس وجہ سے چھوڑ دیا۔ کہ مبادا کوئی لفظ زبان سے ایسا نکل جاوے۔ جسکے بدلے میں قیامت کے دن انہیں جوابدہی کرنی پڑے۔

ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔ یہ اللہ پاک کی عنایت ہے۔ جسے چاہے دے یہ ایک ایسا بے عدیل واقعہ ہے۔ جس کی نظیر تیرہ سو برس سے آجتک نہیں ملی۔ فاعتبروا يا أولي الابصار۔

راقم

بندہ حشمت علی سبا در سیر

مسلم یونیورسٹی فنڈ

کس قدر سخت افسوس اور قابل شرم بات ہے کہ سنہ ۱۹۱۱ء گذر گیا۔ ملک معظم شہنشاہ ہند۔ ہندوستان تشریف لائے۔ دربار کیا۔ اور واپس تشریف لے گئے۔ لیکن ہم بدقسمت بوجہ کمی سرمایہ اپنی یونیورسٹی کا چارٹر حاصل نہ کر سکے۔ ایک سال کی طویل مہلت میں سات کروڑ مسلمانان ہندوستان سے ۲۵ لاکھ روپیہ بھی فراہم نہ ہو سکا اس سے بڑھکر ہماری کمزوری احساس کم ہمتی اور غفلت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ تمام قوم کو تو کیا کہنا چھوٹا مونہ بڑی بات ہے۔ ہاں اپنی بہنوں سے مجھے خاص طور پر شکایت ہے۔

ملک بھر میں شور مچا کہ مسلمان خواتین بھی اپنی یونیورسٹی کے لیے علیحدہ چندہ کرنے لگی ہیں۔ زنانہ سنٹرل کمیٹی بھی علیگڈھ میں قائم ہوئی۔ مختلف مقامات پر لوکل کمیٹیاں بنیں۔ لیکن سال بھر میں ہوا کیا؟ کچھ بھی نہیں۔ ایک لاکھ نہیں۔ پچاس ہزار نہیں۔ پچیس ہزار بھی مسلمان خواتین ہند سے فراہم نہ ہو سکا۔ تنہا بیچاری عبداللہ بیگم صاحبہ سکرٹری سنٹرل کمیٹی کیا کر سکتی ہیں؟ جب تک کہ کل خاتونان ہند کوشش و محنت نہ کریں۔ اُنھوں نے جو کچھ بھی کیا ہے علیگڈھ سے کیا ہے۔ صوبہ متحدہ کے دیگر اضلاع سے بیگمات نے کچھ بھی مدد نہیں دی۔ اور اب مصیبت زدگان طرابلس کا امدادی فنڈ کھلجانے سے چند بہنیں یونیورسٹی فنڈ کے وعدے کو بے وصول کیے اُس طرف جھک پڑی ہیں۔ بیشک اُس فنڈ کی مدد کرنی بھی ہمارا فرض ہے۔ لیکن یہ کسی طرح درست نہیں کہ یونیورسٹی فنڈ سے بے پرواہی اختیار کر کے اُس کے وعدے بھی وصول نہ کیے جائیں۔

عزیز بہنوں! یہی وہ چیز ہے جس پر مسلمانان ہندوستان کی موت و حیات کا انحصار ہے

قوم کی بے توجہی سے کیسا زریں موقع حصول چارٹر کا ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ خیر اب بھی اگر کافی محنت وعجلت سے کام لیا گیا تو وقت ہے۔ نواب وقار الملک صاحب بار دو قوم سے اپیل کررہے ہیں۔ خدا مسلمانوں کو توفیق وہمت عطا کرے۔ کہ بقیہ مطلوبہ رقم جلد فراہم کرکے اپنی یونیورسٹی کے قیام کی اجازت حاصل کرسکیں۔ اخیر دسمبر تک جن بہنوں نے چندہ وصول کرکے عنایت کیا ہے اُن کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

معزز بہن بیگم عزیز الدین احمد صاحب کوئٹہ نے ایک رسید بُک اور پُر کرکے عنایت کی ہے۔ آپ کی طرف سے فنڈ کو قابل قدر مدد ملی ہے۔ اس قومی خدمت گزاری کا خدا اجر دے گا۔

میری عزیز بہن بنت سید امداد حسین صاحب جونپور نے بھی دو کاپیاں پُر کرکے بھیجی ہیں۔ حالانکہ گزشتہ سال بہن موصوفہ پر نہایت غمگینی اور تکالیف کا گزرا۔ عزیز بھائی کی دائمی جدائی کا رنج کچھ کم نہ تھا کہ اُس پر علالتوں نے پریشان کیے رکھا۔ کچھ عرصہ خود بیمار رہیں۔ پھر جناب والد صاحب قبلہ کی ناسازی طبیعت کا فکر رہا۔ لیکن اسی حالت میں جس طرح بھی ہوسکا یہ کام بھی کیا۔

جناب ایس بی عبدالواحد صاحبہ میسور کی قابل قدر امداد کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ جنوری نمبر خاتون میں بھی آپ کے چندے کا اعلان ہوچکا ہے اور اب پچاس روپیہ اور فراہم کرکے عنایت کیا ہے۔ جس میں اُن کی بھاوج صاحبہ بمبئی اور محترم مریم بی صاحبہ ہیڈ مسٹرس زنانہ اسکول میسور کی امداد شامل ہے۔

علاوہ ان کے میری پیاری چھوٹی کیتھو بائی عبا سیٹھ سلمہا نے بھی اپنے ننھے دوستوں سے اور چندہ کرکے بھیجا ہے۔ خدا علم وعمر بخشے۔

جناب بیگم سید وزیر حسن صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل لکھنؤ نے اپنا عطیہ معہ اپنی ایک بہن کے چندے کے عطا فرمایا ہے۔

افسوس کہ جن مقامات سے بوجہ کثیر التعداد سمجھدار و صاحب استطاعت بیگمات کی موجودگی کے ہمیں بڑی بڑی رقموں کی امید تھی وہانسے سوائے مایوسی کے کچھ نہ ملا۔

فہرست چندہ حسب ذیل ہے

بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۰۹ لعہ ۴۹ وصول ہوئے

توسط بیگم عزیز الدین احمد صاحب کوئٹہ

بیگم مولوی نجم الدین صاحب ہیڈ ماسٹر ۔۔ صہ/

بنت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ عہ/

بیگم نصیر احمد صاحب کلرک دفتر پولیٹکل ایجنٹ ۔۔ عہ/

بیگم اکرام اللہ خانصاحب انسپکٹر ڈاکخانجات ۔۔ عا/

بیگم سید حسین علی خانصاحب میر منشی ۔۔ صہ/

بیگم منشی شیر علی خانصاحب سررشتہ دار ۔۔ عا/

بیگم اکرام علی خانصاحب اسسٹنٹ سرجن ۔۔ صہ/

بیگم نبی بخش خانصاحب ہیڈ کلرک بندوبست ۔۔ صہ/

مہتاب بی بی اہلیہ ماسٹر ٹیلر صاحب ۔۔ عا/

بیگم اکرام الدین خانصاحب اسکول ماسٹر ۔۔ عہ/

بنت نور الاسلام خانصاحب اسسٹنٹ سرجن ۔۔ صہ/

بنت احمد الدین صاحب اسسٹنٹ انجنیر ۔۔ عا/

بنت خورد ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ عا/

جمیلہ خانم بنت امیر علی خانصاحب مرحوم ۔۔ عہ/

آمینہ جان ۔۔ ۔۔ ۔۔ عہ/

محمودہ جان ۔۔ ۔۔ ۔۔ عہ/

اہلیہ الہ دین خانصاحب آبدار کوئٹہ صہ/

مائی شمسو جان ملازمہ بیگم عزیز الدین صاحب ۔۔ ۲ر

مائی بصری خادمہ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۲ر

اہلیہ محمد عمر صاحب چپراسی ۔۔ ۲ر

اہلیہ شہاب الدین صاحب چپراسی جھٹ پٹ ۲ر

بنت رانا محمد علی خانصاحب اسسٹنٹ سرجن

چاغی نوشکی کوئٹہ عہ/

اہلیہ محمد بخش باورچی بیگم عزیز الدین صاحب کوئٹہ ار

اہلیہ بھورا بہشتی جھٹ پٹ ار

اہلیہ الہ دیا صاحب ۔۔ ار

عہ بیگم عزیز الدین صاحب نے فیس منی آڈر وضع کی

باقی ۳۷ لعہ ۱۱

بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۸۸۸ وصول ہوئے لعہ ۳۹ ۱۰ر

توسط سید امداد حسین صاحب جونپور

بیگم سید علی سجاد صاحب جونپور عہ/

بیگم منشی ظہور حسین صاحب ۔۔ عا/

بنت نور الحسن صاحب ۔۔ عہ/

بیگم ابو محمد صاحب ۔۔ عا/

بیگم شاہ قدر حسین صاحب جونپور عا/
بیگم منشی وجیہ الدین صاحب " عہ/
بیگم منشی اصغر علی صاحب " عہ/
بیگم منشی مدد علی صاحب " عہ/
بیگم مرزا نواب حسین صاحب " عہ/
بیگم منشی مصطفےٰ حسین صاحب " عہ/
بیگم قاضی غلام مصطفےٰ صاحب " عہ/
بیگم مولوی سید سعید صاحب محمد آباد عا/
آغا سید علی محمد شاہ صاحب جونپور عـلـه
آغا سید مظہر علی شاہ صاحب دہاپور عا/
بیگم آغا سید ایوب علی شاہ صاحب تلہر عـلـه/
والدہ صاحبہ سید علی حسن شاہ صاحب " عا/
بیگم سید عسکر علی شاہ صاحب سردھنہ عہ/
ہمشیرہ صاحبہ سید علی حسن شاہ صاحب تلہر عہ/
جمیلہ آغا عسکر علی شاہ صاحب سردھنہ عہ/
محمدی چھوٹی شہزادی خادمہ آغا عسکر علی صاحب ۱۰/
جمیلہ سید مظہر علی شاہ صاحب تلہر عہ/
بیگم سید معظم علی شاہ صاحب سردھنہ سے/
منشی غلام حیدر صاحب جونپور عا/
بذریعہ رسید بہی نمبر ۲۸۸۹ عـہ/۳ وصول ہوئے
بتوسط بنت سید امداد حسین صاحب جونپور

بنت سید امداد حسین صاحب جونپور صہ/
بسم اللہ بیگم اچھے صاحب اعظم گڑھ عہ/
شہنشاہ دلہن حمید اللہ صاحب عرف لاڈلے صاحب
مچھلی شہر .. .. عہ/
اہلیہ خیرت علی صاحب مچھلی شہر ۸/
جعفری بیگم بنت مرزا احمد علی صاحب
غازی پور .. .. عہ/
اہلیہ ناظر الحسن صاحب اعظم گڑھ ۸/
زوجہ منشی رام داس صاحب مچھلی شہر عہ/
زوجہ منشی بھگوان داس صاحب " عہ/
زوجہ منشی سہرام لال صاحب " ۸/
اہلیہ عبد الحی صاحب " ۸/
زوجہ منشی نند کنور صاحب " ۸/
زوجہ منشی رام سُرپ صاحب " عہ/
زوجہ للو رام صاحب " ۸/
زوجہ منشی پرشاد صاحب " ۸/
بیگم علی رضا صاحب جونپور عہ/
بیگم منشی برکت علی صاحب مچھلی شہر عہ/
زوجہ منشی کوسر دیال صاحب " عہ/
بیگم منشی عبد اللطیف صاحب قرق امین
مچھلی شہر .. .. عہ/

کوئی قانون گو صاحب نام اور مقام پڑھا نہیں گیا .. .. عمر
زوجہ منشی صاحب نام اور مقام پڑھا نہیں گیا عہ
اہلیہ منشی صاحب " " ۸ر
عظیمن خادمہ بنت سید امداد حسین صاحب جونپور .. .. ار
بیگم حسین علی صاحب چنار ۶ار
ایک غریب بی بی صاحبہ جونپور ار
ایک لڑکی " ار
مسٹر اظہر علی صاحب آزاد ایم اے آر ایس تحصیلدار بھیری ضلع بریلی صہ
بیگم علی حسن صاحب تحصیل شاہگنج قصبہ بڑا گاؤں ضلع جونپور .. .. .. صہ
بذریعہ رسید بہی نمبر ۳۲۵۵ وصول ہوئے ا عہ ۱۲ر
بتوسط ایس بی عبد الواحد صاحب میسور
نصیب خاتون صاحبہ میسور ۸ر
زہرا بی بی اہلیہ محمد اسمعیل صاحب رسالدار میسور .. .. صہ
رحمٰن بی بی صاحبہ میسور عہ
زہرا بی بی صاحبہ " صہ
اہلیہ سلطان حسین صاحب " عہ

اہلیہ مقبول شاہ صاحب میسور ۸ر
اہلیہ عثمان سیٹھ صاحب " سے
اہلیہ سید محمد حسین ابو المظفر صاحب " ۶ار
اہلیہ سید مصطفےٰ حسین صاحب حکیم گورنمنٹ میسور .. .. عصر
اہلیہ عملدار داؤد خان صاحب میسور ۶ار
اہلیہ فیض محمد خان صاحب جمعدار " عہ
حافظ بی بی صاحبہ اُستانی " ۶ار
والدہ صاحبہ سید پیر صاحب " ۸
اہلیہ محمد غوث صاحب " ۸ر
حسن بی بی صاحبہ " ۸ر
محمد الدین بی بی صاحبہ " ۴ر
بذریعہ رسید بہی نمبر ۴۰۸۸ وصول ہوئے ۳۰ ۱۰ر
بتوسط ایس بی عبد الواحد صاحب میسور
رحیم بی بی صاحبہ مغلانی میسور ۸ر
رحیم بی بی صاحبہ " ۲ر
اہلیہ سید عبد العزیز صاحب روغن منڈی " سے
اہلیہ ڈاکٹر محبوب علی صاحب " ۶ار
اہلیہ صدق صاحب سیٹھ ناگور " ۶ار
عزیز النساء بیگم صاحبہ محلہ دوم " عہ
حافظ بی صاحبہ محلہ دوم " صہ

حلیمہ بی بی صاحبہ معلمۂ سوم میسور عہ/
حافظ بتول بی بی صاحبہ " ۱۴/
والدہ صاحبہ حاجی حسین صاحب سیٹھہ بمبئی ۶/
اہلیہ حاجی حسین سیٹھہ صاحب بمبئی ۶/
ابراہیم ابن حاجی حسین سیٹھ صاحب " ۱۲/
عثمان ابن حاجی اسمٰعیل سیٹھ صاحب " ۶/
اہلیہ صالحہ محمد سیٹھ صاحب " ۶/
اہلیہ اسحاق سیٹہ صاحب " عہ/
بنت ابوبکر سیٹہ صاحب " ۱۲/
بنت عبدالقادر سیٹھ صاحب " عہ/
اہلیہ حاجی قاسم سیٹھ صاحب " عہ/
دولت بائی صاحبہ " ۱۴/
معرفت کے۔ بی۔ عبا سیٹھ صاحبہ سلمہا
وصول ہوا
ہاجرہ خاتون بنت محمد اسمٰعیل صاحب میسور عہ/
صفیہ بی بی بنت پیش امام صاحب " عہ/
بنت منشی حسن علیخانصاحب " ۶/
بنت محمد حسین صاحب جمعدار جبل " عہ/
صالحہ بانو طالبعلم مدرسۂ سرکاری " ۸/
خاتون بی بی صاحبہ " ۱۴/
ایس بی صاحبہ سے ۱۲ر خرچ رجسٹری

وبیمہ وغیرہ منہا کیا باقی لعہ ۱۴/

مرسلہ دفتر اخبار تہذیب النسواں لاہور
بیگم صاحب علی صاحب خریداران
پھول سے ۱۴/
محمد ابراہیم حاجی پیر محمد اللہ رکھا صاحب
بمبئی .. .. صہ/
بیگم حقانی صاحبہ اہیرا صہ/
بیگم ہاشم صاحب عباسی جبل پور ۶/
زینب الہ بخش صاحب کمشنر عہ/
غلام عائشہ " " " عہ/
الیاس الدین صاحب کرنال ۶/
زینب الہ بخش صاحب از طرف
احمد الدین کمشنر .. .. .. عہ/
زینب الہ بخش صاحب از طرف
قمرالدین صاحب کمشنر .. .. عہ/
بنت محمد حاجی صاحب .. .. .. عہ/
میزان لعہ ۱۴/
۴ر فیس منی آرڈر مولوی صاحب کے
منہا کیے باقی
لعہ ۱۰/

جناب بیگم شہنشاہ حسین صاحب لکھنؤ ۸/
جناب بیگم سید وزیر حسن صاحب بی اے
ایل ایل بی وکیل خاقان منزل لکھنؤ ۸/
چمپا خادمہ بیگم سید وزیر حسن صاحب لکھنؤ ۴/
سنبل " " " " " ۸/
الٰہی خانم " " " " " ۲/

غریب سیدانی صاحبہ لکھنؤ ۲/
میزان ۱۵/
میزان کل ۲۴۲ ۱۲/
میزان سابق ۲۱۱۹ ۴/
میزان کل ۲۳۶۲ /

خاکسار۔ بنت نذر الباقر۔ کوہاٹ

اڈیٹوریل

آزادی نسواں۔ ابتک دنیا کے سامنے تعلیم نسواں وحقوق نسواں کے مسائل پیش تھے۔ مگر اب آزادی نسواں کا بھی ایک مسئلہ معرض بحث میں آرہا ہے۔

یہ انسانی سوسائٹی میں قدیم سے ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جب کوئی طبقہ خود کسی معاملہ میں اپنے حقوق کی خواہش کرتا ہے تو آخر کار اُسکو وہ حقوق مل ہی جاتے ہیں کیونکہ جو حقوق کسی فرقہ کے غصب کیے جاتے ہیں وہ زیادہ تر قدرتی وجوہات سے نہیں کیے جاتے بلکہ فرقۂ غاصب بوجہ خود غرضی یا تعصبات کے غصب کرتا ہے اور جب غاصب فرقہ کو اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ اسکے ذاتی اغراض بھی معرض ضبط میں ہیں۔ اور تعصبات کا پردہ اُس کی آنکھوں سے اُٹھ جاتا ہے اور حق بات اُسکو نظر آنے لگتی ہے تو وہ اپنے غاصبانہ حرکات سے باز آتا ہے۔

یہ واقعات صرف عورتوں اور مردوں ہی کے درمیان تاریخی طور پر نہیں ثابت ہوتے

بلکہ مردوں کے مختلف طبقات کے درمیان بھی ایسا ہوتا رہا ہی۔ چنانچہ یورپ میں زمیندار
امرار اور اُن کے زبردست کاشتکاروں کے درمیان قریب تین صدیوں
تک متواتر کش مکش و جھگڑے رہے۔ آخرکار زمیندار امرار کو اپنی اونچی سطح سے اُترنا پڑا
اور جن لوگوں کو وہ اپنی برابری یا پوری آزادی کے اہل نہ سمجھتے تھے مجبوراً اُن کو
ایک سطح پر لانا پڑا۔ اور اب اُنکے پہلو بہ پہلو وہ بھی اپنی ملکی اور قومی ترقیوں میں سرگرم
ہیں۔ اور ان میں سے کسی کو یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ کبھی ہمارے پولٹیکل حقوق میں کوئی
تفاوت تھا۔

جو اعتراضات اسوقت عورتوں کے پولٹیکل حقوق یا پوری آزادی کے خلاف
کیے جاتے ہیں بعینہ وہی اعتراضات کسی زمانہ میں یورپ کے مظلوم کاشتکاروں کے
خلاف پیش کیے جاتے تھے۔ مگر جب تک خود اس مظلوم طبقہ کے افراد نے اپنی
قسمت کا فیصلہ اپنے ہاتھ میں نہ لیا اُسوقت تک یورپ کے سلاطین اور امرار اور قابو یافتہ
جماعت کے تعصبات بطور ایک مذہبی عقیدہ کے اُن کے دلوں میں مضبوطی سے قائم
رہے۔ آخرکار نوبت یہانتک پہونچی کہ فرانس میں عظیم الشان انقلاب ہوا جس میں مساوات
اور برادری کا نعرہ بلند کیا گیا۔ اور جو لوگ اسکے خلاف تھے اُن کو نیچا دیکھنا پڑا۔

فرانس کی مثال سے تمام یورپ میں یکایک انقلاب ہو گیا اور ابتدائے پیدائش
انسان سے لیکر جن قواعد سوسائٹی کی جکڑبندوں میں یورپ مبتلا تھا وہ سب یکایک
توڑ دیے گئے۔ اب یورپ اور بالخصوص انگلستان میں عورتوں نے اپنے پولٹیکل
حقوق اور پوری آزادی کا جھنڈا بلند کیا ہی۔

مرد گو عورتوں سے محبت کرتے ہیں۔ بعض قابل پرستش کے خیال کرتے ہیں
دنیا کی کوئی چیز اِن سے عزیز رکھنا نہیں چاہتے۔ مگر اپنی پولٹیکل پالسی اور ملکی امور میں
اپنے برابر بٹھانے کے روادار نہیں ہوتے۔ اس میں خود غرضی کا عنصر اسقدر حاوی

نہیں ہی جبتک کہ تعصب کا۔

مردوں کا یہ خیال ہی کہ عورتیں بہ نسبت مردوں کے کم عقل ہوتی ہیں۔ جوان مردوں اور جوان عورتوں کا ایک جگہ بیٹھنا۔ غیر مردوں کا غیر عورتوں سے دن رات بالمشافہ گفتگو کرنا سوسائٹی کے لیے مضر ہوگا۔

مگر یورپ میں جبتنے اور سوسائٹی کے طریقے اور قاعدے ہیں ان میں اس خیال کو کبھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ تھیٹروں۔ ہوٹلوں اور ناچ گھروں اور سیر و تفریح کے مقامات میں عورت و مرد بے تکلف ساتھ رہتے ہیں اور اس سے جو سخت مضرتیں سوسائٹی کو پہونچتی ہیں اُس سے بھی یورپ پورے طور پر آگاہ ہے۔ اگر عورتیں پوری اپنی پولیٹکل آزادی اور حقوق کو حاصل کرکے تمام امور میں مردوں کے برابر رائے دینے کا استحقاق حاصل کرلیں تو ہمارے نزدیک سوسائٹی کی بہت سی مضرتوں میں بجاے ترقی کے کمی ہوجائے گی۔ کیونکہ اب مرد عورتوں کو صرف اپنے دل بہلانے کا ایک آلہ خیال کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان سے محبت ہی مگر اُنکے دلوں میں عورتوں کی سچی عظمت اور عزت نہیں ہی۔ اور عورتیں بھی اُسوقت تک اپنے کو یہی سمجھتی ہیں کہ ہماری تمام زندگی اسی لیے ہی کہ ہم کسی طریقہ سے اپنے مردوں کا دل بہلائیں اور اُن کو خوش رکھیں۔ مگر جب ان کو پورے حقوق حاصل ہوجائیں گے تو جانبین سے یہی کوشش ہوگی کہ ہم ایک دوسرے کو خوش رکھیں اور کوئی کام ہم سے ایسا سرزد نہو جس سے فریق ثانی ہم سے ناخوش نہو جائے۔

جب تک میزان کے دونوں پلے ٹھیک برابر نہ ہونگے اُسوقت تک ہم کو کبھی توقع نہیں ہوسکتی کہ یورپ کی سوسائٹی کی وہ خرابیاں رفع ہونگی جو اسوقت پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ یورپ نے بلا پولیٹکل حقوق کے عورتوں کو جو آزادی دے رکھی ہی اس سے بے باکی پیدا ہوتی ہے۔ وہ خود اپنی قدر و منزلت قائم نہیں رکھ سکتیں

جب کسی شخص کو آزادی کے ساتھ حقوق نہیں دیئے جاتے تو ڈآزادی ایسی ہے
جیسے ہم اپنے عزیز پالتو پرند کو جب دل چاہتا ہی پنجرے سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اور
جب چاہتے ہیں بند کر دیتے ہیں۔

اسوقت ہم صرف یورپ کی آزادی کے متعلق لکھ رہے ہیں۔ مسلمانوں کا اور
بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ بالکل جداگانہ ہی۔ کیونکہ ہندوستان کے
فرقۂ نسواں نے ابتک اپنی حالت کے اصلاح کی طرف خود کوئی توجہ نہیں کی ہی۔
جب اس فرقہ کو اپنی حالت کی طرف کوئی توجہ ہوگی تو پھر اسکے مناسب یا نامناسب
ہونے کی نسبت بھی بحثیں ہوسکتی ہیں۔

ہمیں اس بات کو اخبارات میں پڑھ کر انتہا درجہ کی خوشی ہوئی کہ چین کی عورتوں
نے بھی اپنے حقوق کی نسبت دعویٰ کیا ہی۔ اور وہ بھی ذلت کے گڑھے سے
نکلنے کے لیے جد و جہد کر رہی ہیں۔

رُکمنی بائی زچہ خانہ ۔ بمبئی کے سیٹھ برج بھوشن داس آتمارام کی فیاضی سے
اُنکے فرزند ڈاکٹر منگل داس مہتہ کی نگرانی میں جو زچہ خانہ کھلا ہی۔ اس کی پہلی سالانہ
رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہی۔ جس سے معلوم ہوتا ہی کہ ۶۷ عورتوں نے اس زچہ خانہ
سے فائدہ اُٹھایا۔ پہلی ششماہی میں صرف ۱۰ زچہ عورتیں اس میں آئیں۔ لیکن دوسری
ششماہی میں ۴۸ کا اضافہ ہوا۔ پہلے لوگوں نے قدیم رسم و رواج کے خیال سے
اس زچہ خانے پر اعتراض اُٹھایا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ مخالفت مٹ گئی۔

ان زچہ عورتوں میں سے بعض پر عمل جراحی بھی کیا گیا جو ہر حالت میں کامیاب رہا
۹۵ بچے زندہ اور دو مُردہ پیدا ہوئے۔ چار وفات پاگئے۔ اور دو قبل از وقت پیدا ہوئے
علاوہ اسکے ۱۷۴۳ باہر کی عورتوں کا معالجہ کیا گیا۔

کمسنی کی شادی - لندن میں ایک ۱۰ سالہ لڑکا ایک گھڑی چُرانے کے الزام میں جب عدالت میں پیش کیا گیا تو اُس نے کہا کہ میں نے یہ گھڑی اسلیے چُرائی تھی کہ میں بھوکا تھا۔ جب کام ملتا ہی تو میں ہفتہ وار صرف ۱۲ شلنگ کماتا ہوں جو میرے اور بیوی کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ لڑکے کے باپ نے عدالت میں کہا کہ اسنے میری مرضی کے خلاف شادی کرلی ہی میں ۱۲ برس کی عمر تک اسکا بار اُٹھانیکے لیے رضی تھا۔ اسی طرح اس کی بیوی کا باپ بھی ۱۲ سال کی عمر تک اپنی بیٹی کی نگہداشت اور اخراجات کی ذمہ داری لیتا تھا۔ لیکن ان دونوں نے قبل از وقت ۱۰ سال کی عمر میں شادی کرلی۔ عدالت نے ترس کھایا اور اُسکو والدین کے پاس رہنے کی ترغیب دی۔

یہ واقعہ انگلستان میں ایسا عجیب سمجھا جاتا ہی کہ اخبارات اسپر مضامین لکھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُس پادری کو کیوں نہ تنبیہ کی جائے جس نے ان کمسنوں کا نکاح پڑھ دیا۔ افسوس ہی کہ اُن کو یہ خبر نہیں کہ ہندوستان میں بہت سی شادیاں میاں بیوی کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی کردی جاتی ہیں۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

ہم نے تہذیب نسواں میں اس خبر کو نہایت افسوس اور صدمہ کے ساتھ پڑھا کہ صاحبزادہ عبدالصمد خانصاحب چیف سکرٹری رامپور کی بیگم صاحبہ جو مرحوم و مغفور نواب جرنیل عظیم الدین خانصاحب کی اکلوتی بیٹی تھیں عین عالم شباب میں انتقال کرگئیں۔

جرنیل عظیم الدین خانصاحب مرحوم کے بارہ تیرہ بچوں میں سے صرف یہی ایک صاحبزادی اُن کی نشانی رہگئی تھیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی مرحومہ کو جنت اور پس ماندگاں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۲۷۱)

خاتون

جلد ۸ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۴

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

(۱) نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشین ...... حافظ محمد اسلم صاحب ۱

(۲) جاپان .... سید خورشید علی صاحب ۱۰

(۳) ایک بزرگ کی پاک زندگی پر سرسری نظر ...... اڈیٹر ۱۶

(۴) کیا فریاد مظلوماں میں کچھ اثر نہیں؟ ...... ز۔ خ بخش صاحبہ ۲۳

(۵) علامہ سید رشید رضا آفندی ...... حافظ محمد اسلم صاحب ۲۵

(۶) اڈیٹوریل ....

باہتمام خاکسار عبداللطیف پرنٹر

مطبع فیض عام علی گڑھ میں طبع ہوا

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڈھ سے شائع کیا

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت (سے۴) اور ششماہی ۲ آنہ ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہ ہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تا کہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڈھ ہونی چاہیے۔

نواب سکندر بیگم صاحبہ
خُلد نشین

اگرچہ نواب جہانگیر محمد خاں کو ریاست مل گئی اور وہ مسند نشین ہوگئے لیکن اُن کی طبیعت ان بیگمات سے صاف نہ ہوئی۔ روز بروز ناچاقی بڑہتی جاتی تھی۔ اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہونچی کہ آخر مجبور ہو کر نواب گوہر بیگم صاحبہ مع سکندر بیگم صاحبہ کے اسلام نگر کے قلعہ میں چلی گئیں۔ اور وہیں اُنھوں نے رہنا شروع کیا ہی اس عالم بیکسی اور تنہائی میں مسبب الاسباب نے اُنکے رنجیدہ دلوں کی خوشی کا ایک نہایت عمدہ سامان بہم پہونچا دیا۔ یعنی ۶ جمادی الاولی ۱۲۵۴ھ میں نواب سکندر بیگم کے بطن سے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ پیدا ہوئیں۔

نواب جہانگیر محمد خاں ایک سپاہی منش اور فیاض آدمی تھے۔ تدبیر ملکی سے کم سروکار رکھتے تھے۔ اُنکے عہد میں انتظام میں ابتری رہی۔ جس کی بدولت

ریاست چند سال کے عرصہ میں تقریباً بیس لاکھ روپے کی قرضدار ہوگئی۔

ابھی ان کی جوانی ہی کی عمر تھی کہ وہ مرض الموت میں گرفتار ہوئے۔ سکندر بیگم صاحبہ مع شاہجہاں بیگم صاحبہ کے ان کی عیادت کے لیے اسلام نگر سے آئیں۔ اور پھر وہیں لوٹ گئیں۔ آخر سنہ ۱۲۶۰ھ میں نواب جہانگیر محمد خاں انتقال کر گئے۔

ان کے مرنے کے بعد حسب تجویز نواب گورنر جنرل بہادر یہ طے پایا کہ نواب مرحوم کی بیٹی نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ رئیسہ بھوپال ہوں۔ جسوقت وہ کتخدا ہونگی تو ان کا شوہر رئیس ہوگا۔ اور ان کی شادی کے زمانہ تک کے لیے میاں فوجدار محمد خاں گوہر بیگم صاحبہ کے بھائی مختار ریاست قرار دیے گئے۔

خانصاحب موصوف کے زمانہ میں ریاست کا کاروبار اور بھی ابتر ہو گیا۔ خانہ جنگی اور شورش برپا ہوئی۔ اور ریاست پر تقریباً چار لاکھ روپیے کے قرضہ کا بار اور بڑھ گیا۔ بالآخر سنہ ۱۲۶۳ھ میں انکے استعفا پر سکندر بیگم صاحبہ کو نیابت کا خلعت عطا ہوا۔

نواب سکندر بیگم صاحبہ نے جسوقت ریاست کی باگ ہاتھ میں لی تو اسوقت اس کی حالت نہایت خراب تھی۔ نہ کچھ قواعد وضوابط تھے۔ نہ انتظام کا کوئی آئین و طریقہ تھا۔ نہ دادخواہی کے لیے عدالتیں تھیں۔ علاوہ بریں تقریباً چوبیس لاکھ روپیہ کا قرضہ تھا جس کی وجہ سے اکثر پرگنے ریاست کے مہاجنوں کے قبضہ میں تھے اور ریاست کی کل آمدنی صرف گیارہ لاکھ سالانہ رہ گئی تھی[1]۔

---

[1] سراج الاقبال تاریخ بھوپال میں مولانا عباس لکھتے ہیں کہ ریاست بھوپال کی کل آمدنی پچیس لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ لیکن تاج الاقبال تاریخ بھوپال میں جو خود وہاں کی رئیسہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی تصنیف ہے کل سالانہ آمدنی تقریباً ستائیس لاکھ لکھی ہے۔

ارکان و اعیان ریاست زیادہ تر بہادر اور جنگجو لوگ تھے جو نہ انتظام و تدبیر ملکی سے اچھی طرح واقف تھے نہ قانون و ضابطہ کی پابندی کو پسند کرتے تھے۔[1] ایسی جماعت میں پرورش پاکر نواب سکندر بیگم صاحبہ کا محض اپنی کوشش سے ریاست کو ترقی دیکر باقاعدہ اور منتظم بنا دینا اُن کی بے نظیر ذاتی قابلیت کی دلیل ہے۔

انگریزی پیمایش کی روسے کُل زمین ریاست بھوپال کی ۶۷۷۴ میل مربع ہے۔ سکندر بیگم صاحبہ نے تمام ریاست کو تین حصوں میں تقسیم کرکے تین ضلعے اور تینوں ضلعوں میں ۳۱ پرگنے قائم کیے۔ ہر ہر ضلع میں ناظم۔ اور ہر ہر پرگنہ میں تحصیلدار تھانہ عملہ وغیرہ متعین فرمائے۔

تمام ریاست کی جریب سے پیمایش کرائی۔ ہر ہر گاؤں کی حد بندی کی۔ اور وصول تحصیل کے قوانین مرتب کیے۔ گذشتہ سالوں کے ناتمام اور پراگندہ حسابوں کو صاف کیا۔ مال کے لیے اُصول اور ضابطے تیار کیے۔ دیوانی اور فوجداری کے قوانین کی الگ الگ ضخیم کتابیں لکھائیں۔ اور ریاست کو ایک منتظم اور مرتب قانون پر چلایا۔

---

[1] غدر سے پیشتر کا زمانہ جبکہ انگریزی تسلط اچھی طرح نہیں ہو چکا تھا۔ بدنظمی کی وجہ سے ہندوستان میں ایک قسم کی طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ بالخصوص وسط ہند میں مرہٹوں کی رست برد اور امیر خاں وغیرہ کے متواتر حملوں سے ایک تہلکہ مچا ہوا تھا۔ خانان بھوپال جو ایک بہادر قبیلہ کے فرزند ہیں ان شورشوں کی وجہ سے ہمیشہ شمشیر بکف رہتے تھے۔ چنانچہ خان والا وزیر محمد خاں کی تمام عمر ہی جنگ و پیکار میں بسر ہوئی اور اطمینان سے نہ بیٹھ سکے اُس زمانہ کی ایک یادگار بھوپال میں ابتک موجود ہے یعنی گٹکا کیونکہ ان لوگوں کو اکثر دور دراز مقامات تک دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اسلیے چھالیا اور کتھا کتر کے پاس رکھ لیتے۔ لڑائیوں اور حملوں میں بروقت ضرورت اسی کو منہ میں ڈالکر پیاس کو تسکین دیتے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ معرکوں سے واپس آکر جب ایک دوسرے سے ملنے کے لیے جاتے تو وہی گٹکا بطور تواضع کے پیش کرتے۔ یہانتک کہ اسکا عام رواج ہوگیا۔ اب ہر بھوپالی کے رومال کے پلو میں گٹکے سے بھرا ہوا ایک بٹوہ اور ایک ڈبیا میں چونہ ضرور ساتھ ہوتا ہے۔ چار ٹکے کی مزدوری کرنے والیاں بھی اس سے مستثنےٰ نہیں ہیں۔

اُن کو خلائق کی آسائش اور رعایا کی بہبودی کا اسقدر خیال تھا کہ اپنا عیش و آرام ترک کر کے تین چار بار تمام ریاست میں دورہ کیا۔ رعایا کی حالت خود اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اُن کی ضروریات کو سمجھا اور اُن کا بندوبست کیا۔

وہ مثل مردوں کے فنون سپہ گری اور شہسواری میں طاق تھیں۔ گھوڑوں اور ہاتھیوں پر بیٹھ کر بے پردہ اور بے نقاب دورے کرتی تھیں۔ اُن کا رعب اور جلال ہی اُنکے لیے بہت بڑا پردہ تھا۔

ان کی اس سرگرمی۔ تن دہی اور جانفشانی سے رعایا خوش حال اور ریاست سرسبز ہو گئی۔ مالیہ میں ترقی ہوئی۔ سالانہ آمدنی گیارہ لاکھ سے چوبیس لاکھ تک پہونچ گئی۔ قرضہ تمام ادا کر دیا گیا۔ اور وہ محالات جو بطور رہن کے مہاجنوں کے پاس تھے واگذاشت ہوئے۔

انھوں نے کمال فراست اور مردم شناسی سے اپنے لیے ایک نہایت قابل۔ مدبر اور خیر خواہ وزیر تلاش کیا۔ یعنی مولوی جمال الدین خانصاحب۔ جنھوں نے بیدار مغزی اور دیانت داری کے ساتھ ریاست کی خدمت کی اور بیگم صاحبہ کے ارادوں اور اصلاحوں تکمیل میں سرگرم کوششیں انجام دیں۔

نواب سکندر بیگم صاحبہ سیاق وسباق اور فارسی کی نہایت اعلیٰ درجہ کی قابلیت رکھتی تھیں۔ خط کتنا ہی شکستہ کیوں نہ ہو بے تکلف پڑھ لیتی تھیں۔ پہلے ریاست کا دفتر بھی فارسی ہی زبان میں تھا۔ جب گورنمنٹ نے ہندوستان کے دفاتر میں اُردو جاری کی تو اُنھوں نے بھی ریاست کے دفتر کو اُردو میں کر دیا۔

ریاست کے تمام پرگنوں میں رعایا کی تعلیم کے لیے اُردو اور ہندی کے مدرسے جاری کیے۔ ۱۸۶۲ء میں خاص شہر میں مدرسہ سلیمانیہ اپنی چھوٹی نواسی سلیمان جہاں بیگم کے نام سے عربی۔ فارسی۔ اُردو۔ ہندی اور انگریزی کی تعلیم

کے لیے کھولا۔ دستکاری اور صنعت و حرفت کے سکھانے کے واسطے ملکہ معظمہ آنجہانی کے نام سے وکٹوریہ مدرسہ قائم کیا۔ اس زمانہ میں مطبع کا بہت کم رواج تھا لیکن انھوں نے ضروریات ریاست کے لیے ایک مطبع بھی جاری کیا۔

شہر بھوپال کی یہ حالت تھی کہ نہ وہاں سڑکیں تھیں نہ روشنی کا کوئی انتظام تھا۔ تنگ تنگ گلیاں تھیں جن میں چھکڑے بھی مشکل سے گذرتے تھے۔ انھوں نے نہایت فراخ اور وسیع سڑکیں بنوائیں۔ اُن پر دورویہ لالٹینیں نصب کرائیں۔

ریاست کے صدر مقامات کو سڑکوں کے ذریعہ سے ملحق کر دیا۔ جس کی وجہ سے انتظام ملکی اور نیز اندرونی تجارت میں بہت آسانیاں ہوگئیں۔

پیشتر ریاست کی فوج کی یہ صورت تھی کہ امرار کو جاگیریں ملی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے پاس سپاہیوں کو ملازم رکھتے تھے۔ بروقت ضرورت ریاست کی خدمت انجام دیتے تھے۔

ان امیروں کی زیادہ تر یہ حالت ہوتی تھی کہ انتظام و تدبیر سے کم اور سپہگری و بہادری سے زیادہ ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے جنگ و چپقلش پیدا ہونے کا اکثر خطرہ رہا کرتا تھا۔

بیگم صاحبہ نے اس طریقہ کو توڑ کر فوج کو تنخواہ دار ملازم قرار دیا۔ اور ماہ بماہ اُنکی تنخواہ ملنے کا بندوبست فرمایا۔ انگریزی اُصول پر اُن کو قواعد جنگ سکھانے کے لیے تربیت یافتہ دیسی افسر نوکر رکھے۔ سواروں اور پیادوں کے لیے مختلف قسم کی وردیاں مقرر کیں۔ جس سے فوج باقاعدہ اور شایستہ ہوگئی۔

اسی طرح پولیس کا بھی نظام مرتب کیا۔ اور اسکو اس قابل بنایا کہ وہ اپنے فرائض ادا کر سکے۔

الغرض وہ اپنے ان تمام کارہائے نمایاں کی وجہ سے تاریخ بھوپال میں وہی

رتبہ رکھتی ہیں جو تاریخ ہند میں اکبر اعظم کا ہی۔ ان کی ذات انکے ہمجنس فرقہ کے لیے
مایۂ ناز ہی۔ اور انہیں جیسی عورتوں پر خدا کا یہ کلام صادق آسکتا ہی۔
لیس الذکر کالانثےٰ   مرد عورت جیسا نہیں ہے
خواجہ حالی تو فرماتے ہیں۔   رباعی
جس ملک کو کار خانہ دیکھو برہم   سمجھو کہ وہاں ہی کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہی مشیر دولت   یا ہی کوئی مولوی وزیر اعظم
مگر یہاں بیگم مالک دولت ہی۔ اور مولوی جمال الدین خاں وزیر اعظم ہیں۔ جنکے زہد
واتقا کے قصے اب تک مشہور ہیں۔ جو باوجود کاردبار ریاست کے ملانوں کی طرح مسجد میں
وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔ اور پھر ملک کا کارخانہ ایسا اعلیٰ درجہ کا جس کی تمام دنیا
تعریف کر رہی ہے۔ سبحان اللہ!!   مصرع
ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا
۱۲۷۴ھ میں جب غدر ہوا تو جابجا فوجیں باغی ہوگئیں۔ گوالیار واندور جو بڑی
بڑی ریاستیں ہیں اور بھاری بھاری فوجیں رکھتی ہیں وہ بھی اپنی اپنی فوجوں کو بغاوت
سے روکنے میں کامیاب نہوسکیں۔ لیکن نواب سکندر بیگم صاحبہ نے نہایت
دانشمندی کے ساتھ اپنی ریاست کی فوج اور نیز رعایا کو اس اثر سے محفوظ رکھا۔ چھاونی
سیہور کے رجمنٹ نے جب بغاوت کی تو فوراً اُس کی سرکوبی کے لیے بھوپال
سے فوج بھیجی اور باغیوں کے ہاتھ سے چھاونی کو نہایت ہوشیاری سے بچالیا۔
انھوں نے بہت سے انگریزوں کی جانیں بچائیں۔ اور اُن کو ہر قسم کا آرام دیا
انگریزی فوج کے لیے کالپی کے حدود تک غلہ اور رسد پہونچائی۔ اور ساگر۔ جھانسی
اور بندیل کھنڈ تک اپنی فوج حفاظت اور امن قائم کرنے کے لیے بھیجی۔
ان کی اس وفاداری کی گورنمنٹ نے بہت قدردانی فرمائی۔ جنوری ۱۸۶۱ء

میں مقام جبلپور لارڈ کیننگ نے ایک دربار منعقد کیا۔ جس میں وسط ہند کے رؤسا شریک تھے اس دربار میں لارڈ صاحب ممدوح نے نواب سکندر بیگم صاحبہ کو خطاب کرکے انکی بہت تعریف کی۔ اور اُن کی غدر کی خدمات کا اعتراف کرکے بطور صلہ کے پرگنہ بیرسیہ کی سند تملیک جس میں ۲۵۴ مواضع ہیں اور جو ریاست دھار کے ملک کا حصہ تھا اور بوجہ بغاوت کے ضبط کر لیا گیا تھا اپنے دست خاص سے عطا فرمائی۔

سنہ ۱۲۷۶ھ میں بیگم صاحبہ کی درخواست کے مطابق گورنمنٹ نے ان کی بیدار مغزی کے سبب سے خوشنودی کے ساتھ ان کو بھوپال کی مستقل رئیسہ کر دیا۔ اور وہ باقاعدہ مسند نشین ہوئیں۔ نواب شاہجہاں بیگم نے جو سب سے پہلے بسبب کی وراثت کے لحاظ سے رئیسہ تسلیم کی جا چکی تھیں کمال سعادتمندی سے ولیعہد رہنا منظور کیا۔

سنہ ۱۲۷۸ھ میں لارڈ کیننگ نے پھر مقام الہ آباد دربار منعقد فرمایا۔ اس میں بیگم صاحبہ کو اسٹار آف انڈیا کا تمغہ اور خطاب عطا کیا گیا۔

دربار سے فارغ ہو کر بیگم صاحبہ بنارس۔ جونپور۔ فیض آباد۔ لکھنؤ۔ کانپور۔ آگرہ۔ متھرا۔ وغیرہ کی سیر کرتی ہوئی دہلی تشریف لائیں۔ ان تمام مقامات میں گورنمنٹ کی طرف سے انکے اعزاز کا پورا لحاظ رکھا گیا۔

دہلی پہونچکر شاہی عمارات دیکھیں اور متبرک مقامات کی زیارت کی۔ جامع مسجد دہلی جو غدر کے بعد اس جرم پر بند کر دی گئی تھی کہ مسلمانوں نے بھی اس میں حصہ لیا تھا بیگم صاحبہ کی استدعا پر کھل گئی۔ اور عام طور پر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت ملی۔

دہلی سے پھر جے پور تشریف لے گئیں۔ مہاراجہ صاحب جے پور نے شاہانہ مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

بعدازاں اجمیر میں آکر حضرت خواجہ کی زیارت کی ۔ وہاں سے قطع مراحل کرتی ہوئی بھوپال پہونچیں ۔ اور خطاب ملنے کی خوشی میں ایک شاندار دعوت کا جلسہ کیا ۔

سنہ ۱۸۶۳ء میں جب آگرہ میں دربار ہوا تو اس میں وفاداری اور حسن انتظام کے صلے میں ایک نہایت گراں بہا خلعت بیگم صاحبہ کو عطا کیا گیا ۔

نواب سکندر بیگم صاحبہ سچی مسلمان اور مذہب کی بڑی پابند تھیں ۔ جب ریاست کے انتظام سے فارغ ہوئیں اور اس طرف سے اطمینان ہوا تو انھوں نے خیال کیا کہ میرے اوپر حج فرض ہے اسلیے اسکا ادا کرنا ضروری ہے ۔

اس زمانہ میں ریل بھوپال سے بہت فاصلہ پر تھی یعنی قریب برہان پور کے مقام ہرگانوں میں ریلوے اسٹیشن تھا ۔ پھر سمندر کا سفر نہایت خطرناک ۔ کیونکہ زیادہ بادبانی جہاز چلتے تھے اور دخانی جہاز بھی اسقدر محفوظ نہ تھے جتنے کہ اب ہوتے ہیں ۔ باوجود اسقدر سفر کی دشواریوں کے عالی ہمت بیگم نے فریضۂ حج ادا کرنیکا عزم بالجزم کرلیا ۔

تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمیوں کا قافلہ ساتھ لیکر جن میں اُن کی والدہ نواب گوہر بیگم صاحبہ قدسیہ اُنکے ماموں میاں فوجدار محمد خاں اور مدارالمہام مولوی جمال الدین خاں صاحب بھی تھے وہ بیت اللہ کو روانہ ہوئیں ۔

دو جہاز بادبانی اور ایک دخانی کرایہ کرکے یہ قافلہ مکہ معظمہ میں پہونچا اور حج کے مناسک ادا کیے ۔ بدؤں کی شورش وغیرہ کی وجہ سے مدینہ منورہ نہ جاسکیں صرف حج کرکے واپس آگئیں ۔ وہاں ان ماں بیٹیوں نے تقریباً چار لاکھ روپیے مصارف خیر میں صرف کیے ۔

کسی تاریخ سے یہ پتا نہیں لگتا ہے کہ آجتک ہندوستان سے کوئی والی ملک فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے گیا ہو ۔ اسکا شرف اولیت نواب سکندر بیگم صاحبہ کو

حاصل ہوا اور باوجود عورت ہونے کے ان کی یہ خصوصیت اس قابل ہی کہ اس پر جسقدر ناز کیا جائے بجا ہی۔

بیگم صاحبہ نے سفر حج کا روزنامچہ بھی تفصیل کے ساتھ مرتب کیا۔ لیڈی صاحبہ کرنیل اسبورن صاحب پولٹیکل ایجنٹ بھوپال نے اسکو انگریزی میں ترجمہ کرکے چھپوایا ہے۔

۱۸۶۶ء میں آگرہ میں عالیشان دربار ہوا جس میں وسط ہند کے چوراسی والیان ملک شریک تھے۔ وائسرائے نے خصوصیت کے ساتھ نواب سکندر بیگم صاحبہ اور مہاراجہ سیندھیہ کے حسن انتظام اور کارگزاری کی تعریف فرمائی۔ اور دوسرے والیان ملک سے توقع ظاہر کی کہ وہ ان کی تقلید کرینگے۔

واپسی میں دہلی۔ فتح پور سیکری۔ متھرا۔ بھرت پور۔ دہولپور۔ گوالیار۔ دتیا جھانسی وغیرہ مقامات کی سیر کرتی ہوئی بھوپال میں داخل ہوئیں۔

اس سیر و سفر کے تھوڑے عرصہ کے بعد بیگم صاحبہ بیمار ہوئیں اور اکیاون سال کی عمر میں ۱۴ رجب ۱۲۸۵ھ میں عالم بقا کو رحلت فرمائی۔ باغ فرحت افزا میں جو انہیں کا تعمیر کردہ ہی دفن ہوئیں۔ بحیثیت مختار ریاست و مستقل رئیسہ کے ۳۲ سال تک انھوں نے فرمانروائی کی۔

بیگم صاحبہ باوجود اس شان و جلالت کے نہایت سادہ مزاج اور پابند شرع تھیں۔ انھوں نے وصیت کی تھی کہ میری تجہیز و تدفین میں کوئی رسم خلاف شرع نہ کی جائے۔ اور نہ قبر پر گنبد ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ قبر پر صرف سنگ مرمر کا ایک محجر لگا دیا گیا ہی۔

انھوں نے اپنی زندگی کا بہت بڑا فرض رعایا کی بہبودی اور ترقی کو سمجھا تھا۔ وہ دن رات انہیں کی بہتری کے خیالات اور افکار میں منہمک رہتی تھیں۔ اسی وجہ سے

رعایا بھی ان پر قربان تھی۔ اور وہ اپنی اس خیر خواہ فرمانروا کو بیحد عزیز رکھتی تھی۔ باوجود اس ہر دلعزیزی کے اُن کا رعب جلال بھی بہت تھا۔

ان کو مردم شناسی کا بڑا ملکہ تھا۔ اور وہ جوہر کی بڑی قدر دان تھیں۔ اسی وجہ سے انکے عہد میں بھوپال میں جہاں علم و فن سے کمتر لوگ واقف تھے بعض بعض اچھے اچھے اہل علم و فضل آئے اور اُن کی قدر کی گئی۔

سیر و سفر میں اُنھوں نے جو عمارتیں دیکھی تھیں اُن میں سے دہلی کی جامع مسجد اُن کو بہت پسند آئی تھی۔ بالکل اسی کے نمونہ پر بھوپال میں موتی مسجد کی بنیاد ڈالی۔ تمام مسجد سنگ سُرخ کی اور اندرونی حصہ سنگ مرمر کا رکھا۔ اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ وہ انتقال کر گئیں۔ بعد میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے اسکو مکمل کرایا۔

اسلم

(باقی آیندہ)

جاپان

چودھواں باب

پریوں کی کہانیاں

تارو اور آئی ٹو اس رات جب گھر واپس ہوئے تو وہ بہت تھکے ہوئے تھے ان کا وقت اِدھر اُدھر پھرنے اور دوڑنے میں صرف ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ بالکل سستاتے رہے۔ اسکے بعد اُنھوں نے اپنے چھوٹے وارنشی پیالوں میں کھانا کھایا۔ کھانا کھا چکنے کے بعد دونوں نے اپنی دادی سے فرمائش

کی کہ وہ کوئی کہانی بولے۔ دادی نے موموٹارو کی مشہور و معروف پرانی کہانی بولنی شروع کی۔ یہ کہانی جاپان کے بچّوں کو حد سے زیادہ پسند ہے۔ کہانی بڑھیا نے یوں بیان کی۔

کسی زمانہ میں ایک دریا کے کنارے پہاڑ کے دامن میں ایک بوڑھا اور ایک بڑھیا رہتے تھے۔ ہر روز بوڑھا اپنے گھر کے لیے لکڑیاں لانے کی غرض سے جنگل کو جایا کرتا تھا اور بڑھیا کپڑے دہونے کے لیے دریا کو جاتی تھی۔ کوئی اولاد نہونیکے باعث بڑھیا ہمیشہ بہت مغموم اور دلگیر رہتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر اُسکے صرف ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہوتی تو دنیا میں اُس سے زیادہ خوش قسمت کوئی اور نہ تھا۔

ایک روز جبکہ وہ دریا میں کپڑے دہورہی تھی کوئی چیز اُس کی طرف بہتی ہوئی نظر آئی۔ وہ ایک ناسپاتی تھی جو قریب آنے پر بڑھیا نے لی اور گھر لیتی آئی۔ جب وہ ناسپاتی گھر لیجا رہی تھی اُسکو کسی بچّے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے اپنے سیدھے۔ بائیں۔ اوپر۔ نیچے ہر طرف دیکھا لیکن کہیں کوئی بچہ نظر نہ آیا۔ اُس نے پھر رونے کی آواز سُنی اور اب اُس نے خیال کیا کہ وہ آواز ناسپاتی میں سے آرہی ہے۔ اُسنے فوراً ناسپاتی کے دو ٹکڑے کر ڈالے اُس کی حیرت و مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ جب اُسنے یہ دیکھا کہ ناسپاتی کے بیچ میں ایک شیرخوار بچہ بیٹھا ہوا ہے اُس نے بچّے کو نکال کے پالنا شروع کیا اور ناسپاتی میں سے پیدا ہونے کے باعث اُسکا نام **موموٹارو** رکھا۔

موموٹارو بڑا ہوکر ایک مضبوط اور قوی لڑکا نکلا اور سترہ برس کی عمر میں اپنی قسمت کی تلاش کے لیے چل کھڑا ہوا۔ اُس نے یہ منصوبہ کر رکھا تھا کہ وہ اُس جزیرہ پر حملہ کریگا جہاں ایک نہایت خوفناک عفریت رہتا تھا۔ بڑھیا نے راستہ کے لیے ایک اچھا توشہ تیار کر دیا۔ چاول وغیرہ بہت سی چیزیں بانس کے پتوں میں باندھکر

اور ان کے کپڑے وغیرہ چھین کر دریا کے کنارے پتھروں وغیرہ کے انبار لگانے کے کام پر ان کو لگاتی ہے۔ جی زو ران بے بس بچوں کی مدد کرتا ہے اور جو بچہ دنیا میں جی زو کی مورت کے قدموں پر جتنے سنگریزوں کی نذر چڑھاتا ہے اُسی قدر اُس کی مصیبت و تکلیف دوسری دنیا میں کم ہو جاتی ہے۔

ماہی گیر کے لڑکے اُراشی ما کی کہانی نہایت مشہور اور دل پسند ہے۔

اُراشی ما کسی ماہی گیر کا ایک خوبصورت لڑکا تھا۔ سمندر کے پاس اسکا مکان تھا اور وہ ہر روز بلا ناغہ اپنے والدین کا ہاتھ بٹانے کے لیے اپنی کشتی میں بیٹھ کر مچھلی پکڑنے کے لیے سمندر میں جایا کرتا تھا۔

ایک روز مقررہ وقت پر وہ واپس نہیں آیا۔ اُس کی ماں بہت دیر تک انتظار کرتی رہی لیکن اُراشی ما کی کشتی کا کہیں پتہ بھی نہ تھا۔ اسی طرح دن گزرنے لگے اور اُراشی ما کو مردہ تصور کرکے اُس کے والدین نے بہت رنج کیا۔ لیکن حقیقت میں اُراشی ما مرا نہیں تھا۔

سمندر میں بہت دور جانے کے بعد اس کی ملاقات خدائے سمندر کی بیٹی سے ہوئی تھی اور وہ اُراشی ما کو اپنے ساتھ سرسبز و شاداب گرم ملک میں لے گئی تھی جہاں کبھی سردی کی تکلیف ہی نہیں ہوتی تھی۔ اس مقام پر وہ دونوں بڑی ہی محبت اور مسرت و شادمانی کے ساتھ رہنے لگے۔ چند ہفتے گزرنے پر اُراشی ما نے شہزادی سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ اپنے گھر جا کر اپنے والدین کو دیکھ آئے۔ اُس کے الفاظ یہ تھے۔

وہ میرے لیے سخت رنج والم میں مبتلا ہونگے اور میرا ماتم کرتے ہونگے وہ یہ سمجھنے لگے ہونگے کہ میں سمندر میں ڈوب کر ہمیشہ کے لیے اُن سے جُدا ہو گیا۔

بڑی مشکل سے آخرکار شہزادی نے جانے کی اجازت دی اور رخصت کے وقت اُراشی ماکو ایک ڈبیہ دیکر کہا کہ وہ اسکو ہمیشہ اپنے پاس بند رکھے۔ اُس نے تاکید کے ساتھ کہا۔

جب تک تم اسکو اپنے پاس بند رکھو گے میں بھی ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گی لیکن اگر کہیں تم نے اسکو کھول دیا تو یاد رکھو کہ تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے اور میرے ساتھ اس خوش سواد دلچسپ سرزمین سے جُدا ہو جاؤ گے۔

اُراشی مانے ڈبیہ لے لی اور اسکو ہمیشہ اپنے پاس بند رکھنے کا حتمی وعدہ کرکے گھر روانہ ہوا۔ لیکن جب وہ اُس مقام پر پہونچا جہاں وہ رہتا تھا تو اُس جگہ آبادی کا نشان تک نہ تھا۔ اُسکا گھر اور اُسکا قصبہ سب دہاں سے غائب تھا۔ کیا سے جب وہ آگے بڑھا تو اُسکو ایک نیا شہر نظر آیا جو اُس نے آجتک اُس جگہ نہ دیکھا تھا حقیقت بات یہ تھی کہ ہر ہفتہ اس نے جو شہزادی کے ساتھ بسر کیا تھا زمین پر ایک سو برس کے برابر تھا۔ اس لیے اسکا مکان اور اسکا گاؤں وغیرہ سیکڑوں برس پہلے ہی صفحہ ہستی سے مٹ چکا تھا اور اب اُس کی کوئی علامت بھی باقی نہ رہی تھی انتہا درجہ کی مایوسی اور پریشانی کے عالم میں اُسکو شہزادی کی تاکید کا مطلق خیال نہ رہا اور اُس نے وہ ڈبیہ کھول دی۔ ڈبیہ میں سے ایک ہلکا سا نیلے رنگ کا دُھواں نکلا اور فوراً سمندر میں چاروں طرف پھیل گیا۔ اُسی وقت اُراشی ما میں بھی ایک عجیب و غریب تغیر پیدا ہوا۔ ایک بہت خوبصورت نوجوان سے فوراً وہ ایک بالکل منحنی۔ تباہ حال اور معذور پیر فرتوت بن گیا اور اس کے بعد زمین پر گر کر اُسنے جان دیدی۔ شہزادی نے اس ڈبیہ میں ان دونوں کی پُرمسرت زندگی کے خوشگوار گھنٹے بند کیے تھے اور جیسے ہی وہ قید سے نکل بھاگے اُراشی ما دوسرے آدمیوں

کی طرح ہوگیا اور فوراً ایک ہی حملہ میں بڑھاپے اور موت نے اُس پر قبضہ کر لیا۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

ایک بزرگ کی اعلیٰ و پاک زندگی پر سرسری نظر

ناظرات خاتون کے دل میں غالباً اس خبر کو سُنکر مسز عبداللہ سے ہمدردی کے خیالات پیدا ہونگے کہ اُن کے والد ماجد مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب نے بعمر ۷۰ سالہ بمقام دہلی بتاریخ ۲۰۔ مارچ ۱۹۱۲ء انتقال کیا۔

پیدائش اور موت کا کچھ ایسا سلسلہ اس دُنیا میں قائم ہی جیسے کسی گذرگاہ میں انسانوں کی آمد و شُد کا تانتا بندھا ہو۔ ابھی وہ شخص اس جانب سے ہم کو آتا ہوا دکھائی دیا۔ کچھ دیر ہوئی تھی کہ ہمارے برابر سے گذر کر آگے کو چلا گیا اور تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہو گیا ہم بھی اُسی گذرگاہ میں انسانوں کے ریلے کے آگے ڈھکیلے جارہے ہیں۔ مگر سمجھتے یہ ہیں کہ اپنی حالت تو سکون کی ہی اور دوسرے لوگ سب متحرک ہیں۔

جو صورتیں ہم کو اپنی محبت سے اپنے عمدہ روّیہ اور عمدہ خیالات سے متاثر کر کے نظروں سے غائب ہوتی جاتی ہیں۔ جو زمانہ کے بحر ناپیدا کنار میں سے مثل حباب کے نکل کر پھر اُسی میں چھُپ جاتے ہیں اور جنکے دیکھنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی اُنکے لیے ہم آنسو بہاتے ہیں۔ رنج کرتے ہیں۔ کئی کئی روز تک کھانا اور نیند اپنے اوپر حرام کرتے ہیں۔ مگر آخر کار بجز اسکے کہ وہ اثر جو ہمارے دل پر وہ چھوڑ جاتے ہیں اُس سے ہم اپنے لیے یا اپنے ہمجنسوں کے لیے کوئی نتیجہ پیدا کریں اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مشاہیر عالم تو مثل اُن چمکدار تاروں کے ہیں جن کی شعاعیں باوجودیکہ وہ

ہم سے کروڑ ہا کروڑ میل کے فاصلہ پر ہیں فضائے بسیط میں سے تیر کر ہم تک پہونچتی ہیں اور ہماری آنکھوں کو اپنے نور سے منور کرتی ہیں۔ دنیا کے صلحا و حکما جو آج سے ہزاروں برس قبل ہو گزرے ہیں اُن کی زندگی کے حالات ہمارے عادات و اخلاق و خیالات کی اصلاح میں وہ کام کرتے ہیں جو کسی بڑے سے بڑے کامل استاد سے بھی نہ ہو سکے۔ مگر ہر شخص نبوت یا ولایت یا حکمت کے اعلیٰ مدارج پر پہونچکر ایک دائمی نور کا منبع نہیں بن سکتا۔ البتہ یہ بات ہر شخص کے امکان میں ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اپنے گھر کے لیے یا اپنے اعزہ و احباب کے دائرہ کے لیے ایک روشن چراغ بنائے جس سے اُسکا گھر اور اُسکے اثر کا دائرہ روشن ہو جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود انسانوں کی اس درجہ کثرت کے لاکھوں میں سے ایک آدھ ہی کوئی نیک نفس مرد ایسا نکلتا ہے کہ جو اس شرف کا بھی مستحق ہو سکے۔

میں اپنے کو خوش قسمت خیال کرتا ہوں کہ جب سے مجکو اپنے تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر اچھی یا بُری رائے قائم کرنے کا موقع ملا ہے مجھے چند ایسے بزرگوں کی صحبت اور ملاقات اور تعلقات کی عزت حاصل رہی ہے کہ میں اُن بزرگوں کو اپنے خاندان اور احباب کے لیے روشن چراغ سے مشابہت دیسکتا ہوں۔ جناب مرزا محمد ابراہیم بیگ صاحب مرحوم بھی منجملہ انہیں بزرگوں کے ہیں زمانہ کا رُجحان کچھ دہریت اور مادیت کی طرف زیادہ ہے۔ خود غرضی چاروں طرف سے ہم کو گھیرے ہوئے ہے۔ خود اپنے گریبان میں مونھ ڈالکر دیکھتے ہیں تو حسد۔ بُغض۔ خود نمائی۔ خود غرضی۔ بے مروّتی۔ کینہ اور طرح طرح کے خواہشات ہماری فطرت سلیم اور فراست خداداد پر ہر آن زہر کی بوندیں ٹپکاتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر ہمارے سامنے کوئی نمونہ ایسا ہو کہ ہم کو اپنی ہستی کی علت و غایت کو برباد کرنے سے بچا سکے تو اس سے بڑھکر ہمارا سچا محسن

کوئی نہیں ہی۔ کتابی۔ مذہبی اور روایتی اخلاق کا اثر کمزور ہوگیا ہی کیونکہ اُس کے معلم ہمارے سامنے اپنی زندگی کا اعلیٰ معیار اور عمدہ نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہیں اور ہم سمجھنے لگے ہیں کہ اگر واعظ کے کلام میں کوئی اصلیت ہوتی تو وہ خود ہی سب سے پہلے اپنی زبان سے نکالی ہوئی بات پر عمل کرتا۔ ایسی حالت میں جو لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ بلا واعظ یا ریفارمر ہونے کے مدعی بننے کے مذہبی پیشواؤں اور اخلاقی معلموں کی تعلیم پر عمل کرکے اپنی زندگی کو قابلِ تقلید کے بناتے ہیں وہ ہماری دلی شکرگزاری کے مستحق ہیں اور اُن کی زندگی کے جو کچھ بھی واقعات ہم قلمبند کرسکیں ہم کو قلمبند کرکے اُن کا تحفظ کرنا چاہیے۔

اسی خیال کو مدنظر رکھ کر میں نے اپنے خسر مرحوم جناب مرزا صاحب کی زندگی کے چند واقعات قلمبند کرکے ہدیۂ ناظرین و ناظرات خاتون کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

اپنی شادی کے چند روز بعد میں نے مرزا صاحب مرحوم کو یہ کہتے سُنا

بھئی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص جھوٹی بات اپنی زبان سے کیسے نکال سکتا ہی۔

مجھے یہ سُنکر کچھ تعجب سا ہوا کہ یہ بات تو کوئی سمجھ سے بالاتر نہیں ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ ایک شخص سچ بھی بول سکتا ہی اور جھوٹ بھی بول سکتا ہی۔ مگر بعد کے تجربہ سے مجھے پورا یقین ہوگیا کہ مرزا صاحب مرحوم کے لیے اس بات کا سمجھنا فی الواقع دشوار تھا کہ کوئی شخص جھوٹ کیسے بول سکتا ہی۔ خود خلاف واقعہ بات تو زبان سے نکالنا درکنار وہ کسی دوسرے آدمی کی بات کو کبھی غلط نہیں سمجھتے تھے۔ نہایت سچائی کے ساتھ ہر آدمی جو کہتا تھا اُس کے متعلق ٹھیک رائے قائم کرتے تھے۔ اور اگر بعد میں یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ اس شخص نے مجھ سے

خلافِ واقعہ بات کہی ہو تو پھر مثل ایک راست باز انسان کے اپنی ناراضی کا اظہار پورا کرتے تھے۔ اور بعض لوگوں سے ملنا جلنا اور بول چال بھی بند کر دیتے تھے بلکہ یہانتک کہ اُن اشخاص کے متعلق کوئی گفتگو بھی درمیان میں نہیں آنے دیتے تھے دل آئینہ کی طرح صاف رہتا تھا۔ جب کوئی سامنے آیا اُس کے عیب صواب اُسکو اپنے الفاظ سے یا طرزِ عمل سے بتا دیئے۔ مگر جب وہ سامنے سے ہٹ گیا تو کوئی عیب گیری نہیں۔ پس گوئی نہیں۔ بلکہ اگر کوئی دوسرا کسی کی بُرائی کرتا تھا تو اسکا جواب دینا تو درکنار توجہ سے سُننے تک نہ تھے۔

پابندی وضع کا گویا اُن پر خاتمہ ہوگیا۔ آجکل کے دوکاندار طبائع کے مقابل میں مجھے مرزا صاحب مرحوم کی پابندی وضع ہمیشہ حیرت میں ڈالتی تھی اور اکثر اسی خیال کی وجہ سے اپنے اور عزیزوں کے مصاحبین کی بھی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔

جس دوکاندار سے یا جس شخص سے جو چیز خریدتے تھے یا جو کام بنواتے تھے اُسکو چھوڑکر دوسری جگہ ہرگز نہ جاتے تھے۔ بدری بزاز سے سالانہ ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ کا کپڑا تو ضرور ہی خریدا جاتا ہوگا اور اسی طور پر ایک سُنار سے جسکا نام میں بھول گیا ہزار دو ہزار کا سالانہ زیور بنوایا جاتا تھا۔ بعض موقعوں پر یہ بات ثابت کرکے بھی دکھائی گئی کہ بدری بہ نسبت دوسرے بزازوں کے آپ کو چیز مہنگی دیتا ہے۔ مگر فرمایا کہ کپڑے میں فرق ہوگا بدری ایسا نہیں کر سکتا اور ایک موقع پر تو صاف کہدیا کہ اگر ہمارے نام سے خرید و فروخت ہوگی تو بدری کے ہاں سے ہوگی ورنہ خود جہاں سے دل چاہے منگوا لیا کرو۔ اُن کی بات کو کوئی ٹال سکتا تھا۔ سب خاموش ہوگئے۔ یہی حال سُنار کا بھی تھا۔

حکیم بدرالدین خان صاحب مرحوم سے بہت محبت اور دوستی تھی۔ پاس پڑوس کا معاملہ تھا اکثر شام کے وقت حکیم صاحب کے ہاں جایا کرتے تھے اور اگر اتفاق سے کسی روز نہ جا سکے تو حکیم صاحب خود تشریف لاتے تھے اور کہیں نہ جاتے تھے نہ آتے تھے۔ جب سے حکیم صاحب کا انتقال ہوگیا شام کو گھر سے نکلنا بھی موقوف ہوگیا۔

عبدالحکیم ملازم تھا۔ لنگڑا لولا بیمار تھا نہ اُس سے کوئی کام ٹھیک ہو سکتا تھا اور نہ وہ کسی قسم کا آرام پہونچانے کے قابل تھا۔ مگر ایک مرتبہ نوکر رکھ لیا اب علیحدہ کیسے کیا جائے۔ نہ علیحدہ کرنا تھا نہ کیا آخر کو وہ خود ہی اپنے کسی عزیز کے ساتھ بمبئی چلا گیا۔ پھر دوسرا ملازم رکھا جو بہت ہوشیار تھا اور کام خوب کرتا تھا۔ خوش ہو کر اُس کی تعریف فرماتے تھے مگر عبدالحکیم کی کبھی بُرائی زبان پر نہ لائے۔

اپنے فرش۔ کپڑے۔ مکان۔ جوتہ۔ قلم دوات غرضکہ ہر چیز کی صفائی کا انتہا درجہ کا خیال تھا۔ میں نے دس برس کے عرصہ میں اُن کی کسی چیز پر گرد جمی ہوئی نہ دیکھی۔ حتیٰ کہ جس روز انتقال ہوا ہے۔ بالکل نزع کی حالت تھی۔ اشارہ سے کہا کہ چوکی پر پیشاب کے لیے لے چلو۔ چارپائی پر پڑے پڑے ہرگز پیشاب کرنا گوارا نہ کیا اور جب چوکی پر بٹھلائے گئے تو اُن کی نگاہ جوتی پر پڑی جس پر گرد جم رہی تھی جھٹ جھاڑے سے خود گرد پونچھ دی۔

معاملات میں صفائی کا یہ حال تھا کہ اپنی بیٹیوں اور بیٹے کے روپیہ کا کوڑی کوڑی کا حساب خود اپنے قلم سے لکھتے تھے اور ہر روز کا حساب لکھا رہتا تھا اور سب کو بتاتے رہتے تھے کہ فلاں شخص کا حساب فلاں فرد میں ہے۔ انتقال کے بعد ہر شخص نے دیکھا کہ اسکے متعلق حساب آئینہ کے طور پر لکھا رکھا ہے۔ کپڑے کا۔ زیور کا

کسی کا لینا دینا سب حساب نہایت صاف طور پر تاریخ وار تیار رکھا ہے۔ معاملات میں اور لوگ بھی صفائی پسند ہوتے ہیں مگر حسابات کے معاملہ میں بہت لوگ غفلت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب مرحوم کی اولاد و اعزہ کے لیے اُن کا یہ طرز عمل ایک بہت بڑا سبق ہے۔

سچی قومی ہمدردی اُنکے دل میں موجزن تھی۔ قومی چندوں میں اپنی وسعت کے موافق خود بھی شریک ہوتے تھے اور دوسروں سے بھی چندہ وصول کرتے تھے۔ دن روپی فنڈ کے لیے بہت کوشش کرکے کئی کتابیں بھروادیں۔ سرسید کا ذکر بڑی عقیدت مندی اور شکرگزاری سے کرتے رہتے تھے۔ اکثر بیان کیا کہ اگر سرسید نہ ہوتے تو ہماری قوم بالکل تباہ ہوچکی تھی۔ تہذیب الاخلاق کی شروع سے سب جلدیں محفوظ رکھتے تھے اور اُن میں سرسید کے مضامین کے مطالب خوب یاد تھے۔

نہایت روشنخیال تھے کسی مذہب یا فرقہ سے مطلقاً کچھ تعصب نہ تھا۔

اپنی اولاد سے انتہا درجہ کی محبت رکھتے تھے۔ اپنے اعزہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اگر ذرہ برابر کوئی بیمار ہوجاتا تو اُن کو بیمار سے زیادہ خود تکلیف پہونچتی تھی۔ تربیت اولاد کا بہت خیال تھا اور اپنی سب بیٹیوں کو اُستانیوں سے اور مسوں سے تعلیم دلائی۔ اور خود بھی بڑی محنت سے اُن کو پڑھایا۔ اپنے فرزند بشیر مرزا صاحب کو ایم اے او کالج میں تعلیم دلائی۔ اس شوق اور خیال کا سبب آخیر میں یہ ظہور ہوا کہ میری منجھلی لڑکی خاتون جہاں کو جس کی عمر اس وقت چھ سال چھ ماہ کی ہے پانچویں پارہ تک قرآن شریف پڑھا دیا۔ اُردو کی پانچویں کتاب پڑھ رہے تھے۔ فارسی کی پہلی کتاب پڑھاتے تھے اور تحریر میں اسقدر مہارت کرادی تھی کہ وہ معمولی خطوط لکھ لیتی ہے۔ اور اپنی والدہ اور خالاؤں کے خطوط پڑھ لیتی ہے۔ تحریر بہت اچھی ہو چلی تھی۔ افسوس ہے کہ اُسکو ان بزرگ سے تعلیم و تربیت

حاصل کرنے کا پورا موقع نہ ملا۔

عام انسانی ہمدردی کی زندہ مثال تھے۔ ایک اپنے عزیز نوجوان لڑکے کی تعلیم و تربیت کا کچھ دنوں سے بہت خیال پیدا ہو گیا تھا۔ انتقال سے دو روز قبل ایک اپنے دوسرے عزیز سے قریب پون گھنٹہ تک بڑی کوشش سے آواز بلند کر کے سفارش کرتے رہے۔ اُن کا وہ وقت ایسا تھا کہ وہ بالکل بولنے کی طاقت نہ رکھتے تھے مگر جو کچھ بھی قوت باقی رہ گئی تھی اُس سے کام لیکر اسکے معاملات کی طرف توجہ دلانا اپنا فرض سمجھا۔ دوسروں کی مصیبت کے حالات سُن کر اُن کو دلی رنج اور دوسروں کی خوشی سے اُن کو دلی مسرت ہوتی تھی۔

اپنی آن کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے خودداری کو مثل ایک عمدہ لباس کے ہر وقت زیب بدن کیے رہتے تھے۔ چھوٹوں پر رعب قائم رکھتے تھے مگر ہر وقت نہایت محبت سے پیش آتے تھے۔

نماز روزہ کی سختی سے پابند تھے۔ اپنی بہتر سالہ عمر میں بھی امسال رمضان کے پورے روزے رکھے۔ بہت صبح کو اُٹھ کر قرآن شریف پڑھتے تھے اور گزشتہ تین سال میں قرآن شریف کو حفظ کرنے کی طرف توجہ کی تھی۔ سترہ پارے حفظ کر لیے تھے۔ خدا کی شان ہے کہ اس سِن میں بھی اُن کا حافظہ ایسا زبردست تھا۔

اپنی زندگی کا ہر منٹ کسی نہ کسی مفید کام میں مصروف رکھتے تھے اُن کی زندگی کا یہ رویہ اُن کی اولاد کے لیے نہایت مفید ثابت ہوا۔

گو ہم اس مفید زندگی کا کوئی ایسا کارنمایاں ناظرین و ناظرات کے سامنے پیش نہیں کر سکتے جو آجکل کی پبلک کو فوراً ہی اپنی طرف متوجہ کر سکے مگر روزمرہ کی زندگی کے واقعات میں سے چند جوہر چُن کر ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں اور امید ہے کہ وہ بہت عمدہ سبق سکھانے والے ثابت ہونگے۔

یہ ہماری روزمرہ کی زندگی ہی ایک ایسی چیز ہی کہ جس کی درستی کے لیے انبیا دنیا میں آتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے روزمرہ کے طرز کو درست رکھنے میں کامیاب ہو تو یہ اُس کی ہستی کی سب سے بڑی کامیابی ہی۔ خدا مرحوم کو غریق رحمت کرے۔

ایک بات ہم بطور اپنے تجربہ کے ناظرین و ناظرات کے سامنے اور پیش کرتے ہیں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے دیگر اوصاف کے ساتھ خوش خلق بننے کی پوری کوشش کرے۔ اولاد۔ دوست۔ اعزا وغیرہ سب اس وصف کو پسند کرتے ہیں۔ انسان کی اخیر بیماری میں جبکہ وہ بالکل بے بس ہوتا ہی اور دوسروں کو اُس کی تیمارداری میں انتہا درجہ کی مصیبت اُٹھانی پڑتی ہی اُسوقت جو چیز تیمارداروں کی مصیبت کو خوشگوار بنا سکتی ہی وہ بیمار کا اعلیٰ خُلق ہے۔

خاکسار

عبداللہ (اڈیٹر خاتون)

احکم الحاکمین! کیا فریادِ مظلوماں میں کچھ اثر نہیں؟

آتا ہی وقت انصاف کا۔ نزدیک ہی یوم الحساب مردوں کو دینا ہوگا حق تلفیوں کا ان کی جواب

(حالی)

(۱)

ایک مختصر، مگر آراستہ، کمرے میں، خوش نمابید کی، سبز ساٹن سے منڈھی ہوئی کرسی پر ایک نازک اندام حسین خاتون (جو سر جھکائے کسی عمیق تفکر میں مستغرق ہی) بیٹھی ہوئی ہی۔ یکایک سر اُٹھا کر کہنے لگی "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے سرتاج کو کیونکر خوش رکھوں" یہ الفاظ ابھی وہ وہاں ہی تھے کہ برق کی سی سرعت کے ساتھ ایک خیال اسکے دماغ میں آیا۔ اور وہ ہائے ستم! "میں نے ابتک اُنکے حکم کی تعمیل نہیں کی"

لکھر لکھنے کی میز کے پاس گئی اور قلم اُٹھا کر تیزی سے یہ عبارت لکھنی شروع کی۔

پیاری صادقہ! میں نہایت دلی حزن و ملال کے ساتھ یہ اطلاع دیتی ہوں جس سے آپ کو بہت تعجب و صدمہ ہوگا کہ آج سے ہم میں اور تم میں کسی قسم کا باہمی تعلق نہ رہنا چاہیے اور نہ اس فراق نامہ کا جواب لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائیے۔ کیونکہ میں ایک مصلحت خاص سے اپنے کُل احباب سے انقطاع تعلقات چاہتی ہوں۔ صادقہ! تم نے ہمیشہ مجھ سے بے انتہا محبت کی ہے اور میری تمام حیات میں صادق دوست ثابت ہوئی ہو۔ جس کے معاوضہ میں میرے پاس سوائے احسان مندی کے کچھ نہیں۔ اب یہ آخری عنایت و احسان اپنی برگشتہ بخت، بیوفا حلیمہ کے ساتھ اور کرو کہ جس طرح ممکن ہو اُسے اپنے لوح دل سے حرف غلط کی طرح محو کر دو۔ فقط۔ اب (کچھ عرصہ کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے) رخصت۔ خدا حافظ

میں ہوں صادقہ تمہاری خطاوار

اے۔ ایچ۔ عبدالجبار

(۲)

امۃ الحلیم جسقدر حلیم الطبع۔ منکسر المزاج اور مطیع الفطرت لڑکی تھی سوء قسمت سے اُسے اتنا ہی جبار مغرور اور خود سر شوہر ملا تھا۔ حلیمہ کے سرپرستوں نے ذات خاندان۔ دولت۔ تعلیم۔ صورت شکل۔ سب کچھ دیکھ کر داماد تلاش کیا تھا۔ لیکن قسمت کا کون ساتھی ہے؟ کیونکر گمان ہو سکتا تھا کہ ایسے خوشنما لفافہ میں اسقدر ردی خط نکلے گا۔ یعنی اس گندم نما جو فروش لڑکے کے عادات و اخلاق اس قدر بست و سندل ہیں۔ وہی مثل ہوئی۔ خوان بڑا خوان پوش بڑا۔ کھول کے دیکھو تو آدھا بڑا۔ معلوم نہیں ناقدر شناس و ناسپاس عبدالجبار چاہتا کیا تھا؟ حلیمہ، بدنصیب حلیمہ، جس طرح حسن سیرت میں یگانہ تھی اسی طرح جمال صورت میں

انتخاب زمانہ، نیک مزاج، خوش سلیقہ۔ خلیق ۔ باحیا ۔ دانشمند لیکن بے عیب خدا کی ذات ہے۔ چنانچہ ۔ ایک عیب ۔ ایک ناقابل عفو عیب، اس میں بھی تھا یعنی اسنے گورنمنٹ ہائی سکول میں تعلیم پائی تھی۔ جس سے وہ آزاد طبع اور روشن خیال تھی ۔ اسی گناہ کبیرہ نے اسے جبار کی نظروں سے گرادیا تھا۔ شادی کو چار سال ہونے کو آئے مگر جبار کو خدا نے اتنی توفیق نہ دی کہ کبھی اپنی حکم بردار بیوی سے حسن سلوک جائز رکھا ہو۔ لیکن حلیمہ کبھی بھول کر بھی کسی کے سامنے حرف شکوہ زبان پر نہ لائی نہ کبھی سفاک شوہر کے کسی حکم میں لیت ولعل کی۔ اُس نے اپنی تمام کوششیں اس خیال خام میں صرف کر دیں کہ جبّار کی پیشانی سے بل نکل جائیں۔ لیکن بے سود ؎

خوے بد در طبیعتے کہ نشست　　نرود تا بروزِ حشر از دست

آج جبار نے حکم دیا تھا کہ صادقہ نہایت آزاد و بیباک ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ اُن سے اور تم سے کسی قسم کا تعلق رہے سُنا ہے کہ اُنھوں نے آج اپنے شوہر سے بحث کی اور اُس میں وہ جیت گئیں۔ حلیمہ کے جملہ اعزا واحبّا اس سے پیشتر علیحدہ ہو چکے تھے۔ صرف صادقہ ہی اُس کی ہمدم و غمخوار تھی ۔ یہ لڑکی اس کی ہم عمر اور کلاس فیلو سہیلی تھی۔ باہم حقیقی بہنوں جیسا تعلق تھا۔ ایک منٹ کا فراق شاق تھا۔ حُسن اتفاق سے دونوں سہیلیوں کے شوہر اعلیٰ تعلیم یافتہ گریجوایٹ تھے مگر صادقہ کا شوہر نہایت آزاد خیال نوجوان تھا اور ہماری حلیمہ نے ایک بدگمان اور تاریک خیال رفیق حیات پایا تھا سچ کہا ہے۔

فطرتاً دل ہی جو بد ہو تو کرے کیا تعلیم　　کیا معلّم کے ہے قابو میں بنانا دل کا

(محبّ)

اُسی دن شام کو جبّار حسب عادت چیں بابرو اندر آیا حلیمہ نے خوش مزاجی سے

خیر مقدم کیا اور کرسی پیش کی لیکن وہ لاپرواہی سے مسہری پر لیٹ گیا اور "جمیل، جمیل" کہکر آواز دی۔ جسکے جواب میں ایک حسین و جمیل بچہ نے آکر مودبانہ سلام کیا اور حلیمہ کی کرسی پکڑکر کھڑا ہوگیا۔

جبّار آؤ جمیل ہمارے ساتھ لیٹ جاؤ۔ بتاؤ تم کیا کر رہے تھے۔

جمیل۔ اماں جان کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

جبّار (حقارت سے ہنسکر) سبحان اللہ! کیا کہنے ہیں اماں جان کی عمر تم سے بھی کم ہے۔

جمیل۔ وہ تو مجھے پنسل سے نقشہ کھینچنا بتا رہی تھیں۔

جبار۔ بڑے ہوکر سیکھ ہی جاؤگے۔ اُنہیں اپنی علمیت جتانے کی کچھ ضرورت نہیں،

اس گفت و گو کے بعد کچھ دیر بالکل خاموشی رہی پھر جمیل نے اپنی ماں سے چپکے سے کہا "اماں جان! شاید آپ اس خط کو بھیجنا بھول گئیں۔ جاؤں سپاہی کو بلالاؤں"، خط کا نام آہستہ سے سُنکر بدگمان جبار چونک اُٹھا اور درشتی سے پوچھا

جبار۔ کیوں صاحب! یہ معاملہ کیا ہی؟ بس لوگوں سے خفیہ سلسلۂ مراسلات جاری کرنے ہی کی کسر تھی۔ لاؤ جمیل وہ خط تو مجھے دکھاؤ۔ اگر کوئی پوشیدہ بات نکلی تو میں سامان تحریر کو آگ لگا دونگا۔

جمیل نے ایک سادہ لفافہ میں بند خط لاکر دیدیا جو آج صبح صادقہ کو لکھا گیا تھا۔

جبّار (بیوی کی طرف دیکھ کر) میں خط کھول لوں؟ ...... اگر نہیں تو تمہیں خود بتانا پڑیگا کہ کس کے نام ہی؟

حلیمہ نے کچھ جواب نہ دیا لیکن اشارتاً کہدیا کہ دیکھ سکتے ہو۔

پڑھکر نہایت خفیف ہوئے۔ اور جلدبازی کا یہی نتیجہ ہوتا ہی۔ اس خفت و پشیمانی جھنجھلاہٹ اس طرح اتری۔

جبار۔ حلیمہ! مجھے تمہاری اس عادت سے نفرت ہے کہ عبارت بالکل انگلش طرز سے لکھتی ہو ان باتوں سے تمہیں کوئی میم نہ کہے گا۔ ہاں پردہ کو خیرباد کہکر بیباکانہ نامحرموں سے ہنسی مذاق کرو تو ایک بات بھی ہے ...... اگر میں نگہداشت نہ کروں تو خدا معلوم کیا گل کھلے۔

یہ انعام ملا تعمیل حکم کا۔ مظلوم امۃ الحلیم کا شیشۂ دل چکنا چور ہوگیا اُس نے ایک حسرت بھری جگر دوز نگاہ جبار پر ڈالی۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس نگاہ سے پتھر کا کلیجہ بھی پانی پانی ہو جاتا مگر اس آہنی جگر پر کچھ بھی اثر نہوا۔ شعر

سامنے اُن کے میرے دل کی حقیقت کیا ہے ایک مٹی کا کھلونا ہے۔ گرا۔ ٹوٹ گیا

جبار باہر جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور حلیمہ نے دونوں ہاتھوں سے مونھ چھپا کر آنسو بہانا شروع کیا۔ "احکم الحاکمین! کیا فریاد مظلوماں میں کچھ اثر نہیں"؟

(۳)

چند روز سے جبار باہر رہنے لگا جب اندر آتا تو ہجوم مشاغل سرکار کا بہانہ کردیتا ایک دن دو تین روز بعد ہوائی گھوڑے پر سوار آیا اور اتنا کہہ کر رخصت ہوا کہ آج ذرا مکان کی صفائی ہو اور دعوت کا بھی اہتمام کیا جائے کچھ مہمان جمع ہونگے۔ حلیمہ فوراً تعمیل ارشاد میں منہمک ہوگئی ابھی کام میں کچھ کسر باقی تھی کہ جبار خوش خوش اندر آیا اور آج خلاف معمول مہربانی و دلجوئی سے ہمکلام ہوا بیوی غریب باغ باغ ہوگئی کہ شاید نالۂ نیم شبی نے اثر کیا۔

جبار۔ "حلیمہ! تم آج بہت مصروف ہو۔ چہرے سے آثار تکان ظاہر ہوتے ہیں ماشاءاللہ انتظام خانہ داری میں تو لاثانی ہو۔"

بیوی نے حیرت و مسرت سے میاں کی طرف دیکھا۔

حلیمہ۔ آپ کی عنایت۔ آج کون کون ہمارے ہاں مہمان آئیں گے شاید کچھ بیبیاں

بھی آنے والی ہیں؟

جبار نے لاکھ چاہا کہ مطلب دل زبان پر لائے لیکن موزوں الفاظ ہی نہ ملے آخر کچھ دیر بعد ہچکچاتے ہوئے کہا۔

جبار (حلیمہ کا ہاتھ میں ہاتھ لیکر) دیکھو حلیمہ تم نے علم دین کی بھی بخوبی تعلیم پائی ہے اسلیے خوب واقف ہوگی کہ شرع شریف نے مردوں کو چار نکاح کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے فانکحوا ما طاب لکم مثنیٰ وثلاث ورباع (پھر جلدی سے) میں نے بھی ایک ضرورت خاص سے مجبور ہو کر ایک جگہ نکاح ثانی کر لیا ہے۔ اب میری زوجہ تھوڑی دیر میں آتی ہی ہوگی - یہ کہکر فوراً جبار نے مستفسرانہ نظر سے حلیمہ کو دیکھا۔

بادسموم کا جاں سوز جھونکا، جو اثر ایک غنچہ شاداب پر کرتا ہے۔ وہی اس نحوست اثر خبر نے حلیمہ پر کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہونٹ خشک، چہرہ دودھ کی طرح سفید، قلب اور نبض دونوں کی رفتار ایکبارگی بند۔ جبار نے گھبرا کر کہا ہائیں ہائیں حلیمہ! اسقدر کم ہمتی! ارے خدا کے لیے اپنا دل سنبھالو" یہ کہکر وہ تو حلیمہ کے لیے تنہائی مفید سمجھ کر چلا گیا۔ ادھر ادھر مبتلائے آفات۔ مصیبت زدہ حلیمہ رو رو کر اس طرح ارحم الراحمین سے فریاد کرنے لگی۔

الٰہی مردوں کی جباری و مطلق العنانی کی انتہا ہوگئی۔ پروردگار! کب تک پردہ نشین مظلوم بیبیاں ان کے ظلم و ستم سہیں۔ ہائے عنان صبر ہاتھ سے چھوٹی جاتی ہے ؎

خانماں آرزو برباد ہی ہوتا رہا — آہ لیکن ہمنفس! لب پر کبھی آئی نہیں
ہوگیا ناسور۔ زخم دل، کہاں تک ضبطِ غم — ناصحو۔ اب ہم میں یارائے شکیبائی نہیں

(ز۔ خ۔ ش)

مغرب کے وقت، جب گھنٹہ نے چھ دفعہ ٹن ٹن کرکے سرخوشان بادۂ تغافل کو متنبہ کیا اور موذن نے اللہ اکبر کے پُرعظمت اور رعشہ انداز الفاظ سے اہل اسلام کو جبروت خداوندی کی یاد دلانی چاہی۔ جبار خدا فراموش نے حلیمہ پر جبراً سوکن لا بٹھائی۔

شرافت اور انسانیت کا مقتضےٰ تو یہی تھا کہ جبار حلیمہ کے زخم دل پر نمک پاشی سے باز آتا بلکہ اگر خدا توفیق دیتا تو اندمال جراحت کی کوشش کرتا۔ مگر توبہ! یہ چشم داشت تو کسی انسان سے چاہیے اسپر تو شرارت اعمال کا بھوت سوار تھا۔ سچ ہے۔

یک جرم کند دلیر بر جرم دگر

اپنی چاہتی۔ حسب پسند بیوی دل پسند کو دیکھ کر تو وہ بالکل ہی دائرۂ آدمیت سے خارج ہو گیا اور دل پسند کے حکم سے اس نے حلیمہ سے بالکل قطع تعلق کر دیا۔

دل پسند اب گھر بار۔ مال اسباب پر بالکل قابض تھی اور وہ اپنے تمام ناجائز و غیر منصفانہ اختیارات کو کام میں بھی خوب لائی۔ یعنی مظلوم دبے بس حلیمہ کی دل آزاری کا کوئی ممکن پہلو چھوڑنا بعید از شرافت سمجھا۔

حلیمہ نے اس مسئلہ پر بارہا منصفانہ نظر ڈالی مگر ہر بار ماننا پڑا کہ اس طریقہ کو شریعت محمدیہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

وہ سوچا کرتی تھی کہ فان خفتم الا تعدلو فواحدۃ کے معنی کیا ہیں؟

کیا وہ مساوات بین الازواج یہی ہے جسے مقدس اسلام نے تعدد ازدواج کی لازمی شرط قرار دیا ہے؟ ؎

اگر حقیقت اسلام در جہاں اینست — ہزار خندۂ کفر است بر مسلمانی

(۴)

ننھا جمیل موںھ بنائے، نرگسی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے، آیا اور ماں کی گود میں سر رکھ کر رونا شروع کیا۔ ماں نے سبب پوچھا تو ہچکیاں لیتے ہوئے کہا "کسی کی شکایت کیسے کروں"؟

ماں۔ میں حکم دیتی ہوں کہ فوراً کہو۔

جمیل۔ نئی اماں جان نے مجھ سے کہا کہ اپنے ابا جان سے کہنا میری ماں مجھے سکھایا کرتی ہیں کہ ان کے پاس نہ جایا کر میں نے کہا جھوٹ بولنا تو بہت بری بات ہے اسپر وہ ابا جان سے جنے کیا کیا کہتی رہیں پھر ابا جان نے میرے کان پکڑے اور کہا اب تو اپنی ماں پاس نہ جانے پائیگا (روکر) میں آپ سے الگ کیسے رہونگا" ماں بھی ضبط نہ ہوسکا اپنے لخت جگر کو سینے سے لگا کر رونے لگی تھوڑی دیر میں جبار (مہینوں بعد) حلیمہ کے کمرے میں داخل ہوا۔

پاؤں کی آہٹ سن کر حلیمہ نے تو فوراً آنسو پونچھ ڈالے۔ مگر جمیل کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ جبار نے بچے کا ہاتھ پکڑکر جبراً گود میں لینا چاہا۔ جمیل تربیت یافتہ اور مطیع بچہ تھا مگر ماں کی محبت اسوقت تربیت پر غالب آئی۔ مچل گیا۔ اور ماں سے زور سے چمٹ گیا روتا تھا اور کہتا تھا " ہائے ابا جان! میں اماں جان پاس نہیں جانے کا۔ اچھی اماں جان! مجھے نہ جانے دیجیے"۔ سنا ہے کہ اپنے نور نظر کا آنکھوں سے دور ہونا یہ عورت کے لیے سب سے بڑا جانکاہ صدمہ ہے حلیمہ نے بیتاب ہوکر کہا۔

حلیمہ ذرا خدا کا خوف کیجیے۔ اللہ کو موںھ دکھانا ہے۔ میں نے آپ کا ایسا کون قصور کیا ہے۔ کچھ فرمائیے تو۔ آجتک جو آپکے دل میں آیا کیا اور جو آیندہ دل میں آئے شوق سے کیجیے۔ لیکن اتنا ظلم کیجیے جو طاقت برداشت سے باہر نہو۔

میرے مقصودِ زیست کو تو مجھ سے جدا نہ کیجیے۔

جبار نے کچھ دیر سکوت کیا مگر پھر جھک کر جمیل کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "دیکھو سیدھی طرح میرے ساتھ چلو۔ ورنہ بہت پٹو گے۔

جمیل نے زور سے کرسی پکڑ لی۔ اب تو سینہ فگار ماں سے نہ رہا گیا۔ دردناک لہجے میں کہنے لگی۔

حلیمہ۔ چھوڑ دیجیے۔ دیکھیے اسکا ہاتھ ٹوٹ جائیگا۔ آپ یقین کریں۔ میں اسے ابھی درست کر کے بھیجے دیتی ہوں۔

جبار (جمیل کو چھوڑ کر) ناس ہو گیا بچے کا۔ اب بڑی مشکل سے قابو میں آئیگا (غصہ سے) تمہاری عادت و سرشت سے میں اب واقف ہوا ہوں۔ مجھے پہلے معلوم نہ تھا کہ آپ میں یہ اوصاف بھی ہیں۔

یہ کہکر جبار تو چلا گیا اور ماں نے بہت پیار سے سمجھا بجھا کر جمیل کو باہر بھیجدیا جبار نے جمیل کو اندر زنان خانہ میں قدم رکھنے کی قطعاً ممانعت کر دی۔ ننھے سے دل پر مفارقت مادر کا زخم کاری پڑا۔ اندر ہی اندر کڑھتا مگر باپ کے خوف سے اُف تک نہ کرتا۔ آخر وہ معصوم اس صدمہ کا تحمل نہ ہو سکا۔ رفتہ رفتہ صحت خراب ہوئی اور بخار آنے لگا چند روز تو حرارت رہی مگر پھر تو بخار نے وہ زور پکڑا کہ الاماں معصوم و مظلوم جمیل بخار کی غفلت میں "اماں جان" کہہ کہہ کر جان کھوتا۔ اوّل تو اس سن میں عموماً بچے ماں کے سوا کسی کو جانتے ہی نہیں۔ دوسرے جمیل تو بالتخصیص اپنی اپنی ماں پر فریفتہ تھا۔ جبار نے معالجہ میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا یونانی و ڈاکٹری ہر قسم کا علاج کر ڈالا مگر بچہ بزبان حال کہتا تھا ؎

از سر بالین من برخیز اے ناداں پدر   دردمند ہجر را دارو بجز دیدار نیست

ایک دن بخار بہت تیز تھا۔ جمیل باپ کی گود میں بالکل غافل پڑا تھا اطبا و حبا

جمع تھے۔ یکایک جمیل نے آنکھیں کھولدیں اور گھبراکر مسہری سے اُترنے لگا۔ باپ نے زبردستی روکا مگر وہ روتا تھا اور کہتا تھا ہائے آبا جان! اماں جان مجھے بُلا رہی ہیں میں اُنکے پاس جاؤنگا۔

جبار۔ جمیل! جمیل! روؤ نہیں۔ دیکھو تمہارے سر میں درد ہو جائیگا۔

جمیل (ہاتھ جوڑکر) ابا جان میں ہاتھ جوڑتا ہوں مجھے اماں جان کے پاس لے چلیے۔

جبار کا دل تڑپ گیا، ہمیں آج تجربہ ہوا کہ کبھی کبھی لوہا بھی پگھل جاتا ہے اور کسی حادثہ سے پتھر بھی موم ہو جاتا ہے۔ اتنے میں سول سرجن نے گرم ہو کر کہا مسٹر جبار! اگر آپ نے اس بچہ کو ماں سے علیحدہ کرنا چاہا تو اس کی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیے جبار جمیل کو گود میں لیکر حلیمہ کے پاس گیا۔

غم نصیب، بدبخت، حلیمہ بچے کی مہاجرت سے خود نیم مُردہ ہو رہی تھی یکایک بالکل غیر متوقع طور پر جمیل کو آتا دیکھ کر جان میں جان آگئی اُدھر جمیل نے جوں ہی ماں کو دیکھا دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔ جبار نے کہا "دیکھو خدا کے لیے ذرا اس کی خبر گیری کرنا اور میرا غصہ معصوم کے سر نہ اُتارنا" حلیم بیوی نے ان لایعنی و مہمل الفاظ پر کچھ دھیان نہ کیا اور بچے کی نگہداشت پر ہمہ تن متوجہ ہو گئی۔ جمیل کو تو صرف ہجر مادر کی بیماری تھی اب دن بدن صحت یاب ہوتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ بالکل تندرست ہو گیا۔

(۵)

کوتاہ بیں، ناعاقبت اندیش جبار آنکھیں بند کر کے نکاح ثانی تو کر گزرا لیکن عیب کرنے کو بھی ہنر چاہیے۔ اتنا بھی تو نہ سوچا کہ ذات۔ خاندان نہ سہی عادات و خیالات تو معلوم کر لوں۔ صلاح نہ مشورہ۔ چند یار لوگوں کے اغوا سے (جنھیں ایسی باتوں میں خواہ مخواہ مزا آتا ہے) عقد کر بیٹھا۔

دل پسند جاہلہ تھی اور اُن تمام صفات سے متصف جو تمام جاہلات میں لازمی

ہیں۔ اس بیباک۔ جنگ جو۔ زباں دراز۔ بدمزاج اور بدطینت عورت سے جبار جیسے آتشیں مزاج اور خود بیں شخص سے نباہ ہونا ناممکن ہی تھا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ شادی نہ تھی بلکہ آگ اور بارود کا اجتماع تھا۔ چند روز تک کسی نہ کسی طرح گزر ہوتی چلی گئی۔ مگر یہ بیل کسی طرح منڈھے چڑھنے والی نہ تھی۔

دل پسند کے ذہن نشین تھا کہ میاں کو سر چڑھانا یا مونھ لگانا نہ چاہیے۔ مرد کی ذات ربڑ کی طرح بڑھانے سے بڑھتی اور گھٹانے سے گھٹتی ہے۔ مرد سے دبنا ہی غضب ہے۔ چنانچہ اس نے وہ بدمزاجیاں کیں کہ میاں جبار کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا اس کی ادنیٰ ادنیٰ فروگذاشت پر ہفتوں ہمکلام نہ ہوتی۔ ذرا ذرا سی چوک پر مہینوں سیدھے مونھ بات کرنا قسم کرلیتی۔

جمیل کے زمانۂ علالت میں جبار اکثر بچے کو دیکھنے حلیمہ کے کمرے میں جایا کرتا تھا۔ دلپسند کو یہ امر بے انتہا ناگوار تھا۔ اٹھتے بیٹھتے طعنے دیتی کہ جاؤ اپنی انھیں بیوی صاحب کے پاس جاؤ۔ جن کی اللہ آمین اور ناز اٹھانے میں لگے رہتے ہو۔ اب ہار جھک مار کر میرے پاس کیوں آئے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ جمیل کی طبیعت کچھ زیادہ بگڑ گئی۔ جبار عدالت سے آتے ہی سیدھا جمیل کے پاس گیا اور چونکہ سخت تھکا ہوا اور پسینہ میں شرابور تھا۔ آتے ہی کوٹ اتارا۔ ٹوپی پھینکی۔ اور اپنے ضعیف بچے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ بی دل پسند بھی جبار کے تعاقب میں اتالیق کی طرح آئی تھیں۔ جمیل پلنگ پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ جبار نے اپنی گود میں لٹا لیا۔

جبار۔ ننھے کو بخار کب سے تیز ہوگیا ہے؟

حلیمہ۔ آج ۱۰ بجے سے ۱۰۴ پر ہے ابتو پسینہ کی آمد ہے۔

جبار۔ (ننھے جمیل کو پیار کرتے ہوئے) پیارے! ابتو خوش ہو۔ اپنی اماں جان کے

پاس رہتے ہو۔ ہم سے تو اب خفا نہیں "۔
حلیمہ (دلپسند سے) بن کھڑی کیوں ہو۔ لو اس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔
دل پسند (جو ان باتوں سے آگ ہو رہی تھی) تمہاری بلا سے۔ بیٹھی ہوں یا کھڑی ہوں تم تو لکڑی نہیں جو لوگوں کا دل دُکھے۔
جبار نے اس طنز کو سمجھ کر ریتیں جبیں ہو کر دلپسند کی طرف دیکھا۔
دل پسند۔ بس تمہیں تو میرا ہی بولنا ناگوار گزرتا ہے۔ میں ہی کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی ہوں۔ میں خود تمہاری ملاقاتوں میں خلل ڈالنا نہیں چاہتی۔ اسوقت دل نے نہ مانا اور بچے کے دیکھنے کو چلی آئی تھی۔ لو میں جاتی ہوں۔
جبار۔ ذرا آہستہ بات کرو۔ دیکھتی نہیں جمیل کا کیا حال ہے۔ جب سے وہ بیمار ہوا ہے دیکھنے کو بھی نہ آئیں۔ آج آئیں تو لڑائی پر تل کر۔
دل پسند (چلا کر) دیکھو خدا کی قسم زبان کو لگام دو۔ میری جوتی کو غرض پڑی تھی کہ لوگوں کی بھوؤں میں بل ڈلوانے کے لیے آتی۔ اسوقت آئی تو تمہیں خار گزرا۔ لڑائی پر تلیں میرے دشمن۔ واہ سبحان اللہ اب تم نے مجھ پر زبان کھولی ہے ذرا ہوش میں رہو۔ میں تمہاری کچھ زر خرید نہیں۔ میں جاتی ہوں اب تو تم سب کے ٹھنڈک پڑ گئی" یہ کہکر بڑی تیزی سے چلی گئی اور بہت دیر تک اس کی بد زبانیوں کی آواز آتی رہی۔ حلیمہ نے نہایت تعجب سے دیکھا کہ اسکے مغرور بد مزاج شوہر نے ان صلواتوں کا مطلق جواب نہ دیا بلکہ نہایت خاموشی سے غصہ کو برداشت کیا بڑی دیر بعد صرف یہ کہا "چوں کنم خود کردہ ام را درماں چیست" سوچنے لگی کہ ان کی وہ تیز مزاجیاں اور بے حلمیاں کیا ہوئیں؟ افسوس جبار نے میری محبت اور فرماں برداری کی قدر نہ کی اور اس مبتذل عورت کی (جسے عورت کہنا ننگ مستورات ہے) زیادتیاں برداشت کیں۔ ؎

یہ کہاں تھی اپنی قسمت، جو تو نیک کار رہتا ۔ نہ کسی کا دل دُکھاتا ۔ نہ ستم شعار ہوتا
تو جفا سے درگزرتا ۔ میں فدا میں جان دیتی ۔ ترے دل میں قدر ہوتی مرے لیس پا رہتا

(۶)

خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ یہ کسقدر صحیح ضرب المثل ہے! جبار کو بہت جلد قدر عافیت معلوم ہو گئی۔ اور دل پسند نے خوب اُسے ناک چنے چبوائے۔ آئے دن قیمتی زیورات و پارچہ جات کی فرمائشیں کرتی۔ جبار وکیل تھا کوئی بادشاہ وقت نہ تھا جو ہر روز نت نئی فرمائشات کی تعمیل کرتا۔ بس اسی بات پر دلپسند مارے طعنوں کے ناک میں دم کر دیتی۔

سوائے امتہ الحلیم کی غیبت و بدگوئی کے کوئی ذکر و فکر نہ تھا۔ سُنتے سنتے جبار کے کان پک گئے۔ اگر وہ کبھی یہ کہہ بیٹھتا تھا کہ ان کی غیبت کے سوا میں کچھ اور بھی آتا ہے تو شامت آجاتی تھی۔ اتنا دق کرتی تھی کہ گھر میں قدم رکھنا محال ہو جاتا تھا۔ جبار نے بالکل اپنی افتاد مزاج کے خلاف اس کی نالائقیوں کو برداشت کیا اور بہت کوشش کی کہ کسی طرح نباہ ہو جائے اور جگ ہنسائی نہو۔ مگر افسوس ہے کہ جتنی جبار نے باگ ڈھیلی کی وہ عورت زیادہ بیباک و متکبر ہوتی گئی اور جبار کے تحمل کو "خوف" پر محمول کیا۔ چنانچہ ایک دن اپنے مشیر و مصاحب سے کہا۔

دل پسند کیوں۔ دیکھی میری حکمت؟ کس طرح اپنے میاں کو قابو میں کیا ہے۔ اب ان کی اتنی بھی مجال نہیں کہ مجھ سے کچھ بھی کہیں۔ جہاں میں ذرا تیز پڑی اور چپکے سے اُٹھ کر باہر چل دیئے"

مصاحبہ۔ بیوی وہ تو ایسے تھے کہ تمہارے پاؤں دہو دہو کر پیتے۔ مگر سمجھانے بجھانے سے اُتنے ہیں۔

بیشک جبار ڈرتا تھا۔ مگر دلپسند سے نہیں بلکہ سوسائٹی میں بدنامی سے۔ ۔۔۔

خوف تھا دعوتوں میں چرچوں کا اور کلبوں میں قہقہوں کا۔ دشمنوں کی شماتت کا۔ اور دوستوں کی ملامت کا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ دلپسند ایسی عورت نہیں جسے کسی کی عزت وآبرو کا پاس ہو۔ یہ عورت ایک نہ ایک دن میری عزت خاک میں ملا کر چھوڑیگی۔ انہیں وجوہ سے وہ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن تابکے؟ دلپسند کی نازک مزاجیوں نے اس کی زندگی وبال کردی اُس نے عمر بھر میں شاید ہی کبھی غم وغصہ کو برداشت کیا ہوگا۔ اسکو تحمل کی عادت نے اور تکلیف دی۔ مگر آخر جبار بھی اپنے نام کا تھا۔ رفتہ رفتہ کشیدہ خاطر وناراض رہنے لگا اور اخیر میں اندر آنا ہی قریباً ترک کردیا۔ دوسرے تیسرے گھنٹہ آدھ گھنٹہ کو ہوجاتا۔ اسپر اس مکار عورت نے ہائے ہوسے محلہ کو سرپر اُٹھالیا۔ ہمسایوں سے، ملاپ داروں سے غیروں سے میاں کی بدسلوکیوں اور بدمزاجیوں کا رونا رویا۔ اور اسے دل کھول کر بدنام کیا۔ جبار کو جس قدر غیر معمولی طور پر اپنی نیک نامی وعزت محبوب تھی اُتنی ہی رسوائی ہوئی۔ سچ ہی کہ بُرے کام کا انجام بُرا ہی۔

اب تو میاں جبار کی آنکھیں کھلیں اور نظر آیا کہ اس نے کس قدر غلط رستہ اختیار کیا تھا اور یہ کہ **علم** اور **جہل** میں کیا فرق ہی؟ اب اسے اطاعت شعار **امتہ الحلیم** کی قدر معلوم ہوئی ؎

آنچہ دانا کند۔ کند ناداں　　　لیک بعد از ہزار رسوائی

حلیمہ نے اچھی طرح محسوس کرلیا کہ جبار کا دل یکایک اس کی طرف مائل ہوگیا ہی اور وہ اپنے گزشتہ روش سے کمال نادم ومنفعل ہی۔ دلپسند کے خوف سے اگرچہ وہ زیادہ دیر اسکے پاس نہیں ٹھہرسکتا لیکن جب ملتا ہی تو ایک خاص طرز سے بعلامت انفعال آمیز پیش آتا ہی۔ محبت شعار۔ وفادار حلیمہ جو پہلے ہی شوہر پر فدا تھی اب اور بھی گرویدہ ہوگئی۔

دلپسند چوکی پر بیٹھی ہوئی پان لگا رہی تھی کہ اُس کی مصاحبہ آئی اور کان میں کہنے لگی "بیوی میں بڑی دیر سے میاں بیوی کی بات چیت سُن رہی تھی۔ ذرا چل کر سنو تو سہی" دلپسند ننگے پاؤں اُٹھ کھڑی ہوئی اور چھپ کر سُننے لگی۔ جبار اشتیاق آمیز نگاہ سے حلیمہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتہً یہ جگر سوز و دل دوز الفاظ دلپسند کے کانوں میں آئے جنکو سُن کر اس کی عقل ٹھکانے نہ رہی۔

میری قابل فخر بیوی! خدا کے واسطے للہ ایک معافی کا کلمہ کہدو کہ میرے دل زار کو تسکین ہو جائے۔ دل پسند سے نکاح کرکے میں نے اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی ماری ہے۔ افسوس دریغ سود ندارد چو رفت کار از دست۔ تمہاری اعلیٰ انسانیت (نہیں نہیں فرشتہ سیرتی) نے مجھے اپنا بندۂ بے درم بنالیا ہے" وغیرہ وغیرہ۔

آتش زیر پا دل پسند نے چیخ چیخ کر کُل ہمسایوں کو اکٹھا کرلیا اور جو جو مونھ میں آیا حلیمہ و جبار کو کہا بلکہ پڑوسیوں نے بھی جبار کو ہی ملزم ٹھہرایا۔ بس اس دن سے جبار نے تنگ ہو کر اندر آنا ایک قلم چھوڑ دیا۔ اگرچہ اُسے یقین تھا کہ دلپسند حلیمہ کو چین سے نہ رہنے دیگی۔

(۷)

عبدالجبار کو اپنی پہلی بیوی کی صحت کی طرف سے بہت تشویش تھی کیونکہ اُسنے اُسے ضعیف اور نقیہ چھوڑا تھا۔ لیکن اسے باوجود تحقیقات حلیمہ کی علالت کی اطلاع نہ ہو سکی۔ آخر ایک دن اُس نے مضطرب ہو کر جمیل سے پوچھا جمیل! سچ سچ بتاؤ کہ تمہاری اماں جان کا مزاج تو اچھا ہے۔

جمیل۔ اماں جان نے تو منع کر دیا تھا کہ اپنے ابا جان سے نہ کہنا وہ پریشان ہونگے مگر اماں جان اچھی نہیں وہ تو بہت دنوں سے بیمار ہیں۔

یہ سنتے ہی جبار سے ضبط نہو سکا اور بلا توقف (کامل دو ماہ بعد) اپنے گھر قدم رکھا۔ دیکھا تو مکان ویران سا ہو رہا ہے۔ اور دل پسند کا پتہ نہیں۔

جبار نے پریشان ہو کر جمیل کی انّا سے پوچھا۔ انّا معاملہ کیا ہے۔ کچھ عقل کام نہیں کرتی۔ دل پسند کہاں چلی گئی۔

انّا۔ سرکار۔ وہ تو تین چار دن سے اپنی سہیلی لاڈلی میراثن کے ہاں چلی گئی ہیں۔

جبار (غصہ ضبط کرکے) خس کم۔ جہان پاک۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری بیگم صاحبہ کا مزاج کیسا ہے۔

انّا۔ اُنہیں بخار تو کئی مہینے کا ہے۔ مگر اب کسی وقت نہیں اُترتا۔ بہت ہی کمزور ہو گئی ہیں۔

جبار سراسیمہ ہو کر جلدی سے حلیمہ کے پاس پہونچا اور اُسے دیکھتے ہی بے ساختہ چند کلماتِ حیرت زبان سے نکلے کیونکہ دو مہینے ہی میں وہ نہایت ضعیف ہو گئی تھی۔ جبار کو دیکھ کر حلیمہ نے اُٹھنا چاہا مگر اُٹھ نہ سکی۔

جبار۔ اُٹھو نہیں۔ ہائے۔ یہ کیا ستم ہو گیا۔ مجھے کسی نمک حرام ملازم نے بھی خبر نہ کی جمیل دوڑو اور فوراً شفاخانہ کی مس کو بلواؤ۔

حلیمہ نے میاں کو نہایت متردد و متوحش دیکھ کر نہایت نرمی سے کہا۔

حلیمہ۔ صاحب آپ اتنی فکر نہ کریں۔ اللہ شافی ہے۔

اتنے میں مس ڈاکٹر صاحبہ آموجود ہوئیں اور مریضہ کی حالت کا معائنہ کرکے کہا "بخار بہت تیز نہیں مگر خطرناک ضرور ہے۔ امید و بیم کا معاملہ ہے۔ شاید آپ کو کوئی بڑا صدمہ پہونچا ہے۔ جس نے قلب پر بہت اثر کیا۔ پس ان کا یہی علاج ہے کہ بالکل خوش رہیں ورنہ جلد مر جائیں گی (تفریحًا) تعجب ہے کہ آپ اسقدر حسین ہو کر بھی رنجیدہ ہیں۔

حلیمہ (جلدی سے) میرا پیارا بچہ بہت بیمار تھا اور اس کی زندگی کی امید نہ تھی۔ اس کی وجہ سے مجھے بہت پریشانی ہوئی ہے۔

آپ اسے سوء اتفاق فرمائیں یا حسن اتفاق۔ بہرحال جسوقت یہ باتیں ہو رہی تھیں اُسی وقت دلپسند ابنی میراثن بہن کے ہاں سے آگئی اس کی مصاحبہ نے آتے ہی اُس سے لگا دیا کہ جب سے تم گئی ہو سرکار ہر وقت بڑی بیگم کے پاس رہتے ہیں۔ اب بھی ہیں۔ اُنھوں نے سرکار پر ایسا جادو کیا ہے کہ وہ اُن پر دل و جان سے فدا ہیں اور انہیں کا دم بھرتے ہیں۔ تمہارے جانے کی خبر سُنکر سرکار نے تمہیں ہزاروں باتیں کہیں اور کہا اچھا ہوا کہ اسکا کالا موُنہ ہوا۔ میرا پیچھا چھوٹ گیا۔

کہا جاتا ہے کہ آتش رقابت نارِ جہنم سے زیادہ ناقابل برداشت ہے۔ دلپسند جل کر خاک ہو گئی۔ لگی چلا چلا کر رونے۔ اور چیخ چیخ کر جان کھونے۔ سر کے تمام بال نوچ ڈالے اور پیٹ پیٹ کر اپنا خون کرنے لگی۔ جونہی جبار "الٰہی خیر" کہتا ہوا کمرے سے نکلا دلپسند پنجے جھاڑ کر اسکے پیچھے پڑ گئی۔ ایک ایک موُنہ میں لاکھوں کوسنے ہزاروں دشنام سیکڑوں صلواتیں سُنانے لگی۔ بیچارے کو اتنا کہنے کا بھی تو موقعہ نہ ملا کہ ارے خدا کے لیے مس کو تو نکل جانے دو مس صاحبہ شور و غل سُنکر گھبراتی ہوئی نکلیں اور دلپسند کے مجنونانہ کارنامے دیکھکر دنگ رہگئیں اور جبار کی طرف غصہ سے دیکھکر کہنے لگیں۔

مس صاحبہ مسٹر جبار! یہ کیا ہنگامۂ محشر برپا ہے اس طوفان بے تمیزی میں تندرست بھی مرجائے۔ بھلا مریضوں کا یہاں کیا ٹھکانا؟ آپ اپنی بیگم صاحبہ کی سلامتی چاہیں تو انہیں ہمارے ہاسپٹل میں بھیجدیں۔

یہ کہکر مس صاحبہ تو رخصت ہو گئیں مگر راستہ بھر سوچتی رہیں کہ کیا ان مہذب ہندوستانیوں کی **ڈومیسٹک لائف** اسقدر وحشیانہ ہے؟ کیا یہی لوگ

کانفرنسوں میں یورپین اقوام کے دوش بدوش گورنمنٹ سے حقوق مانگتے ہیں کیا اس تصویر کا دوسرا رُخ اسقدر تاریک ہوتا ہے؟

جبار پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ غم و غصہ سے بیتاب ہو کر کہنے لگا۔

جبار۔ افسوس مجھے مونھ دکھانے کو جگہ نہ رہی۔ توبہ۔ توبہ۔ دیکھنے والے کیا جنم میں تھوکتے ہونگے۔ ارے اس بلا سے کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھٹتا۔ زندگی تلخ کردی۔ آئے دن کی توتو۔ میں میں۔ روز کی ہائے ہائے۔

یہ کہنا تھا کہ اس ذلیل جاہلہ نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیا محلے والو دوڑیو میری جان بچائیو میرا مرد مجھے تنہا پا کر ستا رہا ہے،، آن کی آن میں محلہ کا محلہ ٹوٹ پڑا مرد دروازے پر اور عورتیں گھر میں۔ جبار غریب کپڑے چھڑا کر چلتا بنا غرضکہ ایک قیامت صغرےٰ برپا ہو گئی۔

یہ کہرام سُنکر پولیس نے مداخلت کی اور وکیل صاحب کی رہی سہی جڑ سے کٹ گئی۔ بہزار دقت و رسوائی یہ مجمع منتشر ہوا۔ دلپسند افیون کھانے پر مصر تھی مگر لوگوں نے بڑی مشکل سے باز رکھا۔ جب دلپسند کے میکے میں یہ خبر پہونچی تو اسکے باپ۔ چچا ڈولی لیکر آچڑھے۔ خوب لڑے جھگڑے اور اپنی دختر نیک اختر کو لے گئے تمام شہر میں جبار کی وہ فضیحت ہوئی کہ پناہ بخدا۔ طرح طرح سے چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ بقول جبار کے واقعی اُسے مونھ دکھانے کو جگہ نہ رہی جسے دیکھو اس کی زبان پر یہی چرچا۔ جہاں جاؤ وہاں یہی ذکر کہ مشہور خودپسند و مغرور نوجوان جبار کا خانگی جھگڑا پولیس نے فرو کیا ؎

وہ بہت سر اُٹھا کے چلتے تھے — تو نے آخر زمیں کی دکھلائی

دوست۔ غیر۔ آیا گیا۔ سب ہی نے جبار کو قائل معقول کیا کہ ارے میاں! بھلا عورت ذات سے کوئی بھی ایسا سلوک کرتا ہے۔ بیویاں کچھ لونڈیاں نہیں ہوتیں۔

ان کی زیادتیوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ اول تو تمہیں بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا کہ دوسری شادی رچا بیٹھے۔ تم نے وہ مثل نہیں سُنی کہ دو ملاؤں میں ایک مرغی حرام عقد ثانی کو بڑا دل گردہ درکار ہی۔ میاں جبار شادیاں کرنی آسان ہیں لیکن نباہنا کارے دارد ؎

خنجر بہ کمر بستن عالم ہمہ کس داند   در عرصۂ جانبازاں استادہ شدن مشکل

اور جب کی تھی تو نباہا بھی ہوتا۔ جس خوبصورتی سے تم نے اپنی پہلی بیوی سے گزران کی کبھی کانوں کان کوئی جھگڑا نہ سُنا۔ جب سُنا یہی سنا کہ جس طرح جبار اپنی بیوی کے پامردہیں خدا کرے سب کے شوہر ایسے ہی ہوں۔ بس ایسے ہی دلپسند سے پیش آئے ہوتے،،

یہ الفاظ شرمسار مجروح جگر جبّار کے دل پر تیر و نشتر کا کام کرتے تھے اور اُس کے کانوں میں حلیمہ کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔

ہہ ہہ ہے ظلم الٰہی کمین! کیا فریاد مظلوماں میں کچھ بھی اثر نہیں؟

لیکن اگر کوئی ہم شے سے پوچھے تو ہمیں جبار سے مطلق ہمدردی نہیں یہ تمام مصیبتیں اس کے اعتراف کے بموجب اسی کے شامت اعمال کا نتیجہ تھیں،، ع

آرے ہمیں علاج دل ناصبور بود

(۸)

دن کے بارہ بجے ہیں، جون کا مہینہ ہی۔ تمازت آفتاب سے آدمیوں کا مغز پگھلا جاتا ہی۔ خصوصاً عدالت میں اسوقت اور بھی تپش ہی۔ حرارت آفتاب نے اسوقت صاحب کلکٹر کے مزاج کو بھی بہت گرم کر رکھا ہی۔ ادھر ڈویل۔ جلدی کرو نے سے اہلکاران پولیس کے ہاتھ پاؤں پھلا رہے ہیں اور ادھر اہل مقدمہ سے برہم ہو ہو کر تحقیقات کر رہے ہیں کہ ان بدنصیبوں کے آئے حواس غائب ہوئے جاتے ہیں۔

کانفرنسوں میں یورپین اقوام کے دوش بدوش گورنمنٹ سے حقوق مانگتے ہیں کیا اس تصویر کا دوسرا رُخ اسقدر تاریک ہوتا ہی؟

جبار پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ غم وغصہ سے بیتاب ہو کر کہنے لگا۔

جبار۔ افسوس مجھے موںھ دکھانے کو جگہ نہ رہی۔ توبہ۔ توبہ۔ دیکھنے والے کیا جہنم میں تھوکتے ہونگے۔ ارے اس بلا سے کسی طرح میرا پیچھا نہیں چھٹتا۔ زندگی تلخ کردی۔ آئے دن کی توتو۔ میں میں۔ روز کی ہائے ہائے۔

یہ کہنا تھا کہ اس ذلیل جاہلہ نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھالیا محلے والو دوڑیو میری جان بچائیو میرا مرد مجھے تنہا پاکر ستا رہا ہی، آن کی آن میں محلہ کا محلہ ٹوٹ پڑا مرد دروازے پر اور عورتیں گھر میں۔ جبار غریب کپڑے چھڑا کر چلتا بنا غرضکہ ایک قیامت صغرےٰ برپا ہوگئی۔

یہ کہرام سُنکر پولیس نے مداخلت کی اور وکیل صاحب کی رہی سہی جڑ سے کٹ گئی۔ بہزار دقت ورسوائی یہ مجمع منتشر ہوا۔ دلپسند افیون کھانے پر مصر تھی مگر لوگوں نے بڑی مشکل سے باز رکھا۔ جب دلپسند کے میکے میں یہ خبر پہونچی تو اسکے باپ۔ چچا ڈولی لیکر آچڑھے۔ خوب لڑے جھگڑے اور اپنی دختر نیک اختر کو لے گئے تمام شہر میں جبار کی وہ فضیحت ہوئی کہ پناہ بخدا۔ طرح طرح سے چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ بقول جبار کے واقعی اُسے موںھ دکھانے کو جگہ نہ رہی جسے دیکھو اس کی زبان پر یہی چرچا۔ جہاں جاؤ وہاں یہی ذکر کہ مشہور خود پسند ومغرور نوجوان جبار کا خانگی جھگڑا پولیس نے فرو کیا ہے

وہ بہت سر اُٹھاکے چلتے تھے ۔۔۔ تونے آخر زمیں کی دکھلائی

دوست۔ غیر۔ آیا گیا۔ سب ہی نے جبار کو قائل معقول کیا کہ ارے میاں! بھلا عورت ذات سے کوئی بھی ایسا سلوک کرتا ہی۔ بیویاں کچھ لونڈیاں نہیں ہوتیں۔

ان کی زیادتیوں کو برداشت کرنا چاہیے۔ اول تو تمہیں بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا کہ دوسری شادی رچا بیٹھے۔ تم نے وہ مثل نہیں سُنی کہ دو ملاؤں میں ایک مرغی حرام عقد ثانی کو بڑا دل گُردہ درکار ہی۔ میاں جبار شادیاں کرنی آسان ہیں لیکن نباہنا کارے دارد سے

خنجر بہ کمر بستن عالم ہمہ کس داند ۔۔۔ در عرصۂ جانبازاں استادہ شدن مشکل

اور جیب کی تھی تو نباہا بھی ہوتا۔ جس خوبصورتی سے تم نے اپنی پہلی بیوی سے گزران کی کبھی کانوں کان کوئی جھگڑا نہ سُنا۔ جب سُنا یہی سنا کہ جس طرح جبار اپنی بیوی کے پامرید ہیں خدا کرے سب کے شوہر ایسے ہی ہوں۔ بس ایسے ہی دلپسند سے پیش آئے ہوتے،،

یہ الفاظ شرمسار مجروح جگر جبّار کے دل پر تیر و نشتر کا کام کرتے تھے اور اُس کے کانوں میں حلیمہ کے یہ الفاظ گونج رہے تھے۔

”ہے ظلم الٰہی کہیں! کیا فریاد مظلومان میں کچھ بھی اثر نہیں؟

لیکن اگر کوئی ہم سے پوچھے تو ہمیں جبار سے مطلق ہمدردی نہیں یہ تمام مصیبتیں اس کے اعتراف کے بموجب اسی کے شامت اعمال کا نتیجہ تھیں،، ع

آرے ہمیں علاج دل ناصبور بود

(۸)

دن کے بارہ بجے ہیں، جون کا مہینہ ہی۔ تمازت آفتاب سے آدمیوں کا مغز پگھلا جاتا ہی۔ خصوصاً عدالت میں اسوقت اور بھی تپش ہی۔ حرارت آفتاب نے اسوقت صاحب کلکٹر کے مزاج کو بھی بہت گرم کر رکھا ہی۔ ادہر ُدیل۔ جلدی کرو،، سے اہلکاران پولیس کے ہاتھ پاؤں پھلا رہے ہیں اور ادہر اہل مقدمہ سے برہم ہو ہو کر تحقیقات کر رہے ہیں کہ ان بدنصیبوں کے آئے حواس غائب ہوئے جاتے ہیں۔

خیر یہ تو روزمرہ کی باتیں ہیں۔ لیکن آج قابل دید یہ منظر ہے کہ مسٹر جبار بی اے۔ ایل ایل بی۔ ملزمین کے زمرے میں ہیں۔ اس دلچسپ تماشہ کی نظارگی کے لیے بہت سے غیر متعلق تماشائیوں کا ہجوم ہے دلپسند کو نکلے ہوئے صرف چار روز گزرے ہیں مگر اس قلیل عرصہ میں جبار کی شکل میں نمایاں فرق ہو گیا ہے۔ صورت کی وجاہت و شان سب رخصت ہو گئی ایک نہایت معمولی لباس زیب بدن ہے۔ ؎

درد مندیم و بہ زمید ہد از سوز درد دل ۔۔۔ دہن خشک، ولب تشنہ و، چشم تر ما

سب سے اخیر میں انکا مقدمہ پیش ہوا تو معلوم ہوا کہ سرپرستان دلپسند نے بیس ہزار رقم مہر کا دعوے دائر کیا تھا اور اس کی فوری ادائگی پر مصر تھے۔ نیز دلپسند کی طرف سے جبر و تعدی بیجا کا الزام لگایا گیا تھا۔ کلکٹر صاحب نے جبار سے ایسے پیچیدہ سوالات کیے کہ اگر اس کی اعلیٰ قانونی قابلیت آڑے نہ آجاتی۔ تو خدا معلوم کلکٹر صاحب کیا حکم سنا دیتے؟

جبار کے حسن اظہار یا تلطف کردگار سے جبر و ظلم کا مقدمہ تو بالکل خارج ہو گیا مگر بیس ہزار کی یکمشت ادائگی ایک تازہ مصیبت تھی۔ فیصلۂ عدالت سن کر جبار نے سنجیدگی سے اپنی مالی حالت پر نظر ڈالی۔ لیکن مایوسی کی وحشت خیز شکل ڈرانے لگی۔ غریب کی مستقل ماہوار آمدنی اس قابل نہ تھی کہ اس جیسا خوش باش شخص اس میں سے کچھ پس انداز کر سکے۔ مسلمانوں کے عام تباہ کن مرض اسراف میں بھی مبتلا تھا۔

عدالت سے نکلکر جبار کے بعض نیک دل احباب نے مدعیوں کو بہت کچھ سمجھایا بجھایا آخر وہ حسب ذیل شرائط پر راضی ہوئے۔

(۱) جبار دو سال کے اندر اندر رقم مذکورہ ادا کرے (۲) دلپسند کو فوراً طلاق دیکر اُسے قید شرعی سے گلو خلاص کریں (تاکہ وہ کسی اور شامت زدہ شخص کی سرکوبی

کرے) چنانچہ جبّار نے بطیب خاطر جم غفیر کے سامنے دلپسند کو طلاق ثلثہ دیدی
اور باقاعدہ طلاق نامہ تحریر کر دیا۔ مصرعہ۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

ان روح فرسا امور سے نجات پا کر جبار اپنے مکان کی طرف راہی ہوا اور وہاں
پہونچتے ہی سیدھا بیمار و ناتواں حلیمہ کے پاس گیا۔ جمیل اپنے پیارے پیارے
ہاتھوں سے ماں کا سر دبا رہا تھا۔ حلیمہ بالکل غافل تھی۔ جبار اسے دیکھ کر حواس باختہ
ہو گیا۔ گھبرا کر نبض دیکھی۔ قلب کی حرکت معلوم کی اور دل ہی دل میں نہایت خشوع
وخضوع کے ساتھ بارگاہ صمدی میں مریضہ کی صحت یابی کی دعائیں کرنے لگا۔

اب وہ جبار ہی نہ تھا اس عظیم الشان تجربہ نے اُسکے دماغ سے ہیچو من دیگرے
نیست کا خیال باطل دور کر دیا تھا۔ آج وہ حلیمہ کا سچا قدردان دلدادہ اور فدائی
شوہر تھا مگر آہ قریب تھا کہ وقت بالکل ہاتھ سے نکل جائے حلیمہ کی صحت برباد ہو چکی
تھی اسوقت جبار ماسوا کو فراموش کیے ہوئے تھا۔ اگر خیال تھا تو اپنی جاں نثار بیوی کا
اور حسرت تھی تو یہ کہ بقیہ زندگی حلیمہ کی غلامی میں بسر کرے۔

جب حلیمہ کی غشی کو دیر ہو گئی تو جبار نے بے تابانہ اُسے آوازیں دینا شروع کر دیں
حلیمہ! حلیمہ بہر خدا آنکھیں کھولو اپنے خطاوار بدنصیب شوہر کی طرف نظر کرو۔
امۃ الحلیم! امۃ الحلیم! میرے ہوش اُڑے جاتے ہیں۔ میری وفادار بیگم! دیکھو
مجھے دغا نہ دینا"

حلیمہ نے چونک کر آنکھ کھولدی اور جبار اشک بار کی طرف نظر کی۔ اسکی مریضانہ
متغیر۔ رنجیدہ شکل کو بغور دیکھا اور نہایت محبت آمیز پیرایہ میں سبب پوچھا۔ خطا کار
اور سراپا انفعال جبار میں اب مطلق تاب ضبط نہ تھی۔ رومال سے موںھ چھپا کر
دل کھول کر آنسو بہائے۔ حلیمہ یہ حال دیکھ نہ سکتی تھی بمشکل اُٹھ کر اُسکے ہاتھ علیحدہ کر دیئے

اور ہمت دل سنبھالنے کی فہمایش کی اور بات ٹالنے کے لیے دوسرا تذکرہ چھیڑدیا

حلیمہ۔ کیسے مقدمہ کا کیا انجام ہوا۔ عدالت نے کیا فیصلہ کیا۔

جبّار نے بات بنانا چاہی مگر حلیمہ نے کہا۔

حلیمہ۔ آپ کو قسم ہی۔ مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھیں۔ شاید میں صلاح نیک دے سکوں۔

جبّار نے مجبوراً من وعن سب حال کہا۔ حلیمہ متانت وخاموشی سے سنتی رہی اختتام پر سرہانے سے ایک طویل خط نکال کر جبار کو دیا

حلیمہ۔ آپ مطلق پریشان نہوں۔ خدا مسبب الاسباب ہی۔ لیجیے یہ خط کل شام مجھی ملا ہی۔ اس میں لکھا ہی کہ میری خالہ جان کا انتقال ہوگیا (یہاں پہونچکر غم وضعف گریہ سے کچھ سکوت کیا) یہ تو آپ کو معلوم ہی تھا کہ اُنھوں نے اپنی بہت بڑی جائداد میرے نام کر دی تھی۔ بس اس خط میں میری والدہ نے یہی لکھا ہی کہ یہاں آکر اپنی ریاست کا انتظام کرو۔ اب آپ آسانی سے دلپسند کی مہر ادا کر سکتے ہیں۔ اگر روپیہ کی فوراً ضرورت ہو تو جائداد کا ایک حصہ فروخت کر ڈالیے۔ اگر آپ کہیں تو ابھی لکھدوں۔ کیونکہ مجھے اپنی بیماری کا انجام معلوم نہیں۔

یہ کہکر شدت نقاہت سے حلیمہ نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔

اس شوہر پرستی اور ایثار نفسی نے جبار کو بیتاب کر دیا۔ اور اسی مغرور جبار نے (جس کی بے التفاتیوں نے حلیمہ کے دل میں ناسور ڈالدیئے تھے) صدق دل سے ہاتھ جوڑکر اپنی گزشتہ ناقابل تلافی بدسلوکیوں کی معافی چاہی۔

جبار۔ میری مایۂ ناز قابل پرستش حلیمہ! تمہاری وفاداری احاطۂ شکر گزاری سے باہر۔ اور تمہارے احسانات حدمعاوضہ سے متجاوز۔ میرا مونھ اس قابل نہ تھا کہ تم جیسی یگانۂ روزگار خاتون کا شوہر بنوں۔ میں نے اس انعام خداوندی کی بُری طرح

ناشکری کی۔ آہ میں بے انتہا گنہگار ہوں۔ اب میں تم سے فقط نگاہ مغفرت کا خواستگار ہوں۔ جس امر کی نسبت تم نے ابھی اشارہ کیا ہے۔ خدا مجھے اُس دن کو نہ رکھے جو میں ایک منٹ کے لئے بھی گوارا کروں۔ آیندہ یہ ناگوار لفظ کبھی زبان پر نہ لانا۔ خدا تمہیں اپنی ریاست سے بہرہ اندوز کرے میری فکر نہ کرو انشاء اللہ رفتہ رفتہ سب ادا ہو جائیگا۔ امۃ الحلیم! تمہاری حلم و فرماں برداری نے مجھے ہمیشہ کے لیے اپنا خادم اپنا بندۂ بے درم بنا لیا اور میں پروردگار عالم کو حاضر و ناظر سمجھ کر حلفیہ قسم کھاتا ہوں کہ پھروں جو تجھ سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے"

امۃ الحلیم۔ آپ یہ کیا ستم کرتے ہیں؟ میں آپ کی وہی فرماں بردار کنیز ہوں اور آخر دم تک رہوں گی۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں نہایت صدق دل سے خدا کو گواہ کر کے آپ کی تمام کوتاہیاں معاف کرتی ہوں۔

پیاری ناظرات! کب تک آپ کے بے بہا وقت کا خون اپنی گردن پر لوں۔ بہتر ہی کہ جو رہ گیا یہ مصرعہ دہراتی ہوئی آپ سے خدا حافظ کہوں۔

مردے باید کہ ایں کارا تو آید و لنسواں چنیں کنند

راقمہ

ز۔ خ۔ ش

علامہ سید رشید رضا آفندی

امسال ندوۃ العلمار کے منتظمین نے علامہ سید رشید رضا آفندی کو جو مصر کے مشہور اسلامی رسالہ المنار کے اڈیٹر اور امام وقت شیخ محمد عبدہ مرحوم مفتی دیار مصریہ کے شاگرد رشید اور جانشین ہیں۔ ندوہ کے اجلاس کی صدارت کے لیے بلایا۔

علامہ موصوف نے جو مسلمانوں کے سچے بہی خواہ ہیں اور جن کی ذات اس پس ماندہ قوم

کی ترقی کے اسباب میں کوشاں رہتے ہیں۔ بطیب خاطر اس دور دراز سفر کو اختیار کیا۔ اور مصر سے تشریف لا کر ندوہ کے سالانہ اجلاس کی کرسی صدارت کو رونق بخشی۔ اور نہایت مفید ہدایات فرمائیں۔ مولانا ممدوح ہندوستان کے مختلف شہروں کو دیکھتے ہوئے ۱۲۔ اپریل کو علیگڈھ میں تشریف لائے جہاں کالج کے تمام متعلقین انکے لیے چشم براہ تھے۔ اور کم سے کم خاکسار راقم کو تو اُن کی ملاقات کا شوق بیحد تھا۔ کچھ تو اسوجہ سے کہ اہل علم کی زیارت اور اُن کا دیکھنا ایک طرح کی عبادت ہے۔ بالخصوص ایسا زبردست عالم جس کی کوشش پانچوں بر اعظم کے مسلمانوں کو یکساں فائدہ پہونچا رہی ہے۔ جسکا رسالہ المنار حقیقتاً دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے ایک اصلاحی تمدنی، مذہبی اور روحانی چراغ ہے۔ اور جس کی لیاقت۔ صداقت اور نیک نیتی پر تمام دنیا کے مسلمان عقلاً متفق ہیں۔ اور اسکے قول کو معتبر اور مستند تسلیم کرتے ہیں۔ درحقیقت اسوقت تمام علماء اسلام میں علامہ موصوف ہی کی ایک ذات ایسی ہے جسپر یہ شعر صادق آتا ہے۔

مستند ہی اُس کا فرمایا ہوا — سارے عالم پر ہے وہ چھایا ہوا

ایسے ہی علما وارث انبیا ہیں۔ اور یہی لوگ اسلام کے علم بردار اور اُمت کے مصلح اعظم ہیں۔

اور کچھ اسوجہ سے کہ متواتر آٹھ دس برس سے میں المنار کے پڑھنے والوں میں سے ہوں مفتی مرحوم کی اکثر کتابیں اور علامہ موصوف کی زیادہ تر تحریریں اور تقریریں میں نے پڑھی ہیں اور ان دونوں استاد و شاگرد کی میرے دل میں وہی عظمت ہے جو علامہ ابن تیمیہ حرانی اور انکے شاگرد علامہ ابن قیم کی ہے۔ پرسوں کالج کی جامع مسجد میں یہ معلوم کرکے کہ علامہ رشید رضا آرہے ہیں اور وہی نماز بھی پڑھاوینگے۔ دل خوشی سے اُچھلنے لگا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد وہ مقدس رخ نظر آیا جسکے اشتیاق دید کے لیے دل بیتاب تھا اور جو صورتاً اور سیرتاً ہر لحاظ سے نور ہی نور تھا۔ جسکے اوپر اللہ تعالیٰ کا یہ کلام صادق آتا ہے "وزادہ بسطة فی العلم والجسم"۔

علامہ ممدوح نے جو خطبہ پڑھا اور نماز کے بعد جو فصیح و بلیغ عربی زبان میں وعظ فرمایا وہ ایک عجیب روحانی غذا تھی جسکا مزہ دل کو ہمیشہ یاد رہے گا۔

کل دوپہر کے کھانے پر نواب وقار الملک بہادر نے علامہ موصوف کی ملاقات اور ہمکلامی کے لیے چند خاص لوگوں کو مدعو فرمایا۔ نواب صاحب ممدوح کی ذرہ نوازی سے خاکسار بھی شریک تھا۔ دو گھنٹہ تک مختلف قسم کے اصلاحی اور مذہبی معاملات کے متعلق گفتگو رہی۔ مولانا ممدوح ہر ایک امر کی بابت جنکا تعلق مسلمانوں کے معاملات سے ہی ایک نہایت چھنی چھنائی مدلل اور روشن رائے رکھتے ہیں۔ در اصل اُنکے سر میں ایک بیدار مغز ہی۔ اُن کی دلنشین باتیں سُنکر میرے دل میں اُنکی جو محبت اور عقیدت تھی وہ زیادہ بڑھ گئی۔

اس تمہید کے بعد میں خاتون میں اس گفتگو کا خلاصہ لکھنا چاہتا ہوں جو مسئلہ تعلیم نسواں سے تعلق رکھتی ہی۔

علامۂ موصوف نے فرمایا۔

عورتوں کی تعلیم کے متعلق میری رائے ہی کہ ان کی ضرویات کو پیش نظر رکھکر اسکے مطابق تعلیم دیجائے۔ تعلیم عام طور پر ان کی مادری زبان میں ہونی چاہیے غیر زبانوں کی تعلیم بجز خاص ضرورت کے عورتوں کے لیے غیر ضروری ہی۔ اور وہ خاص ضرورت مثلاً یہ ہی کہ مثلاً اگر کوئی عورت ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہی تو اُسکو کسی غیر زبان سے واقف ہونا چاہیے۔ کیونکہ دواؤں کے نام وغیرہ پڑھنا اور اُن میں امتیاز کرنا ناممکن ہی جب تک کہ وہ مثلاً انگریزی یا فرانسیسی جانتی ہو جبھی لیکن عام طور پر تعلیم اپنی ملکی ہی زبان میں ہونی چاہیے۔ حفظان صحت عورتوں کے نصاب کا اسقدر ضروری حصہ ہی جسقدر خانہ داری اور تدبیر منزل۔ کیونکہ موجودہ نسل کا ایک اہم فرض ہی کہ وہ آیندہ نسلوں کی تندرستی کی حالت اچھی رکھنے کی کوشش کریں۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہی جبکہ عورتوں کو اُصول حفظان صحت سے واقفیت ہو۔ علاوہ بریں عورتوں کی تربیت کا سنگ بنیاد صحیح مذہبی اُصول پر ہونا چاہیے۔ اور دینیات کا حصہ اُنکے نصاب کا اہم ترین جزو ہو۔

نیز اپنی قومی۔ ملی اور مذہبی تاریخ بھی انکو پڑہانی چاہیے۔ کیونکہ اس سے دماغ میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اور قدیمی صفات قائم رہتے ہیں حساب۔ جغرافیہ اور کسی قدر تاریخ عام بھی پڑہانا اُن کو ضروری ہے۔

بعض لوگوں نے یورپین اثر سے متاثر ہو کر یہ رائے دی ہے کہ عورتونکو تعلیم اُسی آزادی سے مسلمانوں کو بھی دینا چاہیئے جس آزادی سے یورپین لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس قسم کی کورانہ تقلید بجائے مفید ہونیکے ملت اسلامیہ کے حق میں برباد کن ثابت ہوگی اسلیئے کہ اس طریقے سے رفتہ رفتہ چند نسلوں کے بعد ہمارے اسلامی صفات ملیامیٹ ہو جائینگے۔ اور لباس و طرز بود و باش وغیرہ کے بدلنے کے ساتھ ساتھ ہم اُس تاریکی میں جا پڑینگے جو اسلام سے بہت دور ہے۔ اور ہمارے اخلاق و عادات میں ایسا فرق آجائیگا جو اسلام کے اور صحیح اخلاقی اُصول کے بالکل مخالف ہے۔

اسکے بعد میں نے ہندوستان کی مسلمان عورتونکی تعلیمی حالت بیان کی۔ اور پردہ کی وجہ سے یہاں جو دشواریاں انکی تعلیم کے متعلق ہیں اُنکو بھی ظاہر کیا۔ نیز علیگڈہ کے کارکنوں نے تعلیم نسواں کے متعلق جو کچھ کیا ہے یا جو کرنا چاہتے ہیں اسکا خاکہ بھی پیش کیا۔ اسپر فرمایا کہ عورتوں کی جہالت درحقیقت قومی جہالت ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے بچے جو درحقیقت آیندہ قوم ہیں تربیت کے ابتدائی مواقع سے محروم رہ جاتے ہیں اور پھر بڑے ہو کر وہ صحیح تربیت کا راستہ مشکل سے پاتے ہیں۔ اسلیئے جسقدر کوشش ممکن ہو عورتوں کی تعلیم میں کرنا چاہیئے۔ عقلاً، نقلاً، شرعاً اور عرفاً ہر طرح عورتوں کو تعلیم دینا ضروری ہے۔

پیشتر مسلمان عورتیں تعلیم سے بے بہرہ نہ تھیں بلکہ ہر ایک علم کو وہ حاصل کرتی تھیں۔ اگرچہ اُن عالمہ و فاضلہ عورتوں کے نشانات صفحات تاریخ پر

بہت کم ہیں۔ کیونکہ ان کی توجہ منزلی معاملات کی طرف رہتی تھی۔ اور تصنیف و تالیف کیطرف مائل ہونیکا اُنکو کم موقع ملتا تھا۔ تاہم پھر بھی ایسے تاریخی ثبوت موجود ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ ہماری گزشتہ خواتین علم کی اُس سے کم شائق نہ تھیں جسقدر کہ مرد تھے۔

مصر میں اسوقت عورتوں کی تعلیم قریب قریب مردوں کی تعلیم کے ہے۔ لیکن وہاں یہ دشواریاں نہیں ہیں جو ہندوستان میں ہیں۔ لڑکیاں بے تکلف مدرسوں میں جاتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں ساتھ تعلیم پاتے ہیں۔ ابتدائی اور ثانوی تعلیم دونوں کی ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے۔ البتہ یونیورسٹی میں ایک شعبہ مخصوص عورتوں کے لیے قرار دیا گیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ

پردہ کے لحاظ سے قاہرہ جو اسوقت تکلفات اور ترفہات کا مخزن ہے نہایت بدترین حالت میں ہے۔ عورتیں بے تکلف باہر نکلتی ہیں۔ آنکھ۔ پیشانی۔ کان۔ گردن اور رُخ کا کسی قدر حصہ کھُلا رہتا ہے۔ ناک سے تھوڑی تک البتہ ایک ریشمی پردہ مونھ پر پڑا رہتا ہے اور وہ اسقدر باریک ہوتا ہے کہ جب وہ سڑک پر ہنستی ہیں تو جو آدمی کوٹھے پر کھڑا ہوا ہو اُسکو بے تکلف اُنکے دانت نظر آجاتے ہیں۔ کلائیاں بھی کھُلی رہتی ہیں

ٹرکی میں بھی پردہ کی زیادہ پابندی نہیں ہے۔ عورتیں بیشک مونھ پر ایک نقاب ڈال کر نکلتی ہیں جس سے تمام چہرہ چھُپا رہتا ہے۔ لیکن عام طور پر خرید و فروخت کے وقت نیز بازاروں میں اکثر موقع پر وہ اس نقاب کو اُٹھا کر پس پشت ڈالدیتی ہیں اور بالکل مونھ کھول کر پھرتی ہیں۔

نابلس وغیرہ میں پردہ صحیح شکل میں ہے۔ یعنی وہ نقاب ڈال کر نکلتی ہیں اور جہاں تہاں اُسکو اُلٹ نہیں دیتیں۔ مگر ہندوستان جیسا عجیب و غریب پردہ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ یہاں کی عورتیں جو برقع پہن کر نکلتی ہیں وہ اس قسم کا ہوتا ہے کہ گویا ایک خیمہ ہے جسکا ستون خود عورت ہے۔

اس مذاق پر تعلیم نسواں کا سلسلہ ختم کر کے ہم دوسرے مسائل پر گفتگو کرنے لگے۔

۱۴- اپریل سنہ ۱۹۱۲ء　　　　　اسلم

اڈیٹوریل

تجویز۔ علیا حضرت ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال بالقابہا کی ایک تجویز دہلی میں زنانہ اسکول قائم کرنے کے بارہ میں ہمارے پاس بغرض اشاعت موصول ہوئی ہے۔ ہمنے علیا حضرت کی خدمت میں لکھا تھا کہ اس تجویز کو اپریل نمبر خاتون میں شائع کرینگے۔ مگر اسکی بابت چند سوالات بھی ہر ہائنس کی خدمت عالیہ میں ہم نے بغرض استفسار بھیجے تھے جس سے تجویز مذکورہ کی پوری تشریح ہوتی ہے اور اسکا ہر پہلو روشن ہو جاتا ہے اب چونکہ اپریل نمبر خاتون تیار ہو گیا ہے اور ابھی تک سوالات مرسلہ کے جوابات نہیں آئے ہیں اسلیے ہم اس پرچہ کی اشاعت تعویق میں ڈالنی مناسب نہیں سمجھتے۔ تجویز مذکورہ آیندہ نمبر میں معہ اُن سوالات کے جو ہم نے بھیجے ہیں اور اُنکے جوابوں کے انشاء اللہ ہم شائع کرینگے۔

عملی زنانہ تعلیم۔ دہلی اندر پرست بالکا ودیالہ کے نام سے لڑکیوں کا ایک اسکول ہے۔ اسمیں عملی تعلیم دیجاتی ہے۔ حال میں یہاں کی لڑکیوں سے کھانا پکانے میں مقابلہ کا امتحان لیا گیا۔ انکو پانچ قسم کا کھانا تیار کرنیکے لیے حکم دیا گیا۔ اوّل درجہ کا کھانا پکانے کا ایک انعام بھی تھا جسکو ایک لڑکی رمپا نامی نے حاصل کیا۔ کیونکہ اسکا پکا ہوا کھانا بہت لذیذ اور مزیدار تھا۔

اس اسکول میں کھانا تیار کرنے کی ترکیب سکھانیکے لیے ایک کلاس کھلی ہوئی ہے۔

ایک لڑکی کی قابلیت۔ نواب فصیح الدین احمد خاں بہادر اول تعلقہ دار اورنگ آباد دکن کی پنجسالہ صاحبزادی کو جسکا نام ممتاز جہاں بیگم ہے۔ اس کی اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکچر دینے پر اعلیٰ حضرت نظام نے پانچ اشرفیاں بطور انعام کے دیں۔ اس بچی نے اعلیحضرت کے سامنے تعلیم نسواں پر لکچر دیا تھا۔

عورت میونسپل کمشنر۔ بیشتر مسز موتی لال نہرو نے الہ آباد کی میونسپلٹی میں ممبر ہونیکی غرض سے امیدواری کی تھی۔ یہ شاید کسی ہندوستانی عورت کے لیے پہلا موقع ہے کہ سادھارن برہمو سماج کلکتہ کے لیڈر پنڈت شیوناتھ شاستری کی دختر صاحبہ مس ہیم لتا سرکار دارجیلنگ کی میونسپل کمیٹی کی ممبر ہو گئی ہیں۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۔ (۲۷۱)

خاتون

جلد ۶ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۵

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ۔ ایل ایل ۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

(۱) نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ ...... حافظ محمد اسلم صاحب ۱
(۲) ایک جہاز کی تباہی ...... شیخ عبداللہ صاحب بی اے ۔ ایل ایل بی ۹
(۳) جاپان .... سید خورشید علی صاحب ۱۶
(۴) مجوزہ دہلی گرلز اسکول ... علیاحضرت بیگم صاحبہ والی بھوپال ۲۳
(۵) زنانہ اسکول علیگڈھ ...... رابعہ سلطان بیگم صاحبہ ۳۶
(۶) اڈیٹوریل ۳۸

باہتمام خاکسار عبداللطیف پرنٹر

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

شیخ عبداللہ پبلشر نے علیگڈھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اس کی سالانہ قیمت ۱؎ ہے اور ششماہی ۱۲؍ ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جب تک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈھ ہونی چاہیے۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ
خلد مکان

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ اپنے والد ماجد کے انتقال کے بعد جب بھوپال کی مستقل رئیسہ ہوئیں تو ان کی عمر صرف آٹھ سال چند مہینے کی تھی۔ ان کی تمام تر تعلیم و تربیت ان کی والدہ نواب سکندر بیگم صاحبہ کے زیر اہتمام ہوئی۔ اُنھوں نے اُردو فارسی، سیاق و سباق میں بہت اچھی لیاقت حاصل کی اور اس کے علاوہ فنون سپہگری شہسواری وغیرہ میں بھی مہارت پیدا کی۔

جب ان کی عمر ۱۶ سال کو پہونچی تو ان کی شادی ریاست کے سپہ سالار نواب امراؤ دولہ باقی محمد خاں کے ساتھ ہوئی۔

چونکہ نواب سکندر بیگم صاحبہ اس قانون سے کہ بیگم کا شوہر ریاست کا مستقل رئیس ہو بہت کچھ تلخیاں اور تکلیفیں اُٹھا چکی تھیں۔ اس لیے اُنھوں نے اپنی بیٹی کا نکاح کرنے سے پہلے ہی یہ معاملہ گورنمنٹ سے طے کر لیا کہ ریاست کی مستقل رئیسہ بلحاظ وراثت کے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ ہی رہیں اور اُن کا شوہر برائے نام

نواب ہو۔

اس شادی کے کچھ دنوں بعد غدر ہوا جس میں نواب سکندر بیگم صاحبہ نے نہایت دانشمندی سے ریاست کو اپنے قابو میں رکھا اور اس کی حفاظت کی۔ جس سے گورنمنٹ بہت خوش ہوئی۔ اسلیے بعد غدر کے ۱۲۷۶ھ میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے باوجود مستقل رئیسہ ہونے کے کمال سعادت مندی سے اپنی محترمہ، مدبرہ اور منتظمہ والدہ ماجدہ کو ریاست کی حکومت سپرد کر دی اور خود اُن کے سایۂ عاطفت میں ولی عہد رہنا منظور کیا۔

۱۲۷۴ھ میں نواب سلطان بیگم صاحبہ بالقابہا موجودہ فرماں روائے ریاست بھوپال پیدا ہوئیں۔ اور ۱۲۷۷ھ میں دوسری بیٹی سلیمان جہاں بیگم صاحبہ کی ولادت ہوئی۔ لیکن ابھی ان کی پانچ سال کی بھی عمر نہ ہوئی تھی کہ ۱۲۸۲ھ میں انتقال کر گئیں ۱۲۸۴ھ میں نواب امراؤ دولہ باقی محمد خاں حج سے بیمار ہو کر واپس آئے اور قضا کر گئے اور اسکے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نواب سکندر بیگم صاحبہ نے وفات پائی۔

ان پیاپے جانکاہ صدموں نے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی نگاہ میں دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچ دیا۔ چنانچہ انھوں نے نہایت شکستہ دلی کے ساتھ فرمایا ہے۔ ؎

اے چرخ چہ کردی سلیمان و سکندر کز تو ہوس عیش بود شاہجہاں را

نواب سکندر بیگم صاحبہ مرحومہ کی رسم عزاداری کے بعد دوبارہ ۱۲۸۵ھ میں وہ سریر آرائے ریاست ہوئیں۔

صدر نشینی کے بعد اُنھوں نے دیکھا کہ ریاست کی انتظامی حالت بہت ابتر ہے نواب سکندر بیگم صاحبہ اپنی آخری زندگی میں چونکہ سفر حج اور دورون میں مصروف

رہیں اسلیے حکم طلب کاغذات کے انبار دفتر میں جمع ہوگئے تھے۔ رعایا کے ہزاروں مقدمات ملتوی پڑے ہوئے تھے۔ خزانۂ ریاست پر سات لاکھ کا قرض کا بار تھا۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے نظم ونسق کرنا شروع کیا۔ حکم طلب کاغذات پر احکام لکھوا کر دفتر سے نکالا۔ ساڑھے تیرہ ہزار غیر منفصلہ مقدمات کی مسلیں جو پڑی ہوئی تھیں اور جس سے رعایا سخت مشکل میں گرفتار تھی نہایت عمدگی سے تقسیم عمل کے اصول پر چھانٹ چھانٹ کر جن جن محکموں کے متعلق تھیں سپرد کی گئیں۔ اور اسکے بہت جلد حسب ضابطہ فیصل کر دینے کی بابت احکامات صادر کئے گئے۔ جہاں جہاں عملہ ناکافی تھا وہاں وہاں اضافہ کیا۔ اور ایک خاص محکمہ۔ محکمہ تحقیقات سنین ماضیہ کے نام سے قائم کیا جو اس بات کی دیکھ بھال رکھے اور نیز امداد کرے کہ وہ مقدمات جلد اور باقاعدہ طے کر دیئے جائیں۔ اس طرح پر وہ مقدمات منفصل ہوگئے۔ اور خوش اسلوبی کے ساتھ ریاست کا کاروبار چلنے لگا۔

قرضہ بھی تین چار سال کے اندر بیباق کر دیا۔ اور ریاست اس بھاری بوجھ سے سبکدوش ہوگئی۔

انھوں نے بھی اپنی محترم والدہ کی طرح ریاست کے مختلف اوقات میں دورے کیے اور رعایا کی حالت سے واقفیت حاصل کرکے اُن کی ضروریات کا بندوبست فرمایا۔ انتظام میں بہت کچھ صلاحیں کیں جس سے رعایا کو آرام ملا۔ اور سرکار انگریزی نے اس کی مدح و تعریف فرمائی۔

انھوں نے تمام ریاست کا کپاسی پیمایش کی رو سے بندوبست کرایا جس سے اُس کے محاصل میں اضافہ ہوا۔ اور رعایا کے ساتھ ہر طرح کی ممکن رعایتیں برتیں

کاشتکاروں اور ٹھیکہ داروں کو معافیاں دیں۔

انھوں نے قانون میں حسب ضرورت ترمیم کی اور از سر نو اسکو نہایت عمدگی سے مرتب کرایا۔ عدالت کے لیے جوڈیشل محکمے قائم کیے۔

فوجی معاملات کی طرف بھی اُنھوں نے توجہ فرمائی۔ چونکہ وہ خود حوصلہ مند اور بہادر تھیں اسلیے فوج سے اُن کو دلچسپی تھی۔

انھوں نے اپنے لیے باڈی گارڈ کا ایک رسالہ مرتب کیا۔ جو ہر لحاظ سے نہایت شاندار تھا۔ ریاست میں پہلے بیلوں کا توپ خانہ تھا انھوں نے ایسی توپ خانہ قائم کیا۔ سواروں کی حالت درست کی اور ان کی تنخواہ میں اضافہ فرمایا۔ لاکھوں کے صرفہ سے رجمنٹ اعانت شاہی قائم کی۔

رفاہ عام کے کاموں کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتی تھیں۔

انھوں نے مفصلات میں پختہ سڑکیں بنوائیں جو علاقہ جات غیر سے جا کر ملگئی ہیں۔ جہاں پانی کی تکلیف تھی وہاں کنوے کھدوا دیئے۔ رعایا کے آرام کے لیے جا بجا گھاٹ بنوا دیئے۔

ملکہ معظمہ کی پنجاہ سالہ جبلی کی یادگار میں ڈیڑہ لاکھ روپیہ کے صرفہ سے ایک نہر تیار کرائی جس سے شہر کے وہ حصے بھی سیراب ہوگئے جہاں پانی کی سخت ضرورت تھی۔ اور کوسوں تک دیہات میں اس سے آب پاشی ہونے لگی۔

محکمہ سنیٹشن مقرر کیا۔ پرگنوں میں یونانی اور ڈاکٹری شفا خانوں کا بندوبست فرمایا۔ خاص بھوپال میں بہت سے یونانی شفاخانے اور پرنس آف ویلز ہاسپٹل کھولا۔ لیڈی لینسڈاؤن ہاسپٹل کا افتتاح کیا جس میں عورتوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ نیز اس میں دائیوں کو تعلیم دی جاتی ہے جو ریاست میں مفصلات کی عورتوں کو فائدہ پہونچاتی ہیں۔

مزدوری پیشہ طبقے کے لیے سات لاکھ کے صرفہ سے ایک عظیم الشان کاٹن مل قائم کی۔

انھوں نے ریاست میں ڈاک خانے جاری کیے۔ تار برقی کے نہونے سے بہت تکلیف اور کاروباری اور تجارتی دقتیں تھیں۔ ہزاروں روپیہ صرف کرکے تار برقی کا سلسلہ جاری کرایا۔

بھوپال میں ریلوے نہ تھی۔ علاوہ آمدو رفت اور تجارتی تکالیف کے اس کے نہ ہونے سے ایک دقت یہ بھی کہ قحط کے زمانہ میں جسکے یہاں اکثر حملے ہوتے رہتے تھے۔ سخت تکلیف کا سامنا ہوتا تھا۔ اس لیے یہ تجویز کی گئی کہ ریلوے نکالی جائے چنانچہ بڑی پٹری کی لائن ۱۳۰۲ھ میں اٹارسی سے نکالی گئی جو بینا۔ جھانسی اور گوالیار ہوتی ہوئی ٹونڈلہ سے ملا دی گئی۔ اس ریلوے کے لیے نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے پچاس لاکھ روپیے دیئے۔ جس سے علاوہ بہت سے آرام اور آسائیوں کے ایک بڑی رقم ان روپیوں کے آمدنی کی ہر سال ریاست کے خزانہ میں داخل ہوتی ہے۔ ۱۸۹۶ء میں بھوپال سے ایک شاخ اجین کو نکالی گئی۔ حدود ریاست میں اس ریلوے کی تعمیر کا صرفہ اُنیس لاکھ تھا جو ریاست کے خزانے سے دیا گیا۔ اس کی آمدنی بھی سالانہ ریاست کو ملتی ہے۔

ریاست کی خاص علامتوں میں سے ایک علامت سکّہ بھی ہے اور ہر رئیس کو اپنے نام کا سکہ بہت محبوب ہوتا ہے۔ ریاست بھوپال میں بھی ایک جداگانہ سکّہ خاص ریاست کا رائج تھا جو وہیں کے دارالضرب میں مسکوک ہوتا تھا۔ مگر انگریزی روپیے سے تبادلہ میں اسپر مختلف اوقات میں مختلف بٹہ لگتا تھا۔ جس سے تجارت کے معاملات میں پیچیدگیاں پڑ جاتی تھیں۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے محض رعایا کے آرام کے خیال سے اس سکّہ کو

اُٹھا دیا اور اسکے بجائے ۱۳۱۵ھ سے سکہ انگریزی ریاست میں جاری کر دیا۔

انھوں نے بھوپال میں انگریزی تعلیم کے لیے ایک ہائی اسکول کھولا۔ ایک بہت بڑا مدرسہ جہانگیریہ اپنے محترم باپ جہانگیر محمد خاں کے نام سے جاری کیا۔ جس میں سینکڑوں طلبا کو تعلیم کے لیے وظیفے دیئے جاتے تھے۔ نیز نواب صدیق الحسن خاں مرحوم کے مزار پر بھی ایک مدرسہ قائم کیا۔ پرنس آف ویلز کے نام سے ایک صنعت و حرفت کا اسکول کھولا جس میں دری بافی، نواڑ، چکن، قالین، خیمہ دوزی، سلائی کا کام وغیرہ بہت سی چیزیں سکھائی جاتی ہیں۔

اپنے نام سے ایک مطبع شاہجہانی قائم کیا جہاں سے ہفتہ وار ایک اخبار عمدۃ الاخبار کے نام سے جاری کیا۔

ان کی ان تمام کوششوں پر گورنمنٹ نے بہت خوشنودی ظاہر کی۔ اور انکی معدلت گستری اور رعایا پروری کی کیفیت سنکر ملکہ معظمہ نے ازراہ قدردانی ۱۲۸۹ھ میں جی سی۔ ایس۔ آئی۔ اور پھر ۱۲۹۶ھ میں کراؤن آف انڈیا کا خطاب عطا فرمایا۔ کلکتہ اور بمبئی کے درباروں میں نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ وہ شریک کی گئیں۔ ۱۲۹۳ھ کے دہلی دربار میں ملکہ معظمہ کی طرف سے ان کو نشان شاہی اور تمغہ قیصر ہند عطا ہوا۔

جنگ روم و روس میں انھوں نے دو لاکھ روپے مسلمان مجروحین جنگ کی تیمارداری اور ان کی بیواؤں اور یتیموں کی پرورش کے لیے بھیجے تھے اس کے صلے میں سلطان عبدالحمید خاں نے تمغہ شفقت درجہ اول اور شکریہ کے خطوط بھیجے

اِن کے عہد میں ریاست کا اعزاز بہ نسبت سابق کے بہت بڑھ گیا۔ بڑے بڑے انگریزی حکام وہاں آنے لگے۔ لارڈ فریڈرک رابرٹس کمانڈر انچیف افواج ہند لارڈ لینسڈاون، لارڈ ایلگن اور لارڈ کرزن اپنے اپنے عہد میں بھوپال میں

رونق افروز ہوئے اور بیگم صاحبہ کی شاہانہ مہماں نوازی کی بہت تعریف فرمائی۔
ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کے پہلے شوہر نواب باقی محمد خاں ۱۲۸۴ھ میں انتقال فرما گئے۔ اس کے بعد بعض خیرخواہوں نیز سرکاری افسروں نے بیگم صاحبہ کو نکاح ثانی کا مشورہ دیا۔
باوجود اسکے کہ نکاح ثانی ہندوستان کے مسلمانوں باخصوص امرا کے گھرانوں میں ہندوؤں کے اثر سے اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا لیکن انھوں نے اسکا کچھ خیال نہیں کیا اور شرع شریف کے حکم کے مطابق نواب صدیق الحسن خاں صاحب سے جو ریاست کے میر دبیر تھے اور بلحاظ سیادت خاندانی و فضل و کمال و سیرت و صورت کے پسندیدہ معلوم ہوئے بمنظوری گورنمنٹ نکاح ثانی کر لیا۔
لیکن چونکہ یہ نکاح ایک غیر کفو کے شخص سے ہوا تھا اسلیے قدرتاً کچھ ایسے خانگی جھگڑے پیش آئے کہ جس سے بیگم صاحبہ اور اسکے قریب ترین اعزہ میں سخت ناچاقی واقع ہو گئی یہاں تک کہ وہ شہر چھوڑ کر تاج محل میں چلی گئیں - اور پھر ایک چوتھائی صدی یعنی مرتے دم تک شہر میں نہ آئیں۔ اور نہ اُن عزیزوں سے ملنا گوارا کیا۔
عالی دماغ لوگوں کی زندگی کا خاتمہ اکثر درویشی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ بیگم صاحبہ کی طبیعت پر بھی آخری زندگی میں درویشی بہت غالب آگئی تھی۔ تلاوت، ریاضت اور عبادت میں اُنکے اوقات بسر ہوتے تھے۔
بھوپال کی خوش قسمتی سے ابتدا ہی سے وہاں کے لوگوں پر بہت اچھا مذہبی اثر پڑا۔ مولوی جمال الدین خاں صاحب مرحوم نے وہاں کے باشندوں میں ایک سچی مذہبی روح پھیلائی۔ اسکے بعد نواب شاہجہاں بیگم کے زمانہ میں بہت سے اہل علم جمع ہو گئے جن کی بدولت وہاں اسلام کا بہت چرچا پھیلا۔

تاج محل اہل علم وفضل کا مرجع و مرکز بنا ہوا تھا اس سے لیے وہ مذہبی اثر سے بہت زیادہ متاثر ہوئیں۔

ان کے زمانے میں شہر میں جو اسلامی شان اور رونق تھی وہ ابتک زمانہ میں مشہور ہے۔ خانقاہیں آباد تھیں اور مسجدیں معمور۔

ان کا زمانہ بھوپال کے لیے بالکل ایسا ہی تھا جیسے کہ باغ میں بہار کا زمانہ ہوتا ہی۔ ان کی داد و دہش اور فیاضی کی وجہ سے دیار و امصار کے لوگ کھنچے ہوئے بھوپال میں چلے آتے تھے۔ شام اور عرب تک کے اہل علم کو وہاں کی کشش کھینچ لاتی تھی اور سب کا دامن آرزو ان کی فیاضی سے مالامال ہوتا تھا۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا نمایاں وصف فیاضی ہی جو کہ انسان کے اخلاق میں سب سے بہتر خلق شمار کیا گیا ہی۔ وہ غریبوں کو سیکڑوں من غلہ تقسیم کراتی تھیں، انھوں نے سدابرت اور لنگرخانے جاری کر رکھے تھے۔ بہت سے غریبوں کے لیے گذارہ مقرر تھا۔ کئی ایک محکمے اسی قسم کی امداد کے لیے قائم تھے۔ بالخصوص محکمۂ مصارف جہاں سے سیکڑوں اہل استحقاق کو ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی۔

۱۸۹۹ء کے سخت قحط میں اُنھوں نے بڑی فیاضی کی۔ ہزاروں آدمیوں کی جانیں بچائیں۔ بہت سے خاندانوں کو بربادی سے محفوظ رکھا۔ علاقہ جات غیر کی قحط زدہ رعایا جو اُن کی ریاست میں آگئی اسکو بھی بھوک کی تکلیف سے بچایا۔

وہ کسی کو محروم کرنا جائز نہیں رکھتی تھیں۔ اور یہ مبالغہ نہیں ہی بلکہ واقعہ ہے۔ اُنھوں نے خود فرمایا ہی اور سچ فرمایا ہی ؎

رسمیست شجر وار بگلزار امارت　　　غیر از کرم وجود نباشد ثمر ما

ان کو بھی اپنے ہمنام بادشاہ شاہجہاں کی طرح عمارت کا بہت شوق تھا۔ بھوپال کے باہر شاہجہاں آباد ایک پورا شہر کا شہر تعمیر کرا دیا۔ تاج محل۔ عالی منزل

نواب منزل اور بے نظیر بہت سی عالیشان عمارات وہاں کی قابل دید ہیں
تاج المساجد کی تعمیر شروع کی تھی افسوس ہو کہ اسکے مکمل ہونے سے پہلے
ہی وہ انتقال فرما گئیں۔ یہ مسجد اس قدر عالیشان ہو کہ باوجود اسکے کہ ابھی نامکمل ہے
سولہ لاکھ روپیہ اس کی تعمیر میں خرچ ہو چکے ہیں۔ سات لاکھ روپیہ کے صرف سے
اس کے لیے بلورین فرش انگلستان میں تیار کرایا گیا ہو مگر علماء نے اس پر نماز ناجائز
قرار دیدی ہے کیونکہ نماز پڑھتے وقت آدمی کی پوری صورت اس میں نظر آتی ہے۔
۱۳۱۹ھ میں ۶۵ سال کی عمر میں ۴۳ برس ریاست کرنے کے بعد انتقال فرمایا
اور اپنے باغ نشاط افزا میں مدفون ہوئیں۔
بیگم صاحبہ مرحومہ کی ذات اس آخری زمانہ میں ایک آسمانی برکت تھی۔ ہنرپروری
دانشمندی اور فیاضی کے لحاظ سے تاریخ کے صفحے مشکل سے کسی ایسی دوسری بیگم کا
نشان دیکھیں گے۔ بہت سی ایسی خوبیاں کہ جن میں سے ایک ایک خوبی بجائے
خود کسی انسان کو اعلیٰ درجہ کا آدمی بنا دینے کے لیے کافی ہو ان کی ذات میں
جمع تھیں۔

(باقی آیندہ)

اسلم

ایک جہاز کی تباہی

دنیا کے سب سے بڑے سواری کے جہاز کی غرقابی

قریب سولہ سو آدمیوں کا ڈوب کر مرنا

ہم خشکی کے رہنے والے جنھوں نے سمندر کبھی عمر بھر میں ایک دفعہ بھی آنکھ سے

نہیں دیکھا اُس قیامت خیز تباہی کا اندازہ مشکل سے کر سکتے ہیں جو ایک جہاز کے ڈوبنے سے ہوتی ہے۔

جب سے انسانوں نے فن جہاز رانی سیکھا ہے اور بڑے بڑے سمندروں پہ سلسلۂ آمد و شد قائم کیا ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں جہاز ڈوبے ہیں اور کروروں جانیں تلف ہوئی ہیں۔ انسان بھی دلیری کا ایک پُتلہ ہے کہ باوجود سمندر کے سخت خطرات کے سطح آب کو ایک معمولی رستہ یا سڑک بنا رکھا ہے اور کیا مجال ہے کہ ایک ذرہ برابر بھی اُس کے دل میں جھجک پیدا ہو۔ پُرانے قصے تو کتابوں میں ہم روز پڑھتے ہیں مگر ۱۴۔ اپریل ۱۹۱۲ء کا سب سے تازہ واقعہ سُنیئے جس کے مقابل میں اور کل واقعات جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں گرد معلوم ہوتے ہیں۔

یورپ میں جہاں اور بہت سی اولوالعزمی کی باتیں ہیں ایک یہ بھی بات ہے کہ بعض قوموں میں جہاز سازی اور جہاز رانی میں سخت مقابلہ ہے۔ چنانچہ ایک قوم کے لوگ اگر ایک عمدہ جہاز بناتے ہیں تو دوسری قوم اُس سے دوچند عمدہ جہاز بنانیکی کوشش کرتی ہے تاکہ وہ دوسروں سے دس قدم آگے ہی رہے۔ کسی طرح پیچھے نہ رہے۔ جرمنی کے ملک میں چند سال ہوئے کہ سواری کا ایک بہت بڑا جہاز تیار ہوا تھا جو دنیا کے سب جہازوں سے بڑا تھا۔

انگلستان کی ایک کمپنی کو رشک پیدا ہوا تو اُس نے بھی دو جہاز بہت بڑے بڑے بنوائے جو جرمنی کے جہاز سے طول و عرض و گنجائش میں کہیں بڑھکر تھے۔ اور مسافروں کو جرمنی کے جہاز سے زیادہ آسایش ملنے کے سب سامان مہیا کیے گئے تھے۔ یہ دونوں جہاز دنیا کے لکھوکھا جہازوں کے سردار کہے جا سکتے ہیں کیونکہ دوسرا کوئی جہاز ان سے کسی بات میں برابری نہیں کر سکتا۔

منجملہ ان دو جہازوں کے ایک کا نام **ٹٹانک** جہاز تھا۔ جسکا طول قریب

تین سو گز کے اور عرض قریب سو گز کے تھا اور اُس میں ۳۲۵۰ آدمی آسانی سے سفر کر سکتے تھے یعنی اُس میں کم وبیش ایک ہزار تو کمرے تھے اور بڑے بڑے ہال کھانا کھانے کے اور بیٹھنے اُٹھنے کے تھے گیند بلّہ کھیلنے اور ٹہلنے کے لیے کھُلے وسیع قطعات موجود تھے۔ سب سے اول ۱۱۔ اپریل کو یہ بدنصیب جہاز ۲۳۵۰ مسافروں کو انگلستان سے لیکر امریکہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ اسکا پہلا ہی سفر تھا انگلستان اور امریکہ اور یورپ کے بڑے بڑے کروڑپتی مالدار لوگ جو سفر کرنا چاہتے تھے اُنھوں نے اس خاص جہاز میں سفر کی غرض سے کئی ہفتے پہلے سے اپنی روانگی ملتوی کر رکھی تھی کہ دنیا کے سب سے بڑے جہاز کا لطف سفر اُٹھائینگے علاوہ اس قدر بڑی تعداد مسافروں کے کئی کروڑ روپے کے مال واسباب نے زیورات وجواہرات بھی اس جہاز پر تھے جو انگلستان سے امریکہ کو جارہے تھے۔ اس جہاز میں ایک خاص صفت یہ بھی رکھی گئی تھی جو دنیا کے کسی دوسرے جہاز میں موجود نہ تھی۔ یعنی جہاز کو واٹرٹائٹ بنایا گیا تھا۔ اندرونی حصوں تک پانی کی آمد روکنے کے لیے بہت سی ترکیبیں ایجاد کی گئی تھیں۔ اور مالکان جہاز ہر طرح سے مطمئن تھے کہ اس جہاز کو اگر کبھی کوئی صدمہ بھی پہونچے گا تو یہ ڈوبے گا نہیں۔ دیکھیے انسان کی دور اندیشی اور حکمت اور احتیاط کہانتک پہونچی مگر حاکم مطلق کی مشیت تو کچھ اور ہی تھی۔

۱۴۔ اپریل کو اتوار کے روز دن بھر جہاز ۲۲ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سمندر کو چیرتا ہوا بحر اوقیانوس کے قریب وسط میں پہونچگیا اب انگلستان اُس سے ایک ہزار میل پیچھے رہ گیا اور امریکہ ایک ہزار میل آگے تھا۔ بحر اوقیانوس دنیا کے سب سمندروں سے زیادہ گہرا ہی۔ نو میل تو اُس کی معمولی گہرائی ہی۔ نہایت سرد سمندر ہی۔ اکثر اس موسم میں قطب شمالی کی طرف سے برف کے بڑے بڑے

پہاڑ بیس بیس میل طول و عرض اور تین چار سو گز سطح آب سے اونچے بہہ کر آتے ہیں اور منطقہ حارہ میں پہونچکر گرمی سے پگھل جاتے ہیں۔

ہائے ٹائٹانک جہاز کے بدنصیب مسافروں کو کیا خبر تھی کہ اب عنقریب ہمارا جہاز اور اُس کے ساتھ ہماری زندگی کی ناپائدار کشتی پاش پاش ہونے والی ہے وہ خوش و خرم شام کے کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کمروں میں جاکر سو رہے کچھ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر تاش کھیلنے لگے۔ نہایت تاریک و سرد رات تھی مگر آسمان گرد و غبار سے بالکل صاف تھا۔ تارے خوب زور سے چمک رہے تھے ہزاروں میل تک خشکی کا کہیں پتہ و نشان نہ تھا کہ اتنے میں رات کے گیارہ بجے دس منٹ گزرے تھے کہ سامنے کے پہرہ دار نے اطلاع دی کہ پاؤ میل کے فاصلہ پر ایک برف کا بڑا پہاڑ کھڑا ہے۔ جہاز اپنی پوری رفتار سے چل رہا تھا۔ تین منٹ میں ایک میل کی مسافت طے کر رہا تھا۔ پاؤ میل پون منٹ میں طے کریگا۔ اُدھر پہرہ دار نے اطلاع دی اور اِدھر تصادم ہو گیا۔ یعنی جہاز برف کے پہاڑ سے ٹکرا گیا۔ الاماں۔ وہ کیا وقت ہوگا۔ خوابگاہوں سے لوگ اُٹھ اُٹھ کر باہر آئے۔ افسر جہاز نے حکم دیا کہ سب لوگ تیرانے والی پیٹیاں کس لیں۔ جہاز میں پانی بھرنا شروع ہو گیا۔ کیوں کہ برف کے پہاڑ کی ٹکر سے جہاز کا ایک پہلو بالکل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ پانی جلدی جلدی سے آنے لگا۔ جہاز چکر کھانے لگا۔ موت ہر ایک کو اپنے سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی۔ دل سہم گئے۔ دماغ پریشان ہونے لگے۔ مگر انگریزوں کی قومی دلیری اور روایتی شجاعت نے جس پر اس قوم کو اس قدر فخر ہے ان کے دلوں کو ایک دفعہ پھر مضبوط کر دیا اور ہر شخص آداب، قاعدے، استقلال ایثار اور خود انکاری کی تصویر بن گیا۔

لائف بوٹ یا جان بچانے کی کشتیاں جو ہر ایک جہاز کے ساتھ ہوتی ہیں

جہاز رانوں نے سمندر میں اُتار دیں۔ خود جان بچانے کی مطلق فکر نہیں کی بلکہ مسافروں کے لیے کشتیاں اُتارنے اور خود مسافروں کی جانیں بچانے میں مشغول ہو گئے چونکہ کشتیوں میں سب کے لیے کافی گنجایش نہ تھی۔ اس لیے مرد مسافروں نے اپنی جانوں پر عورتوں اور بچوں کی جانوں کو ترجیح دی اور عورتوں کو جہاز پر سے کشتیوں میں اتارنا شروع کیا۔

سب سے زیادہ پُراثر اور دل پر چوٹ لگانے والے وہ واقعات ہیں جو میاں اور بیبیوں کی علیحدگی کی نسبت بیان کیے جاتے ہیں۔ بیبیاں باوجودیکہ جانتی تھیں کہ اب ہم اور ہمارے میاں دونوں لقمۂ اجل ہوا چاہتے ہیں مگر اپنے شوہروں سے جُدا نہ ہوتی تھیں۔ بڑی دقت سے اُن کو اپنے خاوندوں سے دوسرے لوگوں نے علیحدہ کر کے کشتیوں میں پہونچایا۔ بہت سی عورتوں نے اپنے خاوندوں کے گلے میں ایسی مضبوطی سے ہاتھ ڈال دیئے کہ وہ کسی طرح علیحدہ نہوئیں اور برفانی سمندر کی قبر میں اپنے عزیز شوہروں سے لپٹی کی لپٹی ہی سو گئیں۔ زندہ رہے تو ساتھ اور مرے تو ساتھ اس میں بھی ایک لطف ہے۔

سب مرد کھڑے رہے جب تک کہ کُل عورتیں خوشی سے یا زبردستی کشتیوں نہ پہونچ گئیں۔ پھر کچھ مرد بھی کشتیوں پر پہونچائے گئے اور جب کشتیوں میں گنجایش نہ رہی تو باقی جو رہ گئے تھے اُنھوں نے کشتی والوں کو الوداع کہہ کر رخصت کیا۔ ایک خاوند نے چلّا کر اپنی بی بی سے کہا جو کشتی میں پہونچ گئی تھی کہ میرے بچّوں کو میری طرف سے پیار کرنا۔ خدا حافظ۔

منجملہ ۲۳۰۰ آدمیوں کے صرف ۷۰۵ آدمی کشتیوں میں اُتارے گئے کیونکہ اس سے زیادہ گنجایش نہ تھی اور باقی ۱۵۷۵ آدمی جہاز کے ساتھ ڈوب کر مر گئے۔

ایک شخص جو کشتی میں تھا اُس نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہی کہ جب جہاز ڈوبنے لگا
اُسوقت ایک قیامت خیز شور برپا ہوا۔ چاروں طرف سے بچاؤ بچاؤ کے نعرے
بلند ہوئے۔ مگر وہاں پر سوائے خدا کے اور کون سُنتا یا مدد کرتا اور خدا کا حکم نافذ
ہو چکا تھا کہ یہ سب لوگ ڈوب کر مر جائیں گے۔ جہازراں اور جہاز کے کل ملازمین
جب عورتوں اور بچوں کو اور کچھ مردوں کو کشتیوں میں اُتار چکے تو ایک کمرہ میں
جمع ہو کر اُنھوں نے خدا کی حمد و ثنا میں گیت گائے اور خدا سے ملنے کی آمادگی ظاہر
کی کہ خدا اب ہم تیرے قریب پہونچ گئے ہیں۔ تو ہمارا خالق اب ہم سے بہت
قریب ہی۔

جب جہاز ڈوبا ہی تو کچھ دیر تک مسافر جو پیٹیاں باندھے ہوئے تھے سطح آب پر
تیرتے رہے مگر پانی اور ہوا اسقدر سرد تھے کہ زیادہ برداشت نہ کر سکے اور ایک ایک
کر کے تھوڑے ہی عرصہ میں مر گئے۔

صبح ساڑھے چار بجے کے قریب ایک اور جہاز اُدھر سے گذرا تو اُس نے تمام
اُن لوگوں کو جو کشتیوں میں اُتر گئے تھے اور جو سردی کی مصیبت برداشت کر رہے تھے
کشتیوں پر سے اُتار لیا۔ بعض کروڑپتی بھی ڈوب کر مر گئے۔ ایک نے اپنی بی بی کو تو
زبردستی کشتی میں اُتار دیا اور آپ سب کے ساتھ ڈوب گیا۔

ڈوبنے والے اپنے دلوں میں کیا کیا ارادے رکھتے ہونگے۔ کسی کے دل میں یہ
خیال ہو گا کہ میں چند دنوں میں جا کر اپنی بی بی بچوں سے ملونگا۔ کوئی اپنے دوست
احباب سے ملنے کا متمنی ہو گا۔ کوئی یہ خیال کر کے جہاز میں سوار ہوا ہو گا کہ میں اس سفر
میں بہت سامال و دولت کما کر اپنے گھر آؤنگا۔ مگر جو خدا کو منظور تھا وہی ہو کر رہا۔

اس واقعہ سے بہت سے سبق حاصل ہوتے ہیں۔

اوّل ہمیں ہر وقت تیار رہنا چاہیے کہ کس وقت میں ہمارا مولی اور ہمارا حقیقی

بادشاہ ہم کو بلا لے۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ جو ہم بسر کرتے ہیں اُسکو غنیمت سمجھنا چاہیے۔
کہ ہم کو خالق نے عبودیت کا حق ادا کرنے کا موقع دیا ہے۔

اپنی دنیوی معاشرت اور اپنے روزمرہ کے برتاؤ کی بنیاد خلوص اور دلی محبت پر رکھنی چاہیے۔ ماں باپ ہماری پوری تعظیم و تکریم سے خوش ہوتے ہیں۔ بچے لطف و مہربانی سے خوش ہوتے ہیں۔ مگر ہماری بیبیاں خالص و بے لاگ محبت اور اُن پر پورا بھروسہ کرنے سے ہم پر اپنی جانیں قربان کرتی ہیں اور اُن کو اپنے جان کے مقابل میں ہماری جان کا بہت زیادہ خیال ہوتا ہے۔ اُن بیبیوں نے جنھوں نے اپنے شوہروں کا ساتھ نہ چھوڑا اور جو اُنہیں کے ساتھ مرگئیں اُن کے ساتھ اُنکے خاوندوں کی محبت اور خلوص اوروں سے بدرجہا زیادہ ہونگے۔ اس زندگی میں اگر کوئی چیز اصل لطف دینے والی ہے تو وہ میاں بی بی کی اصلی محبت ہے۔

مردوں کو خطرے کے وقت ثابت قدم رہنا چاہیے۔ انسان رو کر مرے یا ہنس کر مرے اُسکو ایک روز مرنا ضرور ہے۔ مگر مردوں کی اعلیٰ صفات اور خوبیوں میں ایک یہ خوبی ہمیشہ قابل تحسین کے رہی ہے اور رہے گی۔ کہ خطرے کے وقت وہ اپنے دلوں کو مضبوط رکھیں۔ انسانی فرائض سے انسان کو کسی وقت میں بھی موںھ نہ موڑنا چاہیے۔ خود موت کے موںھ میں پھنس کر اگر دوسرے کو موت کے موںھ سے چھوڑانے کی کوشش نہ کی تو پھر مردانگی اور شجاعت کس کام کی۔

ضعیفوں اور بے کس بچوں کی خطرے کے وقت مدد کرنا عین انسانیت ہے ہمارے ملک میں بھی بہت سے بہادر لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کے لیے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں۔ مگر انگریزوں کی قوم کے برابر کہیں نہیں ہیں۔ ہمارے

ملک میں خاص خاص قومیں بہادر و جری ہیں۔ مگر انگلستان میں ہر شخص اس معاملہ میں دلیر اور بہادر ہے۔ اگر جہاز والے اس موقع پر چاہتے تو خود اپنی جان بچا سکتے تھے اور سب مسافروں کو یونہی چھوڑ سکتے تھے۔ اپنی جان بچانا کوئی قانونی جرم نہیں ممکن تھا بعد میں ان لوگوں پر مقدمات قائم ہو کر کچھ خفیف سزائیں ہو جاتیں۔ مگر اِن لوگوں نے انسانیت کا فرض ادا کیا۔ آفریں صد آفریں۔

جہاز کے مسافر مردوں پر بھی صد آفریں ہے کہ اُنھوں نے اپنی اور غیر عورتوں کو جان بچانے کا موقع دیا۔ اور خود کشتیوں میں نہیں کود پڑے۔ اگر وہ چاہتے کود پڑتے اور ضعیف عورتیں اور بچے سب ڈوب کر مر جاتے۔ مگر اس سے بڑی بہادری اور کچھ نہیں کہ جبکہ اُن لوگوں کو اپنی جان بچانے کا موقع حاصل تھا تو اُنھوں نے دوسروں کی خاطر اپنے لیے موت خوشی سے گوارا کی

انسان مرا ہی کرتا ہے مگر ایسے ایسے کارناموں سے مرنے والوں کا نام رہ جاتا ہے۔

خاکسار
عبداللہ (اڈیٹر)

جاپان

پندرھواں باب

چائے خانے اور دیولیں

چائے خانے اور دیولیں جاپانیوں کے تصور میں ہمیشہ ایک ساتھ رہتے ہیں۔ جاپان میں جس جگہ دیول ہوگی اُسی کے برابر کوئی چائے خانہ بھی ضرور ہوگا

چائے خانے صرف دیولوں کی ہمسائگی تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ہر جگہ ان کی کثرت ہے۔ چائے خانے جاپان میں عام طور پر بڑی بڑی دعوتوں کے موقعوں پر بھی بہت کام آتے ہیں۔ ان کے مختلف درجے اور مختلف حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک چھوٹے سے پھوس کے کمرہ سے لیکر جس میں ہر وقت پانچ چھ مزدور پیشہ چائے پینے میں مصروف نظر آتے ہیں ایک بڑی عالیشان عمارت تک جو نہایت درجہ آراستہ ہوتی ہے اور جس کی چھت اور جسکا فرش نہایت خوشنما ہوتا ہے اور جس میں آبنوس کی اور سہنے کی میزیں ہوتی ہیں۔ ہر طرح کا چائے خانہ جاپان میں موجود ہے۔

چائے خانہ میں صرف چائے ہی نہیں فروخت ہوتی ہے بلکہ آپ وہاں ٹھہر سکتے ہیں اور کھانا اور ناشتہ کھا سکتے ہیں۔ خصوصاً چھوٹے چھوٹے شہروں کے چائے خانے تو بالکل ہوٹلوں کے قائم مقام ہیں۔ اگر چائے خانوں میں صرف چائے فروخت ہوتی اور اس کے سوا وہاں کچھ اور نہ ملتا تو یقینی امر ہے کہ اہل یورپ وغیرہ کو وہاں بڑی تکلیف کا سامنا ہوتا۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ ان مقامات کی چائے مغربی مذاق میں نہایت درجہ بدذائقہ ہوتی ہے قیمت ادا کرنے کے بعد چائے خانہ والوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ آپ نے چائے پی بھی یا نہیں۔ بڑی اچھی بات یہ ہے کہ دام زیادہ نہیں دینے پڑتے۔ صرف تین چار پیسہ کا جرمانہ داخل کر دیجیے جو چائے کی قیمت ہوتی ہے اور اپنا راستہ لیجیے۔

جب کوئی مسافر چائے خانہ میں داخل ہوتا ہے تو ملازم لڑکیاں جو موزمس کہلاتی ہیں اور جن کے لباس عموماً بھڑکیلے اور بہت سرخ ہوتے ہیں نہایت ادب کے ساتھ سلام کرتی ہیں۔ اگر چائے خانہ بڑے شہروں سے دور دراز

کے مقام پر واقع ہو جہاں پرانی رسموں اور قدیم رواج پر بدستور عمل ہوتا ہے تو ملازم لڑکیاں مسافر کے سامنے زمین پر اپنی پیشانی ٹیک کر سجدہ کرتی ہیں اس کے بعد پھر چاے لانے کے لیے سب کی سب دوڑتی ہیں۔ جاپانی ملازموں کو جب کبھی ادب اور اطاعت کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو وہ دوڑنے لگتے ہیں۔ اُن کی نظر میں چلنا لاپروائی اور بے ادبی کی علامت ہے۔ ایک چھوٹے سے چاے دان میں جسکو پکڑنے اور اٹھانے کے لیے کوئی دستہ نہیں ہوتا چاے لائی جاتی ہے۔ چاے دان کے ساتھ پانچ چھوٹی پیالیاں ہوتی ہیں اور یہ سب سامان ایک وارنشی کشتی میں رکھ کر لایا جاتا ہے۔ شکر یا دودھ تو ان کے ساتھ بالکل نہیں ہوتا اور چاے عموماً خشک گھاس کے رنگ کے ایک کڑوے عرق کی طرح ہوتی ہے جو غیر ممالک والوں کو خصوصاً نہایت درجہ ناگوار معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر پیالی مونھ تک لیجا کر پھر رکھدی جاے اور کشتی میں تین سن رکھدیے جائیں تو کافی ہے۔ چاے خانے والے اس سے بالکل مطمئن اور راضی ہو جاتے ہیں۔

ہر اجنبی یا ملاقاتی کی چاے سے اسی طرح مدارات کرنے کی رسم جاپان میں بہت عام ہے۔ صرف چاے خانہ ہی میں اس تواضع کی توقع نہیں ہوتی بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس طرح کی مدارات بہت ضروری ہے۔ کسی دوست کے ہاں ملاقات کے لیے جائیے تو سب سے اول چاے کی پیالیاں پیش ہونگی۔ کسی اچھی دکان میں خریداری کی غرض سے داخل ہوئے تو چاے کی متعدد چھوٹی چھوٹی پیالیوں سے تواضع کرنے کے بغیر معاملہ کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ اگر خریدار کو بہت سا سامان خریدنا ہو تو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے چاے کے کئی دور ہو جاتے ہیں۔

اگر کوئی شخص چاے سادہ نہ پسند کرتا ہو تو نمکین چیزیں ڈال کر اس میں ایک دوسرا ذائقہ پیدا کیا جاتا ہی۔ لیکن اس سے غیر ممالک کے باشندوں کی کوئی تشفی نہیں ہوتی۔ وہ تو دودھ اور شکر کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اگر کوئی رات بھر چاے خانہ میں ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو کاغذی پردوں کے ذریعہ ایک کمرہ تیار کیا جاتا ہی اور زمین پر ایک توشک اور ایک لحاف بچھا کر بستر درست کر دیا جاتا ہی۔ بس اسی قدر سامان چاے خانہ کی طرف سے کیا جاتا ہی۔ سیاح کو اسی پر اکتفا کر کے پڑا رہنا پڑتا ہی یا بطور خود اپنی باقی ضروریات پوری کرنی پڑتی ہیں

بڑے بڑے شہروں میں اعلیٰ درجہ کے چاے خانے قابل پذیرائی تقریبوں اور جلسوں کے مرکز ہوتے ہیں۔ اگر کوئی جاپانی اپنے کسی دوست کو کھانے پر بلانا چاہے تو وہ اسے اپنے گھر پر آنے کی دعوت نہیں دیتا بلکہ کسی مشہور و معروف چاے خانہ میں بلاتا ہی۔ وہاں نہ صرف وہ تمام الوان نعمت اسکے لیے مہیا کیے جاتے ہیں جو جاپانی کھانوں کی جان ہیں بلکہ ناچنے والی لڑکیاں بھی بلائی جاتی ہیں جنکو جاپان میں گی شا کہتے ہیں۔ یہ لڑکیاں ناچ اور گا کر مہمانوں کو بہت محظوظ کرتی ہیں۔

کسی دوسرے ملک کا باشندہ جب اس طرح اپنے کسی جاپانی شناسا کی دعوت میں بلایا جاتا ہی تو اسکو ہر چیز بالکل عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے اور اسے کچھ کم مشکلات کا سامنا نہیں ہوتا۔ چاے خانہ کے دروازہ پر اسکے جوتے نکال دیئے جاتے ہیں اور وہ اب فرش پر چل کر ایک جگہ پہونچتا اور زمین پر بیٹھتا ہی۔ کئی گھنٹوں تک ایک ہی حالت میں زمین پر بیٹھے بیٹھے اس کے پاؤں اکڑ جاتے ہیں اور اب سوائے اسکے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی پیٹھ دیوار سے لگا کر اپنی ٹانگیں سامنے پھیلا دے۔ اس طرح البتہ کسی قدر آرام

مل جاتا ہی۔

کھانے کے وقت بعض دفعہ ایک چھوٹی سی میز رکھی جاتی ہی جو تقریباً ایک فٹ سے زیادہ اونچی نہیں ہوتی۔ اگر میز ہو بھی تو نہ میز پوش ہوتا ہی نہ گلاسیں ہوتی ہیں نہ چاقو نہ کانٹے نہ چمچے اور نہ کھانے کے رومال ہوتے ہیں۔ بجائے نووارد کو صرف بانس کی دو کاڑیوں سے کھانا کھانا پڑتا ہی۔ جب یہ کاڑیاں اس کے سامنے رکھی جاتی ہیں تو دونوں کے سرے آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہی کہ اسوقت تک ان کاڑیوں کو استعمال نہیں کیا گیا ہی۔ غریب سیاح ان دونوں کو الگ کرنے کے بعد بہت حیرانی کے ساتھ غور کرنے لگتا ہی کہ کس طرح غذا ان کاڑیوں کے ذریعہ موںھ تک پہونچانے میں وہ کامیاب ہوگا۔

کھانا اس طرح شروع ہوتا ہی کہ سب سے پہلے موزمس ہر مہمان کو آداب بجا لاکر ہر ایک کے سامنے چائے پیش کرتی ہیں۔ اس موقع پر ہر خادمہ اپنا بہترین لباس پہنے ہوتی ہی اور ہر ایک کے نہایت ہی خوشنما چوڑا چکلا پٹکہ کمر سے بندھا ہوتا ہی۔ چائے کے بعد چھوٹے خوبصورت سفید رنگ کے کلگلے لائے جاتے ہیں جنکو لوبیا کے آٹے شکر اور شہد سے بنایا جاتا ہی۔ اس کے بعد متعدد مختلف کھانوں کی باری آتی ہی جو اکٹھے لائے جاتے ہیں اور ان کی دو دو تین تین رکابیاں ہر ایک مہمان کے سامنے رکھدی جاتی ہیں۔ ان رکابیوں میں عموماً سوکھی مچھلی کے کوفتے بدبودار شوربے میں تیرتے ہوئے گھونگھے اور اُبلے ہوئے کنول کے بیج ہوتے ہیں۔ جاپان کی ان لذیذ نعمتوں کو حلق سے اُتارنے کے لیے ساکی یعنی چانولوں کی شراب کی ایک بوتل بھی رکھدی جاتی ہے۔

بدقسمت سیاح جلدی جلدی ان میں سے ایک کے بعد دوسری چیز چکھتا ہی
اور ایک سے زیادہ دوسری کو بدمزہ پاکر سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں دیکھتا
کہ کھانے کے دوسرے دور کا انتظار کرے۔ خدا خدا کرکے دوسرے دور
کی نوبت آتی ہی اور اس میں ایک عجیب و غریب بیش بہا نعمت لائی جاتی ہی
یہ بالکل ادھ کچی اور کسی قدر زندہ مچھلیاں ہوتی ہیں جنکو شوربے اور چٹنی میں ڈبوکر
نگل لیا جاتا ہی۔ اس کے بعد چانول آتے ہیں۔ اب بانس کی کاڑیوں کا نہایت
ہی انوکھا قابل دید کام شروع ہوتا ہی۔ بانس یا ہاتھی دانت کی کاڑیوں سے
جاپانی بہت حیرت انگیز تیزی اور پھرتی کے ساتھ چاول کے دانے اپنے
موںھ میں داخل کرتے ہیں۔ لیکن بیچارہ غریب مہمان پورے پانچ منٹ کی
سخت کوشش و مشقت کے بعد چانول کا صرف ایک دانہ اپنے موںھ تک
پہونچاتا ہی اور اسکے بعد مجبور ہوجاتا ہی کہ چمچہ کی درخواست کرے۔

اس کے بعد کے دور میں مچھلی کا شوربہ۔ اُبلی ہوئی مچھلی اور آلو آتے ہیں
مچھلی میں عجیب و غریب بو ہوتی ہی اور آلو میٹھے ہوتے ہیں۔ شکر کا بہت گاڑھا
شیرہ بنا کر اس میں ان آلوؤں کو خوب تر کیا جاتا ہی۔ انکے بعد سمندر کی نباتات
کے شوربے اور نہایت بدبودار خام ڈائکن مولی کی باری آتی ہی جس کے ساتھ
مختلف چٹنیاں اور اچار بھی ہوتے ہیں۔

جو چیزیں الگ الگ لائی جاتی ہیں ان میں ایک رکابی کشمش کی بھی ہوتی ہی
جو بظاہر بہت ہی بھلی معلوم ہوتی ہی۔ نووارد مہمان بے صبری کے ساتھ بہت
جلدی سے ایک دانہ اُٹھا کر موںھ میں ڈال لیتا ہی۔ لیکن کشمش کے موںھ میں جانیکے
ساتھ ہی بیچارا پریشان ہوجاتا ہی کیونکہ یہ نمک کے پانی میں سکھائی ہوئی ہوتی ہی اور
بے انتہا نمکین چٹنی سے بھی زیادہ شور ہوتی ہی۔

غرض یکے بعد دیگرے ان تمام نعمتوں کو پیش ہوتے دیکھنے پر بیچارا نو وارد مہمان بہت مایوس ہوتا ہی اور دل ہی دل میں کہنے لگتا ہی کہ کھانوں کی تو کوئی کمی نہیں ہی لیکن افسوس ایک ریزہ بھی ان میں سے میرے کام کا نہیں۔

کھانا ختم ہونے کے بعد ناچنے اور گانے کے لیے گئی شا (رقاصہ) ریشم اور زربفت کے نہایت خوبصورت لباس میں آتی ہیں۔ اجنبیوں کو ایسی کوئی لطف نہیں ملتا۔ بہت جلد وہ ان تماشوں سے اکتا جاتے ہیں۔ رقاصہ (گئی شا) کا چہرہ سفوف کے ذریعہ سفید کیا ہوا ہوتا ہے اور اسکے ہونٹ بہت شوخ سرخ رنگ سے رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ سر کے بال بہت نزاکت اور اہتمام سے سنوارے اور انواع و اقسام کے زیور سے لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ایک قسم کا ستار لیکر بیٹھ جاتی ہی جسکو سامی سن کہتے ہیں اور گانا شروع کر دیتی ہی۔ اسکے راگ میں نہ کوئی لَے ہوتی ہی نہ ہم آہنگی نہ شیرینی۔ غیر ممالک والوں کے کانوں کے واسطے اِن کا گانا بالکل بے ہنگم اور نہایت غیر موزوں ہوتا ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی کا ماتم ہو رہا ہی۔ رقص میں عجیب و غریب اشارے اور حرکتیں ہوتی ہیں۔ پنکھوں کے ذریعہ بہت زیادہ رقص کا کمال ظاہر کیا جاتا ہی۔

جب بیچارہ مسافر اس طول طویل اور تھکا ڈالنے والی ضیافت کو ختم کرکے اپنے قیام گاہ کو روانہ ہونے لگتا ہی تو اس غریب کو معلوم ہوتا ہی کہ ابھی اُس نے اپنا کھانا پورا ختم نہیں کیا ہی۔ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اس کی اُن موزمس سے مٹ بھیڑ ہوتی ہی جو کھانے کے وقت اس کی سربراہی کرتی رہی تھیں۔ موزمس سفید چوڑے ڈبوں سے مہمان کے ہاتھ بھرتی ہیں جن میں اس بیچارے کے سامنے کا بچا ہوا کھانا رہتا ہی۔ جاپان کے

قانون تہذیب میں یہ داخل ہے کہ ضیافت میں اپنا بچا ہوا کھانا ساتھ
گھر لے جایا جائے۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

دہلی گرلز اسکول

مجوزہ

علیاحضرت جناب بیگم صاحبہ والی بھوپال

ذیل میں ہم وہ تجویز شایع کرتے ہیں جو ہر ہائنس حضور بیگم صاحبہ بھوپال
نے ہمارے پاس بھیجی تھی۔ اور جو پائنر وغیرہ اخبارات میں شائع ہوچکی ہے

اڈیٹر

گزشتہ دسمبر میں ہز مجسٹی کے ورود سعید سے ہندوستان پر جس خیر و برکات
کا نزول ہوا ہے اور اہل ہند نے جس پر لطف اور دلچسپ منظر کا مشاہدہ کیا ہے
نہ اس کی مثال تاریخ عالم کے اوراق پر نظر آتی ہے اور نہ کبھی وہ پُرمسرت کیفیت
دلوں سے محو ہو سکتی ہے۔ اس مبارک موقع پر ہر مجسٹی کوئن میری کی تشریف آوری
کا جو خاص احسان مستورات ہند پر ہے وہ اور بھی باعتبار اپنے اثرات کے
گراں قدر ہے اور اس سے وہ حسرت جاتی رہی جو ہندوستان کے پردہ
سسٹم اور طریقہ معاشرت کی وجہ سے ایک صنف کے دل میں رہجاتی۔
ہر مجسٹی نے جس طرح اپنے صنف کے ساتھ عنایات والطاف کا اظہار

کیا ہی۔ اس نے ایک مخصوص اثر ہمارے دلوں پر قائم کر دیا ہی۔ جہانتک میں خیال
کرتی ہوں۔ ماسوا اور اغراض سفر ہند کے ہر مجسٹی کے اس سفر کی ایک غرض یہ بھی
تھی کہ وہ مستورات ہند کی حالت سے ذاتی طور پر واقفیت حاصل کریں جیسا کہ
حضور ممدوحہ نے خواتین بمبئی کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا تھا

اس سفر میں میری اغراض میں سے ایک خاص غرض یہ بھی تھی کہ
جہانتک ممکن ہو میں اپنی ہندوستانی بہنوں کو اپنی آنکھ سے دیکھوں
کیونکہ میں یقین کرتی ہوں کہ جسقدر زیادہ اصلی حالت میں ُان کی زندگی کا
مشاہدہ کرونگی۔ اُسی قدر زیادہ آپ کے اچھے اوصاف اور
خوبیوں کی قدر و منزلت میرے دل میں ہوگی۔ جن اوصاف کے لیے
کہ ہندوستانی عورتیں مشہور ہیں۔ اگر میرا یہ خیال جو کہ اسقدر خوشنما
اور مستقل ہی اور اس سفر میں پورا ہو گیا تو آپ کے ایڈریس کے
الفاظ میں یقیناً ایک عمدہ یادگار اور ہمدردی کے اچھے خیالات
لیجاؤں گی۔ جو کہ ہم کو اور آپ کو دوامی اتحاد میں مضبوط کرینگے۔

بلاشبہ ہر مجسٹی نے اپنی غرض کی تکمیل فرمائی۔
معزز خواتین کو مدعو کر کے ملاقات کی اور پھر ایک پردہ پارٹی منعقد کی۔
تاکہ دوبارہ خواتین کو شرف حضوری حاصل ہو۔ اور اُس جلسہ میں ایسے محبت آمیز
الفاظ اپنی زبان مبارک سے فرمائے جو در اصل حضور ممدوحہ کے اُن جذبات
شفقت کے جو اپنی جنس کے ساتھ ہیں۔ ترجمان حقیقت تھے۔

ان نادر مواقع کے حاصل ہونے سے تمام عورتوں کے دلوں پر ہر مجسٹی کی
محبت کا ایک مضبوط اور دائمی اثر قائم ہو گیا ہی اور میں اس صنف کی ایک فرد
ہوں مگر مردوں کی صنف میں بھی میری جگہ موجود ہی۔ اور دونوں موقعوں کے

اثرات سے متاثر اور برکات سے متمتع ہوئی ہوں۔ ہندوستان کی تمام عالم نسواں کی طرف سے بلاخوف تردید کہہ سکتی ہوں کہ کوئن امپرس کا مستورات ہند کے ساتھ اس درجہ دلچسپی اور شفقت کا اظہار سیاحت شہنشاہی کے مقصد کی ایک اعلیٰ تکمیل تھی۔

تشریف آوری ہر مجسٹی کوئن میری کے متعلق مجکو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگرچہ یہ تمام دل خوشکن واقعات جو ظہور پذیر ہو رہے ہیں بجائے خود ایک مستحکم یادگار ہیں جو اوراق تاریخ پر اپنی جلوہ آرائی کرکے اس زمانہ کے واقعات کا شاندار مرقع پیش کرینگے۔ لیکن پُرجوش جذبات کا یہی مقتضا ہے کہ اہل ہند کی جانب سے مفید عام یادگاروں کا سلسلہ جس سے عامہ خلائق کو دائمی نفع ہو قائم کیا جائے اور بالخصوص اس خاص وقت اور حالت کی یادگار صنف نسواں کی طرف سے ہو اور مہربان و نیک دل ملکہ کے نام نامی سے منسوب کی جائے اور وہ یادگار صنف نسواں کے ہی فائدہ کے لیے اُسی شہر میں قائم ہو جسکو ہر مجسٹیز کے قدوم میمنت لزوم سے اپنی قدیم عظمت سے اعلیٰ تر عظمت حاصل ہوگئی ہے۔ میں نے ایسی یادگار قائم کیے جانے کے ساتھ ہی اس امر پر بھی غور کیا کہ یہ یادگار کس شکل میں ہو۔

میں نے کامل غور کے بعد یہ رائے قائم کی کہ عورتوں کی تعلیمی انسٹیٹیوشن سے بہتر اور مفید تر اسوقت کوئی دوسری یادگار نہیں ہوسکتی کیونکہ عورتوں کی تعلیم ہی ملکی ترقی کا ذریعہ اور قومی تہذیب کا وسیلہ ہے۔

اور انہی کی تعلیم پر مردوں کی عمدہ تعلیم اور تربیت کا انحصار ہے۔ اور یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہر شخص کے نزدیک طے شدہ اور مسلمہ ہے۔ اور اس میں کسی کو کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

جب میں نے اپنی تجویز کے تمام پہلوؤں پر نظر کی تو اپنے گزشتہ سفر کلکتہ میں لیڈی ہارڈنگ کی خدمت میں اسکا اظہار کیا اور محترم لیڈی نے جنکو ہمیشہ ہندوستانی عورتوں کی بہبودی سے دلچسپی ہے نہایت غور سے سُنا اور اپنی اور جناب وائسرائے بہادر کی طرف سے اظہار قلبی ہمدردی فرمایا اور میری رائے کی ہر طرح تائید فرمائی۔

کلکتہ سے واپسی پر میں ڈیلی کالج کونسل میں شرکت کی غرض سے اندور گئی تاکہ اُن تجاویز میں حصہ لوں جو رؤسا کے تعلیمی مسائل سے متعلق ہیں۔ اور جن پر کونسل میں غور و بحث ہوتی رہتی ہے۔ میرا سفر اندور خاص طور پر مبارک ثابت ہوا۔ اوّل تو مجھے رئیس زادوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی کے مجوزہ کالج کی خبر پاکر خوشی ہوئی کیونکہ میں رؤسا کی علیحدہ یونیورسٹی کے لیے عرصہ سے خواہاں و کوشاں ہوں اور دوسرے مجکو یہ موقع ملا کہ میں اپنے انگریز دوستوں اور اپنے برادر رؤسا کے ساتھ اپنی مجوزہ عورتوں کے تعلیمی انسٹیٹیوشن کے معاملہ پر گفتگو کرسکوں۔

رؤسا کی جماعت میں میں نے اپنے بہت سے دوستوں سے اُس پیغام کا تذکرہ کیا جو میں اُن کی مہارانیوں، رانیوں اور بیگمات کے لیے لیکر گئی تھی اور جس میں ان کی امداد اور دلچسپی کی خواہش کا میں نے اظہار کیا تھا۔ مجکو اس سے خوشی ہوئی کہ مجکو بہت سے جوابات دل خوش کن ملے۔

مجکو علم ہے کہ ہمارے ملک کی رانیوں اور بیگموں میں فیاضی کے کیسے نمایاں صفات ہیں اور اُن کی حوصلہ مندیوں سے ملک کو کس قدر فوائد کثیر پہونچائے ہیں۔

تمثیلاً بیگم صاحبہ بہاولپور کا بیش بہا عطیہ ندوہ کو ابھی چند روز کی

مثال ہی۔

میں یقین کرتی ہوں کہ اپنی جنس کی تعلیم کی طرف بھی ایسی فیاضی اور عالی حوصلگی سے توجہ کی جائیگی۔ کیونکہ تعلیمی اسباب و وسائل کا مہیا کرنا سب سے زیادہ نیکی اور خیر کا کام ہی۔ خصوصاً اس صنف کے لیے جو تعلیم میں بہت پیچھے ہے اور بغیر تعلیم کے جس کی ہستی ہستی انسانی کے برابر نہیں سمجھی جاتی حالانکہ وہ مردوں کی زندگی اور ہستی کی سہیم و شریک ہی۔

اسوقت مردوں اور عورتوں کی جو دنیا کی گاڑی کھینچنے کی مساوی طاقت ہیں بالکل یہ حالت ہی کہ ایک پہیہ تو ربڑ ٹائر بنایا جارہا ہی اور دوسرا وہی چھکڑے کا چوبی اور بھدا پہیہ ہی جو آج سے دو سو برس پہلے تھا۔ پس ہم کو خود اپنی جنس کے لیے اپنی طاقت اور ثروت کو کام میں لانا چاہیے۔ چونکہ میں خود عورت ہوں اسلیے فطرتی طور پر میرا دل عورتوں کی عمدہ تعلیم کو چاہتا ہی اور اسی لیے اپنی عزیز ملکہ کی یادگار اسی شکل میں دیکھنا سب سے زیادہ بہتر سمجھتی ہوں۔

میری تجویز یہ ہی کہ دارالسلطنت دہلی میں صرف عورتوں کی عمدہ تعلیم و تربیت کے لیے ایک اسکول قائم کیا جائے جو ہر قسم کے سامان اور ذرائع تعلیم سے مکمل اور دیگر حصص ہند کے لیے بطور نمونہ ہو۔

اسکے طالبات جب فارغ التحصیل ہو کر نکلیں تو وہ ایسی خواتین ہوں جو صفات نسوانی کی تمام خوبیوں کے ساتھ زیور تعلیم سے کامل آراستہ ہوں میرے خیال میں ابتدائی کام شروع کرنے کے لیے بارہ لاکھ روپیہ کافی ہوگا جس میں سے چار لاکھ روپیہ عمارات وغیرہ پر صرف ہوگا۔

اس عمارت میں ایسا انتظام ہوگا کہ امراء و غربا دونوں فریق کی لڑکیاں

اپنی ضروریات کے لائق علیحدہ علیحدہ تعلیم پاسکیں۔ اور آٹھ لاکھ روپیہ انڈومنٹ فنڈ کے واسطے رہیگا۔

میں اس کی مفصل اسکیم پر غور کر رہی ہوں جو بہت جلد طیار ہوگی۔ جو لوگ اس کے دلی معاون ہوکر طلب فرمائینگے اُن کے نزدیک بھیجی جائے گی۔ میں اس تجویز کے متعلق جو سوالات کیے جائینگے اُنکے جوابات دینے کے لیے ہر وقت خوشی سے آمادہ ہوں۔

میری ہندوستانی بہنو! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپکے تعلیمی معاملات میں حتی الامکان مالی و دماغی امداد جان و دل سے دینے کو ہر وقت تیار ہوں۔

چونکہ ہر تجویز کے متعلق یہ اصول ہے کہ اپنے قریب تر لوگوں سے رائے حاصل کرنی چاہیے اور خود عملی حصہ لیکر دکھلانا چاہیے۔ لہٰذا میں نے اپنی بہوؤں کے سامنے اس تجویز کو پیش کیا۔ اُنھوں نے نہایت خوشی اور جوش سے تائید کی۔ اور مجھے امداد دینے کو تیار ہوگئیں۔ میری بڑی دونوں بہوؤں نے سات سات ہزار اور سب سے چھوٹی بہو نے پانچ ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔

میں اپنی جیب خاص سے ۲۰۰۰۰ اور خزانۂ ریاست سے بالفعل ایک لاکھ روپیہ دینے کو تیار ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اس تجویز پر ملک کی رانیاں اور بیگمات و معزز خواتین اچھی طرح غور فرمائینگی اور علیا حضرت قیصر ہند کی تشریف آوری اور اُنکے اخلاق و محبت کی یادگار میں اُنکے نام نامی سے موسوم کرکے اس مفید اور تعلیمی انسٹیٹیوشن کو قائم کرنے میں اپنی فیاضی و حوصلہ مندی کا ثبوت دینگی۔

۱۔ یہ تجویز جب ہمارے پاس آئی تو ہم کو یہ محسوس ہوا کہ پڑھنے والوں کو اس سے حضور عالیہ کے اصلی مقصد سے کما حقہ واقفیت نہیں ہو سکتی کیونکہ چند امور صراحت طلب ہیں اور حضور عالیہ نے خود اپنی اسکیم میں اجازت دی ہے کہ اگر کوئی کسی معاملہ میں مزید حالات دریافت کرنا چاہے تو حضور ممدوحہ خوشی سے جواب باصواب سے شرف بخشیں گی۔

ہم نے حسب ذیل سوالات حضور عالیہ کی خدمت عالی میں بذریعہ پرائیویٹ سکرٹری صاحب کے ارسال کیے۔

سوالات

(۱) تعلیمی زبان کیا ہوگی (۲) نصاب تعلیم کیا ہوگا (۳) آیا بورڈنگ ہوس بھی ہوگا (۴) آیا استانیاں بھی تیار کیجا دینگی یا صرف لڑکیوں کی تعلیم کا اسکول ہوگا (۵) مذہبی تعلیم کا کیا انتظام ہوگا اور سب اقوام کے لیے مذہبی تعلیم کا انتظام ہوگا یا نہیں (۶) اگر بورڈنگ ہوس ہوگا تو اخراجات کا کیا اندازہ ہوگا (۷) منتظمین کیٹی کی کیا ترکیب ہوگی (۸) بڑے رؤسا اور متوسط درجہ کی اور غربا کی لڑکیاں ایک ہی انتظام کے تحت میں رکھی جائینگی یا کیا ہوگا (۹) عیسائی اور اکثر ہندو اور پارسی اور سکھ وغیرہ پردہ نہیں کرتے اور مسلمان پردہ کرتے ہیں نیا مدرسہ اور بورڈنگ ہوس میں پردہ سب کے لیے لازمی ہوگا یا کیا؟

ان سوالات کا جواب حسب ذیل تحریر کے ذریعہ سے ہمارے پاس آیا ہے۔

یہ خط اڈیٹر خاتون کے نام ملٹری سکرٹری صاحب کا ہے جس میں حضور عالیہ کے جوابات شامل ہیں۔

خط ملٹری سکرٹری صاحب معہ جوابات

مکرم و معظم بندہ

تسلیم۔ جناب کا عنایت نامہ مورخہ ۳۰ اپریل موسومہ جناب پرائیویٹ سکرٹری صاحب دربارہ اسکیم متعلق گرلس اسکول دہلی موصول ہوا۔

حضور سرکار عالیہ کو اس سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ ان کی تجویز کے دلی معاون ہیں اور نیز علیگڈھ کے حضرات کو بالعموم ان کی تجویز سے اتفاق ہے۔

جناب نے اس تجویز کے متعلق کامریڈ کا ریمارک بھی ملاحظہ کیا ہوگا پرچہ مذکور کی رائے میں نارمل سکول کی ہی صورت میں حضور عالیہ کی تجویز زیادہ کامیاب ہوسکتی ہے۔ حضور سرکار عالیہ ممنون ہونگی اگر جناب اس ضروری مسئلہ پر نواب وقار الملک صاحب بہادر، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب اور اپنی قیمتی رائے سے مطلع فرمائینگے۔ حضور سرکار عالیہ کا ذاتی خیال اس اسکول کو نارمل سکول بنانے کا نہیں ہے۔ بلکہ حضور عالیہ خیال فرماتی ہیں کہ نارمل سکول کی پاس شدہ استانیاں مجوزہ سکول میں اچھی طرح سے کام آئینگی۔ حضور عالیہ یہ دریافت فرماتی ہیں کہ آیا جناب کی اور نواب صاحب اور صاحبزادہ صاحب کی رائے میں یہ ناممکن ہوگا کہ سو، ڈیڑھ سو طالبات ایک اسکول میں ریزیڈنشل طریقہ پر رہ سکیں۔

جناب کے سوالات کا جواب ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

۱۔ تعلیمی زبان اردو ہندی ہوگی۔ اعلیٰ درجہ میں انگریزی کی تعلیم ہوگی مگر اس کے تعلیمی زبان کے درجہ تک پہونچنے کی فی الحال امید نہیں۔

۲۔ نصاب تعلیم خواہ کسی یونیورسٹی کا ہو۔ خواہ وہ ہو جو حضور سرکار عالیہ نے تجویز فرمایا ہے اور خواہ کوئی اور نصاب تجویز کیا جائے بہرنوع قریباً دس سال کی تعلیم ہو اور وہ تمام مضامین ہوں جو عورات کے لیے ضروری ہیں۔ اس مسئلہ پر حضور عالیہ کو کثرت رائے پر کاربند ہونے میں اعتراض نہو گا۔

۳۔ بورڈنگ ہوس ضرور ہوگا۔ فی الحال ایک سو بیس طالبات کے لیے عمارت تیار کیجائے۔

۴۔ حضور عالیہ کا بڑا مقصد تو لڑکیوں کی تعلیم ہے یہ ظاہر ہے کہ تعلیم کی تکمیل کے بعد بعض طالبات اس قسم کی ضرور نکل سکیں گی جو موزوں استانیاں بن سکیں گی۔ مگر اگر آپ صاحبان یہ قرار دیں کہ علیگڈھ کا مدرسہ نارمل سکول کے فرائض ادا کرنے اور حضور عالیہ کا تجویز کردہ مدرسہ فقط تعلیم کے لیے ہو تو حضور عالیہ اس رائے کو خوشی سے قبول فرمائینگی۔

۵۔ مذہبی تعلیم ضرور ہوگی۔ اسوقت تو حضور عالیہ اہل اسلام اہل ہنود کی تعلیم کے وسائل کا تخمینہ فرما رہی ہیں۔ آگے جیسی آپ صاحبان کی رائے ہو اس میں ایزادی کیجئے۔ مگر دینیات کی تعلیم حضور عالیہ کی رائے میں بہت ضروری ہے۔

۶۔ اس مسودہ تجویز کی رو سے جو دس سال کی تعلیم کے لیے ادنیٰ

ایک سو بیس طالبات کی بورڈنگ ہاؤس میں رہائش کے متعلق حضور عالیہ نے تیار فرمایا ہے۔ کل سالانہ اخراجات پچاس ہزار ہوتے ہیں۔ مگر یہ مسودہ جناب کو اور نواب صاحب موصوف و صاحبزادہ صاحب کے مشورہ کا محتاج ہے۔ حضور عالیہ دوسرا مسودہ تیار فرما رہی ہیں اور وہ عنقریب خدمت والا میں روانہ ہوگا۔ دس سال کی تعلیم کے لیے ایک پرنسپل، ایک وائس پرنسپل اور ۱۷ استانیوں کا سرکار عالیہ نے اندازہ کیا ہے۔ زیادہ تمام تفصیل مسودہ مذکور سے جناب کو معلوم ہو جائے گی۔

۷۔ منتظمین کمیٹی کی ترتیب کے متعلق ابھی سے رائے قائم کرنا حضور عالیہ کے خیال میں کسی قدر پیش از وقت ہے۔ کیونکہ اس میں چندہ دہندگان کی رائے کا متناسب مقدار چندہ ضرور خیال کرنا ہوگا۔ بہر نوع حضور عالیہ علیگڈھ کے اصحاب سے اس امر میں ضرور مشورہ فرمائینگی۔

۸۔ امراء اور غرباء کی لڑکیوں کو ایک ہی انتظام کے تحت میں رکھنے کا حضور عالیہ کا خیال نہیں ہے۔ بلکہ علیحدہ ہونگے۔ تعلیم بھی علیحدہ ہو تو بہتر ہو زیادہ غریب لڑکیاں اگر صنعت و حرفت مثلاً وغیرہ کا کام یا اور اس قسم کی موزوں تعلیم کی طرف مائل کیجائیں تو بہتر ہے اور اس تعلیم کا بھی سکول مذکور میں انتظام کیا جائے۔

۹۔ مدرسہ کی حدود کے اندر پردہ کا تمام انتظام ہوگا اور عمارت مدرسہ و بورڈنگ بلحاظ اس امر کو ملحوظ رکھا جائیگا۔ مدرسہ کی حدود کے باہر جو طالبات کہ پردہ کی عادی نہیں ہیں پردہ نہ کریں۔ مگر اندرون حدود جب پردے کے تمام وسائل ہونگے تو ایسے طالبات کی اور باپردہ لڑکیوں کی آمیزش ہر طرح آرام و آسانی کے ساتھ ہوگی اور کسی قسم کی مشکلات پیدا

ہونے کا حضور عالیہ کو خوف نہیں۔

حضور عالیہ فرماتی ہیں کہ میری تمام آرا آپ صاحبان کی راے کی محتاج ہیں اور میں قدم قدم پر اہل الراے اصحاب سے مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔

حضور سرکار عالیہ خاص طور پر ہدایت فرماتی ہیں کہ جناب کی دلچسپی کا جو ان سوالات سے ظاہر ہی اُن کی جانب سے شکریہ ادا کروں اور یہ تحریر کروں کہ اس قومی کام میں حضور عالیہ کو پوری امداد دے کر مشکور کیجیے۔

مخلص

محمد عبد الصمد خاں

ملیٹری سکرٹری

ہمارے سوالات اور حضور عالیہ کی جانب سے جو جوابات شائع کیے جاتے ہیں اُنسے اب اسکیم میں کوئی بات محتاج مزید دریافت کی نہیں رہتی۔

حضور عالیہ ایک ایسا مدرسہ تجویز فرماتی ہیں جس میں ہر قوم و ملت کی لڑکیاں بورڈروں کے طور پر ایک مقام پر رہ کر تعلیم حاصل کرسکیں۔

حضور عالیہ اس میں غریب اور امیر کی تو قید نہیں لگاتی ہیں مگر امرا و غربا کا انتظام علیحدہ علیحدہ فرمانے کا خیال ہی۔

امرا و غربا کا ایسا سوال نہیں ہی کہ آسانی سے اس کے متعلق کوئی کوئی راے دے سکے۔

حضور عالیہ نہایت فراخ دلی سے اپنی مجوزہ اسکیم کو اہل الرائے حضرات کے مشورہ کا محتاج تصور فرماتی ہیں۔ اب یہ بات اہل الرائے کے فیصلہ پر منحصر ہوگی کہ آیا وہ امرا، وغربا کو ایک ہی انتظام میں رکھنے کی رائے دیتے ہیں یا کہ اس مدرسہ کو بڑے بڑے امرا، دراج کماریوں و حکمران خاندانوں کی لڑکیوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔

جناب ہز ہائنس مہاراجہ صاحب بھرتپور کی والدہ صاحبہ نے بذریعہ ایک کھلے سوال کے جو پانیر میں چھپا ہے حضور عالیہ سے دریافت فرمایا ہے کہ آیا یہ اسکول بطور ایک چیف کالج یا اسکول کے اعلیٰ خاندانوں کے لڑکیوں کے لیے ہوگا یا بلا امتیاز ہر طبقے کی لڑکیاں تعلیم پا سکیں گی۔

ہمارے نزدیک امرا و غربا دونوں کو تعلیم کی ضرورت ہے۔ دونوں ملک کے لیے اپنے کو مفید بنا سکتے ہیں۔ مگر امرا، کو فوائد پہونچانے کے بہت زیادہ وسائل حاصل ہو سکتے ہیں اور اگر ہمارے حکمراں خاندانوں کی لڑکیاں تعلیم حاصل کرکے اپنے اپنے دائرہ اثر کے اندر تعلیم کی روشنی پھیلانا چاہیں تو ملک میں سے بہت جلد تاریکی دور ہو سکتی ہے۔ کوئی مدرسہ تو ایسا ہو جس میں صرف امرا کی لڑکیاں تعلیم حاصل کر سکیں۔

اگر بلا امتیاز سب طبقات کی لڑکیوں کے لیے کوئی مدرسہ جاری ہوا تو ہم کو یقین کامل ہے کہ اعلیٰ طبقے کی لڑکیاں اور بالخصوص دیسی ریاستوں کے حکمراں خاندانوں کی لڑکیاں کبھی اس اسکول میں داخل ہونا پسند نہ کرینگی خود حضور عالیہ کا منشا بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ امرا کی لڑکیوں کے لیے تو زیادہ تعلیم کا انتظام ہو اور غربا کی لڑکیوں کو صنعت و حرفت سکھائی جائے ہم اس خیال کو ایک ممکن العمل خیال سمجھ کر اسکی تائید کرتے ہیں۔

اخبار کامریڈ کلکتہ نے ایک نوٹ تو اول اسکیم کے شائع ہوتے ہی لکھا تھا جسکا حوالہ ملیٹری سکرٹری صاحب کے خط میں ہی اور پھر اس کے بعد ایک دوسرا نوٹ بھی شائع کیا ہی۔ دونوں کا لب لباب یہ ہے کہ اگر کوئی مدرسہ ہو تو بطور نارمل اسکول کے ہو۔ معمولی تعلیم کا مدرسہ نہ ہو۔

حضور عالیہ کو کامریڈ کی اس رائے سے اختلاف ہی۔ اور ہم بھی کامریڈ کی رائے سے قطعاً اختلاف کرتے ہیں۔ ادہر کامریڈ کا محض ایک ذاتی خیال معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مدرسے موزوں نہیں ہو سکتے۔

ہم اپنی محسنہ حضرت علیا جناب بیگم صاحبہ کو یقین دلاتے ہیں کہ تعلیم نسواں کے حامیوں کے دلوں میں جو سچا اعتراف حضور عالیہ کی ہمدردی و احسانات کا ہی اس میں کسی اخبار کی مخالفت سے کوئی فرق نہیں آسکتا اور جو اخبارات آج مخالفت کرینگے وہ کل خود تجربہ کے بعد اپنی غلطی پر افسوس کرینگے کہ انھوں نے زمانہ کی رفتار کے خلاف اپنی آواز بلند کی تھی۔

اخبار کامریڈ کے علاوہ اخبار سول و ملیٹری گزٹ لاہور نے بھی ایک نوٹ لکھا ہی جس میں اُس نے گو اصل اسکیم کی تو مخالفت نہیں کی مگر اسکا یہ اعتراض ہی کہ پنجاب میں پہلے ہی سے ایک کوین میری گرل اسکول موجود ہی جس میں حضور ملکہ معظمہ بہت دلچسپی لیتی ہیں اور وہ انہیں کی یادگار میں قائم ہوا ہے۔ اب اُسی صوبہ میں دوسرا اسکول یا کالج اُسی نام کا اور اُسی ملکہ کی یادگار میں مناسب نہیں ہی۔

حضور عالیہ نے غالباً اس نوٹ کو پڑھکر اسکے متعلق خود کوئی مناسب

رائے قائم کی ہوگی۔

اب حضور عالیہ کے دوسرے مسودے کا ہم کو انتظار ہی جسکا ہم سے وعدہ ہی اور جس کے آنے پر ہم اس اسکیم کے متعلق زیادہ صراحت سے لکھ سکیں گے۔

(اڈیٹر)

زنانہ اسکول علی گڈہ

جس دن ہم مدرسہ دیکھنا چاہتے تھے اتفاق سے وہ چھٹی کا دن تھا لیکن جناب شیخ عبداللہ صاحب نے بکمال مہربانی خاصکر ہمارے لیے دوپہر سے مدرسہ کو کھولدیا۔ چالیس بیتالیس لڑکیاں جمع ہوئی تھیں۔ دو بجے ہم مدرسہ میں پہونچے جو فی الحال ایک چھوٹے سے کرایہ کے مکان میں قائم ہے۔ پردہ کا معقول انتظام ہی۔ لڑکیوں کے لیے اسکول سے ڈولیاں جاتی ہیں جن کے ہمراہ ایک ملازمہ عورت بھیجی جاتی ہی۔ واپسی میں بھی یہی عورت اُنہیں گھروں کو پہونچاتی ہی۔ اُستانیاں سب لڑکیوں کو مدرسے سے اپنے اپنے گھروں کو بھیجکر آپ جاتی ہیں۔

ہیڈ مسٹرس سمیت چار اُستانیاں ہیں جن میں دو جوان لڑکیاں آگرہ میں تعلیم پائی ہوئی ہیں یہاں اسکول میں پانچویں جماعت کو تعلیم دیتی ہیں۔

ہیڈ مسٹرس صاحبہ نے ہمیں مدرسہ کے حالات بتلائے۔ یہ ایک نہایت ملنسار خلیق نیک بی بی ہیں۔

اس اسکول میں پانچویں کلاس تک پڑھائی ہی۔ اُردو، عربی، حساب،

جغرافیہ، کاپی نویسی وغیرہ کی تعلیم ہوتی ہے۔ پانچویں جماعت کی لڑکیوں کو انگلش سکھائی جاتی ہے۔ لڑکیوں کو سلائی اُون کا کچھ کام دستکاری وغیرہ سکھاتے ہیں۔ سب لڑکیاں اسکول میں پابندی کے ساتھ وقت پر نماز پڑھتی ہیں۔ قریباً سولڑکیاں مدرسہ میں شریک ہیں اور روزانہ حاضری اسّی نوّے ہوتی ہے۔ ہیڈ مسٹرس صاحبہ شکایت کرتی تھیں کہ والدین باوجود ہر طرح کی آسانی کے لڑکیوں کو پڑھنے نہیں دیتے جہاں لڑکی بارہ تیرہ برس کی ہوئی شادی کے لیے مدرسہ سے اُٹھا لیتے ہیں واقعی یہ قابل افسوس امر ہے خداوند عالم مسلمانوں کو عقل سلیم عطا کرے۔

سُنا ہے کہ مسز شیخ عبداللہ اور اُن کی ہمشیرہ صاحبہ (سوائے کسی خاص مجبوری کے) روزانہ مدرسہ میں آتی ہیں۔ بیگم صاحبہ نواب وقار الملک بہادر و دیگر بی بیاں بھی وقتاً فوقتاً تشریف لاتی ہیں۔ حالت موجودہ میں ایک چھوٹا سا مدرسہ ہے اس کے سکریٹری صاحب اس کی ترقی میں ہر امکان کوشاں ہیں۔ یقین ہے کہ نیا مدرسہ تیار ہونے کے بعد یہ مدرسہ بہت ترقی کریگا۔ اُستانیاں بھی بڑھجائیں گی۔ لیڈی سپرنٹنڈنٹ کوئی ایک یورپین لیڈی مقرر ہونے والی ہے۔ ہیڈ مسٹرس صاحبہ کہتی تھیں کہ سکریٹری صاحب پاس باہر سے بہت سے خطوط بورڈنگ ہوس کی دریافت میں آتے رہتے ہیں

اس مدرسہ کی نسبت یہ خیال کہ اس سے غریب لڑکیاں مستفید نہیں ہو سکینگی صرف دولتمند خوشحال گھرانوں کی لڑکیاں فائدہ اُٹھائیں گی زیادہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اسوقت مدرسہ میں زیادہ تر غریب و متوسط الحال گھرانوں کی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ امید ہے کہ آیندہ بھی غریب کم استطاعت لڑکیوں کی تعلیم کا خاص طور پر خیال رکھا جائیگا۔

خاکسار رابعہ سلطان بیگم

اڈیٹوریل

جنگ روم واٹلی

ہندوستان کے مسلمانوں میں بچہ بچہ روم واٹلی کے جنگ کے حالات سے واقفیت رکھتا ہے۔ اور چونکہ روم یا ٹرکی ایک ایسی اسلامی سلطنت ہے جس کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کی دنیوی عزت اور وقعت قائم ہے اس لیے دنیا کے ہر حصہ کے مسلمانوں کو اس جنگ کے نتائج سے خاص دلچسپی ہے اور سلطان المعظم کی افواج کی فتح کو وہ اپنی فتح سمجھتے ہیں اور اُن کی فوج کی شکست کو وہ اپنی شکست خیال کرتے ہیں۔

برخلاف اسکے کل یورپ میں عیسائی مذہب کا تسلط ہے اور صرف ترکی سلطنت ہی یورپ میں ایک اسلامی سلطنت باقی رہ گئی ہے۔ اسلیے اہل یورپ کو ترکی کی موجودگی خار گذر رہی ہے۔ اگر اُن کا بس چلے تو آج ترکی سلطنت کو پامال کر کے دار الخلافہ قسطنطنیہ میں یا کسی عیسائی شاہزادہ کو تحت پر بٹھادیں یا کل ملک کو بانٹ کر اپنی سلطنتوں میں شامل کرلیں۔

مگر ترکوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ ترک ایک بڑی جری قوم ہے اور یورپ کے کل اہل نظر ترکی سپاہیوں کے اعلیٰ اوصاف کے دل سے مداح ہیں اُن میں سچا ایثار، شجاعت، سادگی، کفایت شعاری جیسے اعلیٰ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ گو یہ کہا جاتا ہے کہ برخلاف ترکی سپاہیوں کے ترکی افسر لالچی اور دغاباز ہوتے ہیں مگر کسی زمانہ میں ہوتے ہونگے اب تو ہم دیکھتے ہیں کہ ترکی افسر اپنی فوج کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ اور عمدہ سے عمدہ مثال

ہیں. ایسے لوگوں کا صفحۂ ہستی سے مٹانا کچھ آسان بات نہیں ہے۔

اسی لیے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں خود تو ترکوں سے اُلجھتی نہیں مگر ایک چھوٹی سی حقیر سلطنت اٹلی کو شہ دیکر آگے بڑھا دیا ہی کہ وہ ٹرکی سلطنت کو اپنے پروگرام کے موافق ترقی نہ کرنے دے کیونکہ ترکوں نے جب سے جمہوری سلطنت قائم کی ہے یورپ کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ قوم بہت جلد ترقی کر کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ جائے گی اور پھر یورپ سے اُن کو اُکھاڑنا ناممکن ہوگا۔

ترکوں میں سب سے بڑی کمزوری یہ ہی کہ اُن کے پاس جنگی جہاز نہیں ہیں. سمندر میں وہ کسی کے مقابلہ کے قابل نہیں ہیں۔ اٹلی کے پاس گو اور سلطنتوں سے تو بہت ہی کم بیڑا جہازوں کا ہے. مگر جتنے جہاز اسکے پاس ہیں وہ ٹرکی کو دق کرنیکے لیے بہت کافی ہیں. کیونکہ ٹرکی ساحل بہت دور دور پھیلا ہوا ہے۔ اٹلی کے جہاز اُس کے جزیروں اور بندرگاہوں پر چھاپے مارتے پھرتے ہیں اور بعض جزیرے بھی اٹلی نے اپنے قبضہ میں کر لیے ہیں مگر ٹرکی کے پاس اسکے لیے کوئی روک تھام نہیں ہے

طرابلس افریقہ کے شمال میں ایک ملک ہے جو صدیوں سے ترکی سلطنت میں شامل رہا ہے۔ اب ٹرکی کو سوائے پانی کے راستے کے کوئی دوسرا راستہ پہونچنے کا نہیں ہے اور پانی کے رستہ کے لیے جہازوں کی ضرورت ہے جو ٹرکی کے پاس نہیں ہیں اٹلی نے جب یہ دیکھا کہ طرابلس کے علاقہ میں اگر لڑائی ہو تو ترک وہاں کسی طریقہ سے نہیں پہونچ سکتے اور ہم جہازوں کے ذریعہ سے وہاں پہونچ سکتے ہیں تو اٹلی نے زبردستی جہازوں کے ذریعہ سے طرابلس پر حملہ کر کے دو ایک شہروں پر قبضہ کر لیا اور اپنی بہت سی فوجیں ساحل سمندر پر ڈالدیں۔ ترکی فوج طرابلس میں بہت تھوڑی تھی وہ جنگی جہازوں کا مقابلہ تو نہ کرسکی مگر ساحل سے کچھ دور

فاصلہ پر پہونچکر اُس نے اپنے مورچے جما دیئے اور عرصہ ۸ ماہ کا ہوا کہ اسوقت تک اٹلی والوں کی بہت بڑی فوج کو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑہنے دیا۔

کہا جاتا ہی کہ اب اُس تھوڑی سی ترکی فوج کے ساتھ جو تعداد میں دس ہزار سے زائد نہ تھی قریب دولاکھ کے طرابلس کے اصلی باشندے جو عربی نسل کے ہیں اور بڑے جانباز اور بہادر لوگ ہیں وہ بھی شامل ہوگئے ہیں اور اٹلی والوں کو بہت تنگ کر رکھا ہی۔

یہ ایک بڑے افسوس کی بات ہی کہ باوجود اسکے کہ اٹلی نے تمام حقوق اور قوانین کے خلاف طرابلس پر حملہ کیا ہی کوئی شخص بھی یورپ بھر میں نہیں کہتا کہ اٹلی حق بجانب ہے مگر اٹلی سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور ایک دوسرے ملک کی آزادی نہ چھینے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہی کہ مذہب کے اختلاف کی وجہ سے ترکوں سے بجائے ہمدردی کے اہل یورپ کو ایک عناد ہی۔ اور چونکہ اٹلی ایک عیسائی سلطنت ہی اسلیے اُس کی زیادتی اور زبردستی بھی قابل اعتراض کے نہیں سمجھی جاتی۔

لڑائی کا نتیجہ کچھ ہی ہو مگر اس معاملہ میں یورپ جو کہ انسانی قدرتی حقوق کی حفاظت اور آزادی کا اپنے آپ کو بڑا وکیل اور حامی ظاہر کیا کرتا تھا اُس نے اس بات کو پورے طور پر ثابت کر دیا کہ یہ دعوی محض دہوکے کی ٹٹی تھی اس میں کچھ بھی اصلیت نہ تھی اور یورپ کی ہمدردی اور آزادی کا معیار صرف یہ ہی کہ عیسائی سلطنتیں آزاد رہیں اور دوسرے کُل دنیا کے مذاہب اُس کے زیر اثر رہیں۔

طرابلس کے زخمیوں کے لیے اور جو سپاہی اسلام کے لیے اپنی جان و مال

قربان کر رہے ہیں اُن کی بیواؤں اور بچوں کے لیے ہندوستان کے مسلمان
چندے کر رہے ہیں۔ اور ہماری رائے میں بھی موجودہ صورت میں ان چندوں
سے بہتر اور کوئی کار خیر نہیں ہے۔ ہم ناظرین اور ناظرات خاتون سے بڑے زور سے
اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان چندوں میں شریک ہوں۔

اب وہ وقت آگیا ہی کہ ہم زنانہ مدرسہ کے بورڈنگ ہوس کے آیندہ انتظام
کے متعلق بعض ضروری باتوں کا اعلان کریں۔ موجودہ بورڈنگ ہوس میں ہم
اُسکے تیار ہوجانے پر ۵۰ لڑکیاں بطور بورڈروں کے داخل کرسکیں گے۔
جس میں سے ۲۰ لڑکیوں کی جگہ تو بلحاظ اُن درخواستوں کے جو ہمارے پاس
آئی ہیں پر سمجھنی چاہییں اور ۵ لڑکیاں اور بھی ہماری نگاہ میں یقینی ہیں جو آئیں گی
اور جنکے مربیوں نے ہم سے وعدہ کرلیا ہی کہ ہم ضرور بھیجیں گے۔ ۱۰ لڑکیاں وہ
ہونگی جنکو ہم وظائف دیکر ٹریننگ کی کلاس میں داخل کرینگے اور پھر رفتہ رفتہ
اُن کی تعداد میں ترقی کرتے جائیں گے۔ کیونکہ اسوقت دس سے زیادہ
وظائف ہم نہیں دیسکتے۔ اور ان میں سے ۵ لڑکیاں تو ہمارے ہی مدرسہ کی
داخل ہوسکیں گی اور ۵ لڑکیاں باہر کے کسی مدرسے سے درخواست پر بھرتی کیجاسکتی
ہیں۔ باقی ہمارے پاس ۴۰ لڑکیوں کی جگہ رہتی ہی جن کی درخواست آنے پر
ہم اُنکے نام رجسٹر میں درج کرینگے۔ اور بورڈنگ ہاؤس کی تیاری پر اُن کو حق
ترجیح حاصل ہوگا۔

اخراجات کے متعلق مختلف آرا ہیں۔ بعض صاحبان کا جو زیادہ باثروت
ہیں وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہماری لڑکیاں اگر داخل ہوں تو اُنکے لیے کل انتظام
اعلیٰ پیمانہ پر ہو۔ اور بعض کا یہ خیال ہی کہ کل لڑکیوں کو نہایت معمولی حالت میں

رکھنا چاہیے۔ مگر ہم لڑکوں کے بورڈنگ ہوس کے متعلق اسی طریقہ کو اختیار کرینگے جو ایم اے او کالج میں ابتک جاری رہا ہے۔ اور جو تجربہ سے ابتک کامیاب ثابت ہوا ہے۔ ہم اخراجات کے دو درجے رکھیں گے۔ اور ان دونوں درجونکی تعداد کا اعلان بعد غور کے آیندہ کیا جائیگا۔

ایک صاحب نے اپنے ایک نوازشنامہ کے ذریعہ سے ہم سے دریافت کیا ہے کہ بعض لوگ مدرسۂ نسواں علی گڈھ سے مخالفت کر رہے ہیں اس مخالفت کی وجہ کیا ہے۔

ناظرین اور ناظرات خیال کر سکتے ہیں کہ اس سوال کا جواب ہمارے لیے کس قدر دشوار ہے۔ مخالفت کے جو کچھ اسباب ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مگر اصلی سبب جسکو ام الاسباب کہنا چاہیے وہ ہماری قوم کے بعض اصحاب کی اختلاف پسند طبائع ہیں۔ یہ تو ناظرین و ناظرات کو بخوبی معلوم ہے کہ جس قدر مخالفت ایم اے او کالج کے قائم ہوتے وقت مسلمانوں نے کی تھی اسکا عشر عشیر بھی مدرسۂ نسواں سے مخالفت نہیں ہوئی۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایم اے او کالج کے تجویز کرنے والے کوئی ایسے شخص تھے جو قوم کی بہتری وبہبودی دل سے نہیں چاہتے تھے اسلیے مخالفوں کو مخالفت کا موقع ملا تھا۔ یہ بات کوئی بھی نہیں کہتا ہے۔ نہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایم اے او کالج فی الواقع ایک مفید درسگاہ نہ تھی اسلیے لوگوں کو مخالفت کا موقع ملا۔ ہماری یونیورسٹی کی تحریک شاید ایک ایسی تحریک ہے کہ جس کی نسبت ہم کو ایک مسلمان سے بھی یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ مخالفت کریگا مگر دل کو صدمہ پہونچانے والا تو یہ واقعہ ہے کہ لوگوں نے اس کی بھی مخالفت کی۔

اسلامیہ کالج لاہور کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اہل اسلام کے لیے مفید انسٹیٹیوشن ثابت نہیں ہوا۔ مگر ہم نے اخبارات میں اسکے خلاف بھی مضمون پڑھے۔ ندوۃ العلما جو ایک ایسی کوشش تھی جس کے ذریعہ سے ہر مسلمان سمجھ سکتا تھا کہ ہمارے علما اپنی حالت کو بدل کر اپنی تعلیمی اصلاح کرنا چاہتے تھے اور ہر مسلمان کے دل میں یہ خواہش تھی کہ ہمارے علما اپنے نصاب تعلیم کو چھوڑ کر زمانۂ حال کے طریقۂ تعلیم کو اختیار کریں مگر ہم نے اس کی بھی نہایت سخت مخالفت دیکھی تو پھر یہ سوال کرنا کہ مدرسۂ نسواں کی کیوں مخالفت ہو رہی ہے یہ سوال کوئی واجبی سوال نہیں ہے۔

مخالفت کرنے والے حضرات کو ہم پورا اختیار دیتے ہیں کہ وہ مخالفت کریں مگر جائز مخالفت کریں۔ راستی تہذیب، اخلاق اور اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اگر اُن کی مخالفت راستی اور نیک نیتی پر مبنی ہوگی تو اُس سے قوم کو فائدہ پہونچے گا۔ بسبب بشریت کے ہر شخص میں نقائص موجود ہیں اور ہم نے نقائص بشریت سے مُعرا ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ ہم کوئی غلطی کر رہے ہوں اور کوئی نیک نیت مخالف ہماری غلطی سے ہم کو متنبہ کرے تو ہم اپنی غلطی سے مطلع ہو جائیں۔

البتہ اسوقت تک جسقدر بزرگوں نے مخالفت کی ہے ہم کو وہ ایک خلاف اصول مخالفت معلوم ہوئی ہے۔ کسی مخالفت کرنے والے کا یہ کہنا کہ اب علی گڑھ میں مدرسہ قائم نہ کردیا شروع میں مدرسہ قائم کرنے میں غلطی کی ایک بیجا اور ناجائز مخالفت ہے۔

ایسے حضرات فی الواقع اپنی مخالفت سے اپنی قوم کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اور کیا اب اُن کی مخالفت سے ایک ہرے بھرے

پودے کو جو دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے اُسکو اُکھاڑ کر پھینک دینگے ہم اُن کی مخالفت کو اور اس کوشش کو کہ مدرسہ کو نقصان پہونچے نہایت سخت حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور ہم اُن کو یقین دلاتے ہیں کہ مسلمانو کی قوم کی آیندہ نسلیں اُن کی اس موجودہ بیجا مخالفت کے لیے اُن کی حالت پر افسوس کرینگی۔

مولانا حافظ نذیر احمد مرحوم و مغفور

شمس العلما، مولانا نذیر احمد صاحب نے ۲۔ مئی کو بعارضۂ فالج دہلی میں انتقال فرمایا۔ اگرچہ مولانا مرحوم عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے اور ان کا سن شریف اسی سال سے متجاوز ہوچکا تھا لیکن ان کے انتقال سے ایک بہت بڑا عالم و فاضل ادیب اور مقرر رہنما ہماری قوم کا اُٹھ گیا۔

اس نئی تحریک میں اللہ تعالی نے جو برکتیں مسلمانان ہند کو عطا کی تھیں منجملہ انکے ایک مولانا موصوف کی ذات تھی۔ ان میں ایک عجیب و غریب کمال یہ تھا کہ جس طرح ان کی تحریر بے نظیر تھی اسی طرح ان کی تقریر بے مثل تھی۔ انجمن حمایت اسلام اور علیگڈھ کانفرنس کی کامیابیوں کی باعث بہت زیادہ مولانا موصوف کی تقریریں تھیں۔ انھوں نے قوم کی علمی، اصلاحی اور مذہبی خدمات میں اپنے سرمایہ علوم کو تقریر اور تحریر کے ذریعے سے صرف کیا۔ اور مالی امداد سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

ان کی تصنیفات پاکیزہ خیالات اور اعلی زباندانی کے لحاظ سے گورنمنٹ اور قوم دونوں میں بے حد مقبول ہوئیں۔ بالخصوص مسلمان خواتین کی لائبریریوں کی زینت تو زیادہ تر انہیں کی تصانیف ہیں۔

مولانا موصوف نے باوجود بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر رہنے کے جوانی میں بطور خود انگریزی پڑہی اور پھر قرآن شریف چھ مہینے میں حفظ کر لیا۔ ان کو غیر معمولی دل و دماغ اور قوائے ذہنی فطرت کی طرف سے عطا ہوئے تھے اُنھوں نے کفایت شعاری کرکے محض اپنی کوشش بذریعہ تجارت و تصنیف کے بہت دولت پیدا کر لی۔ اندازہ یہ کیا جاتا ہے کہ مولانا موصوف دس بارہ لاکھ روپیے کے آدمی تھے۔ اور یہ سب خود ان کی کمائی تھی۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم و مغفور کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ان کے صاحبزادے مولوی بشیرالدین صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور انکے قدم بقدم چلنے کی توفیق۔ ۔ آمین۔

بیوی کے کاروباری حقوق۔ امریکہ کی ایک قانونی عدالت میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا بیوی بغیر مرضی اپنے شوہر کے کوئی کاروبار جاری کرنے کی مجاز ہے یا نہیں اس مقدمہ میں شوہر نے بیوی کے تمام واجبی اخراجات برداشت کرنے کی بابت اپنی قابلیت اور رضامندی کا اظہار کرکے اس امر کی استدعا کی تھی کہ بیوی کو اس کی مرضی کے خلاف تجارتی کاروبار کھولنے سے روکا جائے۔

عدالت نے اس مسئلہ میں وکلاے فریقین کی بحث کو سُنکر یہ فیصلہ لکھا

شوہر اپنی حیثیت اور منصب کے موافق اپنی بیوی کے واجبی اخراجات برداشت کرنے کا قانوناً پابند ہے۔ اور بطور ایک تبادلہ لازمی کے وہ اپنی بیوی کی خدمات اور ہم مجلسی کا بھی مستحق ہے۔

یہ امر متنازعہ نہیں ہے کہ بیوی شوہر کی رضامندی سے اپنا کوئی کاروبار علیحدہ کرے۔ بلکہ اس قسم کی کوئی مثال نہیں پائی جاتی اور نہ وکیل نے

نے پیش کی ہو جس سے یہ ثابت ہو کہ بیوی کو بھی یہ اختیار حاصل ہے کہ جس حالت میں شوہر اسکا نان ونفقہ دینے پر آمادہ ہو وہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کاروبار جاری کرے۔

اس سے قبل بھی ایک اور مقدمہ میں جو میاں بیوی کی شراکت کے متعلق تھا یہ فیصلہ صادر کیا گیا تھا۔

کہ میاں بیوی کے اہم اور مقدس تعلقات کو جو ایک مہذب سوسائٹی کی بنیاد ہیں ان جھگڑوں سے جو مشترکہ جائداد اور ذمہ داریوں وغیرہ سے پیدا ہونگے نقصان نہ پہونچنے دینا چاہیے۔

مذکورۂ بالا فیصلے ایک ایسے ملک (امریکہ) کی اعلیٰ عدالتوں نے صادر کیے ہیں جسکو اپنی آزاد خیالی ومساوات پسندی پر بڑا ناز ہے۔ ان فیصلوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ یورپین تہذیب کا قانون کیسی سختی برتتا ہے۔ اور کس طرح وہ لوگ عورتوں کو ان حقوق کے دینے سے دریغ کرتے ہیں جو اسلام نے روز اول سے اُن کو عطا فرما دیئے ہیں۔

زنانہ اسکول۔ سیٹھ سردار لال بھائی نے احمد آباد میں اپنی والدہ ماجدہ کی یادگار میں بیس ہزار روپیہ کے خرچ سے ایک مکان بنا کر اس میں کنیا پاٹ شالا کھولا ہے۔

ایک پارسی خاتون کی فیاضی۔ بمبئی کی مشہور پارسی خاتون بائی جابائی فرامجی دین شاہ پٹیٹ پارسی لڑکیوں کے لیے ایک یتیم خانہ اپنی والدہ کی یادگار میں قائم کرنا چاہتی ہیں۔ جس کے لیے بارہ لاکھ روپیے کے جواہرات ایک معتمد

جماعت کے سپرد کیے گئے ہیں۔

ریویو

صحت النساء ۔ اس کتاب میں ڈاکٹر عزیز الدین صاحب میڈیکل افسر ریاست دوجانہ ضلع رہتک ڈاکخانہ بیری سے عورتوں کے کل امراض کا بیان اور اُن کا علاج بہت سہل اور آسان طریقہ سے لکھا ہے۔ یہ کتاب موجودہ زمانہ کی روش پر نہایت خوبی سے لکھی گئی ہے۔ اور ڈاکٹری علاج ہر ایک بیماری کا نہایت آسان بتایا گیا ہے۔ کتاب عام فہم ہے۔ حجم ۱۱۲ صفحے قیمت عہ/ ۱۲

محافظ الصبیان ۔ یہ کتاب بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کی جدید تصنیف ہے۔ اس میں بچوں کا نہایت آسان اور سہل ڈاکٹری علاج بتایا گیا ہے۔ بہت خوبی سے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اور بچوں کی تمام ضروریات پر حاوی ہے ہر پڑھا لکھا شخص اپنے بچوں کا علاج اس سے کر سکتا ہے۔ حجم ۷۶ صفحے قیمت ۸؍
ان دونوں کتابوں کا کاغذ اور نیز چھپائی متوسط ہے۔ اور اس لحاظ سے قیمت دونوں کی زیادہ ہے۔

مصنف سے مل سکتی ہیں

رجسٹرڈ نمبر اے (۴۷)

خاتون

جلد ۸ | بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سیکشن

فہرست مضامین

۱ شگون ... بنت محمد صبغۃ اللہ صاحب چیدہ ... ۱
۲ پھولوں کی ڈالی ... عباسی بیگم صاحبہ ... ۵
۳ قید فرنگ ... ز، خ، ش صاحبہ ... ۱۵
۴ کیڑے کی التجا ... سید منظر حسین صاحب ... ۲۴
۵ انقلاب ... " ... ۲۵
۶ کنواری لڑکیوں کا پردہ سی پردہ ... مسز کے۔ ایم طفیل احمد صاحب ... ۲۶
۷ پردے سے پردے پر ایک نظر ... عزیزہ بیگم صاحبہ ... ۲۷
۸ جاپان ... سید خورشید علی صاحب ... ۳۰
۹ تحریر النساء ... " ... ۳۳
۱۰ کرشمۂ قدرت ... پروفیسر سید صغیر علی بی۔ اے ... ۳۵
۱۱ بے ثباتی دنیا ... ز صاحبہ ... [illegible]
۱۲ [illegible] ... [illegible]

خاکسار عبد اللطیف پرنٹر کے اہتمام سے
مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (عہ)
اور ششماہی ۱۲ آنہ ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی
مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ
نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے
اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی شدضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات
کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ
لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست
ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات کے پڑہنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد
کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور
کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو
زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنیکے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے
کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت
کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

شرک

ا۔ ب۔ ن صاحبہ نے جو مضمون مارچ نمبر کے خاتون میں لکھا ہے اُس کو میں نے پڑھا اور بہت پسند کیا۔ ان دنوں ایسے مضامین بکثرت لکھے جانا چاہییے۔ خاص کر عورتوں کو ایسے مضامین کی طرف توجہ دلائی جائے۔ شاید ہندوستان ہی ایک ایسا ملک ہوگا جہاں کا کوئی حصہ شرک سے نہ بچا ہو۔ جاہل مسلمان تو ایک طرف لکھے پڑھے ہوئے لوگ بھی شرک کے دام میں گرفتار ہیں۔ شرک جو مسلمانوں میں پھیلا ہے وہ ہمارے ہندو بھائی بہنوں کی صحبت کا اثر ہے۔ پہلے زمانہ میں ہندوؤں کے رسومات صرف تماشے کے طور پر لیے تھے مگر رفتہ رفتہ رسومات کا وہ حصہ جو اَب شرک کے نام سے پکارا جاتا ہے مذہب کا ایک جز قرار دیا گیا۔

میرے خیال میں مشائخین کا طبقہ بھی ایک حد تک اس بات کا بڑا ذمہ دار ہے، ناظرین غلطی نہیں کرنی چاہییے میرا مقصد ہرگز اس مقدس گروہ پر حملہ کرنیکا نہیں ہے

مگر آج کل جیسی مشائخی چل رہی ہے اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جس شخص کو مشائخوں سے سابقہ پڑا ہو اُس کا دل خوب جانتا ہے کہ اسکو کن کن باتوں کی تاکید ہوا کرتی ہے جو علاج سے کسی طرح تعلق نہیں رکھتیں۔ بلکہ صرف دنیا پرستی کے ڈھکوسلے ہوتے ہیں کسی کی کیا مجال ہے کہ یہ کہہ سکے کہ نام الٰہی میں شفا نہیں ہے۔ بلکہ اسکا انکار کرنے والا پھر مسلمان کیونکر رہ سکتا ہے۔

اب میں ایک مثال پیش کرتی ہوں۔ فرض کیجیے کہ ایک شخص بیمار ہے۔ حکیم کہتا ہے کہ دوا دوا اچھا ہو جائیگا۔ مگر دنیا پرست مشائخ عمداً اُس کو شیطان بناتا ہے۔ فی زمانا لوگوں کے عقیدے اس قدر بگڑے ہوئے ہیں کہ حکیم کی بات کا اعتبار تو ہوتا نہیں مگر مشائخ کے کہے پر فوراً اعتقاد آ ہی جاتا ہے۔ مشائخ صاحب کہتے ہیں کہ مجکو ایک ایسے مرغ کی ضرورت ہے۔ جسکا رنگ بالکل سپید ہو۔ عمر اتنی ہو، قد و قامت ایسا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ مشائخ صاحب کا دل خوب جانتا ہے کہ ایسے مرغ کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ تاہم اپنا رسوخ بڑھانے اور اس شخص کے اعتقاد کو اور مضبوط کرنے کے لیے یہ سب باتیں کرنی ضروری ہیں۔ اس سے مشائخ صاحب کا تو بظاہر کچھ نہ بگڑا بلکہ فائدہ ہی ہوا کیونکہ اچھا فربہ مرغ کھانے میں آیا مگر بیمار اور اس کے متعلقین کے عقیدے میں بڑا خلل پڑا۔ اگر بیمار اچھا نہ بھی ہوا تو مشائخ صاحب پر کچھ اعتراض نہیں ہوتا بلکہ یہی عذر و حیلہ پیش ہوگا کہ شاید مرغ کے رنگ میں کچھ خامی ہوگی۔ ایسے ہی باتوں سے عقیدے بگاڑنے کے مشائخین ذمہ دار ہیں۔

اگر اگلی اسلامی تاریخ دیکھو گے تو زمانہ سابقہ میں ایسی ایک بات کا بھی پتہ نہیں چلیگا اسلام میں ایسی باتیں ہی کہاں ہیں کہ رواج پاتیں۔ اسلامی سادگی تو دوسرے مذہب والوں کے واسطے ایک نظیر تھی اور ہے۔ افسوس اب وہی اسلام ہے جس کا ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو کافر بتلاتا ہے۔ خدا اور رسول کا حکم تو بھول گئے۔

اب آپس میں فروعی باتوں پر تلوار چلنے لگی ۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ نماز پڑھو مگر کہتا ہی تو یہی کہتا ہی کہ دیکھو فلاں آدمی کیسا بے ایمان ہی کہ گیارہویں کی فاتحہ تک نہیں دلاتا اپنی مرادیں کسی پیر سے نہیں مانگتا اور مانگنے کو بُرا سمجھتا ہی۔ فلاں پیر کی فاتحہ میں کھیر کے عوض چاول پکانے کو جائز کہتا ہی۔ اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں ۔ سچ ہی کہ کسی مذہب کا صحیح اندازہ اس کے پیروی کرنے والوں سے نہ چاہیے

میری دانست میں ایسی باتوں کا دوسرے صوبوں کی بہ نسبت صوبۂ مدراس زیادہ مجرم ہی۔ فیصدی نوّے آدمی ایسے ہیں جن کو خدا پر توکل نہیں ۔ اگر بھروسہ ہی تو صرف پیروں اور ولیوں پر خواہ وہ زندہ ہوں یا مرحوم ۔ دوسرے ممالک کے طور پر یہاں بھی درگاہوں کی کمی نہیں ہی۔ اولیا کے مزارین جابجا موجود ہیں ۔ جنکی درگاہیں ہمیشہ مرادیں مانگنے والوں سے بھری رہتی ہیں ۔ بعض تو ایسے راسخ عقیدہ کے ہوتے ہیں کہ اپنی مرادیں پوری ہونے تک وہیں پڑے رہتے ہیں ۔ شادی کے لیے ہو یا بچہ ہونے کے لیے ہو جو مرادیں مانگی جاتی ہیں خدا کی پناہ ۔ میں اُن کو بیان نہیں کر سکتی ۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ خدا ہی اُن لوگوں کو نیک توفیق دے ۔ ہماری زبان میں ایسا اثر کہاں کہ خدا قبول کرے ۔

ہمارے علما کا فرض ہی کہ جاہلوں کو ایسے بداعتقادی سے روکیں ۔ لوگوں کے کہنے پر ہرگز خیال نہ کریں ۔ اگر لوگوں نے یہ کہا بھی کہ فلاں عالم جو ہم کو ایسی باتوں سے روکتا ہی اس کا یہی سبب ہے کہ وہ وہابی ہو گیا ہی یا نیچری ہو گیا ۔ تو میں پوچھتی ہوں کہ عالموں کا ایسی باتوں سے ہوتا ہی کیا ہی۔ خدا کے پاس نیک نیتی کے ساتھ گئے تو بس ہی۔ اگر لوگ ہزار بُرا کہیں تو پرواہ ہی کیا ہی۔

یہی شرک ہی جسنے ہم کو ترقی سے روکا ہی اور دنیا کی قوموں میں ذلیل کر چھوڑا ہی۔ خدا سے یہی التجا ہی کہ الٰہی ! تو ہم کو ان شرکی عقیدوں اور آفات و

بلیات سے بچا۔ توحید اور نیک عمل کی ہدایت کر کہ ہم تیرے روبرو سرخرو آئیں،

نہایت خوشی کی بات ہے کہ سچی تعلیم نے (میری مراد انگریزی تعلیم ہی سے نہیں بلکہ ہر طرح کی تعلیم سے ہے) ایسے بداعتقادات کو بہت کم زور کر دیا ہے۔ اگر ہمارے انگریزی خواں بھائی سُست عمل نہ ہوتے اور اپنے مذہب کی پوری پابندی کرتے تو یقیناً وہ اسلامی سچی سادگی کے نمونے بن سکتے تھے۔ مگر اپنی سست عملی سے ان لوگوں نے عوام میں بدگمانی پیدا کر رکھی ہے۔ یہ لوگ جیسا دل میں سمجھتے ہیں ویسا کر دکھائیں تو نہایت عمدہ بات ہے۔ اب میں یہاں کی ایک دو درگاہوں کا ذکر کرنا چاہتی ہوں۔

مدراس سے قریب میں ایک درگاہ تمیم انصاری کے نام سے مشہور ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ صحابی تھے ولی ہونے میں تو کچھ شک نہیں۔ سال میں ایک دفعہ ان کی درگاہ پر جشن ہوتا ہے۔ جو کام اسوقت وہاں ہوتے ہیں اُن کا ذکر کرنے سے بھی مجھے شرم آتی ہے۔ عوام کو اس درگاہ سے بہت اعتقاد ہے کہ مرادیں پوری کرنے میں یہ بزرگ بہت پایہ رکھتے ہیں۔ عوام کے دل سے اس خیال کو دور کرنا فی الحال دشوار ہے۔ بعض لوگ تو یہاں پر سجدہ کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے ہیں بچوں کو ان کی قبر پر سے صدقہ کرتے ہیں۔ اور اقسام کے مکروہات ہوتے ہیں مثلاً اُن کے نام پر بکرے کا چھوڑنا وغیرہ۔ یہ سب شرک نہیں تو اور کیا ہے۔

بعض ولیوں کے نام سے دریا میں ناریل تک چھوڑے جاتے ہیں۔ بیماروں کی مرادوں کے لیے تو ناگور کے قادر ولی لوگوں کے خیال میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ یہ نیت اس طرح کی جاتی ہے کہ اگر آنکھ میں درد ہو تو روپیے کی آنکھ۔ ہاتھ کی علت ہے تو روپیے کا ہاتھ۔ پاؤں کی بیماری ہے تو روپیے کا پاؤں۔ غرض جیسی ضرورت رہی ویسی چیز لیجا کر بڑے اعتقاد سے درگاہ پر چڑھاتے ہیں۔

ایسی مرادوں پر دو چار سو روپیہ تو ضرور خرچ کر دینے میں تامل نہیں ہوتا۔ مگر خدا کی راہ پر ایک پیسہ دینے کے لیے دم نکل جاتا ہی۔ قادر ولی کے نام کے جھنڈے بھی کھڑے کیے جاتے ہیں جن پر گوم کی شکل کا ایک پھریرا چڑھایا جاتا ہی۔ یہ کام مشائخین کے گھروں میں بھی ہوا کرتا ہی۔ شادیوں کے سہرے کے پھول خواجہ خضر کے نام پر دریا میں چھوڑنا ابتک جاری ہی۔

اب میں مضمون کو اس سے زیادہ طول دینا نہیں چاہتی ہوں کہ ناظرین طوالت سے اُکتا جائیں گے۔ میں امید کرتی ہوں کہ ناظرین میری غلطیوں کو غور کی نظر سے دیکھیں گے کہ یہ میرا پہلا مضمون ہی۔ میری دعا ہی کہ خداوندا! تو میرے اور میرے بہن بھائیوں کے گناہوں کو معاف کر۔ اے اللہ! تو سب مسلمانوں کو ناپاک شرک کے مرض سے بچا۔ تو ان کو وہ سیدھا راستہ دکھلا جس سے تو خوش رہے اور تیرا پیارا رسول۔ خداوندا! تو ہماری قوم کو دنیا میں ممتاز۔ بے نظیر اور محمود بنا۔ یا اللہ تو ہم کو ایسی روشنی میں لے چل کہ ہم حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ آمین۔

راقمہ

بنت محمد صبغۃ اللہ صاحب حمیدہ

از مدراس

باسکٹ آف فلاورس

پھولوں کی ڈالی

ملک جرمنی میں ایک قصبہ ایمبرگ نامی آباد ہی تقریباً سو برس کا عرصہ گذرا کہ اُس قصبہ میں ایک شخص یعقوب نامی رہتا تھا۔ اسکا قیام وہاں بچپن ہی سے

تھا جس کی اصلی غرض باغبانی کے کام سے واقف ہونا تھا۔ یعقوب جو فطرتاً ہوشیار اور مستعد تھا کونٹ آف ایمبرگ کے باغات میں کام کیا کرتا تھا اس کے عمدہ صفات اعلیٰ خیالات نیک طینت کارگزاری ہر کام میں مستعدی سب سے زیادہ اس کے سیدھے پن نے کونٹ کے خاندان کو اپنا مہربان ہمدرد بنا لیا اور اس سے محل کے دوسرے کام بھی لیے جانے لگے یہانتک کہ جب نوجوان کونٹ کی تعلیم کا زمانہ ختم ہوا اور اس کو سفر در پیش ہوا تو یعقوب کو ہمراہی کی عزت بخشی گئی۔

اس سفر میں اس نے بڑے بڑے شہروں کو دیکھا مختلف ممالک و بلاد اور مختلف اضلاع کے لوگوں سے ملنے اور اپنی معلومات بڑھانے کا عمدہ موقع ہاتھ لگا۔ تعلیم یافتہ لوگوں سے اُس نے آداب گفتگو کی واقفیت حاصل کی نیز اپنے کیرکٹر کی اصلاح کی۔ جب وہ سفر سے واپس ہوا تو لوگ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ یعقوب ویسا ہی نیک طینت خوش مزاج ہے دوسرے ملکوں کی آب و ہوا نے اس کے عمدہ صفات پر کوئی اثر نہیں کیا۔

اثناء سفر میں اُس نے اپنے آقا کو خوش رکھنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا واپسی پر کونٹ نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ یعقوب کو اپنے محل کا جو خاص دار السلطنت میں واقع تھا داروغہ مقرر کرنا چاہا۔ یہ ایک ایسی عزت تھی جو اس زمانے میں بہت کچھ عزت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی۔

ایمبرگ میں کونٹ کے علاقہ کا ایک قطعہ زمین حسن اتفاق سے اُسوقت خالی ہوگیا تھا۔ اس میں مکان بنا بنایا موجود تھا نصف قطعہ میں درخت لگے تھے اور نصف میں ترکاریاں بوئی جاتی تھیں۔ چونکہ یہ قطعہ یعقوب کی مرضی کا تھا اسکو بہت پسند آیا اس لیے اُس نے اپنے آقا سے درخواست کی کونٹ نے نہایت خوشی سے اپنے وفادار خادم کو اُس کی کارگزاریوں کے صلہ میں

وہ جگہ مفت عنایت کی اور اُسکو تمام عمر رہنے کے لیے اجازت دیدی غلہ لکڑی پانی وغیرہ کا انتظام ہمیشہ کے لیے کردا تا رہا۔

یہ بات یعقوب کے سے منکسر المزاج شخص کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی اب وہ اس قابل ہوا کہ ایک سلیقہ مند نیک بخت نوجوان لڑکی سے شادی کی درخواست کرے اور وہ منظور بھی ہوگئی۔ میاں بی بی آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے اسکا قاعدہ یہ تھا کہ صبح سویرے اُٹھتا اور دن کا بڑا حصہ اپنے اس باغ کی خبرگیری میں صرف کرتا اسی طرح سالہا سال معہ اپنی بی بی کے جس نے اپنے آپ کو ہر طرح لائق قابل ثابت کر دکھایا تھا بڑے اطمینان سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ افسوس تھوڑے عرصہ کے بعد اس کی نیک بی بی نے انتقال کیا۔

نیک دل یعقوب دن بدن ضعیف ہوتا چلا پیری کے آثار ہویدا تھے اسکے سر کے بال سفید ہو چلے اسکے صرف ایک لڑکی تھی جو اس دنیا میں اکیلی اس کی ہمدرد تھی اس کی عمر ماں کے انتقال کے وقت صرف پانچ سال کی تھی اسکا نام میری تھا جو اس کی ماں کے نام پر رکھا گیا تھا۔

لڑکی کے عادات ماں سے ملتے جلتے تھے۔ میری بہت حسین اور پیاری لڑکی تھی جیسے وہ بڑھتی گئی حیا نیکی اخلاق کی صفتیں اسکے حسن کو دوبالا کرتی جاتی تھیں۔ وہ بہت ہر دلعزیز لڑکی تھی۔ پندرہ برس کی عمر سے پہلے اپنے بڈھے باپ کے کل کام انجام دینے لگی۔ وہ گھر کی ہر ایک چیز باورچی خانے کے برتن بالکل صاف ستھرے رکھتی تھی جیسے نئے ہوں۔

علاوہ گھر کے کاموں کے میری اپنے باپ کو (جو اپنے دماغ میں بے بہا عقل کا خزانہ رکھتا تھا جو اپنی دلچسپ باتوں سے اُسکو بہلائے رکھتا تھا) کسی قسم کی بار نہیں معلوم ہوتی۔ باغ کی خبرگیری میں نہایت درجہ کی مستعدی سے ہاتھ

بتاتی۔ میری کو بچپن ہی سے پھولوں سے عشق تھا وہ پیدا بھی باغ میں ہوئی تھی اور
اتنی عمر کو بھی پہونچی اسی باغ میں۔ اُس کا باپ ہر سال اُسے نئے نئے بیج اور جڑیں
اور قلم لاکر دیتا جنھیں وہ کیاریوں کے کنارہ کنارہ جمادیتی۔ اُس کا یہی کام تھا
جسے وہ فرصت میں کرتی تھی۔ اسکے ہرے بھرے پتوں کو دیکھتی تو باغ باغ ہوتی
یہانتک کہ پھول پھولنے کا زمانہ آجاتا کلیوں کو دیکھ کر اُس کے دل میں یہ خواہش
پیدا ہوتی کہ کہیں جلدی سے پھول کی شکل میں ظاہر ہوں۔ مگر چونکہ اُسے اپنی خواہشات
پر اختیار رکھنے کی پوری تعلیم دی گئی تھی اس لیے وہ نہایت صبر سے اس کا
انتظار کرتی۔ جب پھول کھلتے میری کے مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ ہوتا وہ بے انتہا
خوش ہوتی۔ اس کا باپ یہ دیکھ کر کہا کرتا کہ اے بیٹی تیری یہ خوشی پاک و
خالص ہے۔

اکثر والدین اپنے بچوں کو لباس و زیور سے خوش کرنا چاہتے ہیں صدہا
روپیہ صرف کرتے ہیں ان کے مقابلہ میں صرف چند پیسوں سے بیج خرید لاتا ہوں
مگر اس تھوڑے سے خرچ سے جسقدر میں تم کو خوش کرسکتا ہوں دوسرے والدین
اپنی اولاد کو نہیں کرتے۔

میری اکثر کہا کرتی تھی کہ ہمارا باغ کوئنٹ کے باغ سے نفاست خوبصورتی میں
کچھ کم نہیں۔ درحقیقت میری کا باغ ایسا سرسبز و دلکش تھا کہ کوئی رہگیر بھی جب تک
ٹھہر کر نظر بھر نہ دیکھ لے قدم نہیں اُٹھاتا۔ اور میری بھی اُن کو کوئی گلدستہ اپنے
باغ سے دیئے بغیر خالی نہ بھیجتی۔

عاقل و فرزانہ باپ نے جب میری کو پھولوں سے اسقدر دلچسپی لیتے ہوئے
دیکھا اُس نے پھولوں کے ذریعہ سے فائدہ حاصل کروانا چاہا ع چہ خوش بود
کہ برآید بیک کرشمہ دو کار۔

اُس نے میری کو سمجھایا کہ پھول سی عجیب اور خوبصورت چیز کا بنانے والا وہ قادر مطلق ہی جو سب سے زیادہ عقلمند ہی۔ وہ صبح کو سب سے پہلے خدا کی عبادت کرتا تھا وہ معمول سے ایک گھنٹہ پیشتر اُٹھتا اُسکا یہ قول تھا کہ جو شخص دن بھر میں کم از کم نصف گھنٹہ اپنے کاروبار سے نکلکر خدائے برتر کی عبادت اُس کی یاد میں صرف نہ کرے اور اُس سے یہ نہ چاہے کہ تمام دن نیک کاموں اور حلال طریقہ پر محنت کرنے میں گذرے اُس کی زندگی بیکار ہی۔

چنانچہ وہ گرمی و بہار کے موسم میں میری کے ساتھ صبح کو ایک کنج باغ میں بیٹھتا جہاں وہ دونوں طائرانِ خوش الحان کی نغمہ خوانی اور رنگ برنگ کے پھولوں پر شبنم کے قطروں سے بے حد محظوظ ہوتے تھے۔

یعقوب نے یہ بات اچھی طرح میری کے ذہن نشین کر دی کہ خدا ہی تمام مخلوق مہربان اور رحمدل مالک ہی وہ ہم میں طرح طرح کے رنگ اور صورتوں میں آشکارا ہوتا ہی کہ ہمیں اس کی خیریت اور معرفت حاصل ہو اور ہم اس سے محبت کرنے لگیں۔ اور یہ کہ ہمیں اُس بے نیاز کی درگاہ میں نہایت ادب سے ہمہ تن رجوع ہو کر دعا مانگنی چاہیے۔

بہر طور ان باتوں سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوا کہ میری کے دل میں نیکیاں کرنے اور خدائے برتر کی عبادت کا خیال جم گیا۔ میری کو گل سوسن دیولٹ اور گلاب بہت پسند تھے۔ یعقوب انہیں پھولوں کی نیچرل کیفیتوں کے ضمن میں اُسے اس قسم کی نصیحتیں کرتا جو ایک عورت کے لیے ضروری ہیں۔

ایک دن مارچ کے مہینے میں علی الصباح میری نے چند پھول دیولٹ کے لاکر باپ کو دیئے اور اس امید میں تھی کہ اسکا باپ ان پھولوں کی تعریف کریگا یعقوب نے کہا اے میری پیاری بیٹی تجھے چاہیے کہ ان پھولوں سے فروتنی اور

سب سے پوشیدہ طور پر نیکیاں کرنے کا سبق حاصل کرے۔ اس پھول کا قاعدہ ہے کہ بند جگہ میں زیادہ خوشبو دیتا ہے۔ میری خدا کرے تم بھی اسی طرح حیا پرور ہو فضول نمائش خود نمائی سے بچو۔ اور سبھوں کے ساتھ ایسا نیک سلوک کرتی رہو کہ کانوں کان دوسروں کو خبر نہ ہو۔

ایک دن یعقوب نے صبح سویرے باغ میں سوسن اور گلاب کے کھلے پھولوں کو بیٹی کو بتا کر کہا کہ میری اس پھول کی طرح تم کو اپنا دل بالکل صاف رکھنا چاہیے دیکھو تو یہ کس قدر سفید اور خوبصورت ہے۔ اس کی پنکھڑیاں برف سے زیادہ صاف کپڑے کو مات کر رہی ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ لڑکی جس کا دل اس طرح اُجلا اور صاف ہو۔

جس طرح سوسن کو بے احتیاطی سے چھونے پر اس کی صفائی جاتی رہتی ہے اسی طرح بُرے فاسد خیالات سے صفائی قلب دور ہو جاتی ہے۔ میری تم حیادار مثل گلاب کے بنی رہو وہ رنگ جو کسی حیادار عورت کے رخسار پر اس کی حیا کی بدولت پیدا ہو جاتا ہے گلاب کی رنگت سے بھی زیادہ دلکش ہوتا ہے۔ سوسن اور گلاب دونوں ایک جگہ ملے ہوئے کیسے بھلے لگتے ہیں۔ سمجھو کہ یہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ اسی طرح حیا اور صفائی قلب بے گناہی دو توام بہنیں ہیں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہو سکتیں۔ خدا نے بیگناہی کو حیاداری کی وفادار بہن بنا کر بھیجا ہے۔ اگر تم سوسن کی طرح صاف دل ہو جاؤ گی تو خود بخود تمہارے رخسار گلاب کی طرح ہو جائیں گے۔ شعر

جو حیادار ہے بے شبہ وہ ہوگا معصوم بیگناہی حیا دونوں ہیں لازم ملزوم

ان پھول کے درختوں کے پاس ایک سیب کا درخت بھی تھا یعقوب نے اسکو میری کی پیدائش کے دن نصب کیا تھا ہر سال اس میں معقول تعداد سے

سُنہرے سیب نکلا کرتے تھے اور امسال اسقدر پھول پھل نکلے کہ درخت ایک بڑا سا گچھا پھولوں کا بن گیا۔ میری بہت خوشی سے ہر روز کپڑے پہن کر اسکے دیکھنے کو جاتی اور بے انتہا خوشی سے اپنے باپ کو بتایا کرتی۔ ایک دن جبکہ وہ دیکھنے کو گئی کیا دیکھتی ہی کہ سارا درخت کملا کر رہ گیا ہی اور دہوپ کی تیزی میں پھل پھول زمین پر آرہے ہیں۔

یہ دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یعقوب نے کہا اے میری! اس خیال کو کبھی نہ بھولنا اسی طرح عیش و عشرت سے جوانی برباد ہوتی ہی۔ رہ راست سے بھٹک جانا بڑی خطرناک بات ہی۔ سیدہا رستہ چھوڑتے وقت تم کو ہمیشہ اس درخت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تمہارے عمدہ کرتوں نے جو امیدیں میرے دل میں پیدا کی ہیں اگر یہ بدل جانے سے برباد جائیں تو میں جانونگا کہ میری ساری عمر گریہ وزاری میں صرف ہوئی اور اس آنسو سے جو اسوقت تمہارے رخسار پر ہیں میرے آنسو زیادہ رنج دہ و تلخ ہونگے۔ یہ کہتا جاتا تھا اور اُس کے آنسو اُمڈے چلے آتے تھے۔

اس گفتگو کا اثر میری کے دل میں بہت کچھ ہوا اور وہ ان الفاظ کو تمام عمر نہ بھولی۔ یعقوب یہ دیکھ کر بے انتہا خوش ہوتا کہ اس کی تعلیم کا اسقدر اچھا اثر اسکی پیاری بیٹی پر ہو رہا ہی۔ شعر

بالائے سرش ز ہوشمندی ۔۔۔ میتافت ستارۂ بلندی

ایک دن صبح کو میری جبکہ سہانا وقت تھا اپنے گھر کے قریب بید کی چھڑیاں کاٹنے لگی کاٹتے کاٹتے ایسے مقام پر پہونچی جہاں ایک تختہ گل سوسن کا ملا وہ بہت خوش ہوئی۔ بہت سے پھول باپ کے لیے گلدستہ بنانے کے لیے توڑلیے۔ رستہ میں اسکو کونٹس آف اپمبرگ اور اُس کی بیٹی امیلیا ملیں۔ میری نے

ان معزز خاتونوں کو دیکھ کر مودبانہ طریقہ سے سلام کیا نوجوان امیلیا کو گل سوسن سے نہایت درجہ محبت تھی بے ساختہ کہنے لگیں۔ ہیں یہ سوسن کے پھول ہیں اور پھولنے شروع ہو گئے،،

میری نے یہ سنکر دونوں گلدستے دونوں لیڈیوں کے نذر کیے جو بہت خوشی سے لیلیے گئے۔ امیلیا نے قیمت ادا کرنی چاہی میری نے کہا کہ میں اگرچہ ایک غریب لڑکی ہوں مگر دلی خوشی سے یہ ہدیہ دیا جاتا ہے قبول کیجیے اور مہربانی کرکے قیمت سے معاف رکھیں کیونکہ میرے والد پر بے حد احسانات کونٹ کے ہیں۔ کونٹس یہ سُنکر بہت خوش ہوئی اور کہا کہ اگر ہو سکے کبھی کبھی امیلیا کے لیے سوسن پہونچایا کرنا جو خوشی سے قبول کیا جائیگا۔

میری نے وعدہ کیا ہر صبح کو تھوڑے پھول کونٹس کے ہاں دے آتی۔ جب موسم پھولوں کا ختم ہوگیا میری سے یہ درخواست کی گئی کہ گھڑی دو گھڑی کو آیا کرے اور اکثر امیلیا نے کنایۃً اشارتاً یہ بھی کہا کہ وہ میری کو اپنے پاس مستقل طور پر رکھنے کی متمنی ہے۔

ایک دن امیلیا کی سالگرہ کا دن آگیا میری نے چاہا کوئی چیز اپنی حیثیت کے موافق امیلیا کو دے۔ اُس نے چاہا کہ اپنی سب میں خوبصورت ٹوکری جو یعقوب بنایا کرتا ہے اور خاص کر اُس نے نزاکت کے ساتھ اسی دن کے لیے تیار کیا تھا اس ٹوکری میں پاکیزہ چُنے ہوئے پھول رکھ کر پیش کرے۔ یعقوب نے بھی اسی راے پر صاد کیا۔

یعقوب نے اس پر کونٹس کا نام خاندانی امتیاز کا نشان بھی بنا دیا۔ میری نے رنگ برنگ کے پھولوں اور سبز سبز ڈالیوں کو اس ٹوکری میں سلیقہ مندی کے ساتھ جمایا اور گلاب کی کلیوں کا ایک ہار ٹوکری کے کنارے کنارے رکھ دیا۔

امیلیا کے نام کو جو بہ آسانی پڑھا جاتا تھا فارگٹ[1] می ناس کے پھولوں کے ایک چھوٹے تاج کے حلقہ میں جگہ دی گئی جالی دار سفید رنگ کی ٹوکری رنگ برنگ کے پھولوں سے بہار دکھا رہی تھی۔ یعقوب جیسا سنجیدہ مزاج باپ بھی دیکھ کر اس کی مذاق قوت امتیازی کی تعریف کیے بغیر رہ نہ سکا۔

میری نے اسکو محل میں جاتے ہی دعا کے ساتھ امیلیا کی خدمت میں پیش کیا۔ امیلیا باقاعدہ چُنے ہوئے پھولوں کی ٹوکری دیکھ کر بے انتہا مسرور ہوئی۔ اُسکو الفاظ ایسے نہیں ملتے تھے جو شکریہ ادا کیا جاتا۔ کہا کہ میری تم نے میرے لیے اپنے باغ کا ستیاناس کیا ہے۔ ایسی خوبصورت ٹوکری میں نے اپنی عمر میں پہلی مرتبہ دیکھی ہے۔

چلو اماں کو دکھائیں۔ اماں دیکھیے میری نے کیسا عمدہ تحفہ مجھے دیا ہے۔ کونٹس پھولوں کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئی اور کہا واقعی یہ ٹوکری اور پھول بالکل ایسے ہیں کہ مجکو شک ہو رہا ہے کہ کسی اعلیٰ مصور نے اپنی صفت کا نمونہ دکھایا ہے یہ ٹوکری اور اس کے پھول میری کے اعلیٰ مذاق کے ساتھ ہی دلی نوازش کا سچا نمونہ ہے۔

یہ کہکر کونٹس امیلیا کو ساتھ لیکر دوسرے کمرے میں گئی اور کہا کہ میری کو بلا کچھ دیے نہیں بھجوانا چاہیے۔ تمہارے خیال میں کوئی ایسی چیز ہے۔ امیلیا نے کہا اماں جان میرا ایک جوڑا لباس کا ہے جو تقریباً بالکل نیا ہے۔ سبز زمین پر سرخ و سپید پھول بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں میرے ذرا چھوٹا ہے اگر آپ کہیں تو میں میری کو دیدوں۔

---

[1] یہ ایک پھول کا نام ہے اور اس الفاظ کے لفظی معنی "مجھے بھولو نہیں" کے ہوتے ہیں ذو معنی ہونے سے کس قدر لطیف فقرہ ہو گیا ہے۔

کونٹس اچھی بات ہی غریب لڑکی کے کام آئے گا (مسکرا کر) یہ پھولدار لباس پھول والی لڑکی کے لیے موزوں بھی ہی۔

اس کے بعد امیلیا میری کو اپنے ساتھ لیگئی۔ نوکروں پر تاکید کی گئی کہ پھولوں کے نگراں رہیں کہ یہ پھول کمانے سے پیشتر مرجھانہ جائیں کیونکہ معزز مہمان آنے والے ہیں۔ امیلیا نے اپنی خادمہ سے کپڑے کا جوڑا لانے کو کہا۔

جولیٹی (جو خادمہ کا نام ہی) یہ سنکر اسکا موہنہ دیکھنے لگی اور پوچھا کہ آج تو وہ جوڑا یقیناً نہ پہنا جائیگا۔

امیلیا۔ نہیں میں اُسکو میری کو دونگی۔

خادمہ۔ ہائیں کیا آپ اُسکو دیئے ڈالتی ہیں۔ بیگم صاحبہ کو بھی معلوم ہی۔

امیلیا۔ (تحکمانہ لہجہ میں) تم کو ان باتوں سے کیا تم جاکر وہ لباس لے آؤ۔

جولیٹی سے اپنا موہنہ پھیر لیا تاکہ اپنے دلی ملال کے اظہار کا موقع نہ دے۔ اور وہ لباس نکال لائی اگر جولیٹی کا بس چلتا تو اس لباس کے ٹکڑے کر ڈالتی۔ بہ نسبت میری کو دینے کے۔ دل میں کہتی جاتی ہی کہ اگر میرا بس چلتا تو اس باغبان لڑکی کی آنکھیں نکال لیتی کیونکہ یہ میری مالکہ کے دل پر پورا قبضہ کرکے میرا حق چھینتی ہے۔

امیلیا نے کہا میری پیاری میری! تم کو معلوم ہی کہ آج مجھے اس قدر تحفے ملے ہیں اور ملیں گے جو تمہارے تحفہ سے کہیں قیمتی ہونگے۔ مگر میرا دل جسقدر تمہارے تحفہ سے خوش ہوا ہی ہرگز کسی تحفہ سے نہو گا۔ اگرچہ اس کپڑے کے پھول تمہارے پھولوں سے زیادہ دلکش نہیں ہیں تاہم تم اسکو قبول کرکے مجھے خوش کرو گی۔ اپنے والد کو ہمارا بہت بہت سلام کہنا۔

میری نے وہ لباس نہایت شکریہ کے ساتھ لیکر خوشی خوشی گھر واپس ہوئی

جولیٹی دل ہی دل میں پیچ وتاب کھا رہی تھی امیلیا نے اس کے تیور پہچان کر کہا جولیٹی کیا تم ناراض ہو۔

جولیٹی۔ بھلا میں کیوں ناراض ہوں آپ دیں اور میں ناراض۔ داتا دے اور بھنڈاری کے پیٹ میں درد ہو اسی کو کہتے ہیں۔

امیلیا۔ مجھے امید ہے کہ تم ہمیشہ اسی طرح عقل سے کام لیا کروگی۔

میری نے گھر پہونچکر بہت خوشی سے وہ تحفہ اپنے باپ کو بتایا۔ یعقوب غیور دل نے عوض کے ملنے پر خوشی کی اجازت نہ دی۔ سر ہلاکر کہا کہ اس سے بہتر تھا کہ تم بھول سے ہی نہ جاتیں۔ مجھے خوف ہے کہ لوگ ہماری اس قدر عزت افزائی سے حسد کرنے لگیں گے اور اس سے زیادہ یہ بات بُری ہوگی کہ تم بیجا غرور سیکھ جاؤگی۔ بیٹی خبردار ہمیشہ بیجا فخر سے بھاگتی رہنا۔ عورت ذات کے لیے حیا داری نیک چال چلن بہت موزوں ہیں۔ خدای تعالیٰ کے پاس فروتنی نیک دلی کی زیادہ قدر ہے۔

فروتن بود ہوشمند گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر برزمیں

عباسی بیگم۔ مسز سید محمد اسمٰعیل
از حیدرآباد دکن

قید فرنگ

براعظم یورپ کے بچے سے بڈھے تک کسی فرد بشر کے سامنے نپولین دی گریٹ کا منفخر لفظ زبان سے نکالیے۔ اور پھر ملاحظہ ہو کہ اس کے دل پر اس طلسمی نام کا کیا اثر ہوتا ہے؟ اکثر تو آپ اُس کے چہرے پر آثار عقیدت و محبت

پائیں گے اور کبھی اسے متنفرانہ مونھ پھیرتے ہوئے دیکھیں گے۔

تاریخ شاہد ہی کہ کامیاب لوگ ہمیشہ محسود خلائق رہے ہیں لیکن جس قدر ہم نپولین کو محسود و مبغوض پاتے ہیں اُس کی مثال بہ مشکل ملے گی۔ اس ظفر نصیب شخص سے اس کے معاصرین کی ناراضی کے مختلف وجوہ ہیں۔ از انجملہ ایک اُس کا اسلام پر حیرت انگیز طور سے راغب ہونا ہی۔ پس یوروپ نے اس کی رسوائی کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔ اور اسے ملحد، غاصب، خونخوار مشہور کیا لیکن دروغ را فروغ نباشد آخر قریباً تمام دنیا نپولین کی انسانیت کی معترف ہوگئی اور اب اس مہر منیر کو تہ خاک جاگزیں ہوئے تقریباً سو سال گزرنے پر بھی اسکی یوروپین دنیا میں ایسی ہی تازہ ہی جیسی ہمارے دلوں میں **فاروق اعظم** کی۔

افسوس نپولین کے متعلق غلط فہمیاں یورپ سے گزر کر ایشیا میں، اور مردوں سے نکلکر بیبیوں میں، بھی پھیلنے لگیں۔ ہم نے نہایت حیرت سے سُنا کہ ایک مسلمان بیگم صاحبہ نے (جنکا نام لکھنا نامناسب ہے) نپولین کی مذمت سو شعروں کی مثنوی کہی ہی اور ایک بار ہماری **خاتون** کے اڈیٹر صاحب نے بھی ملکہ جوزیفائن کے حالات لکھتے ہوئے نپولین کی شان میں کچھ ایسے ہی کلمات استعمال فرمائے تھے۔ خواتین میں ہرگز تاریخی غلط فہمیاں نہ پھیلنی چاہییں پس نپولین کی اصلی تصویر ضرور بہنوں کے سامنے پیش ہونی چاہیے۔

میں یہاں اس کی مہتم بالشان سوانح عمری میں سے صرف ایک باب لکھتی ہوں وہ باب جو رقیق القلب بہنوں کو "چار آنسو" گرانے پر مجبور کریگا۔ اور وہ باب جو انہیں "چار آنسوؤں" کی طرح فانی عروج دنیوی کو بھی نظروں سے گرادے گا۔

کیا یہ امر موجب تحسر و تحیر نہیں کہ محبوسی نپولین کی مرتکب معدلت شعار

و نصفت مدار برطانیہ ہی۔ وہ برطانیہ جو یورپ کے جملہ عیوب سے مبرا ہی۔ افسوس "پٹ" اور "ایڈنگٹن" کی اس متعصبانہ پالیسی نے جواب سر ایڈورڈ گرے اور مسٹر اسکوئتھ کو وراثتاً ملی ہی برطانیہ کے دامن عزت پر دھبہ لگا دیا۔ مگر اس کی عام پبلک ہمیشہ شریف الخیال اور منصف مزاج رہی ہی۔ چنانچہ اس زمانہ میں بھی انگلش پبلک کو اس سے پُر زور اختلاف تھا۔ اور "جزو" پر "کل" کا حکم نہیں لگ سکتا۔

نظم

۱

سینٹ ہیلینا کا اُف! وہ مجلس تاریک و تار — اور اُس میں قید اک شاہنشہ گردوں وقار
دیکھنا اُس کا باآں خاموشی فریاد خیز — انتظار موت میں گردوں کی جانب بار بار
اسپہ ہڈسن لو گورنر کے مظالم نو بہ نو — تھے نمک پاش رشۂ مجروح دل لیل و نہار

(۲)

متحد شاہوں نے اسکا غصب کرکے تاج و تخت — کر دیا اک کلبۂ امراض زا میں قید سخت
جسکی کل شیریں کلامی پہ تھے غش اہل فرانس — اک گورنر کی سُنے وہ طعن و تشنیع کرخت
جنبش لب پر تھا جسکی قسمتوں کا فیصلہ — وہی بوناپارٹ ہی یہ وائے قسمت وائے بخت

(۳)

ہورہی تھی توہین شاہنشاہ کی بے انتہا — واہ وا۔ یورپ کی اقوام مہذب واہ وا
تک گئے افلاس سے اسکے ظروف خوردنی — جسکے خوان عیش کا کل تک مگس راں تھا ہما
محبس نپولین تھا اک جزیرہ سنگلاخ — تھا ہی باعث مسلّم مرگ قبل از وقت کا

(۴)

روز اوّل ہی وہ ہوتا راہی خلد نعیم — کام آئی لیکن استقلال کی خوے قدیم

تھی یہ انگلستان کی تاکید سب جنرل کہیں — اسکو شاہنشاہ بھی کہنا تھا اک جرم عظیم
انتقال ایلیزا غربت میں ہجر لیس کیس — ہوگیا ان آخری صدموں سے زخمی دل دو نیم

(۵)

ہاے اپنے رازداروں سے ذکھنا شاہ کا — قاتل و باغی کو بھی جسوقت دیتے ہیں سزا
شوق سے کرتے ہیں پوری انکی کل فرمائشات — اس کے باقی ماندگاں کو دیتے ہیں اول ملا
یہ اجازت بھی نہیں دید عزیزاں در کنار — ایک واقف سے کریں دریافت انکا ماجرا

(۶)

کچھ گنہ انکا نہ تھا لوگو! بجز حب وطن — دی گئی کس جرم کی پاداش میں قید محن؟
لیگیا وا حسرتا وہ ساتھ اپنے قبر میں — آرزوے باز دید مادر و فرزند و زن
اے فلک کب تک اٹھاتا ایک مشت استخواں — یہ غموم روح فرسا۔ جاں گداز و دلشکن

(۷)

حریت محدود تھی گو بادشہ کی بے شمار — پاس ہی تھی کثرت سامان جنگ کارزار
اسکی ہیبت تھی دلوں میں بھیرتا اتنی جاگزیں — دل دہڑک جاتے تھے گر آتا کوئی اجنبی تا
خواب سے اٹھ اٹھ کے باہم پوچھتے تھے کانپ کر — آگیا کیا سینٹ ہیلینا سے شاہ باوقار

(۸)

لرزہ براندام ہو جاتے تھے سلاطین جہاں — نام ہیبت ناک بونا پارٹ آتا تھا جہاں
گلستاں میں کردیا آباد جس نے بوم کو — کرکے بلبل کو گرفتار قفس اے آسماں
فرش لوئی آہ کب تھا قابل تاج فرانس — کیا تماشا ہی کہ ہے شیروں پہ روبہ حکمراں

---

۱ شاہزادی ایلیزا نپولین کی بہن ۱۲ ۲ شہنشاہ کا پرائیویٹ سکرٹری۔ جو اس سے عین حالت اسیری میں بیدردی سے جدا کیا گیا ۱۲ ۳ لوئی ہیجدہم خاندان بوربون کا فرد [illegible] جانشین نپولین ۱۲

(۹)

اے فلک! اے باعثِ بربادیِ نپولین! — آہ اے غارت گرِ آزادیِ نپولین!
آہ ظالم! تجھکو تھا مرغوب تاراجِ فرانس — تو نہ تھا بدخواہ عیش و شادیِ نپولین!
ان مصائب کو اٹھایا کیسے استقلال سے — فضلِ باری تھا مقرر ہادیِ نپولین!

(۱۰)

یاد ایامِ گزشتہ تھا فقط اک شغلِ شاہ — دل سے یوں کہتا گزشتہ واقعات جابجا
ہائے وہ پولش جواں! اُف وہ فادارِ اولڈ گارڈ — جو نہ دشمن سے ہوئے گاہے طلبگارِ پناہ
جنگ واٹرلو کہ جس پر لاکھ فتحیں ہوں نثار — اُنمیں کس مردانگی سے کٹ پڑی میری سپاہ

(۱۱)

آہ فوشے[سه]! میرے احساں پہ نہ کی تو نے نظر — اوجِ عزت پر کیا میں نے ہی تجھکو جلوہ گر
کیا یہی تھا میرے احسانات کا حسنِ عوض؟ — سوچ تو اپنے گریباں میں ذرا منھ ڈالکر
جان کر دیتا فدا مجھ پر، اگر ہوتا شریف — اے میرے شاگرد! اے میرے پیارے برتھیر[ص]

(۱۲)

یاد ایامے کہ دورِ چرخ اپنا یار تھا — فتح لونڈی بخت خوش خادم، دمِ پیکار تھا
گرچہ تھے موجود باغ و ساقی و جامِ شراب — عیش سے لیکن دلِ محنت طلب بیزار تھا
کر نے چھوڑا آخرش صیدِ خدنگِ مکر و زور — ہائے! بوناپارٹ یورپ بھر کے لئے خار تھا

(۱۳)

وہ مرا محبوب پیرس! وہ لبِ دریائے سین — ہائے وہ میری [illegible] نازنین
آہ اے عفّتِ مجسّم! مشعلِ راہِ وفا — لوحِ دل پر نقش ہیں تیری ادائیں دلپذیر
عہدِ گل، عہدِ شہی، عہدِ وفا، عہدِ شباب — جب تجھے چھوڑا تو ساری نعمتیں خود چھٹ گئیں

سه فرانس کا چھٹا ہوا دغاباز غمّاز ۱۲   ص نپولین کا نہایت عزیز شاگرد ۱۲!

(۱۴)

آہ اے والا ہمم خاتون! اے شوہر پرست — تیری فرقت میری ہمت کو کیے دیتی ہے پست
تو نے روشن کر دیا نامِ وفا اے شمعِ حُسن — آہ مجھ پر خواہشِ اولاد آئی چیرہ دست
دم شماری میکنم در دوزخِ روئے زمیں — حالیا آرام گاہت جنت الفردوس ہست

(۱۵)

ہائے دی مجکو مشیروں نے یہ کیسی بد صلاح — پھر نہ دیکھا میں نے اُسدن سے کبھی روئے فلاح
میرے زیرِ پا تھا پھولوں سے ڈھکا غارِ عمیق — چھوڑ کر تجکو کیا میریؔ سے جب مینے نکاح
پیش آتی کیسے یہ بد قسمتی. ہوتا اگر — اجتماعِ زوجگاں عیسائیت میں بھی مباح

(۱۶)

تیرا احساں ہوگا اے پیغام برِ بادِ صبا — آسٹریا میں ہو اگر تیرا گزر بادِ صبا
بادشاہِ آسٹریا کی تجھے نورِ نظر — آئیگی ایوانِ شاہی میں نظر بادِ صبا!
کھینچنا سینے سے اسکے آگے آہ شعلہ بار — یوں دکھانا صورتِ سوزِ جگر بادِ صبا!

(۱۷)

پھر یہ کہنا، بے وفا! تو تو یہاں آزاد ہے — پاے در زنجیر تیرا شوہرِ ناشاد ہے
سچ بتانا تجکو آیا ہے کبھی یہ بھی خیال — سینٹ ہیلنا میں کوئی خانماں برباد ہے
تجکو رکھتا تھا کبھی جو جانِ دل سے بھی عزیز — میریاؔ! میں ہوں وہی نپولین. کچھ یاد ہے؟

(۱۸)

تیرے والد کو اگر تھی دشمنی داماد سے — کیوں بھلایا. خاطرِ دختر کو اپنی یاد سے
یہ شکایت ہے خسر صاحب نے کی لشکر کشی — شکوہ اسکندرؔ سے، نے ولیمؔ سے بے بنیاد سے

ے میریا لوئیا. نپولین کی دوسری ملکہ اور والیِ آسٹریا کی بیٹی ۱۲ مع نپولین کا گہرا دوست ۱۲
ے خدا ایسے لوگوں سے پناہ میں رکھے

تو بجلوہ چوں در آئی اجل از سرِ ترحم — ہمہ جا کند منادی نپئے احتراز کردن

ہے غم فرزند و زن اور ماتم ملک و وطن — آگیا ہوں تنگ اس افتاد پر افتاد سے

(۱۹)

اب کہاں وہ عیش و عشرت کا زمانہ ہائے ہائے — یاد اُسکی رہ گئی مثل فسانہ ہائے ہائے
کنج احقر میں پڑا دم توڑتا ہے اک اسیر — اب کہاں وہ بادشاہی کارخانہ ہائے ہائے
دشمنوں سے بھی جو پیش آئے ہمیشہ رحم سے — ناوک جور خسر کا ہو نشانہ!! ہائے ہائے

(۲۰)

چھن گیا بالجبر مجھ سے اُف امیر ا پیارا پسر — اسکے غم میں جاں بلب ہے والد خستہ جگر
آہ ہے کس انجمن کی شمع شب افروز تو — تار ہے آنکھوں میں دنیا دیکھ اے نور نظر
دیکھ کر تجکو نکل جائے گی جان آرام سے — آلگا لوں اپنے سینے سے تجھے جان پدر!

(شاندار نپولین اعظم کا بستر مرگ)

(۲۱)

مجلس شہ میں بچا ہے جسکو کہنا موشداں — کمرۂ مرطوب و ناآراستہ کے درمیاں
ہے پڑا دنیا و مافیہا سے ہو کر بے خبر — ایک معمولی مسہری پر شہ گردوں نشاں
مظہر رنج و غم باطن ہے ماتھے کی شکن — لیکن اطمینان ہے باایں ہمہ مونھ سے عیاں

(۲۲)

کلک قدرت نے اسی پیشانی پر آب و تاب — لکھی تھیں روز ازل سے یہ فتوح لاجواب
شہ نے ڈالی دوستوں پر اک نگاہ آخری — رو رہے تھے اُسکے حال زار پر کل شیخ و شاب
ہو گیا پنہاں نگاہوں سے وہ خورشید فرانس — پڑتی جاتی تھی رخ خاور پہ جب شب کی نقاب

(۲۳)

تا کجا رہتا تہ چرخ کہن وا عبرتا — وہ گرفتار غم و رنج و محن وا عبرتا
ہو گیا آزاد سہکر چھ برس قید فرنگ — ہائے وہ فخر سلاطین زمن وا عبرتا

سر بسر اے اہل دل! غم خیز درد انگیز ہے — سرگذشت پُر غمِ نپولین واعبرتا

(۲۴)

سینٹ ہیلنا میں ہو مدفون شیدائے فرانس! — ہائے وہ نپولین! وہ عزت افزائے فرانس!
اُسنے کردی جان شیریں وقف بہبود فرانس — تا دمِ آخر رہی اُسکو تولائے فرانس
وادریغا، نزع میں، ہنگامِ مرگِ بیکسی — تھا زباں پر لفظ "جوسفین" اور ہائے فرانس

(۲۵)

تھا نہ او خلد آشیاں! تجھ میں تعصب نام کو — ہاں تو اصدق جانتا تھا مذہبِ اسلام کو
تونے کی اسلام کی تائید واضح طور پر — مصرؔ[لعہ] میں جب تو گیا تھا فتح مصر و شام کو
سخت کوشش میں ہیں بوناپارٹ کے لائف نگار — مسترد کر دیں کسی صورت سے اس الزام کو

(۲۶)

واقفِ اسقامِ تہذیبِ اب وجد! آہ آہ — اے حقیقت دانِ تعلیمِ محمدؐ! آہ آہ
در عروجِ تو کہ میداند؟ اے گردن فراز — مرگِ تو اینقدر عبرتناک باشد آہ آہ
مجلسِ شہ میں، تھے سب انگشت حیرت در دہاں — شاہ بوناپارٹ! اور یہ ظلم بیجد آہ آہ

(۲۷)

ثبت ہیں تاریخ پر تیری فتوحاتِ عجیب — ہم نہ بھولیں گے وہ جنگ آسٹرلٹز* مہیب
تیرے زریں کارنامے مثل خور تاباں ہیں — مٹ نہیں سکتا ہے تیرا نام اے شہرت نصیب
تف بروئے چرخ، بر روے خود ست اے سربلند — غم نہیں گر در پئے تہمت ہیں حسّاد و رقیب

لعہ مصر میں نپولین اپنے اعلان میں کہتا ہے "میں اسلیے آیا ہوں کہ اصل دینِ محمدیؐ کو تازہ کر دوں۔ میں تم سے زیادہ خدا، رسولؐ اور قرآن کی عزت کرتا ہوں"۔ نپولین کے مسلم نہاں ہونے کا اعلیٰ ثبوت وغیرہ ہے کہ وہ قاہرہ کی مسجدوں میں نماز پڑھتے پایا گیا ہے۔ سُنا ہے کہ اُس نے اپنا نام علیؑ نپولین رکھا تھا۔ ۱۲

* آسٹرلٹز کی فتح نپولین کے نامور ترین واقعات میں سے ہے ۱۲

(۲۸)

ہی یہ جورِ ناروا! ہاں اے وزیرانِ فرنگ — حشر تک خجلت دہ منصف مزاجانِ فرنگ
خوب کی مہماں نوازی ایک شاہنشاہ کی — بس یہی تھا ہوگیا معلوم شایانِ فرنگ
اس جفائے ناروا کی دی ولینگٹن* نے صلاح — کیوں رحیم اسکو کہیں تاریخ دانانِ فرنگ

(۲۹)

اے کوئین آف سیز! اے بحر عطا برطانیہ! — تاجِ یورپ کے عقیق بے بہا برطانیہ!
تیرے روئے صاف پر یہ بدنما داغِ سیاہ — غفلتِ پِٹ اور ایڈنگٹن سے لگا برطانیہ!
جسمِ یورپ میں ہے انگلستان اک روحِ لطیف — چشمِ یورپ میں ہی نورِ حق نما برطانیہ!

(۳۰)

آج ہی آرام سے پیرس میں اس کا جسمِ زار — ہی اسی کی طرح اس کا مقبرہ بھی شاندار
ہوگیا اس کی صداقت کا زمانہ معترف — کرتے ہیں سیاح اسکا شوق سے طوف مزار
فتح اس فاتح نے پائی دشمنوں پر بعد مرگ — کرلیا انگلینڈ نے تسلیم اس کو شہریار

(۳۱)

دن کو مدفن پر چمکتی ہیں شعاعیں شمس کی — ہی چھٹکتی رات کو نجم و قمر کی چاندنی
نامِ نامی اسنے روشن تر ہی پر مدفون کا — آفتاب و ماہ و انجم ہیں کہاں یہ روشنی؟
گمرہانِ حق کو دکھلائی صراطِ مستقیم — مشعلانِ چرخ کو اس سے [illegible] کوئی

خاکسار
ز - خ - ش عفی عنہا الصمد

---

* ڈیوک آف ولنگٹن ۱۲ † سمندروں کی ملکہ ۱۲

کیڑے کی التجا

(حضرت انسان کی جناب میں)

خاک کے پُرغرور پتلے، ذرا دیکھ بھال کر قدم رکھنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے پیروں کے تلوے میرے ننھّے سے جسم کو کچل دیں اور میں ہمیشہ کے لیے دنیا اور انقلابات دنیا کے تماشے سے محروم ہو جاؤں۔

اے اپنے سے کمتر کو حقیر سمجھنے والے فانی جسم، مجھ سے اتنی نفرت مت کر، میں بھی تیری ہی طرح، اپنے ماں باپ کا لاڈلا اور پیارا فرزند ہوں، زندگی جو تجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز چیز ہے اُسی کی امید افزا کرنیں میرے بھی جسم کی رگوں میں چمک رہی ہیں۔

چودھویں رات کے چاند کی روشنی، ستاروں کی چمک، بادِ صبا کے جھونکے، اور صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا صرف تیرے ہی لیے نہیں ہیں، ہم دونوں کا سرمایہ ہیں، یہ اونچے اونچے ٹیلے، سرسبز و شاداب مرغزار اور بہتے پانی کے صاف و شفاف چشمے خدا نے صرف انسان ہی کے لیے نہیں پیدا کیے، بلکہ ہر ذی روح کو اُس کے اس غیر محدود عطیہ سے فائدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہے۔

اے جسم خاکی کی فانی تصویر دنیا کی نیرنگیاں نت نئے مشاہدات و نظائر دکھاتی رہتی ہیں، کچھ دنوں کے بعد تو بھی فنا ہو جائے گا، لاش گل سڑ کر خاک ہو جائے گی، اور ہوا کے جھونکے نہ معلوم اُس خاک کو کہاں کہاں اُڑائے پھرینگے۔

اشرف المخلوقات کہلائے جانے والے مخلوق کے قابل عزت رکن، خدا کے لیے میرا عیش (آرام) پھیکا مت کر۔ رنگینی دے اور آزادی کے ساتھ رنگینی دے۔ یہ سمجھ کر کہ میرا ایک سانس تیرے ہزار سانسوں اور میرا ایک لمحہ تیرے کئی مہینوں سے زیادہ بیش قیمت ہے۔

دیکھ خبردار! کبھی بھول کر بھی ایسی زندگی کا طلبگار نہ ہو جس سے تجھے تو کوئی فائدہ پہونچے نہیں اور دوسرے بے موت مارے جائیں۔

مترجمہ

سید مظہر حسین اختر (میرٹھی)

انقلاب

اگلے وقتوں کی یاریاں نہ رہیں
پہلی سی دوستداریاں نہ رہیں

وہ مروت وہ خلق ہیں معدوم
وہ محبت شعاریاں نہ رہیں

زہد کا نام ہے نہ تقوے کا
ہم میں وہ دینداریاں نہ رہیں

طرزِ غالب رہا نہ رنگ انیس
اب وہ جادو نگاریاں نہ رہیں

اب وہ صنعت رہی نہ وہ حرفت
پہلی سی دستکاریاں نہ رہیں

خون اپنوں کا ہو گیا ہے سفید
پہلی سی رشتہ داریاں نہ رہیں

عورتوں میں ہی لیس و چین کا زور
اب وہ گوٹہ کناریاں نہ رہیں

پالکی ہی نہ تام جھام کہیں
وہ پرانی سواریاں نہ رہیں

اپنا غم آپ کھاتے ہیں دن رات
ہائے وہ غمگساریاں نہ رہیں

اختر

کنواری لڑکیوں کا پردہ سے پڑہ

معزز خواتین! جو مضمون بعنوان مندرجۂ بالا ماہ فروری سنہ حال کے رسالۂ خاتون میں چھپا ہے اور اُس میں جو اعتراض سہارنپور کے پردہ کی رسم پر میری معزز بہن عالیہ بیگم سہارنپوری کے قلم سے نکلا ہے۔ اگرچہ باعتبار صاف گوئی کے یعنی اس خیال سے جو انھوں نے لڑکیوں کے بیجا پردے سے پردہ کی بابت صداقت کا پہلو اختیار کیا کسی حد تک لائق مان لینے کے ہے۔ لیکن بلحاظ موجودہ رفتار زمانہ و اخلاقی کمزوری اور رسومات جاریہ پر نظر کر کے ناقابل پذیرائی ہے اسواسطے کہ یہ عام اصول ہے کہ سب سے پہلے اصل کی طرف توجہ ہونی چاہیے نہ کہ فروع کی طرف۔

یہ باتیں جو لائق بہن نے زیب خاتون فرمائی ہیں اسکا خیال نہیں کیا کہ سہارنپور کی مستورات کا تعلیمی سرمایہ کہانتک ہے۔ یہ سردست اس قابل نہیں ہیں کہ ہماری دیگر ضروری کاموں کے مقابلہ میں بے پردہ ہونے کے لیے مکلف فرمائی جائیں یا ان پر توجہ کرائی جائے۔ بلکہ ہمیں سب سے اول توجہ نسواں کی اصلاح کے لیے تعلیم کی طرف کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ تعلیم عام ہونے سے یہ تمام فضول رسم جو بوجہ لاعلمی کے ہم میں پائے جاتے ہیں خود بخود اُٹھ جائینگے۔

پس سب سے اوّل تعلیم نسواں پر توجہ دلائی جائے جس سے نفع بھی زیادہ ہے نیز اہل اسلام کو تعلیم یافتہ ماں، بہنوں، بیٹیوں اور بہوؤں کی ضرورت بھی ہے یورپ کی ایک پڑھی ہوئی ماں اپنے بچے کے لیے سات معلموں سے بہتر ہے۔ برخلاف اسکے ایک پردہ سے پردہ کرنے والی کنواری لڑکی کسی سے بھی بری نہیں ہے اسواسطے کہ بطریق شرفا قدیم و مشرقی تمدنی ضرورت سے زیادہ پردہ

عیب یا رسومات قبیحہ یا بد تہذیبی میں شامل نہیں ہے اور اس پر معزز بہن عالیہ بیگم نے کبھی غائر نظر نہ کی ہے اسواسطے کہ یہ تمام باتیں قبل از وقت ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ابھی اسکا وقت بھی نہیں آیا جب اسکا وقت آئے گا اور ہماری بہنوں میں تعلیم عام ہو گی تو انشاء اللہ یہ گھتی خود بخود کھل جائے گی۔ سہارنپور کے کیا معنی تمام دنیا کی بہنیں اپنی بری رسومات کو آپ ترک کر دینگی اور نئی تہذیب ہماری بہنوں کے طبع ثانی بن جاویگی۔

رہا میم صاحبان سے دستکاری سیکھنا شرفا ایسی دستکاری کو کچھ اچھا نہیں سمجھتے کیونکہ جو باتیں ہم اپنی ہم قوم یا دیسی عورتوں سے حاصل کر سکتے ہیں وہ میم صاحب سے سیکھنی فضول ہیں۔ اگر میم صاحبان سے کسی فن کا حاصل کرنا ہی ذریعۂ بخشش متصور ہے تو گیارہ بارہ سال کی عمر تک بخوبی سیکھ سکتی ہیں کیونکہ اسوقت میں کچھ پردہ سے پردہ کا زیادہ خیال نہیں ہوتا اور دفعتاً اس رسم کو ترک کر دینا یا اس قسم کی رائے دینا اور یہ امید رکھنا کہ جو کچھ کہا جاوے اُس پر عمل کیا جاوے محض فضول ہے۔ ان وجوہات سے میرے نزدیک تعلیم نسواں پر توجہ کرنی چاہیے۔ فقط

راقمہ

کے۔ ایم مسز کے۔ ایم طفیل احمد

پردے سے پردے پر ایک نظر

پردے سے پردہ جو آج کل ہندوستان کے بعض بعض صوبوں میں رائج ہے اُس کی مضرتیں خاتون کے گزشتہ پرچہ میں عالیہ بیگم بنت مجیب احمد تمنائی

صاحب نے تحریر کیے ہیں وہ بیشک ایک حد تک نہایت بُرے اور ظالمانہ رواج ہیں۔ پردے سے پردے کی پابندیاں ہمارے صوبۂ بہار میں بھی بڑی سرگرمی کے ساتھ برتی جاتی ہیں۔ چونکہ میں خود اس رسم کو پورے پندرہ برس تک برت چکی ہوں اسلیے اس پردے کی کل مصائب مجھ پر عیاں ہیں۔ ہماری اور ہماری بہنوں کی یہ حالت رہتی تھی کہ وہ اپنے پدر بزرگوار یا بھائیوں سے کبھی اچھی باتیں سُن نہیں سکتی تھیں۔

ہمارے بڑے بھائی مسٹر محمد سلیمان بیرسٹر جو اب حضور عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال کے یہاں درجۂ صدر المہامی پر مامور ہیں نہایت ہی نیک مزاج اور رحمدل ہونے کے علاوہ تعلیم نسواں کے بھی بڑے حامی ہیں اور انگلستان میں تعلیم پانے پر بھی اُن کے خیالات مذہبی قیود سے باہر نہوئے۔

صاحب موصوف جب لندن سے تعلیم پاکر آئے تو اُنھوں نے ہم لوگوں کی اعلیٰ تعلیم کرنی چاہی مگر اُن کی کوششیں سب رائیگاں گئیں

ہم لوگوں کو باوجود سگے بھائی ہونے کے اسقدر شرم لاحق ہوئی کہ گفت و شنید کا موقع نہ ملا اور یہی نامراد پردے سے پردہ بیچ میں حائل ہوا اور ہم لوگ اعلیٰ تعلیم سے محروم رہے۔

ایک بار ہمارے پدر بزرگوار نے مجکو فارسی پڑہانا چاہا۔ مگر مجکو افسوس کے ساتھ یہ موقع بھی ہاتھ سے دینا پڑا۔ پدر بزرگوار کے پاس بیٹھ کر پڑہنا پڑتا اس سے ہمارے پڑنے میں بہت کچھ ہرج پڑنے لگا۔ والد کے رعب سے بھاگنے سے مجبور رہتی اور پردے کا بھی بڑا خیال۔ تبا اسوجہ سے مجکو پڑہنا ترک کرنا پڑا آخر آجتک اس موقع کو یاد کرکے کف افسوس ملتی ہوں۔

گو مجکو بچپن ہی سے یہ رسم ناگوار معلوم ہوتی تھی مگر ناچار اسکو برتنا ہی پڑتا تھا

بعد شادی اس رسم سے جو رہائی ہوئی تو حوصلہ پست ہو چکا تھا۔ اب کیا ہوتا ہے اس رسم سے آزاد ہوئے یہ سولھواں سال ہے مگر مجکو بھی عادتیں اب بھی لگی رہتی ہیں۔ جب کسی مجمع میں مجکو دس بیس بی بیوں سے ملنے کا موقع ملتا ہے تو دل پر ہیبت سی چھا جاتی ہے بولنے کا کم موقع ملتا ہے اگر کچھ دل پر جبر کرکے بولنا بھی چاہتی ہوں تو زبان رُکنے لگتی ہے اور لڑکھڑانے لگتی ہے اس سے چپ ہی رہنا پسند کرتی ہوں۔

ناظرین خود ہی تصور کر سکتے ہیں کہ اس پردے سے پردہ کرکے غریب لڑکیوں کو کیا کیا مصیبتیں اُٹھانی پڑتی ہونگی۔ ہم نے برخلاف اس رسم کے اپنی لڑکیوں کو اسی رسم سے بالکل آزاد کر دیا ہے وہ خوشی سے اپنی زندگی کے دن کاٹ رہی ہیں۔ کچھ اسی پر منحصر نہیں ہے ہندوستان کی لڑکیاں اپنی والدین کے ہاتھوں کی آفت کا شکار ہو رہی ہیں

جاہل دبے ہنر رہنا جاہل و کمبخت لڑکے سے شادی کر دینا سمجھ بوجھے بیاہ دینا اس سے اچھی اچھی روشن خیال لڑکیاں بہت ہی مصیبتوں کی شکار ہو جاتی ہیں اور ساتھ اُس کے والدین بھی عمر بھر خستہ حال رہتے ہیں۔

ایڈیٹر صاحب نے جو تعلیم نسواں کی بنیاد علی گڑھ میں ڈالی ہے اس خبر کو سُنکر مجکو بڑی خوشی ہوئی ہے گو ہماری شہر والی بہنوں کو اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہنا پڑیگا۔ مگر ہماری پچھم والی بہنوں کو بہت کچھ فائدہ پہونچیگا اور رفتہ رفتہ انشاءاللہ طبقہ نسواں بھی تعلیم یافتہ کہلانے کا مستحق ہو جائیگا۔

راقمہ

عزیزہ بیگم اہلیہ رضا کریم

جاپان

سولھواں باب

چاے خانے اور دیولیں

جاپانی اپنی دیولوں کے بڑے ہی شیدا اور دلدادہ ہوتے ہیں اور ہمیشہ اُن میں جاتے رہتے ہیں۔ دیولوں میں جانے سے اُن کی صرف یہی غرض نہیں ہوتی کہ اپنے دیوتاؤں کی پرستش کریں بلکہ مختلف قسم کے لطف و مسرت حاصل کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ دیولوں ہی کے صحنوں میں عموماً بڑے بڑے میلے اور تماشے ہوتے ہیں۔ دلچسپ بازارات لگتے ہیں۔ کسی بڑی عید کے روز اگر آپ کسی جاپانی دیول کی طرف جانکلیں تو اس کی سیڑھیوں پر کھڑاؤں اور چھتریوں کی بیشمار قطاریں دکھائی دیتی ہیں جن کے مالک دیول کے اندر عبادت میں مصروف ہوتے ہیں۔ اندر داخل ہونے پر تمام لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں اور اگر نماز شروع ہونے میں کچھ عرصہ ہو تو وہ سب آپس میں بات چیت کرتے اور تمباکو پیتے رہتے ہیں۔ چھوٹے بچے بھی ادھر اُدھر مجمع میں رینگتے پھرتے ہیں۔

نماز ختم ہونے پر مجمع منتشر ہوجاتا ہی اور سب لوگ مندر کے میدان میں کوئی دل پسند جگہ انتخاب کرکے بیٹھ جاتے ہیں اور اپنا سادہ کھانا کھاتے ہیں دیول کے سامنے ایک چوبی کمان ہوتی ہی جسکو ٹوری کہتے ہیں۔ بعض دیولوں کی تو اس قسم کی مختلف اور متعدد کمانیں ہوتی ہیں۔ مندر کی عمارت چوبی ہوتی ہی۔ بعض چھوٹی ہوتی ہیں اور بعض عظیم الشان۔ ہمیشہ یہ دیولیں چھوٹی چھوٹی

دُکانوں اور چائے خانوں سے گھری رہتی ہیں۔ اُن دُکانوں میں مشہور و معروف دیوتاؤں کی تصویریں اور مورتیں فروخت ہوتی ہیں۔ مال و دولت کے سات دیوتاؤں کی تصویریں خوب فربہ شکل میں ہر جگہ موجود رہتی ہیں۔ جاپانی ان دیوتاؤں کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ اس لیے ان کی شکلوں کی مانگ بہت ہے۔

ان کے بعد چانول کے دیوتا اور دیبی کا درجہ ہے۔ زراعت کی حفاظت کے ذمہ دار یہی دونوں ہیں۔ ان کی مورتوں کے ساتھ لومڑیوں کی شکلیں بھی بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ مورتیں لکڑی یا مصالحہ سے نہایت پاکیزگی و نزاکت کے ساتھ بنائی جاتی ہیں۔ رحم و کرم کی دیبی کی مورت بھی جس کے بہت سے ہاتھ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ وہ آفت زدوں کو مصیبت سے بچاتی اور ان کی مدد کرتی ہے بہت ہر دلعزیز ہے۔

ان ہی دکانوں میں بعض ایسی ہوتی ہیں جن میں کوئی تماشہ ہوتا رہتا ہے۔ بعض میں بالوں کی لگانے کی سوئیاں، کانٹے۔ روغن اور سفوف وغیرہ رکھنے کی ڈبیاں وغیرہ ایسی ہی ہزاروں چیزیں فروخت ہوتی ہیں۔ کسی میں تیر اندازی کا سامان ہوتا ہے اور صرف آدھ آنہ دینے پر بیس دفعہ نشانہ بازی کرنے کی اجازت ملتی ہے۔ کہیں نٹ۔ مداری اور شعبدہ باز اپنے اپنے کمال بتلاتے رہتے ہیں۔ چائے خانوں کی تو کوئی حد شمار ہی نہیں جن میں ایماندار خوش عقیدہ لوگ بیٹھے چائے یا سکی پیتے اور اپنی چھوٹی چھوٹی دمیوں سے دھواں اُڑاتے رہتے ہیں۔

کم سن لڑکیاں چانول، مٹر وغیرہ دیول کی اُن دُکانوں سے خرید کرنے کی بڑی شائق ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کو خرید کر وہ ان کبوتروں کی ضیافت کی جاتی ہے جو دیول کی چھت میں رہتے ہیں یا اُس مقدس سفید یابو کو کھلایا جاتا ہے

جس کی آنکھیں نیلی ہوتی ہیں اور جو مندر سے متعلق ہوتا ہے۔ سیڑھیوں پر باقاعدہ اجازت یافتہ فقیروں کی قطاریں بیٹھی ہوتی ہیں جو صرف پاؤ آنہ کا دسواں حصہ دینے پر دعا کرتے ہیں۔ اس کے سوا پجاریوں سے دعائیں الگ خرید نی پڑتی ہیں۔ یہ دعائیں عموماً کاغذ کے پرزوں پر لکھی ہوتی ہیں جن کو دیوتا کی مورت کے سامنے آہنی کٹھرہ سے باندھ دیا جاتا ہے۔ جو دیوتا زیادہ ہر دلعزیز ہوتے ہیں ان کے سامنے تو ہزاروں پرزوں کا ہر وقت ایک انبار لگا رہتا ہے۔

مندروں کے اکثر باغ بہت خوبصورت اور دلچسپ ہوتے ہیں۔ جاپان کے فن باغبانی کے تمام کمالات یہاں نظر آتے ہیں۔ نہایت چھوٹے قد کے درخت جو باوجود کئی سو سال کی عمر کے ہونے کے چند انچ سے زیادہ بلند نہیں ہوتے اور متعدد درختوں کے جھنڈ جن پر بڑے جہاز یا کسی دیوتا کی شکل بنا دی جاتی ہے بہت قابل دید ہوتے ہیں۔

سال کے بعض حصوں میں جب مندروں کے باغیچے خوب بہار پر ہوتے ہیں لوگ کثرت سے نظارہ کا لطف حاصل کرنے کی غرض سے آتے ہیں۔ بعض درختوں میں فروری کے مہینے میں پھول آتے ہیں بعض میں اپریل یا مئی میں اور عموماً سال کا اخیر حصہ گل داؤدی کی بہار کا زمانہ ہوتا ہے۔ ان تمام بہاروں کو دیکھنے کے لیے جاپان کے ادنیٰ، اعلیٰ ہر طبقہ کے لوگ بہت شوق سے جاتے ہیں۔ غریب سے غریب جاپانی کے لیے بھی سو کام چھوڑ کر کسی مشہور باغ کی قابل دید بہار کا لطف حاصل کرنے کو سو یا اس سے زیادہ میل کی مسافت طے کر کے جانا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

نہایت کمسنی کے زمانہ سے فطرتی حسن سے محبت کرنے کی ان کو ایک طرح

تعلیم کی جاتی ہے۔ چھوٹے بچے کی حیثیت سے وہ اپنی ماں اور باپ کے ساتھ متعدد بار باغوں اور چمنوں کی سیر کا مزہ چکھتے ہیں اور پھر ہوش میں آنے کے بعد اپنے سارے کام چھوڑ کر ان دلکش نظاروں کی سیر کے لیے دُہری خوشی کے ساتھ جاتے ہیں۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

تحریر النسّاء

مولوی سید ہمایوں میرزا صاحب بیرسٹرایٹ لا کی اہلیہ محترمہ نے جن کا نام نامی "مشیر نسواں" کی ذی لیاقت مصنفہ کی حیثیت سے علمی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں رہا ہے۔ عورتوں کی خط و کتابت کے متعلق مندرجہ عنوان نام سے ایک دلچسپ کتاب لکھی ہے۔

اس کتاب میں جو ۱۶۴ صفحوں پر ختم ہوئی ہے زنانہ خط و کتابت کے متعدد مختلف نمونے دیئے گئے ہیں جن میں روزانہ زندگی کے بہت مفید اور ضروری مضامین پر ایک موثر اور دلنشین پیرایہ میں بحث کی گئی ہے۔ مسز ہمایوں میرزا کا طرز بیان بہت صاف اور دلچسپ ہے اور اُنھیں ادائے مطلب کا خاص سلیقہ ہے۔ اخلاق و معاشرت کے مسائل کو جس خوبی سے اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے وہ واقعی لائق تعریف ہے۔

خدا کی معرفت و توحید، رسالت کی حقیقت، نماز کی تاکید اور فائدے ارکان اسلام، دنیا کی بے ثباتی، خیرات، ادھوری تعلیم، فخر، خود بینی،

رحم دلی، بد کلامی، دوستوں کا انتخاب، تعلیم نسواں، تربیت، زبان انگریزی کی تعلیم، امتحان کی تیاری، تہذیب، صبر و استقلال، رسم و رواج، نسبت کی تلاش، نوکروں کے ساتھ برتاؤ، قرضداری کے نقصانات، کمسنی کی شادی، صاف پانی عمدہ غذا، امراض بے کاری، مفید مشاغل، بچوں کی پرورش، شعر و سخن وغیرہ، وغیرہ اکثر مسائل خطوط کے عنوان ہیں اور ان پر بہت عمدگی کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ معاشرت و اخلاق کے روکھے پھیکے مسائل کو بڑی خوبی سے دلچسپ بنایا گیا ہے۔

اس کتاب کے پڑھنے سے نہ صرف مختلف اقسام کے خطوط کی مثالیں اور نمونے معلوم ہوتے ہیں بلکہ نہایت ضروری معلومات اور بہت پاکیزہ خیالات بھی نامعلوم طور پر ایک موثر پیرایہ میں دل پر نقش ہوتے جاتے ہیں۔ بظاہر تو عورتوں کو خط لکھنے کی مشق کرنے کے لیے اس میں ضروری سامان مہیا کیا گیا ہے لیکن اسی ضمن میں ہر حصہ زندگی کے متعلق نہایت مفید اور ضروری اطلاعیں اس انداز سے درج کی گئی ہیں کہ مطالعہ کرنے والوں کی معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے اور نہایت سود مند باتیں چپ چاپ دل میں اترتی جاتی ہیں۔ غرض کتاب کے مفید اور کارآمد ہونے میں ذرا شک نہیں۔ یہ کتاب ضرور اس قابل ہے کہ اسکو لڑکیوں کے نصاب تعلیم میں داخل کیا جائے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہماری قوم کی ممتاز خواتین اپنی درماندہ بہنوں کی اصلاح کے فرض سے غافل نہیں ہیں۔ طبقہ نسواں کی ضرورتوں کا احساس جو کچھ خود اسی طبقہ کے افراد کر سکتے ہیں وہ کسی اور سے ممکن نہیں۔ اسی طرح ان ضرورتوں کو پورا کرنے میں کسی خاتون کی ایک ادنیٰ کوشش سے جو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے وہ ایک درجن مردوں کی جان توڑ کوششوں سے بھی حاصل ہونا محال ہے،

خدا کا شکر ہی کہ ہماری قوم کی ذی لیاقت خواتین اس میدان میں اب آگے بڑھنے لگی ہیں - یہ ایک نہایت نیک فال ہی اور اس مبارک وقت کے جلد تر آنے کی پیشنگوئی کرتی ہی جسکا ہمدردان قوم کو نہایت بے تابی کے ساتھ انتظار ہے - فقط

سید خورشید علی

کرشمۂ فطرت

(ترجمہ از مضمون کرنل برارڈ صاحب افسر اعلیٰ محکمۂ پیمائش پاونیر)

بابل و یونان کے ہیئت داں اور آج کل کے زمانے کے ہیئت دانوں میں اصولی فرق یہ ہی کہ قدیم زمانے میں خیال کیا جاتا تھا کہ زمین ایک خاص صورت رکھتی ہی اور اوروں سے مختلف ہی مگر اس زمانے کے ہیئت داں زمین کو اور اجرام فلکی کے مانند جن کو ہم آسمان پر دیکھتے ہیں خیال کرتے ہیں - تمام اجرام فلکی میں زمین ہی ایک ایسا جسم ہی جسکو ہم چھو سکتے ہیں اور کھود سکتے ہیں - اب میں آپ لوگوں کی توجہ کو جو آپ کو خلائے نامتناہی میں لیے جا رہی ہے، اُن چند مسائل کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اب تک حل نہیں ہو سکے ہیں ہم زمین کی گزشتہ حالت کی بابت کچھ جاننا چاہتے ہیں - ایک پُرانی عمارت کی گزشتہ حالت اس کی سطح کے نشانات سے عموماً معلوم ہو سکتی ہی پُرانی چیزوں کی حالت معلوم کرنے والے قدیم بابل کی تاریخ اُن تصویری تحریرات کو جو باقی رہ گئی ہیں معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں - اسی طور پر زمین کی حالت کی تاریخ اس کی سطح پر لکھی ہوئی ہی - اور یہ تحریر بنگال کی نسبت اور

کہیں زیادہ واضح طور سے نہیں پائی جاتی۔ بنگال کے پہاڑ اور میدان قدرت کی تحریرات ہیں۔

سیاہ ستارے یہ گزشتہ تیس سال کے عرصہ میں دریافت ہوا ہی کہ سیاہ ستارے بھی موجود ہیں۔ پچاس برس پہلے کسی کو گمان بھی نہ تھا کہ لاکھوں سیاہ ستارے خلائے نامتناہی میں نہایت تیزی کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ روشن ستارے تو لاتعداد دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن سیاہ مردہ ستارے حال ہی میں معلوم کیے گئے ہیں۔

کچھ وقفوں کے بعد ہم یکایک دیکھتے ہیں کہ نئے روشن ستارے آسمان پر چمکنے لگتے ہیں۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں ایک ستارہ نیا ظاہر ہوا۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں ایک دوسرا ستارہ ظاہر ہوا۔ یہ یقین کیا جاتا ہی کہ ان روشن ستاروں کا یکایک پیدا ہو جانا سیاہ اجرام کی آپس میں ٹکرانے سے ہوتا ہی اور یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ ہماری زمین بھی اسی طرح سے پیدا ہوئی ہی۔

دو سیاہ ستاروں کے ٹکرانے سے ایک مخروطی دھندلا حلقہ سا پیدا ہوتا ہی۔ یہ قیاس کیا جاتا ہی کہ ہمارا نظام شمسی شروع میں ایسا ہی مخروطی دھندلا حلقہ تھا۔ ایسے حلقے آسمان میں بے شمار دیکھے جاتے ہیں۔ اور مختلف مادیت کے ہوتے ہیں۔ اس حلقہ کا درمیانی حصہ رفتہ رفتہ سورج بن گیا۔ اس سے اُتر کر ٹھوس ہونے میں دوسرا درجہ ستارہ مشتری کا ہی۔ اور زمین ایک چھوٹا مرکزی حصہ تھا۔

زمین ٹھوس حالت میں یہ ہی جس طرح سے ہماری زمین پیدا ہوئی۔ اب ہمیں دیکھنا ہی کہ یہ کیا اور کس طرح کی چیز بن گئی ہی۔ ہم اسکو ایک سخت ٹھوس کرہ پاتے ہیں ہمارے بزرگ پورے طور پر یقین رکھتے تھے کہ صرف اوپر کا حصہ ہی سخت اور

ٹھوس ہے۔ اور اندرونی حصہ سیال اور گداختہ ہے۔ لیکن اس رائے اور قیاس پر اتنے اعتراض ہیں کہ اس قیاس کو اب بالکل چھوڑ دیا گیا ہے۔

چاند کی کشش زمین پر بے حد ہے، چاند کی کشش زمین کی صورت کو ہر روز بدل دیا کرتی اگر زمین کا صرف اوپر کا حصہ ہی ٹھوس اور سخت ہوتا۔ اس کے سبب سے تبدیل صورت اتنی زیادہ ہوتی کہ سمندر کی موجیں نظر نہیں آسکتی تھیں۔ جب ہم سمندر کے کنارے پر جاتے ہیں تو ہمیں موجیں کیوں نظر آتی ہیں ؟ صرف اس وجہ سے کہ چاند صرف سمندر کے پانی کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے لیکن زمین کو نہیں کھینچ سکتا۔ زمین بہت زیادہ سخت اور ٹھوس ہے۔ اور وہ چاند کی کشش کا مقابلہ کرتی ہے۔ اگر اوپر کا حصہ محض چھلکے کی مانند ہوتا۔ تو اس پر چاند کی کشش کا اتنا زیادہ اثر ہوتا کہ وہ چھلکا مع سمندر کے پانی کے اوپر نیچے ہوتا رہتا اور اس طرح سے سمندر کی لہریں نظر نہیں آسکتی تھیں (کیونکہ یہ جب ہی ممکن ہے جبکہ زمین اپنی جگہ قائم رہے اور پانی اوپر نیچے ہو) سمندر کی لہروں اور زلزلے کی لہروں کی رفتار سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ زمین ہر جگہ ایسی ٹھوس ہے جیسے کہ ٹھوس لوہے کا گولا۔ اندرونی حصہ کے سیال ہونے کا خیال چھوڑ دینا چاہیے۔ زمین کا بیرونی اندرونی حصہ سب کا سب ٹھوس ہے۔

زمین کی چٹانی سطح کا بڑا حصہ پانی کے حلقے کے سبب جسکو سمندر کہتے ہیں ہماری نظروں سے چھپا ہوا ہے۔ زمین کی سطح کا وہ ٹھوس حصہ جسکو ہم دیکھتے ہیں اور زمین کہتے ہیں جھریوں دار ہے۔ اور اُن جھریوں کو ہم پہاڑ کہتے ہیں۔ ایک بڑا حیران کرنے والا مسئلہ جس نے زمین کی حقیقت کے ماہران کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر رکھا ہے یہ ہے کہ یہ جھریاں پیدا کیونکر ہوئیں۔ اس مسئلے کے حل کرنیکے لیے ہیئت دانوں کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس بات کے سمجھنے کے لیے

کہ زمین کی سطح پر یہ جھریاں کس طرح پیدا ہوئیں ہم کو پھر مخروطی دُھندلے حلقے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اور یہ دیکھنا چاہیے کہ اُن کُروں پر جو ہماری زمین کے ساتھ ہی دُھندلے حلقے سے پیدا ہوئے تھے کیا گزری ہے۔

نظام شمسی کا ایک سربستہ راز سب سے پہلے سورج ہی کو لو۔ سورج کی وہ سطح جو ہمیں دکھائی دیتی ہے مطلق ٹھوس نہیں ہوتی ہے۔ اس سطح کے بعض حلقوں میں داغ موجود ہیں۔ یہ داغ یکایک ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ایک ہفتہ، دو ہفتہ یا ایک مہینہ بھر تک دکھائی دیتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان داغوں کی تحقیق سے ایک عجیب کرشمہ ظاہر ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سورج کی تمام سطح یکساں طور سے گردش نہیں کرتی ہے۔ ایک مقام جو سورج کے نصف النہار پر واقع ہے ۲۵ دن میں گردش پوری کریگا۔ لیکن اگر تم ایک اور مقام کو لو جو نصف النہار سے ۳۰ درجہ شمال یا جنوب میں ہے تو معلوم ہوگا کہ وہ مقام ۲۸ دن میں گردش پوری کرتا ہے۔ اور ایک مقام جو ۶۰ درجہ شمال یا جنوب کی طرف ہے ۳۴ دن میں اپنی گردش پوری کرتا ہے۔ یہ ایک نظام شمسی کا راز سربستہ ہے۔ یہ سورج کی گیسی شدہ حالت کے باعث ہے۔ یہ کرشمۂ فطرت جسکا میں ذکر کر رہا ہوں تھوڑے ہی زمانہ پہلے تک خیال کیا جاتا تھا کہ صرف سورج ہی سے متعلق ہے۔ لیکن کچھ عرصہ ہوا کہ ہیئت دانوں نے معلوم کر لیا ہے کہ مشتری کی سطح بھی اسی طرح پر گردش کرتی ہے اور اب حال ہی میں یہ تحقیق ہو گیا ہے کہ زحل کی سطح بھی اسی طرح گردش کرتی ہے۔ اس سے یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ ہماری زمین سے ابتدائی زمانہ میں اس کی سطح جو بخارات کی شکل میں تھی۔ اسی طور پر مخروطی صورت میں گردش کرتی ہو۔

یہ قریب قریب یقینی بات ہے کہ مشتری، زحل، یورینس، نپچون کی سطح ٹھوس یا سیال حالت میں ہے۔ لیکن جس صورت میں وہ ہم کو دکھائی دیتے

ہے وہ بخارات کی شکل میں ہے۔ اس لیے پہاڑوں کی بابت ان ستاروں سے کچھ مدد نہیں مل سکتی۔

ستارہ مریخ کی جغرافی حالت اگر ہم ستارۂ مریخ کی طرف توجہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین سے بہت سی باتوں میں مشابہ ہے۔ یہ ایک ٹھوس سخت کرہ ہے۔ اس کے دونوں قطبی کنارے زمین برف کی مانند جمی ہوئی ہے۔ مگر یہ برفانی قطب ایک عجیب بات ظاہر کرتے ہیں

پہلی بات یہ ہے کہ یہ برفانی قطب۔ گردش کے قطبین سے مختلف ہیں۔ اور گردشی خط کے سروں پر واقع نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ مریخ کے قطر کے ٹھیک سروں پر یکساں واقع نہیں ہوئے ہیں۔ یہ امر ہمارے لیے خاص دلچسپی کا باعث ہے کیونکہ ہماری زمین کے قطبوں کی برفانی چوٹی ایک دفعہ سے زیادہ حرکت کر چکی ہے یا پھیل چکی ہے سوائے زمین کے ستارۂ مریخ کی جغرافی حالت اور ستاروں کی نسبت بہتر طور سے معلوم ہے۔ اور اس کے نقشوں کے مطالعہ سے جہانتک ہم معلوم کر سکتے ہیں یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی سطح پر جھریاں نہیں ہیں۔ اگر ستارہ مریخ کا ہیئت داں دوربین لگا کر زمین کو دیکھے تو وہ صاف طور سے ایک برفانی حلقہ دیکھے گا جو آسام سے لیکر افغانستان تک ہمالیہ پہاڑ کی جائے وقوع ظاہر کرتا ہے۔ ہم مریخ کے قطبوں پر برف دیکھ سکتے ہیں مگر کوئی ہمالیہ یا۔ الپس یا انڈیز نہیں دیکھ سکتے (یعنی مریخ میں کوئی پہاڑ نہیں ہے)

جہانتک میری واقفیت ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مریخ اپنے کرۂ ہوائی، ٹھوس اور سخت ہونے میں، اپنی آب و ہوا میں زمین سے مشابہ ہے مگر سطح کی حالت کے لحاظ سے نہیں۔ کیونکہ اس کی سطح جھریوں دار نظر

نہیں آتی۔ اس کے علاوہ مریخ کی سطح پر خطوں کا ایک جال بچھا ہوا نظر آتا ہے جسکے جواب میں زمین پر کوئی چیز نہیں ہے۔

(باقی آیندہ مہینے میں)

سید صغیر علی

بے ثبات دُنیا

نہیں ثبات بلندیٔ عزوشاں کے لیے　　　کہ ساتھ اوج کے پستی ہے آسماں کے لیے

جمشید۔ اسوقت کمرے میں بہت گرمی ہے چلیے سامنے والے باغ میں سیر کیجیے دیکھیے تو چڑیوں کا چہچہانا، کوئل کا الاپنا، پھولوں کا مہکنا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کا چلنا کیا دلکش منظر پیدا کر رہا ہے۔

خورشیدہ۔ نہیں جمشیدہ مجھے یہیں رہنے دو میرا دل کسی اچھے منظر سے متاثر نہوگا ؎ مجکو خدا پہ چھوڑ دو بہر خدا جو ہو سو ہو۔

جمشیدہ۔ پیاری بہن آپ کو صبر سے کام لینا چاہیے۔ اسقدر ہراساں ہونا چاہیے دیکھیے کمرہ میں سخت گرمی ہے جو آپ کی صحت کو نقصان پہونچائیگی۔

خورشیدہ۔ میں نہایت عاجزی سے آپسے التجا کرتی ہوں کہ آپ میرا پیچھا چھوڑ دیجیے اور مجھے یہیں رہنے دیجیے۔

جمشیدہ۔ افسوس کہ تم بالکل کسی کا خیال نہیں کرتیں آہ میں وہی جمشیدہ ہوں جس کی رائے پر ہر ایک کام کیا جاتا تھا کیا آج میرے سوالات کے برابر اُلٹے جواب ملتے ہیں۔

خورشیدہ (اپنے پریشان خیالات سے چونک کر) کیا کہا۔ جمشیدہ باغ میں چلو۔

خورشیدہ۔ کیوں۔
جمشیدہ۔ میرا دل چاہتا ہے۔
خورشیدہ۔ اچھا مگر میں کیسے چلوں میرا دل بالکل نہیں چاہتا۔ جسم سے اٹھا نہیں جاتا۔ آہ جمشیدہ تم مردہ کو جلاتی ہو اور یہ کہتی ہوئی باغ میں ایک آرام کرسی پر آبیٹھی۔ جمشیدہ برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔
خورشیدہ کی نگاہیں جو کہ ابھی تک زمین پر گڑی ہوئی تھیں یکبارگی اٹھیں اور سامنے گلاب کے درخت پر پڑیں جہاں بلبل منقار کھولے شگفتہ غنچہ سے طرح طرح کی بولیاں بول رہی تھی اور عجیب طریقہ سے اس پر فریفتہ ہوئی جاتی تھی۔ ایک بار جو پھدک کر آئی تو اسکا پنجہ پھول پر جا پڑا جس سے پتیاں منتشر ہو کر زمین پر آرہیں۔ بلبل نے تھوڑی دیر تک گری ہوئی پتیاں دیکھیں اور پھر پھدک کر دوسرے پھول کے قریب جا بیٹھی۔ قریب تھا کہ اس سانحہ سے خورشیدہ کی چیخ نکل جائے جو اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور دل کو سنبھالکر یہ شعر گنگنانے لگی۔

جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے　　　یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

جمشیدہ جو کہ ابھی تک نرگس کے پیڑ کو کن انکھیوں سے تک رہی تھی خورشیدہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ اس قادر مطلق کی کارسازی کو دیکھ کر انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ دیکھیے باغ کے چہار طرف پیڑ ہیں لیکن ہر ایک خوبصورتی اور رنگ روپ میں نرالا ہے

گل جو چمن میں ہیں ہزار دیکھو ظفر ہے کیا بہار
سب کا ہے رنگ الگ الگ سب کی ہے بو الگ الگ

ہزارہا سال کے تجربہ کے بعد انسان کو صرف درخت کی بابت اسقدر علم

حاصل ہوا ہی کہ فلاں تخم کے بونے سے فلاں قسم کا پیڑ اُگتا ہی اور اُس میں فلاں رنگ کا پھول پھل آتا ہی۔ لیکن اگر اُس سے سوال کیا جائے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ تو سوائے اس جواب کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اُس کے سمجھنے سے انسان کی عقل قاصر ہی۔ غرضکہ ہر حال میں وحدہ لاشریک لہ کو ماننا پڑتا ہی اور اُس کی قدرت کی کارسازی کسی نوع نہیں چھپ سکتی۔ خود انسان ہی اُس کی قدرت کی کارسازی کی ایک ادنیٰ مثال ہی۔

خورشیدہ۔ نیچر کی کارسازی نہ صرف انسان کو حیرت میں ڈالکر وحدہ لاشریک لہ کا ثبوت ہی دیتی ہی بلکہ وہ سمجھدار انسان کو اس حقیقی چیز کا متلاشی بنا دیتی ہی جس کی انسان کو واقعی ضرورت ہی۔ اقبال معجز بیان نے کیا خوب کہا ہے۔

کہا یہ میں نے کہ سچی خوشی نہیں ملتی ۔۔۔ تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی

ریاض دہر میں یوں تو ہیں رنگ رنگ کے پھول ۔۔۔ وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی

واقعی دنیا بہت بے وفا ہی کوئی چیز یہاں قابل اعتماد نہیں۔ کوئی بات قابل اعتبار نہیں، ہر اوج کو پستی ہی، ہر ترقی کو تنزل۔ ہستی انسان کوئی چیز نہیں ؎

عمر برق و شرار ہی دنیا ۔۔۔ کیسی بے اعتبار ہی دنیا

اس عمر دو روزہ پر انسان کس قدر مغرور ہوتا ہی کیسے بُرے بُرے افعال کا مرتکب ہوتا ہی۔ جسکو سُنکر دل تھرا جائے۔ جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

جمشیدہ (بات کاٹ کر) وہ حقیقی چیز کیا ہی جس کی انسان کو ضرورت

خورشیدہ۔ وہ خدا کی قربت جو انسان کی روح کو ذاتی لگاؤ ہونے کی وجہ اُس کی اصل خواہش ہوتی ہی۔ جو کہ ہر ایک چیز کو اپنے جنس سے ملنے کی

ہوا کرتی ہے۔ لیکن جب انسان بُرے افعال کرتا ہے تو اُس کے فعل کا خراب
اثر روح کو کثیف کر دیتا ہے اور پھر وہ روح اپنے اعلیٰ جز سے ملنے کے قابل
نہیں رہتی۔ کیونکہ اُس میں ایسا نقص پیدا ہو جاتا ہے کہ کسی صورت سے وہ قربت
خداوندی نہیں حاصل کر سکتی اور نہ کوئی کام پھر صیقل روح ہو سکتا ہے۔ لہذا
جب کوئی انسان اپنی روح کی اصلی خواہش سے خلاف کام کرتا ہے اور اپنے افعال
ذمیمہ سے روح کو کثیف کر دیتا ہے تو اس کی روح کو کبھی حقیقی خوشی نہیں حاصل
ہوتی۔ اور ایسے ہی انسان کے مرنے کے بعد اُس کی روح پر سخت تکالیف
ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ دنیا کے وہ مشاغل جو انسانی خیالات کو بٹائے رکھتے ہیں
یکبارگی جاتے رہتے ہیں اور صرف وہی بھید ظاہر ہو جاتا ہے جس کے واسطے
انسان بنایا گیا تھا۔ اور پھر اُس روح پر اپنے جز سے علیحدگی کی وہ شدید تکالیف
ہو جاتی ہیں کہ جسکو کوئی انسان نہیں بتا سکتا اور نہ اُن تکالیف کا اندازہ کر سکتا
ہے۔ اور جو انسان کہ اچھے کام کرتے ہیں اور بالکل خداوند تعالیٰ کے حکم کے
مطابق چلتے ہیں تو گویا وہ خدا کی دی ہوئی نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور
افعال حمیدہ سے اپنی روح کو مجلّے کرتے ہیں اور نہایت بشاش چہرہ وہ خوشی
نشاط میں خداوند تعالیٰ کے حضور میں داخل ہوتے ہیں اور قربت خداوندی
سے وہ لطف حاصل کرتے ہیں جسکو کوئی انسان نہیں بتا سکتا اور نہ اس خوشی کا
اندازہ کر سکتا ہے۔

اور جو انسان کہ اپنے افعال حمیدہ و اوصاف پسندیدہ سے قربت خدا
کے لائق اپنے آپ کو بنا لیتے ہیں یا کچھ شمہ قرب خدا کا دنیا میں حاصل کر لیتے
ہیں تو اُن کی نگاہ میں دنیا کے کل دلکش منظر و دلچسپ کیفیتیں ایک تماشے
سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ اور بے ثبات دنیا ایسی نظر آتی ہے جیسے

شکسپیر اپنی تصنیف میں لکھتا ہی کہ "دنیا ایک تھیٹر اور انسان ایکٹر ہیں جو اسٹیج دنیا پر نئے نئے تماشے کرتے رہتے ہیں"، ایک ہندوستانی شاعر انہیں خیالات کو کیا خوب ظاہر کرتا ہی۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہی شب و روز تماشا مرے آگے

جمشیدہ۔ لیکن نیک اور صالح پر کیا موقوف ہی بے ثبات دنیا کو تو ہر کوئی جانتا ہے۔

خورشیدہ۔ جاننا اور بات ہی اور اُس سے عبرت حاصل کرنا اور بات ہی۔ اور اگر مجھسے پوچھو تو میں کہتی ہوں کہ دنیا بے ثبات ہی کیا ہی بلکہ کُل عیب اس میں موجود ہیں، دغاباز دنیا، خودمطلب دنیا، بیوفا دنیا، جھوٹی دنیا، میرا دل چاہتا ہی کہ ظالم انسان کی صحبت چھوڑکر کسی ایسی جگہ جا رہوں جہاں نافرمان انسان کی صورت نظر نہ آے۔

جمشیدہ۔ اگر دنیا سے نفرت ہی تو انسان کا کیا قصور ہی۔

خورشیدہ۔ دراصل دنیا کا کوئی قصور نہیں بلکہ دنیا کو بھی انسان نے ہی خراب کر رکھا ہی۔ یہ سب انسان ہی کی نافرمانیاں ہیں۔ نالائق انسان، خودمطلب انسان، فریبی انسان، بے انصاف انسان، ظاہرپرست انسان، جھوٹا انسان، انسان انسان نہایت بے وفا پرلے درجہ کا بے مروت انسان اسکو کون کہتا ہی کہ یہ اشرف المخلوقات ہی، بدترین خلق بالکل کمینہ انسان، ذلیل ظالم انسان،

جمشیدہ۔ آپ ناحق کیوں سب انسانوں کو بُرا بتاتی ہیں۔ ایک آپکے شوہر نے آپ پر ظلم کیا کہ دوسری شادی کرلی تو کیا سب انسان ایسا ہی کرتے ہیں۔

خورشیدہ - اس بات کا نام نہ لو۔ میرے حق میں اُن کا دوسری شادی کا کرنا بہت مفید ثابت ہوا مجھے اس غم سے دنیا کا وہ تاریک حصہ نظر آنے لگا جو کبھی نہ دیکھا تھا۔ میرے اوپر وہ راز منکشف ہوئے جو کبھی خیال میں بھی نہ گزرے تھے۔ دنیا کی بے ثباتی میری نگاہ میں پھر گئی، ہستی دنیا میری نظر میں ایک پل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اور میرے خیالات میں وہ تبادلہ ہوا جس سے میں خود متعجب ہوں۔ مگر اب میں دنیا میں کسی کام کی نہ رہی اور غالباً یہی میرے حق میں اچھا ہوا۔

راقمہ ز ازمراد آباد

اڈیٹوریل

زنانہ مدرسہ علیگڈھ

ہمارے دوست میر ممتاز علی صاحب نے ایک کھلی چٹھی مدرسۂ نسواں کے متعلق اخبارات میں شائع کرائی تھی اور اُس میں جو کچھ مدرسہ پر اعتراضات کیے تھے اسکا مفصل جواب ہم نے بھی اخبارات میں شائع کرایا۔ اس سے ہمارے اُن دوستوں اور حامیوں کا اطمینان تو ہوگیا کہ جو مدرسہ کی مخالفت کرنے والے حضرات کو تعلیم نسواں کا خیر خواہ تسلیم کرنے میں تامل فرماتے ہیں۔ مگر ہم کو اس قیل و قال اور حیث و بحث سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے مخدوم دوست میر ممتاز علی صاحب کو خدا نے جو بقیہ زندگی عطا کر رکھی ہے وہ اور جو سکر ٹری مدرسۂ نسواں علیگڈھ کی ناچیز زندگی کے ایام ہیں دونوں کسی مفید کام میں صرف ہوں تاکہ مسلمانوں کی آیندہ نسلوں کو اس سے نفع پہونچے۔ مولوی ممتاز علی صاحب کا جواب دینے پر ہم اسلیے مجبور تھے کہ اُن کی تحریروں سے مدرسہ کے متعلق سراسر بدگمانی پیدا ہوتی تھی۔ اب ہم کو امید ہے کہ ہمارے جواب کے بعد انصاف پسند حضرات ہم سے کسی مزید صراحت یا جواب کی ضرورت

کے خواہاں ہونگے۔ کیونکہ مولوی ممتاز علی صاحب کے صرف دو اعتراض تھے۔ ایک تو یہ کہ بڑا مدرسہ علیگڈھ میں نہ قائم کیا جائے بلکہ چھوٹے چھوٹے مدرسے ہندوستان کے مختلف شہروں میں قائم کیے جائیں۔ اسکا جواب ہماری طرف سے صاف طور پر دیا گیا ہے کہ علیگڈہ میں ہم نے ایک بڑے مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے اور اس کی تکمیل کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔ اور اصولاً اگر واقعی تعلیم نسواں کو ترقی دینا مقصود ہو تو بجز ایک مرکزی بڑے مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے مدارس کے ذریعہ سے عورتوں کو تعلیم یافتہ بنانے کی خواہش ایک عبث خواہش ہے۔ کوئی مثال تاریخی یا زمانہ حال کی پیش نہیں کیجاتی جس میں صرف چھوٹے چھوٹے مکتبوں کے ذریعہ سے کسی قوم نے تعلیم کے اعلیٰ مدارج حاصل کیے ہوں، اور قوم کو اور تعلیم نسواں کے ہمدردوں کو کسی قانون نے یا کسی قومی رزولیوشن نے مختلف شہروں میں چھوٹے چھوٹے مکاتب قائم کرنے سے منع نہیں کیا۔ قوم میں دو قسم کے کام ہو رہے ہیں ایک لوکل ضروریات کے، اور ایک عام ضروریات کے، لوکل ضروریات کے کام تو لوکل حضرات کی امداد سے انجام پاتے ہیں اور مرکزی عام ضروریات کے کام کل قوم کی امداد کے محتاج ہوتے ہیں۔ ہمارے دوست مولوی ممتاز علی صاحب کا یہ اعتراض کسقدر نا واجب ہے کہ جب کل قوم سے روپیہ لیا جاتا ہے تو صرف علی گڈہ میں ایک مدرسہ کیوں قائم کیا جاتا ہے۔ ایک سنٹرل مدرسہ کہیں پر قائم کرنا ضروری تھا اگر وہ علیگڈہ میں قائم ہو گیا تو ہمارے دوست کو ناگوار کیوں گزرا۔

اپنے صوبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو صاحبان نے ایک لڑکیوں کا مدرسہ بنارس میں قائم کیا ہے۔ گو اسوقت اُس مدرسہ کی حالت قریب قریب وہی ہے جو مدرسہ نسوان علیگڈہ کی ہے کیونکہ اسکو قائم ہوئے بھی اس سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ مگر قائم کرنے والوں کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہندو لڑکیوں کا ایک سنٹرل مدرسہ ہوگا اور وہ اسی کو مدنظر رکھ کر اس کی تکمیل کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر علاوہ اس مرکزی مدرسہ کے قریب قریب کل شہروں میں چھوٹے چھوٹے مدارس بھی لوکل آدمیوں کی کوشش سے قائم ہو گئے ہیں اور کل لوکل مدارس کے اخراجات کے لیے لوکل چندے اور فیس وغیرہ مکتفی ہوتی ہے۔ اگر مسلمانوں کو بھی تعلیم نسواں کی طرف توجہ ہو جائے تو وہ بھی لوکل مدارس بلا امداد مرکزی مدرسہ کے قائم کر سکتے ہیں۔ مگر رونا تو یہ ہے کہ ابھی تک مسلمانوں میں احساس پیدا نہیں ہوا۔ اور جو کچھ

کوشش علیگڈھ میں قوم کو جگانے کے متعلق ہو رہی ہی ہمارے مہربان معترض اسکے رستہ میں بھی روڑے اٹکانے کی فکر میں ہیں۔ ہم نے بیسوں مرتبہ مولوی ممتاز علی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ قومی بچیوں کی حالت پر رحم فرمائیں اور اگر اُنسے ہو سکے تو وہ اپنا وقت تعلیم نسواں کی ترقی کے وسائل کے پہونچانے میں صرف کریں اور علیگڈھ میں کام اور کوشش کرنے والوں سے بلا وجہ نہ الجھیں مگر ہمارے دوست کا استقلال بھی غضب کا ہی کہ وہ اسکی مطلق پروا نہیں کرتے ہیں کہ ان کی نکتہ چینیوں اور مخالفت کا انجام کیا ہوگا۔ اسکا انجام صاف طور پر دکھائی دیتا ہی کہ جو اتفاق و اجتماع۔ ایک واحد مقصد کے پورا کرنے کے لیے ہو رہا ہے اُس میں رخنہ اندازی ہوگی اور جو کام ہم سال بھر میں انجام دیسکتے ہیں اسکو دس سال میں بھی انجام نہ دیسکینگے۔ کاشکے ہمارے مخدوم مولوی ممتاز علی صاحب بھی مخالفت کی اس قباحت کو محسوس کریں اور آیندہ وہ راستہ اختیار کریں جو مسلمان مستورات کی تعلیم کو کوئی معتدبہ فائدہ پہونچا سکے۔ اُن کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آپس کی نا اتفاقی کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہی اور اس نا اتفاقی کے اور تعلیم نسواں کے حامیوں کے گروہ کے دو ٹکڑے پیدا کرنے کے باعث صرف مولوی ممتاز علی صاحب ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ ہماری طرف سے کبھی کسی موقع پر مولوی ممتاز علی صاحب پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ اور ہمیشہ ہم اُنکے اعتراضات کا جواب ہی دیتے رہے ہیں۔ کبھی اپنی طرف سے سبقت نہیں کی۔ رابعہ سلطان بیگم صاحبہ اور منت حاجی موسیٰ خاں صاحبہ نے بھی اپنے مضامین میں اس جھگڑے کے ختم کرنے کی سفارش کی ہی۔ ہم جہانتک ہمارا تعلق ہی ان ہمدرد خاتونوں کی ہمدردی کو سچی ہمدردی پر مبنی سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کو تیار ہیں۔

مولوی ممتاز علی صاحب ہماری مخدومہ رابعہ سلطان بیگم صاحبہ کو علیگڈھ کے دشمن کے نام سے اپنے اخبار میں ظاہر کیا ہی۔ افسوس صد افسوس کہ مولوی ممتاز علی صاحب نے علیگڈھ والوں کو بلا وجہ اس معاملہ میں مطعون کیا ہی۔ یہ ایک نہایت سخت بیجا الزام ہی جو کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر عائد کرسکتا ہی۔ ہم رابعہ سلطان بیگم صاحبہ کو علیگڈھ کا دشمن سمجھتے ہیں رابعہ سلطان بیگم صاحبہ جیسی ہمدرد بہویاں قوم میں دس پانچ ہی ہونگی کیونکہ وہ ہزار میل سے زائد مسافت طے کرکے علیگڈھ میں تشریف لائیں اُنہوں نے مدرسہ کے متعلق مضمون لکھا

جو تہذیب نسواں اور خاتون دونوں میں چھپا ہے۔ تہذیب نسواں کے مضمون میں چند فقرے اضافہ کیے گئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ خود رابعہ سلطان بیگم صاحبہ نے کیے ہیں یا اور کسی نے کیے ہیں۔ مگر اگر رابعہ سلطان بیگم صاحبہ نے خود ہی وہ فقرے اضافہ کیے ہیں تو بھی اُن فقروں سے رابعہ سلطان بیگم صاحبہ کی مخالفت نہیں معلوم ہوتی بلکہ ہمدردی معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر کسی اور نے وہ فقرے بڑھا دیے ہیں تو اُن فقروں کے متعلق ہم کو بحث کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے پبلک کی آگاہی کے لیے یہ نوٹ لکھا ہے کہ مولوی ممتاز علی صاحب نے سراسر خلاف واقعہ یہ لکھا ہے کہ ہم رابعہ سلطان بیگم صاحبہ کو علیگڈھ کے مدرسہ کا مخالف جانتے ہیں۔ نہ معلوم مولوی صاحب موصوف کو اسکا الہام ہوا یا کس طور پر معلوم ہوا کہ ہم رابعہ سلطان بیگم صاحبہ کو مدرسہ کا مخالف جانتے ہیں۔

ہم کو مسلمان لڑکیوں کا مشن اسکولوں میں پڑھنا ہمیشہ سے ناگوار رہا ہے اور ہماری ہمیشہ یہ کوشش اور آرزو رہی ہے کہ ہم کوئی قومی مدرسہ ایسا قائم کریں جس میں کہ کل قوم کی وہ بچیاں جو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مجبوراً مشن اسکولوں میں بھیجی جاتی ہیں پڑھ سکیں یہ خیال ہمارے دل میں طالبعلمی کے زمانہ میں ایک خاص واقعہ سے پیدا ہوا تھا جو ہم اپنے ناظرین و ناظرات کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ حیدرآباد کا ایک رئیس زادہ جب نہایت بچہ تھا تو اسکو نا کے مشن اسکول میں اُس کے مُربیوں نے داخل کرا دیا تھا۔ پندرہ سولہ برس کی عمر تک وہ اُسی اسکول میں پڑھتا رہا۔ پھر وہ علیگڈھ کے مدرسہ میں بھیجا گیا۔ مگر اس کے دل پر عیسائیت کا اسقدر گہرا اثر ہو چکا تھا کہ وہ جب تک کالج میں رہا چھپ کر مشنری لیڈیوں سے ملتا رہا۔ اور آخر کو جب کالج میں اس کی شہرت ہوئی اور وہ بھی بلوغ کی حد کو پہنچا تو کالج چھوڑ کر چلا گیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ علانیہ عیسائی ہو گیا۔

ایسے ہی چند مسلمان لڑکیوں کا واقعہ سُننے میں آیا کہ وہ مشن اسکولوں میں پڑھنے کی وجہ سے عیسائی ہو گئیں۔ گو اُسوقت تو مدرسہ قائم کرنے کا خیال دل میں نہیں آسکتا تھا مگر یہ خیال ضرور پیدا ہوا تھا کہ جہانتک ممکن ہو چھوٹی عمر میں ہمارے بچے اور بچیاں مشن اسکول

میں تعلیم پانے سے روکے جائیں اور بالخصوص اُن کو بطور بورڈروں کے کسی مشن اسکول میں کبھی اجازت نہ دی جائے۔ ہم نے ایک مرتبہ بمبئی میں اس خیال کو ایک مجمع کے سامنے ظاہر کیا تھا اور منجملہ مقاصد مدرسۂ نسواں کے ایک مقصد یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ ہم کو ایسی بچیوں کے لیے تعلیم کا انتظام کرنا ہی جو اس وقت مشن اسکولوں میں بھیجی جاتی ہیں۔ اب وہ وقت بہت قریب آپہونچا ہی جو ہماری دلی آرزو پوری ہو گی۔ اور بجائے اسکے کہ مشن اسکولوں میں ہماری بچیوں کو اسلامی پاک تعلیم کے خلاف یہ سکھایا جائے کہ ایک انسان خدا کا بیٹا تھا ہم اپنے اسلامی زنانہ مدرسہ میں ان بچیوں کو خدا اور رسول کے پاک اور سچے احکامات کی تعلیم دسیلیں گے اس سے بڑھکر کسی قوم کے لیے غیرت اور شرم کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ وہ دیدہ و دانستہ اپنے معصوم بچیوں کو اجازت دیں کہ وہ اپنے مذہب کے خلاف تعلیم حاصل کریں اور اُنکے لیے خود کوئی انتظام تعلیم کا نہ کریں۔

ہمیں اسوقت ایک نہایت قابل تجربہ کار انگلش لیڈی اپنے مدرسہ کے لیے ملی ہیں جو گو مستقل طور پر تو رہنے کا وعدہ نہیں کرتیں لیکن جب تک انگلستان سے کوئی قابل ہیڈ مسٹرس نہ آئیں جنکے لیے لکھدیا گیا ہی اُسوقت تک وہ مدرسہ میں کام کرنا چاہتی ہیں۔ ان لیڈی صاحبہ نے لندن انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۳ سال تک ٹریننگ کالج لندن میں تعلیم پائی اور پھر آٹھ سال تک ایک مدرسہ میں بطور معلمہ اوّل کے کام کیا اور نیز اُنھوں نے سوزن کاری وغیرہ میں الگ اعلیٰ اسناد حاصل کیں۔ اب اُن کی شادی ایک انجنیر صاحب سے ہوگئی جن کے ہمراہ وہ ہندوستان آئی ہیں۔ وہ انجنیر صاحب علی گڑھ کے زنانہ اسپتال کے لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کے بھائی ہیں اسوجہ سے اُن کا علیگڈھ آنا ہوا۔ اور چونکہ اُن کو کم از کم چھ ماہ تک علی گڑھ رہنا ہی اس لیے وہ رضامند ہوگئیں کہ ہمارے مدرسہ میں پڑھایا کرینگی۔ اور نیز لڑکیوں کو سوزن کاری وغیرہ سکھلائیں گی۔ ہمارے ہاں اسوقت ایک لڑکی چھٹی جماعت میں انگریزی پڑھتی ہی۔ اور دس لڑکیاں اور

انگریزی پڑھتی ہیں۔ ان لڑکیوں کو وہ انگریزی بھی پڑھائیں گی۔
ہماری زیادہ غرض اُن کو رکھنے سے یہ ہے کہ وہ ایک علیحدہ کلاس جاری کرکے لڑکیوں کو دستکاری سکھائیں گی۔ جس کی ہم کو اشد ضرورت معلوم ہو رہی ہے اور جسکا اسوقت تک خاطر خواہ انتظام نہ تھا۔ اگر ہمارے پاس اسوقت بورڈنگ تیار ہوتا تو ہم عام طور پر اعلان کر دیتے کہ اسوقت جتنی لڑکیاں مشن اسکولوں میں پڑھ رہی ہیں وہ سب آکر ہمارے مدرسہ میں داخل ہو جائیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی مسلمان اس بات کو پسند نہ کریگا کہ ایک اسلامی مدرسہ میں خاطر خواہ اُس کی لڑکی کی تعلیم کا انتظام ہو پھر بھی وہ اپنی لڑکی کو کسی مشن اسکول میں تعلیم دلانے پر اصرار کرے۔

ہم ناظرات خاتون کو دو پُر مسرت واقعات کی اطلاع دینا چاہتے ہیں۔ اُن میں سے ایک تو ہماری ہمدرد روشنخیال بہن بنت نذر الباقر صاحبہ کی شادی ہے۔ بنت نذر الباقر صاحبہ کے نام سے قریب قریب کل اخباری بہنیں واقف ہونگی، اُنھوں نے یونیورسٹی کے لیے سب سے اول زنانہ طبقہ میں کوشش شروع کی، اور اُن کی وجہ سے بیبیوں میں یونیورسٹی کی تحریک کے ساتھ دلچسپی و ہمدردی پیدا ہوئی۔ اور چندہ بھی وصول ہوا۔ وہ بفضل خدا چند رسالوں کی مصنفہ بھی ہیں جن کے متعلق خاتون میں ریویو شائع ہو چکا ہے۔ وہ کل قومی کاموں میں نہایت خلوص سے حصہ لیتی ہیں۔
گو ہم اپنے نزدیک ہمیشہ یہ خیال کرتے رہے کہ ایسی مسلمان تعلیم یافتہ روشنخیال بیبیوں کو ابھی وقت صرف ایک ہی مہم کے سر کرنے میں اپنی پوری ہمت اور وقت کو صرف کرنا چاہیے۔ یعنی اپنی بہنوں میں تعلیم پھیلانا، ان کو اپنی زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد بنانا چاہیے۔
وہ علیگڈھ کے مدرسہ کی ایک ممبر ہیں اور ہم اُن کو مدرسہ کی جانب سے دلی مبارکباد

دیتے ہیں۔ اُن کی شادی ہمارے عزیز بھائی اردو لٹریچر کے نامور رُکن کالج کے اولڈ بوائے مسٹر سجاد حیدر سے ہوئی ہے۔ مسٹر سجاد حیدر کے نام نامی سے کون واقف نہوگا۔ اُن کا نام لیناہی اُنکے تعارف کے لیے کافی ہے۔ ہم اپنے عزیز بھائی کو دلی مبارکباد دیتے ہیں کہ اُنھوں نے اپنی آیندہ زندگی کا معین و مددگار ڈھونڈنے میں ایک بہترین انتخاب کیا ہے۔ اور آجکل کے زمانہ میں بہت ہی کم ایسے خوش قسمت نوجوان ہیں جنکو ایسے موقعے نصیب ہوتے ہیں۔

اب اس کے بعد اپنے بھائی سجاد اور جناب نذر سجاد صاحبہ کی توجہ زنانہ مدرسہ کی طرف دلانا چاہتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ اس بے نظیر شادی کے موقع پر زنانہ مدرسہ اپنی امیدوں میں محروم نہ رکھا جائیگا۔

دوسری خبر جو ناظرات کے لیے شائع کرتے ہیں وہ ہمارے عزیز بھائی مولوی احتشام الدین صاحب کی شادی کی خبر ہے۔ ناظرات خاتون مسٹر احتشام الدین صاحب سے بخوبی واقف ہیں۔ مسٹر احتشام الدین صاحب ہمارے زنانہ مدرسہ کے ایک بڑے رُکن ہیں اور ہمیشہ سے کل زنانہ فلاح اور بہبودی کی تحریکوں کے خالص ہمدرد اور مددگار رہے ہیں۔ مثل ہمارے بھائی مسٹر سجاد کے احتشام الدین صاحب بھی اسوقت قوم میں اُردو لٹریچر کے ایک بے مثل رُکن ہیں۔

اگر یہ دونوں صاحب کسی زندہ قوم میں پیدا ہوتے تو ان کی بھی ایسی ہی قدر ہوتی جیسے کہ انگریزوں نے ڈاکٹر لسن اور گولڈ سمتہ کی کی تھی۔ مگر قوم انحطاط کی حالت میں ہے۔ سینکڑوں جوہر اس میں پیدا ہوتے ہیں لیکن نہ اُن سے کوئی فائدہ حاصل کرنے والا ہے اور نہ اُن کی کوئی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ پھر بھی جو لوگ احتشام الدین صاحب کی اصلی قابلیت سے آگاہی رکھتے ہیں اُن کی نگاہ میں وہ قوم میں نہایت امتیاز و قدر و منزلت حاصل کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ اور جن دوستوں کے دائرہ میں وہ رہتے ہیں وہ اُن سے بڑا خلوص اور محبت رکھتے ہیں۔

ہم تو صرف اُن کی شادی کی خبر شائع کرنا چاہتے تھے مگر اُن کے اعلیٰ اوصاف کا تصور دل میں آگیا اس لیے چند کلمات اُن کی تعریف میں بھی عرض کر دیئے اُن کی شادی دہلی میں اپنے ہی خاندان میں ہوئی ہے۔ اور بفضل خدا ان کو بھی تعلیم یافتہ بی بی ملی ہے جو اس زمانہ میں خاص طور پر ذکر کے قابل ہے۔

گورنمنٹ ممالک متحدہ

صیغۂ تعلیم

حفظان صحت وصفائی

۲۴- اپریل سنہ ۱۹۱۲ء

نمبر ۶۳۵- اس غرض سے کہ حج کا قصد رکھنے والوں کو زیادہ آسانی ہو اور بمبئی میں موجودہ کثرت آمد و رفت حاجیوں کی کم ہو جائے جناب نواب گورنر جنرل بہادر بہ اجلاس کونسل نے یہ امر طے فرمایا ہے کہ آیندہ حج کے موسم میں اور تا صدور حکم ثانی حجاز کو جانے والے حاجی علاوہ بندرگاہ بمبئی کے بندرگاہ کراچی سے بھی سوار ہو کر روانہ ہو سکیں گے۔

لہذا اُن اختیارات کے بموجب جو وبائی بیماریوں کے ایکٹ سنہ ۱۸۹۷ء (نمبر ۳ سنہ ۱۸۹۷ء) کی دفعہ ۲ دفعہ تحتی (۱) کی رو سے ملے ہیں اور اُن احکام کو منسوخ کر کے جو صیغۂ ہوم کے اشتہار نمبر ۲-۱۶ مورخہ ۱۳ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء میں مندرج ہیں جناب نواب گورنر جنرل بہادر بہ اجلاس کونسل حکم دیتے ہیں کہ تا صدور حکم ثانی نیچے لکھی ہوئی شرطوں کی پابندی سے ہر باشندۂ ملک ہند کو حج کے لیے سفر کرنے کی اجازت ہوگی۔

(۱) یہ کہ بندرگاہ بمبئی و بندرگاہ کراچی واقع احاطہ بمبئی کے سوا اور کسی بندرگاہ سے کسی شخص کو بغرض حج مکہ کو جانے کے قصد سے جہاز پر سوار ہونیکی اجازت نہوگی، اور

(۲) یہ کہ قبل اس کے کہ حاجی سوار ہوں اُن جہازوں میں جو جدہ کو جانے کی غرض سے کرایہ پر لیے گئے ہوں زیر ہدایت ذاتی بندرگاہ کے ہیلتھ آفیسر کے خوب اچھی طرح صفائی کی جائے اور کلیٹن صاحب کی ایجادی ترکیب سے کل چوہے جہاز سے دور کر دیئے جائیں۔ اور

(۳) یہ کہ جہاز پر بغرض ہسپتال کافی جگہ چھوڑ دی جائے ۔ اور
(۴) یہ کہ جہاز پر سوار ہونے کے قبل حاجیوں کا ڈاکٹری معائنہ کر لیا جائے اور انکے کپڑوں اور اسباب سے بیماری کا اثر دور کر دیا جائے جیسا کہ معمولی اسٹیمروں (دخانی جہازوں) پر تیسرے درجہ کے مسافروں کی صورت میں کیا جاتا ہے، اور
(۵) یہ کہ بمقام عدن جہازوں کا مزید ڈاکٹری معائنہ کیا جائے ۔ اور
(۶) یہ کہ اگر حاجیوں کے کسی جہاز پر جو عدن میں پہونچنے پر مرض طاعون پایا جائے تو اس امر کی اطلاع بذریعہ تار برقی بمقام پیرم بھیج دی جائے جہاں سنہ ۱۹۰۳ء کے معاہدہ پیرس کی شرط ۲۱ (۳) کے بموجب جہاز کی نسبت اس طرح عمل کیا جائیگا کہ اس میں وبائی بیماری کا اثر ہے اور وہ تدبیریں جو شرط مذکور میں مقرر ہیں ٹھیک ٹھیک عمل میں لائی جائیں گی اور اُن جہازوں کی نسبت بھی جن پر مرض طاعون ہونے کا حال بمرتبہ اوّل اُسوقت معلوم ہو جب وہ عدن اور پیرم کے درمیان ہوں ویسا ہی عمل کیا جائیگا ۔

۲- ہر موسم حج کے شروع میں گورنمنٹ بمبئی بمقام پیرم ایک مقام بغرض نگرانی حاجیاں بہ تعلق مرض طاعون کے مقرر کرے گی جس میں کل سامان ضروری موجود رہیگا اور جو اس قابل ہوگا کہ اگر حاجیوں کے کسی جہاز میں مرض طاعون کا اثر ہو تو مقام مذکور میں سنہ ۱۹۰۳ء کے معاہدہ پیرس کی شرط ۲۱ کے بموجب علاج کے واسطے طاعون والے جہاز کے کل مسافر رکھے جاسکیں ۔

رجسٹرڈ نمبر ایل (۲۷۱)

خاتون

جلد | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء | نمبر ۷

اڈیٹر شیخ محمد عبد اللہ بی اے۔ ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سیکشن

فہرست مضامین

۱ نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی تصانیف ..... حافظ محمد اسلم صاحب ۱

۲ جاپان .... سید خورشید علی صاحب ۸

۳ تعلیم نسواں ..... چودہری محمد احسان حسین صاحب ۱۴

۴ امداد مصیبت زدگاں .... ایم ے بیگم صاحبہ ۲۰

۵ زنانہ کالج دہلی .... سلطان بیگم صاحبہ ۳۷

۶ چند افکار تازہ .... ز خ ش صاحبہ ۴۰

۷ مبارک بادی .... سید ہاشمی صاحب ۴۲

۸ اڈیٹوریل ۴۳

خاکسار عبد اللطیف پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

شیخ عبد اللہ بی اے پبلشر نے علی گڑھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علی گڑھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (سے؎)
اور ششماہی ۱۲؍ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈھ ہونی چاہیے۔

نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کی
تصانیف

مسلمان خواتین میں گو علم وفضل ہمیشہ سے رہا ہے لیکن اُن کو تصنیف و
تالیف کی طرف توجہ کرنے کا کم موقع ملا۔ مغلیہ بیگمات میں سے بعض بعض مثلاً
گلبدن بیگم، جہاں آرا بیگم وغیرہ نے کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن شاہجہاں بیگم صاحبہ
باوجود خود مختار رئیس ہونے اور کثرت مشاغل کے اس میدان میں سب سے
گوی سبقت لے گئیں۔

اگرچہ ہندوستان میں امراء اور رؤسا کی زیادہ تر تصانیف اُن کی قدردانی
اور ہنر پروری کا نتیجہ ہوتی ہیں لیکن اس سے اُن کی علمی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے۔
نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ کو علم سے بہت دلچسپی تھی، اور وہ دلچسپی اس
سے اور ترقی کر گئی تھی کہ اُن کے شوہر مولوی صدیق حسن خاں علم وفضل ہے۔ بیگم صاحبہ کو
روزگار تھے۔ اُن کی سینکڑوں تصنیفیں اُردو فارسی اور ع بھوپال کے حالات

سے لیکر مصر و عرب و روم تک شائع ہوئیں۔ علاوہ بریں بیگم صاحبہ کے در،
میں بہت سے علما و فضلا کا مجمع رہتا تھا جن میں سے اکثر صاحب تصنیف
تالیف تھے۔ وہ اُن سے فرمائش کر کرکے کتابیں لکھواتی تھیں اور انعام واکر
سے مالامال کر دیتی تھیں۔ خود مولوی صدیق حسن خان سے بھی اُن کی فرمائش
رہا کرتی تھی۔ چنانچہ کتاب سبیل الرشاد جو علم اخلاق میں ایک بے نظیر تصنیف ہے
مولوی صاحب موصوف نے بیگم صاحبہ کی فرمائش سے ہی لکھی۔
بیگم صاحبہ کی حسب ذیل تصانیف ابتک ہماری نظر سے گذری ہیں۔

تہذیب النسواں و تربیۃ الانساں

یہ چار سو صفحے کی ضخیم کتاب اب سے تیس سال پہلے جبکہ ہندوستان کی مسلمان
عورتوں کی جہالت حد کو پہنچ گئی تھی سرکار خلد مکان نے عورتوں کے فائدے
کے لیے لکھی۔ اس میں نسوانی بیماریاں۔ ان کے علاج۔ حفظان صحت کے اصول
بچوں کی تعلیم و تربیت، اخلاق کی تکمیل۔ وہ مذہبی مسائل جنکا عورتوں سے تعلق ہے
شرعی اور غیر شرعی رسوم۔ خانہ داری کے فرائض سلیقہ و انتظام کی تعلیم وغیرہ کا نہایت
تفصیل کے ساتھ بیان ہے۔
یہ کتاب ایک مسلمان عورت کی دنیاوی اور مذہبی زندگی کی ضروریات کے لیے
کافی ہے۔ سینکڑوں قسم کی مفید ہدایات اس میں لکھی گئی ہیں۔ عورتوں کو تعلیم کا
شوق دلایا گیا ہے اور اس کی ضرورت اور خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔
اس کے آخر میں مولوی صدیق حسن خانصاحب نے تقریظ لکھی ہے۔
کے لیے ... دلایا ہے کہ یہ کتاب بیگم صاحبہ نے تالیف کے وقت اپنے دست
... تمام خط و کتابت

اس کتاب میں جس قدر شرعی مسائل آگئے ہیں ان کی نسبت آخر میں مشاہیر علمائے بھوپال کے دستخط ثبت ہیں کہ وہ سب احادیث صحیحہ اور سنت نبویہ کے مطابق ہیں۔

خزانۃ اللغات

اس قسم کی لغت کی کتابیں تو بہت سی لکھی گئی ہیں جس میں فارسی۔ عربی یا انگریزی الفاظ کے اردو میں معانی بیان کیے گئے ہیں لیکن اس قسم کی کتاب جس میں اردو الفاظ کی فارسی۔ عربی یا انگریزی وغیرہ بتائی جائے۔ بہت کم ہے۔

محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے زمانے میں مولوی اوحدالدین صاحب بلگرامی نے نفائس اللغات تالیف کی تھی۔ جس میں اردو الفاظ کی فارسی اور عربی لکھی تھی۔ اور یہ کتاب بھی زبان فارسی میں لکھی گئی جس سے اردو داں یاد نفع نہیں اٹھا سکتے تھے۔ بیگم صاحبہ نے چھ زبانوں میں یہ لغت کی کتاب لکھی یعنی اردو الفاظ کی فارسی۔ عربی۔ ترکی۔ انگریزی اور سنسکرت سب کچھ لکھدی ہے۔ اس کی ترتیب نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ دی گئی ہے۔

اُن لوگوں کے لیے یہ کتاب ایک بے نظیر سرمایہ ہے جو اردو سے مندرجۂ بالا پانچوں زبانوں میں سے کسی زبان میں کچھ ترجمہ کرنا چاہیں۔ کیونکہ بلا دقت اُن کو الفاظ کے ترجمے اس میں ملجائینگے۔

تاج الاقبال تاریخ بھوپال

اکثر بڑے بڑے فرماں رواؤں کو تاریخ سے بہت ذوق رہا ہے۔ بیگم صاحبہ کو بھی تاریخ سے بہت دلچسپی تھی۔ انھوں نے ریاست بھوپال کے حالات

انگریزی اُردو اور فارسی میں لکھے۔ گو اس کتاب کا مواد نواب سکندر بیگم صاحبہ نے اپنے عہد میں جمع کرایا تھا۔ لیکن جس خوش اسلوبی کے ساتھ یہ مواد ترتیب دیا گیا ہی۔ اور جس مورخانہ انداز سے لکھا گیا ہی اس کے لحاظ سے وہ قلم بہت عزت کے قابل معلوم ہوتا ہی جس نے اسکو لکھا ہی۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ معمولی طور پر حالات کا لکھدینا ہی تاریخ ہی۔ حالانکہ فلسفہ تاریخ کا خیال رکھنا بہت مشکل چیز ہی۔ بہت سے لوگ تاریخ لکھتے ہیں لیکن جن امور کی ضرورت ہوتی ہی اُس کو نظر انداز کرجاتے ہیں اور غیر ضروری باتیں لکھدیتے ہیں۔

یہ کتاب مورخانہ معیار سے کہیں نہیں گری ہی۔ نہ یہ جذبات سے رنگی گئی ہی نہ اس میں فضول خانگی جھگڑے ہیں بلکہ نہایت جچے تُلے تاریخی واقعات ہیں۔

اس کتاب میں آغاز ریاست سے اپنی صدرنشینی کے چار سال بعد تک کے واقعات لکھے ہیں۔ اس کے بعد اُنھوں نے تیس سال تک جو مواد تاریخی جمع کیا تھا افسوس ہی کہ کثرت مشاغل سے اپنی زندگی میں اُسکو شائع نہ فرماسکیں اور ان کے بعد وہ قیمتی سرمایہ ضائع ہوگیا۔

دیوان تاج الکلام

سرکار خلد مکان بڑی فصیح و بلیغ شاعرہ تھیں۔ اُن کے دربار میں شعرا کا بھی اچھا خاصا مجمع رہتا تھا۔ وقتاً فوقتاً جو غزلیں اُنھوں نے کہیں اُن کا مجموعہ ترتیب دیکر یہ دیوان تیار کیا گیا۔

شاعری فنون لطیفہ میں سے ہی جو صنف لطیف کے لیے نہایت موزوں شے ہی۔ لیکن انکے لیے تغزل کو ہم پسند نہیں کرتے۔ ایشیائی شاعری میں

غزل گوئی گو سوسائٹی کے نزدیک ناپسندیدہ امر ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ صحیح اخلاقی معیار سے گری ہوئی شاعری ہے۔ اس لیے اگر دیوان تاج الکلام بیگم صاحبہ کی تصانیف میں شامل نہ کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔ ہم کو افسوس ہے کہ یہ ناموزوں زیور اُن کے شاہانہ قلم پر کیوں باندھا گیا۔

کچھ عرصہ ہوا دو دیوان تاج محل کی خواتین کے دیوان تردت اور دیوان مسرت بھی ہمارے نگاہ سے گذرے تھے۔ اُن کو دیکھکر بھی یہی خیال ہمارے دل میں پیدا ہوا تھا کہ بیگمات کے لیے غزل گوئی پسندیدہ نہیں ہے۔

نمونتاً حمد الٰہی میں ایک غزل دیوان تاج الکلام سے نقل کرتے ہیں

اپنی قدرت سے نمایاں حق نے کیا جلوہ کیا　　حور و غلماں جن و انسانؑ ملک پیدا کیا

صورت و سیرت بنائی مختلف ہر ایک کی　　خلق کا نقشہ مرتب جس طرح چاہا کیا

اپنی قدرت سے کیے پیدا بہت انواع خلق　　پر بشر کا سب سے بڑھ کر منصب رتبہ کیا

حضرت انساں کو بخشی دانش و فہم و ذکا　　اپنے وصفوں کا نمونہ اس میں سب پیدا کیا

تاجور ہے حمد کے لائق وہی ذات قدیم
جس نے قدرت سے زبان خلق کو گویا کیا

دیوان کے آخر میں بہت سی پہیلیاں لکھی ہوئی ہیں۔ بعض بہنوں کو اس سے دلچسپی ہوتی ہے اس لیے اس میں سے چند ہم درج کرتے ہیں۔

پہیلی سوئیں

کوٹ کے زر کو نار بنائیں　　توڑیں تاڑیں ملیں ملائیں

اینچیں کھینچیں کاٹیں بال　　بھوجن کر لو میرے لال

پہیلی مشک

چھوٹا سا مونھ بڑا سا پیٹ　　جل کو دیکھے جاوے لیٹ

دو تریا ہے ایسی ڈھیٹ   چلتے نش کی لاگے پیٹ

پہیلی ڈولی

چار خصم کی ہے اک نار   ٹکے ٹکے پر پھرے بزار

پہیلی چراغ

عجب تکیا ہم نے دو رین کی رین ہلا ہے   اے سکھی میں تو سے پوچھوں پھول پل کو کھائے

فارسی کے اشعار بھی بیگم صاحبہ کہتی تھیں۔ اگرچہ ان کے فارسی اشعار کا کوئی مجموعہ نظر سے نہیں گذرا لیکن بہت سے تذکروں مثلاً شمع انجمن۔ نگارستان سخن صبح گلشن۔ روز روشن۔ اختر تاباں۔ ماہ درخشاں۔ طور کلیم اور بزم سخن وغیرہ میں اُن کے اشعار دیکھنے میں آئے۔ مرزا مہدی شیرازی کی کتاب تذکرۃ الخواتین میں بیگم صاحبہ کی یہ غزل مندرج ہے۔

ہر دم ز حسن یار من ریزد تجلاے دگر   چشمم بود در ہر نظر محو تماشاے دگر

خوبان دنیا گو ہمہ، خوبند از سر تا بپا   نازم خدا آں دلربا دارد سراپاے دگر

از بوریاے زاہداں، بوے ریا آید بجاں   بہر نماز عاشقاں باید مصلاے دگر

باور مکن قول عدو، ساغر کجا و شیشہ کو   اے محتسب ایں ہاے وہو دارم ز صہباے دگر

من میروم سوے حرم، دل میکشد سوے صنم   من میروم جاے دگر دل می برد جاے دگر

جانم بتنگ آمد ازو، یا رب چساں سازم بدو   من میزنم راے دگر، او میزند راے دگر

اے عشق بے پروا بیا، تا وا رہم از ما سوا   جز درد تو بود مرا در دل تمناے دگر

شاہجہانم بے گماں، ہم تاجور در ہندیاں

جز یاد داور در جہاں، دارم نہ سوداے دگر

مثنوی صدق البیان

یہ مثنوی بیگم صاحبہ کی حالی خیالی اور اُن کے زندہ جذبات کی تصویر ہے اس میں کوئی مسلسل قصہ شروع سے آخر تک نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ کہیں ہولی کا بیان ہے۔ کہیں بسنت کا۔ کہیں برسات کا۔ کہیں دیوالی وغیرہ کا یہ مثنوی اُن کے افتاد مزاج کے بالکل موافق ہے کیونکہ ان کو چہل پہل اور دھوم دھام بہت پسند تھی۔ معمولی معمولی باتوں پر وہ بڑے بڑے جشن کر دیتی تھیں اور بے دریغ لاکھوں روپیہ پانی کی طرح بہادیتی تھیں۔

اسی مثنوی میں بیچ میں سلطنت دہلی کا بیان بھی لکھا ہے۔ لیکن اس میں یہ عجیب بات ہے کہ امیر تیمور کا مقابلہ پرتھی راج سے دکھایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس زمانہ کی تصنیف ہے جبکہ صحیح تاریخی معلومات اُن کو حاصل نہیں تھیں دہلی کے قلعہ معلے۔ وہاں کی عمارات اور چمن کی جو تعریف کی ہے وہ حقیقت میں اُن کی شاعرانہ قابلیت کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ ان کے تخیل کو اس بات سے بھی بہت مدد ملی کہ تاج محل کی دلکش عمارتیں۔ اور چمن دہلی کے محلات شاہی کا سماں اُن کے پیش نظر رہتے تھے۔

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں ایک باب اُس میں سے نقل کرتا۔

اسلم

جاپان

سترہواں باب

رکشا والا

جاپان کے مشہور پہاڑ "فوجی سان" کا ذکر تو کیا جا چکا ہی اور چائے خانوں اور مندروں کا بیان بھی ہو چکا ہی لہذا اب ہم رکشا والے کا کچھ حال بیان کرینگے جو جاپان میں فی الواقع ایک بہت اہم چیز ہی۔ وہ کچھ درجہ اور مال و دولت کے باعث اس قدر اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کی مالی حالت تو بہت خراب ہوتی ہی اور اس کا شمار قلیوں کے طبقہ میں کیا جاتا ہی۔ لیکن محض اپنے مفید و کارآمد ہونے کے سبب وہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہی۔ وہ ایک ہی وقت میں گاڑی بان بھی ہی اور گاڑی کا گھوڑا بھی۔ وہ اپنی چھوٹی سی گاڑی لیے ہوے راستہ میں کسی گاہک کا انتظار کرتا رہتا ہی اور جیسے ہی کوئی سواری اُسے مل جاتی ہی وہ فوراً گاڑی کے ہتھے اپنے ہاتھ میں لیکر بڑی تیزی کے ساتھ دوڑنے لگتا ہی۔

"جن ری کی شا" جو اس گاڑی کا پورا نام ہی حقیقت میں آدمی کی طاقت کی ایک گاڑی ہوتی ہی جو کسی قدر بڑے قد اور زیادہ وسعت کی بچوں کی گاڑی کی طرح ہوتی ہی۔ اس میں روغنی کاغذ کی ایک چھوٹی سی ٹاپ لگی ہوتی ہی تاکہ برسات کے وقت اس کو چڑھا دینے سے اندر بیٹھنے والے کی حفاظت ہو سکے۔

بیٹھنے کے لیے ایک گدی ہوتی ہے۔ گدی کے نیچے ایک چھوٹا سا صندوق ہوتا ہے جس میں سوار ہونے والے سامان رکھدیتے ہیں۔ دو اونچے اونچے پتلے پہئے ہوتے ہیں اور دو ایرکل۔ اگر رکشا والا خوشحال ہے اور اُس کا کاروبار عمدگی سے چل رہا ہے تو اس کی گاڑی نہایت خوبصورتی کے ساتھ بہت اعلیٰ پیمانہ پر رنگی ہوئی ہوتی ہے اور اُس پر بڑا ہی دلچسپ نقش و نگار ہوتا ہے غریب رکشا والے بھی اپنی بساط کے موافق اپنی گاڑیوں کی زیبائش میں کوتاہی نہیں کرتے۔

رات کے وقت ہر رکشا پر ایک کاغذی قندیل لگادی جاتی ہے جو گول شکل کی اٹھارہ انچ لمبی اور انواع و اقسام کے نقش و نگار کی ہوئی بہت ہی خوبصورت ہوتی ہے۔ رکشا والے جب سرِشام اپنی سواریوں کو لیے ہوئے دوڑتے ہوتے ہیں تو ان قندیلوں کا ادہر اُدہر ہلنا نہایت دلکش معلوم ہوتا ہے رکشا کو ایجاد ہوئے اتنا ہی عرصہ ہوا ہے جتنا بائسکل کو عالم وجود میں آئے ہوئے ہوا ہے۔

رکشا کی ایجاد کو چالیس سال سے بھی کم گذرے ہیں۔ اس کو فوراً ہی غیر معمولی ہر دل عزیزی حاصل ہوگئی اور نہایت سرعت کے ساتھ اسکا رواج ہوگیا۔ اس کی وجہ زیادہ یہ ہے کہ رکشا کو جاپان کے ساتھ بڑی مناسبت ہے اولاً تو اس کی بدولت ہزاروں بیکار آدمی کام پر لگ گئے اور آمدنی کا ایک راستہ نکل آیا۔ اس کے پہلے وہاں بہت سے لوگ ایسے تھے جو نہایت مضبوط۔ قوی ہیکل اور کام کرنے کے خواہشمند تھے مگر ان کو کوئی کام نہ ملتا تھا رکشا کی ایجاد سے اُن کو بے انتہا فائدہ پہونچا اور وہ بڑے شوق سے اس پیشہ پر لگ گئے۔ اس کے سوا جاپانی شہروں اور قصبوں کے لیے رکشا

سے زیادہ کوئی سواری موزوں اور مناسب نہیں۔

شہروں میں اکثر گلیاں اس قدر تنگ ہیں اور اُن میں اتنا مجمع رہتا ہی کہ گھوڑے اور گاڑیاں ان میں سے گزر نہیں سکتیں۔ بعض جگہ تو جب کوئی گھوڑا آنکلتا ہی تو ایک آدمی اس کے آگے آگے سینگھ بجاتا ہوا چلتا ہی تاکہ راستہ والے آگاہ ہوکر گھوڑے کے نکلنے کا رستہ دیں لیکن رکشا والے کو اس اہتمام کی کوئی ضرورت نہیں وہ اپنی ہلکی پھلکی گاڑی کو لیے ہوئے بلا کسی خطرہ کے اطمینان کے ساتھ بڑے مجمعوں میں سے گزر جاتا ہے اور کسی کو کوئی ضرر نہیں پہونچنے پاتا۔

دیہات میں تو سڑکیں ہی نہایت تنگ اور اس قدر خراب ہوتی ہیں کہ ان پر سے گزرنا آسان نہیں ہوتا۔ عموماً کھیتوں کے درمیان جو رستہ بنا لیا جاتا ہی وہ بالکل ابتر ہوتا ہی۔ رکشا ان تمام مقاموں پر نہایت ہی کارآمد اور مفید ثابت ہوتی ہی۔ کیونکہ یہ بہت ہی ہلکی ہوتی ہی اور اس کے لیے نہایت کم جگہ بھی گزر جانیکے لیے کافی ہی۔

عام طور پر تو رکشا کو ایک ہی آدمی کھینچتا اور اس میں ایک ہی آدمی بٹھلایا جاتا ہی مگر اکثر اوقات اس میں دو آدمی بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ جاپانیوں کے قد و قامت کے لحاظ سے اس میں کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص بہت عجلت میں ہو اور جلد ترکہیں جانا چاہتا ہو تو اس ہلکی پھلکی گاڑی میں دو انسانی گھوڑے لگائے جاتے ہیں۔ دونوں گاڑی کو آگے سے کھینچتے چلتے ہیں۔ اور جب کوئی پہاڑی ملتی ہی تو ایک پیچھے آجاتا ہی اور ادھر سے ڈھکیلنے لگتا ہی۔

جاپان میں آپ جہاں کہیں پہونچیں خواہ جہاز و کشتی کے ذریعہ ہو یا ریل کے ذریعہ رکشا والوں کی لمبی لمبی قطاریں آپ کو سواریوں کا انتظار کرتے

ہوئی نظر آئیں گی۔ ان رکشا والوں کو چاہے ان کی عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو چھوکرا کہا جاتا ہے۔ جب تک کوئی شخص انہیں نظر نہ آئے وہ اپنی رکشا کے برابر کھڑے ہوئے اپنی چھوٹی سی پتلی دمیوں میں جو درزی کے انگشتانہ سے بھی آدھی ہوتی ہیں تمباکو پیتے اور دھواں اُڑاتے رہتے ہیں۔ ان کا قد پانچ فٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ ان کا لباس بہت سادہ ہوتا ہے۔ ایک بہت چست نیلے رنگ کا اونچا پائجامہ اور ایک نیلا کرتہ پہنتے ہیں۔ کرتے کی پیٹھ پر سفید رنگ کا ایک نشان بنا ہوا ہوتا ہے جو ہر رکشا والے کی الگ علامت ہوتی ہے سر پر ایک بڑی سی سفید ٹوپی دی جاتی ہے جو بالکل ایک بڑے برتن کی شکل کی ہوتی ہے۔ اگر دن کو دھوپ کی شدت بہت بڑھ جائے تو ٹوپی نکال لی جاتی ہے اور ایک بڑا سا کپڑا سر پر باندھ لیا جاتا ہے تاکہ پسینہ بہ کر آنکھوں میں نہ آئے لُو یا سرسام کا تو ان رکشا والوں کو کوئی اندیشہ ہی نہیں ہوتا۔

جیسے ہی آپ نظر پڑیں کم از کم بیس رکشا والوں کی جماعت ایک ہاتھ سے رکشا کھینچتی اور دوسرا ہاتھ آپ کی طرف متوجہ کرنے کے انداز سے پھیلائے اور خوب زور زور سے "رکشا رکشا" چلاتی ہوئی لپکتی ہے۔ آپ نے ان میں سے ایک کو انتخاب کیا اور سوار ہو گئے۔ انسانی مرکب ہتھوں کے بیچ میں کودتا ہے ان کو پکڑ کر آپ کو کسی قدر پیچھے کی طرف جھکاتا ہے اور پھر بڑی پھرتی سے آگے بڑھتا ہے۔ اس وقت کی حرکتیں اس کی ایسی ہوتی ہیں کہ گویا وہ آپ کو اپنی قوت اور تیزی بتلانے کا آرزومند اور یہ ثابت کرنے کا مشتاق ہے کہ آپ نے بہت عمدہ انتخاب کیا۔

چھوٹا سا آدمی جب آپ کو لیکر آگے بڑھتا ہے اور تیزی سے دوڑنے لگتا ہے تو بہت جلد آپ تنگ رستوں میں پہونچ جاتے ہیں جو مارے لڑکوں، لڑکیوں

مردوں، عورتوں اور دکانوں وغیرہ کی کثرت کے باکل ناقابل گزر معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اکثر گزرگاہوں کے کنارے آدمیوں کے چلنے کے لیے چھوٹے چھوٹے راستے بھی بنے ہوئے ہوتے ہیں لیکن ان میں دکاندار اپنا سامان پھیلاکر اُن کو بالکل بھر دیتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کو جو ادہر سے گزرنا چاہیں یا ان لڑکے اور لڑکیوں کو جو وہاں کھیلنا چاہیں سوائے اسکے کوئی چارہ نہیں کہ بیچ راستہ ہی سے کام لیں۔

ان مجمعوں اور ہنگاموں میں سے گزرتی ہوئی کبھی کبھی رکشا ہلتی بھی ہے کبھی رکشا والے کو ایک لمحہ بھر ٹھہر جانا بھی پڑتا ہے کہ کہیں وہ ان ننھی ننھی لڑکیوں سے ٹکرا نہ جائے جو بھڑکیلے لباسوں میں اپنے شیرخوار بھائیوں کو اپنی پیٹھ پر لیے سڑک پر گیند وغیرہ کھیلنے میں لگی رہتی ہیں۔

آدھی درجن سے زیادہ بچے کسی دوسری طرف الگ اپنے کھیل میں مشغول رہتے ہیں اور خوبصورت نقش و نگار کیے ہوئے کھلونے بعض اوقات آپ کی گاڑی میں آپڑتے ہیں اور آپ سے توقع کی جاتی ہے کہ آپ فوراً ان چیزوں کو اُٹھاکر اس ننھی مخلوق کے حوالہ کریں۔

آپ کی اس تہذیب و مہربانی کے جواب میں وہ آپ کو نہایت ادب اور بڑی ہی متانت کے ساتھ سلام کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں آپ کے سر پر پھٹ پھٹانے کی آواز آتی ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ دو لڑکے اور ایک بوڑھا ایک مکان کی چھت پر سے جو کچھ بہت زیادہ اونچا نہیں ہے پتنگ اُڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ان سارے تجربوں کے بعد آپ ضرور ہی کہیں گے کہ ان مقامات پر گھوڑوں کا نہ ہونا ہی بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ کیونکہ کوئی گھوڑا خواہ وہ کتنا ہی

مسکین کیوں نہ ہو اس شور و ہنگامہ اور اس گیند وغیرہ کی بارش میں پریشان ہو کر ناچنے لگے گا۔

رکشا کی سواری میں دوسری عمدہ بات یہ ہی کہ صرف بہت کم ہوتا ہے۔ جب رکشا والا چلتا ہی تو اس کو فی گھنٹہ تقریباً سات آنے دیئے جاتے ہیں۔ اور جب وہ ٹھہرا رہتا ہی تو اس وقت اس کی اُجرت ڈہائی آنوں سے بھی کم دی جاتی ہی۔ غرض سارے دن کے لیے آپ تین چار روپیے دیں تو بہت کافی ہی۔ بعض رکشا والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اجنبیوں کو دھوکہ دینے میں پس و پیش نہیں کرتے۔ یہ لوگ عموماً نئے آدمی کو دیکھ کر معمولی شرح میں فی گھنٹہ دو آنہ کے حساب سے بڑھا دیتے ہیں۔

انہی افسوسناک وجوہ سے رکشا والا تجارت کرنے والوں میں شمار ہوتا ہی اور اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاتی کہ وہ اپنے تئیں ملازمت کے معزز پیشہ میں جہاں اپنے آقا کے اغراض کو اپنے مقاصد پر ترجیح دینی پڑتی ہی داخل سمجھے۔

باوجود اس کے اجنبی سیاح ان رکشا والوں کو اپنا ایک رہبر۔ ناصح اور دوست سمجھنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ رکشا والے بتلا دیتے ہیں کہ کہاں کون چیز قابل دید ہی۔ آپ کو کس کس جگہ کی سیر کرنی چاہیے اور کہاں کیا کرنا چاہیے۔ تمام قابل دید چیزوں کا اُن کو پورا علم ہوتا ہی اور وہ ان کے متعلق تمام باتوں سے خوب واقف رہتے ہیں۔

اگر آپ نے بازار میں کچھ خریدنے کا ارادہ کیا تو اس وقت بھی رکشا والا آپ کی مدد کرتا ہی اور آپ کو اس سے زیادہ ٹھگنے سے بچاتا ہی جتنا کہ آپ کے لیے لازمی ہی۔ اگر آپ کسی کام پر کہیں دور جائیں تو رستہ میں مقام کرنے

کے لیے عمدہ چاے خانہ وہ ڈھونڈھ نکالتا ہی۔ آپ کا کھانا پکا دیتا ہی۔ آپ کی تمام خدمت بجا لاتا ہی۔ آپ کے کپڑے صاف کر دیتا ہی۔ بچھونا تیار کر دیتا ہے اور روانگی کے وقت جو فرد چاے خانہ کی طرف سے اُجرت کی پیش ہوتی ہے اس کی تنقیح کرتا اور اس کی رقم ادا کرتا ہی۔ ملازموں کو انعام دیتا ہی۔ بالمختصر یہ کہ تمام انتظام وہ خود بحسن و خوبی کر دیتا ہی اور آپ کو سواے اس کے کوئی کام باقی نہیں رہتا کہ خوب جی بھر کے سیر کریں۔

سیر کرتے ہوئے راستہ میں آپ کہیں بھی ٹھہر جائیں خواہ وہ کوئی دلکش باغیچہ ہو یا مشہور مندر وہاں ضرور قلیوں کے کام کا کوئی چاے خانہ بھی ضرور ہوگا۔ رکشا والا اس موقع کو کبھی خالی نہ جانے دیگا اور ضرور ناشتہ کا لطف حاصل کر کے رہیگا۔ نشست کے نیچے کے صندوق میں سے اپنا روغنی پیالہ جو چانولوں سے بھرا ہوتا ہی نکال لاتا ہی اور کاڑیوں سے ان چانولوں کو مونھ میں پہونچا کر جاپانی زرد اور تلخ چاے کے گھونٹوں کے ساتھ حلق کے نیچے اتارتا ہی۔ اس کے بعد وہ چپ چاپ زمین پر بیٹھ جاتا ہی اور اپنی چھوٹی سی دمی سے اس وقت تک بیٹھا دھواں اڑاتا رہتا ہی جب تک کہ آپ پھر آگے روانہ ہونے کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

تعلیم نسواں

مسلمانوں کی قوم میں یہ مسئلہ ابھی تک کسی قابل عمل و اطمینان طریقہ پر

طے نہیں ہوا ہے کہ عورتوں کی تعلیم کی جو کمی ہے وہ کس طرح پوری کی جائے۔ نفس الامر سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بحث ہے تو یہ کہ اسکا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔

اب وقت یہ ہے کہ جلد تر اس کا فیصلہ قوم کرے ورنہ جس طرح ہم برادران وطن سے تعلیم انگریزی کے معاملہ میں پچیس تیس برس پیچھے رہ گئے اور اب اُس کا رونا روتے ہیں۔ اس شاخ میں بھی ہماری وہی حالت ہونی ہے۔

انچہ دانا کند، کند ناداں
لیک بعد از خرابی بسیار

اس مسئلہ کے غور کرنے میں تمام وہ بحثیں پیش نظر ہو جاتی ہیں جو درمیان پُرانی اور نئی روشنی کے مابہ الاختلاف مشہور ہیں۔ مثلاً

(۱) کیا ہم کو مغربی طرز معاشرت۔ لباس اور خورد و نوش و تعلیم و تربیت اختیار کرنا چاہیے اور کیا وہ مناسب حال ہے۔

(۲) پردہ کے متعلق مذہبی قیود کیا ہیں اور کیا بلحاظ خاص حالات ہندوستان کے ہم کو پردہ سے آزادی حاصل کرنا مناسب ہے۔

(۳) کیا کوئی طریقہ ایسا بھی ہے جو خیر الامور اوسطہا و خذ ما صفیٰ و دع ما کدر کے اصول پر ہو۔ اور اس سے تعلیم نسواں کی کمی پوری ہو کر اور اپنے حسب حال طریقہ پر چلکر ہماری مستورات تہذیب و شائستگی سے بہرہ اندوز ہوں۔ یا اور تمام وہ فوائد جو شائستگی و تمدن کے لیے ضروری ہیں وہ حاصل ہو جائیں اور موجودہ تہذیب کے بُرے نتائج سے مثلاً اخراجات زائد از حیثیت، جو اس وقت طرز معاشرت و لباس

و بود و باش وغیرہ میں برتے جاتے ہیں جن سے متوسط الحال گروہ کا دیوالہ نکلا جاتا ہی۔ قوم امن میں رہے۔ کیونکہ اگر تعلیم کا فائدہ اور فیض عام ہوا یا یا اس کا اثر یہ ہوا کہ تعلیم تو حاصل ہوئی لیکن روزانہ اخراجات بڑھ گئے اور آمدنی محدود رہی تو ایسی تعلیم قوم کے لیے موجب تباہی و بربادی ہوگی محض امرا کے گروہ کی تعلیم سے کُل قوم کو کوئی فلاح نہیں ہوسکتی ہی۔

(۱) نسبت سوال اول کے غور طلب یہ ہی کہ کیا حالت اقوام یورپ میں نسواں کی ہی۔ اور کیا تہذیب و تمدن اسلامی جو اپنی حیثیت میں ایک خاص نوعیت رکھتا ہی اسکو جائز رکھتا ہی یا نہیں۔ درحقیقت صحیح فیصلہ اسکا وہی لوگ خوب کرسکتے ہیں جو بلاد یورپ میں سفر کرچکے ہیں اور وہاں کچھ عرصہ تک قیام کرکے اُنھوں نے ان کی حالت پر غور کی ہے۔

ہم لوگ جو بدقسمتی سے ہندوستان ہی کے اندر رہے ہیں اور بعض اُن چند افراد قوم یورپ کے حالات اور طرز زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں ضرور اس نتیجہ کو پہونچنے پر مجبور ہیں کہ ان کا طریق ہماری قوم کے لیے مفید نہیں ہی۔ علاوہ اس کے ہماری قوم میں نہ وہ دولت ہی اور نہ وہ ثروت اور نہ جد و جہد کسب معاش کا اس قدر ذوق ہے بلکہ آب و ہوائے ہند میں کچھ قدرتی طور پر مادہ کاہلی کا موجود ہی اسی وجہ سے مغربی قوم کے افراد کو جو انتظامی ضروریات کے لیے یہاں رکھنا پڑتا ہی ان کو گورنمنٹ مستقل اقامت سے باز رکھتی ہی اور جوش کو قائم رکھنے کے لیے ان کو تبدیل آب و ہوا کی ضرورت رہا کرتی ہے خود اُن اقوام سابقہ کی حالت اس کی شاہد ہی جو پہلے ہندوستان

میں بطور فاتح کے آئیں لیکن یہاں چند نسلیں گزرنے کے بعد اُن میں وہ شجاعت جوش اور ولولہ باقی نہیں رہا جو ابتدا میں تھا۔ لہذا ہم یورپین طرز معاشرت و تمدن کو موجودہ افلاس کے لحاظ سے ہرگز قوم کے لیے مفید نہیں پاتے۔

(۲) نسبت سوال دوم کے ہم کو ہندوستان کے خاص حالات گردوپیش پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ بے پردگی کی خرابیاں ظاہر ہیں اور اس کی سختی کو تحمل کرنے پر بھی طبیعت کو آمادگی نہیں ہوتی جبکہ ہر حالت میں بھی عزت و عصمت کے ساتھ زندگی بسر کرنا محض فضل ربانی اور توفیق الٰہی پر منحصر ہے علاوہ بریں پردہ کے متعلق کھلے ہوئے احکام موجود ہیں۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے کہ

اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اور اپنے زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں مجبوراً کھلا رہتا ہے۔ اور اپنے سینوں پر دوپٹے کے بکل مارے رہیں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر، یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی میل جول کی عورتوں پر ۔ ۔ ۔ ۔ اور چلنے میں اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ لوگوں کو اُن کے اندرونی زیورات کی خبر ہو۔ پارہ ۱۸ سورہ نور رکوع ۳۔

ایک اور مقام پر غیر مردوں سے بات چیت کرنے سے امہات المومنین کو ممانعت فرمائی ہے۔

یہ کھلے ہوئے احکام ہیں اور قرآن میں کوئی حکم خلاف فطرت نہیں ہے۔ اب کوئی صاحب وہ تدبیر بتائیں جو اس حکم کے پابندی کے ساتھ پردہ توڑ لے۔

میں معین ہو۔ ورنہ پردہ موجودہ قائم رکھنا لازمی ہوگا

سوال سوم کے متعلق میں اپنے ناچیز اور ناقص خیالات کا اظہار کرتا ہوں اور اپنے قومی رہبروں سے التجا کرتا ہوں کہ وہ جلد غور فرما کر اس مسئلہ کو ایسے قابل اطمینان طریقہ پر طے فرما دیں جس میں کسی کو کوئی شک و شبہ اور وسواس باقی نہ رہے اور تمام قوم اُس پر عمل پیرا ہو۔ اس مسئلہ کا عرصہ تک تعویق میں پڑا رہنا قومی نقصان کا باعث ہوگا۔ ہر شہر اور خاص قصبات میں برادران ہنود نے مدرسے جاری کر رکھے ہیں اور اُن کی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں اور ہماری قوم اپنے قدیم خواب خرگوش میں ہے۔

(۱) تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیے جیسا کہ علامہ رشید رضا مصری نے بھی تجویز فرمائی ہے۔ زبان اُردو میں کافی لٹریچر موجود ہے اگر نہ ہو تو خدا کے فضل سے اُردو انشا پردازوں کا قوم میں کال نہیں ہے جو کمی ہے اُس کو وہ بخوبی پورا کر سکتے ہیں۔ اگر کسی کو انگریزی پڑھانے کا خواہ مخواہ شوق ہو تو اسکے لیے مشن کے مدارس کھلے ہیں۔ ہم کو ضرورت نہیں ہے۔

(۲) نصاب تعلیم لڑکیوں کا اس انداز سے ہو کہ قبل اس کے کہ وہ شباب کو پہونچیں اُن کو اسقدر قوت آجائے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کو اگر جاری رکھنا چاہیں تو بطور خود ایسا کر سکیں۔ لیکن عام طور پر معمولی ضروریات کے لیے اُن کو ۱۰ یا ۱۲ سال کی عمر میں تعلیم دیکر اسکول سے خارج کر دیا جائے۔ ۲ سال کی خواندگی اس کے لیے کافی ہے۔

(۳) مدرسہ میں تعلیم مذہبی کا اور پابندی احکام شرع کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

(۴) پردہ کا انتظام معقول ہو۔ مدرسہ کا انتظام ہرگز مردوں کے سپرد نہو

بلکہ انتظامی ضروریات کے لیے یورپین لیڈی پرنسپل رکھی جائے۔
اور معلمہ حتی الامکان وہی رکھی جائیں جو پختہ عمر کے اور لائق اعتماد اخلاق کی ہوں۔ حفاظت کے لیے بھی جو چوکیدار ملازم رکھے جائیں وہ معتبر اور معمر ہوں۔

(۵) مرد اغزائے طلبہ کی آمد و رفت مدرسہ میں نہو بلکہ ملنے کے لیے علیحدہ خاص انتظام خاص احتیاط کے ساتھ بورڈنگ ہوس کے باہر کیا جائے۔

(۶) لباس کے متعلق انگریزی فیشن کے اختیار کرنے کی ممانعت کی جائے جو عوام کے لیے تباہ کن ہوتا ہے۔

(۷) اُستانیاں ایسے عمدہ اخلاق کی ہوں جنکا نمونہ لڑکیوں کے لیے ایک سبق ہو۔ اس وقت بند گھروں میں جو لڑکیاں باعصمت ہوتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے اخلاق کو تمام خطرات سے اس قدر محفوظ پاتی ہیں کہ اُن میں فطرتاً پاس عزت و عصمت و حیا و شرم بطور طبیعت ثانیہ کے ہو جاتا ہے۔ اور یہ اوصاف وہ ہیں جو ہر شریف کے لیے مایہ فخر اور جوہر بے بہا کے مثل ہیں۔

(۸) بلا شرعی محرم کی ہمراہی اور والدین کی اجازت کے لڑکیاں کسی کے یہاں جانے نہ پائیں۔

(۹) نصاب تعلیم میں مضامین حسب تفصیل ذیل درج کیے جائیں۔

اوّل۔ تعلیم عقائد و فرائض مذہبی و مسائل فقہ جو روزانہ زندگی میں پیش آتے ہیں۔

دوم تعلیم اخلاق۔

سوم. خط وکتابت والنشا پردازی
چہارم حساب وکتاب روزمرہ جس کے لیے پہاڑوں کا یاد کرنا، اوزان کا حساب جمع تفریق ضرب تقسیم مساوی۔ اور جنس وغیرہ کی قیمت لگانا وغیرہ وغیرہ۔ کافی ہے۔
پنجم کپڑا قطع کرنا سینا پرونا، پھول کاڑھنا۔ لیس. چکن. جراب وغیرہ بننا
ششم کھانا پکانا۔ اور مہمانداری کے اصول۔
ہفتم اصول حفظان صحت وصفائی مکان وغیرہ ومختصر تعلیم دوا سازی وعلاج وتربیت وپرداخت اطفال وزچہ بچہ۔
ہشتم مختصر جغرافیہ وتاریخ اسلام۔
خلاصہ یہ ہے کہ مدرسہ سے جو لڑکیاں نکلیں وہ اعلیٰ اخلاق کی ہوں جو قوم کے لیے باعث فخر ہوں۔

عریضۂ ناچیز خادم مسلمانان
چودھری محمد احسان حسین
ضلع بارہ بنکی

امداد مصیبت زدگاں

میری بھی کشت تمنا کو ہرا کرے گا
خاک سے جس نے کہ سرسبز کیا دانہ کو

عابدہ خاتون بعد نماز صبح تلاوت کلام پاک میں محو ہے اب ۶ بج چکے ہیں
عابدہ نے حسب معمول تلاوت قرآن مجید سے فارغ ہو کر اخبار ہاتھ میں لیا

اور چمن کی ایک روش پر ٹہلنے لگی۔ (عابدہ تھوڑی دیر بعد آہٹ سے آنکھ اُٹھا کر) سلام علیکم آئیے بھابی جان۔

(آنیوالی بیگم فہمیدہ خاتون) کہو آج کیا خبریں ہیں۔ عابدہ نے سب مضمون پڑھکر سُنائے۔ بعد ازاں عابدہ وفہمیدہ میں دیر تک گفتگو ہوتی رہی اور یہ تجویز قرار پائی کہ کل ایک پارٹی کا بندوبست کیا جائے بعدہ دونوں اپنے اپنے کام میں مصروف ہوئیں۔

دوسرے روز عابدہ وفہمیدہ کے حسن انتظام سے سب سامان وقت مقرر سے پیشتر تیار ہوگیا۔ رقعے پہلے ہی تقسیم ہو چکے تھے سب مہمان وقت معین پر آنے شروع ہوگئے۔ عابدہ نے سب کا استقبال کیا اور سب مہمان بیگمات اپنی اپنی جگہ پر متمکن ہوگئیں۔ کچھ دیر بعد عابدہ نے کھڑے ہوکر سب کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور اپنی تقریر کا اس طرح آغاز کیا۔

اے معزز بہنوں! جب مسلمانوں کا عروج تھا تو ان کی سلطنت اس کنارے سے لیکر دیوار چین اور بحر قلزم اعظم کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی شمالی افریقہ سارا مسلمانوں کا تھا، ہر کمالے را زوالے۔ جب مسلمانوں نے اسلام کی پاکیزہ تعلیم کو پس پشت ڈالدیا ان میں اتحاد اور اتفاق کے بجائے لڑائی جھگڑے پیدا ہوگئے امرا عیش وتعیش میں پڑگئے۔ تجارت سے بے اعتنائی آگئی محنت مزدوری ننگ وعار بن گئے اُس وقت مسلمانوں کا زوال شروع ہوا۔ مسلمان مردوں اور عورتوں پر جو جو ظلم اسیبلا اور فرڈیننڈ نے ان کو اندلس سے نکالتے وقت کیے ہیں اس کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسوقت افریقہ کے تمام براعظم میں طرابلس کا علاقہ پورے طریق سے ترکی کے ہاتھ میں ہی جس کے اہلی سب طرح پیچھے پڑا ہی۔

اٹلی و ٹرکی کے درد انگیز واقعات سے یقیناً کوئی بھی بہن بے خبر نہ ہوگی۔ بدبخت اطالویوں نے جیسے جیسے ظلم اہل طرابلس پر کیے ہیں ان کو پڑھنے سے اور سننے سے پتھر کا کلیجہ پانی ہوتا ہے۔ مسلمان تو کیا غیر قومیں بھی اٹلی والوں کی اس وحشیانہ سفاکیوں پر نفریں کر رہی ہیں۔ انھوں نے ہزارہا بچوں عورتوں و مردوں کو بے گناہ قتل کیا اور جو بیمار بستر مرگ پر کراہ رہے تھے اُن کو زنجیریں ڈال کر سڑکوں پر گھسیٹا اور لاشوں سے مسجدیں پُر کر دیں۔ غرض جو جو ظلم اُنھوں نے کیے ہیں اس کو بیان کرنے کے لیے زبان گویائی اور قلم لکھنے سے قاصر ہے اور دل ان پُردرد واقعات کے خیال سے پاش پاش ہوا جاتا ہے۔

سر کنم نالہ اگر تابِ شنیدن داری   سینہ بشگافم اگر طاقتِ دیدن داری

چند دشمنان ملک و قوم جو نہ پاشا دحقی پاشا کی سازش نیز اُن وسائل سے جو اٹلی والوں نے اپنی بنک و تجارت کے ذریعہ حاصل کر لیے تھے کامیابی کے بھروسہ پر ترکی گورنمنٹ کو اٹی میٹم دیدیا۔ اصل تو یہ تھی کہ اپنی توسیع سلطنت کا خیال سمایا ہوا تھا۔ دوسرے اُن کو خبر نہ تھی کہ ترکی کا بھی ڈھنگ اُدھر دستوری سے اور ہی ہو گیا ہے۔ الحاصل بے سوچے سمجھے اٹلی والوں نے گولہ باری شروع کر دی اور وہ قتل عام کیا کہ خدا کی پناہ اور بے خبر پاتے ہی معہ اپنے چیدہ دستے کے (غازی ممدوح نے تنہا میدان میں پہونچکر جمعیت فراہم کی اور پہلی فتح جوان کے نام ہوئی وہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے تمام قبائل کو متفق کر دیا) جس کی مجموعی تعداد ہزار سے زیادہ نہ ہوگی فوراً میدان جنگ میں پہونچ گئے اور نہایت شجاعت و بہادری سے حملہ آور ہوئے۔ مقامی عرب اور دیگر مسلمانان جوق جوق وہاں جمع ہو رہے ہیں اور قواعد سیکھ کر معرکہ کارزار میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ کئی انصاف پسند یورپین صاحب بھی شریک جنگ ہیں

جن میں سے ایک مسٹر نیٹگو ہیں اور اب خدا کے فضل سے مجاہدین کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہے۔

شیخ سنوسی رحمۃ اللہ علیہ کی معتقدین کی کثیر التعداد جماعت بھی بے مثل شجاعت کے ساتھ شریک جنگ ہے۔ حال ہی میں غازی انور بے پاشا بھی فرقۂ سنوسیہ میں داخل ہوگئے ہیں۔ (غازی ممدوح کا رتبہ بڑے شیخ کے بعد خیال کیا جاتا ہے)

حضرت شیخ سنوسی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے قاصدوں کی زبانی جب یہ علم ہوا تو آپ نے غازی انور بے پاشا کے پاس ایک گھوڑا اور ایک زر دوزی عبا اور ایک سفید عمامہ تحفتہً روانہ فرمایا اور خط میں یہ الفاظ تحریر فرمائے کہ "تم بے فکری سے وطن کی حفاظت اور دشمنوں کی مدافعت میں مصروف رہو۔ میں تمھیں ایسی مسلح فوج دونگا جس کی تعداد کا شمار دشوار ہوگا۔ اور اتنے ذخائر رسد دونگا جو بیس سال تک کے لیے کافی ہونگے۔

غازی انور بے پاشا نے جو چٹھی انجمن اتحاد و ترقی کے نام لکھی ہے اس میں بھی جنگ کے متعلق بڑا اطمینان دلایا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ معزز بھائیو ؟ آپ آجکل میرا نام اُن مجاہدین کے اسمائے گرامی کے ساتھ لے رہے ہیں جو اس دور دراز ملک میں بہادری کے مجسم نمونے بنے ہوئے ہیں اور انھوں نے اپنے قول و فعل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ انہی شجاع اور شیر دل اسلاف کے اخلاف ہیں جنھوں نے کسی زمانہ میں اپنی قوت بازو سے دنیا کا تختہ پلٹ دیا تھا۔ ہر شخص وطن کا فدائی اور سلطنت کا محافظ ہے اور اعلاء کلمۃ اللہ کا دلدادہ بن کر آتا ہے۔ مگر کس ساز و سامان سے آتا ہے وہ اکیلا نہیں آتا ہے بلکہ اپنا گھر اُجاڑ کر خانہ بدوش ہو کر آتا ہے اور اپنے بیوی بچوں کو بھی ساتھ لاتا ہے اور آخری دم تک اُس کا یہی

تکیہ کلام رہتا ہی مرینگے یا مارینگے تخت یا تختہ۔ ہمارے دل بالکل مطمئن ہیں جب آپ یہ سُنیں گے کہ ایک نو برس کا لڑکا اپنے باپ کے پہلو بہ پہلو لڑتا ہی اور ایک خاتون فوج کی کمانڈ کرتی ہوئی زخمی ہوجاتی ہی اور کچھ پرواہ نہیں کرتی تو آپ کو پورا اطمینان ہوجائیگا کہ اگر ہم اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے شہید بھی ہوجائیں تو ہماری اولاد ہمارا قصاص لے سکتی ہی اور ہمارے خون کا ایک قطرہ بھی بیکار نہ جائیگا۔

آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تو

مسٹر جی ایف ایبٹ صاحب (جو ایک انگریزی اخبار نویس ہیں طرابلس کے ترکی صدر مقام سے حال ہی میں لندن واپس آئے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ عربوں کے طرز عمل کو صرف ایک جملہ میں بتایا جاسکتا ہی جو ہمیشہ اُن کی زبان رہتا ہی وہ یہ ہی کہ ہم اسوقت تک لڑتے رہیں گے جب تک کہ ہماری رگوں میں ایک قطرۂ خون بھی باقی رہیگا۔

مجھے اپنے ذاتی تجربہ سے بارہا معلوم ہوا ہی کہ اُن کا یہ کہنا محض خالی شیخی ہی نہیں ہی۔ میں نے دیکھا کہ وہ چار چار بلکہ پانچ پانچ مرتبہ زخمی ہوئے ہیں۔ زخم کے مندمل ہوتے ہی وہ پھر میدان جنگ میں لڑائی کے لیے کمربستہ نظر آتے ہیں حقیقی پہلو سے بھی ترکوں کی حالت بتدریج ترقی پر ہی اور اس کے مقابل میں اطالوی باوجود کثیر التعداد ہونے کے آغاز جنگ سے روز بروز گرتے جاتے ہیں۔ ابتدا میں نہ تو ترکوں کے پاس روپیہ تھا نہ سامان رسد۔ روٹی کے ایک ٹکڑے اور مٹھی بھر کھجوروں کے سوا ان کو کچھ نہ ملتا تھا۔

علاوہ بیرونی امداد کے اس سال کی بارش جو چار سال کی خشک سالی کے بعد ہوئی ہی جنگجو عربوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ صحرا جو ابی

جھلسی ہوئی شکل میں قیامت کا نمونہ نظر آتا تھا میرے دیکھتے دیکھتے ایک خوبصورت مرغزار بن گیا۔ جون میں جب ان کی فصلیں تیار ہوجائیں گی تو اُن کے پاس اتنا غلہ ہوجائیگا کہ اسلام کی فوجیں سامان رسد سے مستغنی ہوجائیں گی۔ دوسری طرف اطالوی طرابلس اور اس کی سرحدی حدود میں بھیڑوں کی طرح بند پڑے ہیں اور چونکہ ملک کے اندرونی علاقہ سے ترکوں و عربوں نے آمدورفت کے تمام ذرائع قطع کردیے ہیں اس لیے وہ اپنی تمام ضروریات یورپ سے منگوانے پر مجبور ہیں۔ جب سردی کے یہ مہینے نکل جائیں گے اور گرمی اپنی خوفناک شدت اور حبس کی جانگداز کیفیت کا منظر دکھائیگی تو اطالویوں کی مصیبت اور زیادہ بڑھ جائیگی۔ اگر اطالوی سردی کے موسم میں پیش قدمی کرتے جبکہ موسمی حالات ان کے موافق تھے اور بہت سے عرب والنیٹر زراعتی کاروبار کی وجہ سے اپنے گھروں پر ٹھہرنے کے لیے مجبور تھے تو اُسوقت البتہ کچھ کر بھی سکتے تھے۔

یہ ایک امر واقعی ہے کہ اطالوی اپنے مورچوں میں گھُسے پڑے رہتے ہیں اس سے نہ صرف ان کی پیش قدمی ناممکن ہوگئی ہے بلکہ عربوں کو یقینی طور پر یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ اطالوی شجاعت کے جوہر سے معرّا ہیں۔ میں عربوں کے بچشم خود کارنامے دیکھ چکا ہوں وہ موت کو دلیرانہ انداز سے ایسا حقیر سمجھتے ہیں کہ میں نے خود یورپینوں میں یہ بات نہیں دیکھی۔

بہنوں! یہ تائید غیبی ہے کہ وہاں بارش ہوگئی اور اُس نے اہل طرابلس میں تازہ جان ڈالدی ع

خدا خود میر سامان است ارباب توکل را

غالباً ہم مسلمان خواتین جسقدر فخر کریں بجا ہوگا کہ ہماری عرب بہنیں بھی شریک

جنگ میں اور بہادر خاتونان عرب کی شجاعت حضرت خولہؓ وحضرت ام سلیمؓ کی زندہ مثال پیش کر رہی ہیں۔ حال ہی میں ایک سوڈانی خاتون نے (جو فرقہ سنوسیہ سے تعلق رکھتی ہے) اپنی شجاعت کے وہ کرشمے دکھائے ہیں جو بڑے بڑے شہسواروں اور جنگ آزماؤں کے دل پر نقش کالحجر ہو گئے۔

جوش اسلام سے بیتاب ہو کر نعرۂ اللہ اکبر لگاتی ہوئی باوصف اپنے بائیں بازو کے زخموں سے چور ہونے کے اپنے قبیلہ کے غازیوں کے آگے اطالویوں پر حملہ کرنے کے لیے بڑھی چلی گئی اور اطالوی مورچہ بندی پر پہونچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سمیت اس بے جگری سے حملہ کیا کہ اطالویوں کو باوجود اپنے کثیر التعداد اور قلع شکن توپوں کی گرج کے شکست کھاتے ہی بنی۔ غرض اہل طرابلس میں غیرت اور وطن پرستی کا مادہ ایسا عام ہو رہا ہے کہ عورت مرد بچے اور بوڑھے غریب اور امیر سب بیقرار ہیں۔

چنانچہ طرابلس کے ایک بڑے جلیل القدر تاجر حمزہ قیروانی اپنا تمام مال و متاع چھوڑ کر صف مجاہدین میں داخل ہونے کی غرض سے بنغازی پہونچے وہاں آپ نے غازی انور بے سے ملاقات کی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ غازی ممدوح نے اپنے دوران گفتگو میں فرمایا کہ آجکل میری زندگی کے بہترین دن گزر رہے ہیں۔ میں اطالوی دست درازی سے پیشتر ہرگز ہرگز یہ خیال نہ کرتا تھا کہ عربی نخوت اور اسلامی غیرت رکھنے والے مسلمان اور ممالک کی طرح اس سرزمین پر بھی آباد ہیں۔ میں نے یہاں کے عربوں کی چمکیلی آنکھیں آن پر جان دینے والے غیور دل پختہ ایمان واعتقاد فطرتی سریع الفہمی اولو العزمی شیریں کلامی حب وطن کی کیفیت بچشم خود دیکھی اور ان کی بہادری کا خود امتحان لیا۔ اور اب میری یہ رائے ہو گئی ہے کہ مرد تو مرد عرب عورتیں بھی وطن پرستی میں مردوں سے

کسی طرح کم نہیں ہیں۔

میں نے بارہا دیکھا ہے کہ شریف بیبیاں میدان جنگ میں للکار کر جاں فروش مردوں کے دل بڑھا رہی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ مجاہدین کی صف میں ایک خاتون اپنا گھوڑا بڑھا کے اپنے قبیلہ کے مردوں سے باواز بلند کہتی جاتی ہے کہ ہر قطرۂ خون سے شرافت و نجابت ٹپکتی ہے۔ میں نے شروع شروع میں یہ آواز سن کر یہ خیال کیا کہ یہ سوار کوئی جوشیلا نوجوان ہے۔ مگر جب دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ ناکتخدا پاک دامن نوجوان عرب مجاہدہ ہے تو میرے تعجب کی انتہا نہ رہی اس مشاہدہ کے بعد مجھے کامل یقین ہو گیا کہ جن کی عورتیں اس دل و دماغ و جگر گردہ کی ہونگی وہ ضرور مظفر و منصور ہونگے۔

معزز بہنوں! آج کے اخبار میں میں نے ایک اور دلچسپ بیان پڑھا اخبار موٴید کا نامہ نگار میدان جنگ سے لکھتا ہے کہ

آجکل عثمانی نہایت سکون و اطمینان سے فوجی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ عربوں نے ریت کے ٹیلے بنا لیے ہیں جن کی آڑ میں چھپے رہتے ہیں اور بے خبر اطالوی خود اپنی گردن جال کے پھندے میں ڈال دیتے ہیں میدان جنگ میں بوڑھے بزرگوں کے ساتھ سات سات سال کے مسلح خورد سال بچے بھی دکھائی دیتے ہیں جو دشمن کی خون آشامی میں کمی نہیں کرتے۔ عورتیں صف مجاہدین میں جا کر کسی طرف تو اپنے مردوں کو پانی پہنچاتی ہیں اور کہیں مجروحوں کی مرہم پٹی کرتی ہیں اور کہیں شہیدان ملک و قوم کی لاشیں اُٹھاتی پھرتی ہیں۔ بہت سی غیرت مند وطن پرستوں نے خلوص میں اپنی عزیز جانیں قربان کر دی ہیں۔

میں نے عرب عورتوں کو بچشم خود دیکھا ہی کہ وہ اپنے مردوں کے
پیچھے پیچھے محض اسواسطے جاتی ہیں کہ نازک موقعہ پر غیرت دلا کر
کام نکالیں اور بارہا ایسا ہوا ہی کہ خطرناک جنگلوں میں اُنھوں نے محض
بھاگتے ہوئے عربوں کو اپنی کوششوں سے دشمن کو پیٹھ دکھانے سے
روک لیا ہی۔ طرابلس میں انتہادرجہ کا امن وامان قائم ہی اور جس طرح
عرب جنگ کے دالہ وشیدا ہو رہے ہیں اسی طرح ان کو زراعت
سے بھی گہری دلچسپی ہی۔ جو عرب ہتیار اُٹھانے اور جنگ میں شریک
ہونے کے قابل نہیں ہیں وہ اپنے وطن پرستی کا یوں ثبوت دیتے
ہیں کہ شہیدان وطن کی کھیتی باڑی کا کاروبار سنبھال لیتے ہیں۔
اس کے بعد عابدہ نے یہ آیت پڑھی) وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم
وانفسکم اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور
جان سے " لیکن بہنوں افسوس ہی کہ برعکس اسکے ہم کھلم کھلا آنکھوں پر پٹی
باندھ کر اپنی دولت سے دشمنوں کی خوب مدد کررہے ہیں۔
معزز بہنوں! آپ کو معلوم ہی کہ تجارت وصنعت وہ چیز ہی جو ہر ایک ملک و
قوم میں جان ڈال دیتی ہی اور جتنی ترقی کرتی ہی اُتنی ہی طاقت بڑہتی ہی ہم اٹلی،
فرانس، جرمنی وآسٹریا کی بنی ہوئی بیلیں وکناری اور مختلف اشیا رخوشی خوشی
خرید کرتے اور استعمال میں لاتے ہیں۔ اس تجارت کے منافع سے گولہ بارود
فراہم کیا جاتا ہی اور اس سے ہماری بہنوں بھائیوں و بچوں کی جانیں تلف ہوتی
ہیں اور ہمارے ملکوں پر گولہ باری کی جاتی ہی۔ مگر سخت رنج وافسوس کا مقام ہی
کہ ہم نے اپنی غلط فہمی کے باعث گویا اپنی ہی تلوار سے اپنا گلا کاٹا۔ ہزارہا بہنوں
کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا۔ کیا یہ گناہ ہماری گردن پر نہیں ہوا لیکن چونکہ ناسمجھی

ہیں اس گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ہیں حق تعالیٰ معاف فرمائیگا۔ مگر آیندہ ہمیں اس سے دست بردار ہوجانا چاہیے۔ حیف ہی اگر ہم سمجھ کر بھی اس پر عامل نہوں عالم بے عمل مثل مگس بے عسل ہی۔

ادہر اٹلی نے اہل طرابلس پر یہ ظلم توڑے ادہر روس نے مشہد میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے روضہ مقدس کی سخت توہین و بے حرمتی کی اور روضہ اقدس کے طلائی قبہ اور دروازوں کو اپنی توپوں سے منہدم کردیا اور مسجدوں پر اُسوقت گولہ باری کی جبکہ مسلمان خدائے قادر توانا کے سامنے خاک پر جبین نیاز رکھے ہوئے ان میں مصروف عبادت تھے۔

جوان و پیر طفل و زن ہوے سب قتل مشہد میں
کہ گزرا سر سے کُل من علیہا فان کا پانی

ادہر مراکو پر فرانس اپنا تسلط جما رہا ہی کُل شاہی حقوق ضبط کرلیے ہیں تمام علاقہ جات میں فوجیں اُتار دی ہیں اسوقت مراکو کے مغربی علاقہ میں ستائیس ہزار فرانسیسی فوج مقیم ہی اور جس پیمانہ پر اب مزید کمک بھیجنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہی کہ جون کے خاتمہ پر یہ تعداد بڑھکر بتیس ہزار ہوجائے گی مراکو کے محبان وطن آمادہ جنگ ہیں اور قبائل عرب کی بیس ہزار جمعیت نے فیض کا محاصرہ کیا۔ لیکن مراکو کے عرب سوا اسکے کہ پروانہ کی طرح شمع کے گرد جلکر مرجائیں اور کچھ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ مراکو وہ شمع ہی جسے فرانس اپنے شبستان کی زینت بنانے کی عرصہ سے تیاریاں کررہا تھا۔

بہنوں! یہ پُردرد واقعات اور بے کسی و بے بسی کی داستانیں سُن کر پتھر کا جگر بھی شق ہوتا ہی اس پر بھی ہمارے دل میں ہمدردی پیدا نہو تو درحقیقت ہم قلب انسانی نہیں رکھتے۔

میں نے ایک بہن سے اس کی بابت تذکرہ کیا اور کہا کہ ہمیں ان غیر ممالک کی چیزوں سے قطعاً احتراز کرنا چاہیے۔ لیکن افسوس کے ساتھ میں نے یہ جواب پایا کہ ایک ہم نہ خریدینگے تو کیا ہوگا اور ہزار ہا بندگان خدا خریدار رہیں، ورائے برحال ما ؎

ستم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے پڑیں پتھر سمجھ پر اپنی ہم سمجھے تو کیا سمجھے

بہنوں! جب ہم کو خدا نے عقل سلیم عطا کی ہے اور ہم کو تمیز ہے کہ یہ راہ پُرخار ہے اگر اس راستہ سے جائیں گے تو جان کا خطرہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ ہم اُن بھٹکے مسافروں کو جو باعث ناواقفیت اس راستہ پر پڑے ہوئے ہیں، راہ پر لائیں نہ کہ خود بھی بھٹک کر وہی راہ پکڑیں۔

دیکھیے جہاز ٹٹانک کے تباہ ہونے پر صرف سلطنت برطانیہ سے معتد بہ چندہ جمع ہو گیا اور ہمارے ہاں جنگ کے مجروحین کے لیے بالمقابل دیگر بلاد اسلامیہ کے بہت ہی کم چندہ ہوا درحالیکہ جنگ کے مجروحین اور مصیبت زدگان طرابلس امداد کے مستحق ہیں۔ اس کے آگے جہاز ٹٹانک کی تباہی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی لیکن جو چندہ ان کے لیے تھوڑے عرصہ میں ہوا وہ ہمارے ہاں بڑی جدوجہد سے ابتک نہ ہو سکا۔

جنگ کے مجروحین کی تکالیف خاصکر فرقۂ نسواں کی بیوگان و یتیم بچوں کی مشکلات ہیں وہ جسپر گزرتی ہیں وہ ہی جانتے ہیں یا جو اپنے پہلو میں ہمدرد و بینا دل رکھتے ہیں وہ غور کر کے ان مصائب کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ ادہر لڑائی اُدہر قحط کا سامنا ایسی حالت میں ہمیں اضطراب و ہمدردی اس کے موافق ہونی چاہیے۔

کُلُّ مومنٌ اخوۃٌ یعنی تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں جسکا ثبوت مدینہ والوں نے دیا تھا مگر افسوس ہے کہ روز سنتے ہیں اور پڑھتے ہیں مگر ہمارے کان پر جُوں تک

نہیں چلتی۔ چین کی نیند سوتے اور امن کے دن گزارتے ہیں ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

بہنوں! کیا زیبائش لباس یا معمولی ضروریات کو بھی ہم اپنے محبت اسلام پر سے قربان کرنا گراں سمجھتے ہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ میری بہنوں کی حمیت اسلامی ہرگز ہرگز گوارا نہ کرے گی کہ ایسا سمجھیں یا کہیں۔

پس اب میں ادب اپنی بہنوں سے استدعا کرتی ہوں کہ وہ کوشش کریں کہ آئندہ زیبائش اور آرائش اور جملہ دیگر ضروریات کے پورا کرنے میں خیال رکھیں کہ کوئی چیز اٹلی یا فرانس جرمنی آسٹریا یا روس کی بنی ہوئی استعمال نہ کریں۔ سب چیزوں پر لکھا ہوا ہوتا ہی خود پڑھ سکتی ہیں یا دوسروں سے پڑھوا سکتی ہیں۔ نیز اپنی اُن مسلمان بہنوں سے جن کے پدر برادر اور شوہر تجارت کا معزز کام کرتے ہیں اُن سے التماس ہے کہ وہ اُنہیں توجہ دلائیں کہ اٹلی فرانس جرمنی آسٹریا روس کی ساختہ اشیا کی تجارت قطعی طریق پر حرام سمجھیں جیسا کہ ہمارے فاضل اجل مولانا شبلی نعمانی صاحب فتویٰ دے چکے ہیں۔

مختصراً یہ عرض کرتی ہوں کہ ایسا کوئی کام نہیں جو ہم اپنے ہاتھوں محنت کرکے نہایت خوبی سے انجام نہ دے سکیں۔ پہلے زمانہ کی بیویاں جالیاں کاڑھتی تھیں اور ایسے ایسے کام مقیش کلابتون سلمہ ستارے کی بناتی اور طرح طرح کی دستکاریاں کرتی تھیں جنہیں دیکھ کر دل عش عش کرتا تھا مگر محنت ضروری ہے۔

محنت ہے کلید گنج مقصود محنت ہے دلیل راہ بہبود

اگر ہاتھ سے محنت نہیں کرتے تو روپیہ صرف کرتے ہیں روپیہ کسی نے بے محنت پایا اور نہ آئندہ پا سکے۔ افسوس روپیہ کی ہم قدر نہیں کرتے جیسی کہ کرنی چاہیے یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم روز بروز مفلوک الحال ہوتی جاتی ہے۔ یہ مسئلہ نہایت غور

کا ہے جسکو ہمیں خوب سوچنا چاہیے اس کی جتنی حفاظت ہو سکے اتنی ہی قوم کی فلاح وبہبودی ہے۔ ہماری ہندوستانی بہنیں نئی تہذیب میں ایسی مبتلا ہوئی ہیں کہ انھوں نے اپنے مفاد کو بھی اس پر سے قربان کر ڈالا۔ مثلاً بیلیں سوتی یا ریشمی جو ہم خریدتے ہیں اُسوقت تو سستی معلوم ہوتی ہیں لیکن انجام کار نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ یہ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ اگر ہم اپنے دل پر سے غفلت کا پردہ اُٹھا دیں تو ان چیزوں سے زیادہ خوبصورت پائدار کلابتون سلمہ ستارہ کی خوبصورت خوبصورت بیلیں اور انواع واقسام کے نفیس کام خود بنا سکتے ہیں اور اُدھر اپنے غریب بھائی بہنوں کی جان توڑ محنت کی داد دینے کا موقع ملیگا۔ اگر ٹوئی ٹیون کو پسند نہ کریں تو بجائے ان کے جوبہو جو بیلوں وکناروں کے کارچوبی بیلیں بنارسی بیلیں لگائیں جو خوش نما سے خوش نما اور نزاکت صنعت وحرفت کا اصلی جوہر ہیں۔ اسکے علاوہ حیدرآبادی کنارہ کلابتونی بیلیں وغیرہ لگا سکتے ہیں اور ضروری چیزوں کے لیے سوتی بیلیں ہم خود اپنے ہاتھ سے بنا سکتے ہیں اور مشق سے بننے کا کام بھی اور کاموں کی طرح آسان ہوجاتا ہے۔ بہنوں اپنے ملک کی صنعت وحرفت کی قدر افزائی کرکے اپنے بھائی بندوں کی روزی میں مدد کرنی چاہیے جو اس کے بنانے میں عرق ریزیاں کرتے ہیں اور اپنے اُن بے کس مظلوم بھائی بہنوں اور غریب معصوم ننھے بچوں کے حال پر رحم کرنا چاہیے جو ظالم سفاک نا عاقبت اندیش اطالویوں کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہو رہے ہیں۔ ہزارہا گھر برباد ہوگئے اور بیوہ عورتیں بچے بوڑھے بھوکے پیاسے جنگلوں میں خانماں وبرباد پھر رہے ہیں۔ کل جو اپنے گھروں میں آرام وآسائش سے زندگی بسر کر رہے تھے آج وہ جنگل کی خاک چھان رہے ہیں اور ایک مٹھی چنے بھی مشکل سے میسر آتے ہیں سدا مصیبت کے دن نہیں رہتے ؎

یاد رہجائیگی تمہاری بات دن مصیبت کے گزر جائینگے

اور گھر بیٹھے بغیر چندہ دیئے بھی آپ وہ مدد کر سکتی ہیں جس سے ثواب دارین حاصل ہو سے

گر ترا داد خدا دولت وجاہ وحشمے خیر کن وامے درمے قدمے یا قلمے

خوش قسمتی سے اسوقت ہماری بہن للج دیوی وکچھمن بائی اور دیگر ہندو خواتین بھی شریک جلسہ ہیں اس لیے بحیثیت ہموطنی میں اُن سے بھی التجا کرتی ہوں کہ وہ اس میں مدد دیں۔ کیونکہ نسوانی یگانگت کا سلسلہ ایسا قوی اور مضبوط ہی کہ کیش و مذہب کی قید کسی طرح سے خواتین کے خوبیوں کے اظہار میں مانع نہیں آسکتی جو ہم مستورات کا مایہ ناز ہیں۔ میری استدعا یہ ہی کہ اٹلی وغیرہ کا مال خریدنا چھوڑ دیں اور اس کی ترغیب دلائیں اس لیے کہ اگر وہ ایسا کریں گی تو سب کو بڑا فائدہ پہونچے گا۔

اول تو یہ ہی کہ اکثر گوٹہ ٹھپے کے تاجر ہمارے ہندو بھائی ہیں اور بیلوں و گنارو ں کی خرید و فروخت ترک کر دینے والی بہنوں کو یہ فائدہ ہوگا کہ پُرانا گوٹہ مسالہ فروخت ہوجایا کریگا اور اس سے ایک بڑے نقصان سے بچیں گے بیک کرشمہ دو کار کا مضمون ہوجائے گا۔ فرداً فرداً اگر سب چیزوں کا ذکر کروں تو بہت طوالت ہوجائیگی اُس لیے مختصراً عرض کرکے میں اپنی گفتگو کو ختم کرتی ہوں کہ بہنیں گھبرا نہ جائیں۔

بہنوں! سب سے بڑی زیبائش علم، صفائی اور سلیقہ ہی اگر ان پر غور کیا جائے تو سب مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں۔ یہ تین صفتیں ایسی ہیں کہ ان میں تمام دنیا کی مفلسی کا علاج ہی۔ علم کے لیے تو میں یہ کہکر چھوڑے دیتی ہوں کہ بے علم نتواں خدا را شناخت" صفائی میں تمام اصول حفظان صحت آجاتے ہیں۔ سلیقہ وہ ہی کہ تمام کام بکفایت شعاری و ہنرمندی انجام دیے جائیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہی جس کے ذریعہ سے امیر روپیہ بچا سکتے ہیں اور غریب دل خوش رکھ سکتے اور مفلس مستغنی

ہوسکتی ہیں پس اوّل تو میں یہ التجا کرتی ہوں کہ ان ہی صفات کو زیبائش تصور کر کے
حاصل کرنے کے درپے ہوں اور سادگی اپنا شعار بنائیں ؎

تکلف سے بری ہی حُسنِ ذاتی   قبائے گُل میں گُل بوٹا کہاں ہی

اور خیر اگر زیبائش لباس ظاہری بھی چاہتے ہیں تب بھی خدا کے لیے معمولی
بیل بانکڑی وٹھپہ توئی سے کریں اور امیر کار چوب کی طرف عنان توجہ
پھیریں کہ ہم زیبائش میں تو اطالویوں کا بائی کاٹ کر ہی ڈالیں اور باقی باتوں
میں بھی بھول چوک سے اجتناب کریں۔

اب میں تقریر اس دعا پر ختم کرتی ہوں کہ خدا ہم سب کو پابندی کی توفیق
عطا فرمائے کہ آئندہ ہم اپنے بھائی بہنوں کو اس کی زد سے بچائیں۔

تقریر کے اختتام پر فہمیدہ خاتون نے کھڑے ہو کر یوں سب بہنوں کو مخاطب
کیا۔

میری پیاری بہنوں! آپ نے میری عزیزہ عابدہ کی تقریر سُنی۔ اگرچہ پورے
پورے مظالم جو ہمارے بھائی بہنوں پر اطالویوں نے طرابلس میں کیے ہیں وہ
تو محض اخبارات اور نامہ نگاران یورپین و فرانسیسی کی تحریروں سے ہی معلوم
ہو سکتے ہیں یا عربی اخباروں سے لیکن پھر بھی یقیناً آپ لوگ بہت کچھ خیال
کر سکتی ہوں گی جو کچھ ان پر گزر رہی ہی۔

آج ہی کے اخبار میں میں نے دیکھا ہی کہ بنغازی کے گرد و نواح سے دو سو
مرد عورتیں بچے بوڑھے بھوک پیاس سے بیتاب ہو کر ترکی کیمپ میں آئے
عزیزی بک مصری کمانڈ افسر نے نہایت فراخ دلی سے ان بیواؤں کا خیر مقدم
کیا اور ان کو کھانا کھلایا۔

بس اس بیان سے آپ لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ان غریبوں کو کس مصیبت

کا سامنا ہی کہ پیٹ بھر کر روٹی بھی نصیب نہیں اور یوں دربدر خاک بسر پھر رہے ہیں لیکن اب ہم کو کیا کرنا چاہیے اس لیے آپ کو تکلیف دیتی ہوں کہ آپ صاحبان سے باقاعدہ تحریری وعدہ لوں کہ آیندہ اطالوی اشیاء نہ خریدینگے۔

نیز یہ بھی جتانا چاہتی ہوں کہ گو بائیکاٹ ابھی کامل طور پر نہیں ہوا لیکن تاہم میں کہہ سکتی ہوں اور اگر آپ چاہیں تو ۲۰۔ اپریل کے روزانہ زمیندار کے پرچہ میں ملاحظہ فرمالیں جس نے یہ مژدہ سُنایا کہ خدا کے فضل سے اطالوی تجارت کو ایک ہفتہ میں تینتیس لاکھ (۱۰ار) فرانک کا نقصان ہوا اور بہت سے کارخانہ جات تباہ ہوتے جارہے ہیں جیسا کہ بعد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ ایک چمڑے کے کارخانہ کے منیجر نے دیوالہ نکل جانے سے خودکشی کرلی۔

امید ہی کہ ہم بائیکاٹ کر دینگے تو ہمارے بھائیوں کو بہت کچھ مدد ملے گی اور اطالوی بھی دنیائے اسلام سے مقابلہ کرنے کا مزا خوب چکھ لیں گے میں اپنی ہندو بہنوں سے بھی مخاطب ہوں جن سے مجھے بہت کچھ مدد کی امید ہے اس لیے کہ اس وقت ہمدردی کا موقع ہی کیونکہ یہ لڑائی بالکل ایک قسم کا ظلم ہی اور مظلوم کی مدد سب پر لازم ہی۔

اس کے بعد فہمیدہ نے ایک کاغذ نکال کر میز پر رکھدیا اور حاضرین جلسہ نے دستخط کرنے شروع کیے۔

للاج دیوی۔ میری بہن عابدہ خاتون و فہمیدہ خاتون نے ایک نہایت مؤثر طریق میں تفصیل کے ساتھ کم بخت اہل اٹلی کے ان مظالم کا ذکر کیا ہی کہ جنکے ذکر سے مسلمانوں کے تو کیا بلکہ ہر کیش و مذہب کی عورتوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہم عورتیں جو بچوں کے درد الفت سے لذت آشنا ہیں جنکے دل قدرت نے نہایت اثر پذیر بنائے ہیں وہ اگر جنرل کنا وا کی فوج کی

ستمگری پر خون کے آٹھ آٹھ آنسو بھی بہائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ ہندوستان کے فخر قوم ڈاکٹر راش بہاری گھوش نے کلکتہ میں ایک عام جلسہ کرکے روس کی سفاکیوں پر اظہار رنج و افسوس کیا۔ مجکو یہ کہنے میں مطلق تامل نہیں کہ جس طرح ہندو مرد ان سفاکیوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں ہندو عورتیں ان سے بھی زیادہ درد محسوس کرتی ہیں۔ نہایت خوشی کا مقام ہی کہ آج اس گارڈن پارٹی کے ذریعہ سے ہم ہندو مسلمان بہنوں کو مل کر تبادلہ خیالات کا موقع ملا۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اکبر و جہانگیر کے زمانہ میں وہ کونسی مجلس تھی جس میں ہندو خواتین کا نام بکثرت نہ آتا ہو۔ اور وہ کونسا چہل پہل کا جلسہ تھا جس میں ہندو عورتیں مسلمانوں کے دوش بدوش حصہ نہ لیتی ہوں۔ اب کہ زمانہ ترقی اور شائستگی کا ہی بڑا افسوس ہی کہ بجائے میل ملاپ کو وسیع کرنے کے ہم اپنے اپنے خیالات میں محو رہیں۔

فرنگستان و امریکہ کی خواتین نے عورتوں کے باہمی میل جول کے لیے ایک عالمگیر کانفرنس قائم کی ہی جس کی ایک غرض یہ بھی ہی کہ ملکوں کے باہمی جدال و قتال کا خاتمہ کر دیا جائے اور انسانی توجہ کو تہذیب کی ترقی میں صرف کیا جائے مجھے امید ہی کہ وہ دن دور نہیں کہ ہندوستان کی ہندو مسلمان خواتین بھی ملکر ایک ایسی ہی کانفرنس قائم کر لیں گی۔

اٹلی کے باب میں میں اتنا ہی کہونگی کہ ہمارے دل میں نفرین کا دریا اسی طرح موجزن ہی جس طرح ہماری مسلمان بہنوں کے دل میں۔ قطع نظر تجارتی فوائد کے کیا وہ فرض جو انسانیت نے ہم پر عائد کیا ہی ہم کو اٹلی سے نفرت دلانے میں کم ہے۔

مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہماری ہمخیال بہنیں ایشیا ہی میں موجود ہیں بلکہ یورپ میں بھی صدہا خواتین ان کی عزاداری پر کفِ افسوس ملتی ہیں۔ میں ہر طرح سے یقین دلاتی ہوں کہ انقطاع تعلقات کی جو تجویز پیش ہوئی ہے اور جس پر مجھے اپنے دستخط ثبت کرنے کا فخر حاصل ہے اس پر ہماری ہندو بہنیں ضرور کاربند رہیں گی۔

نماز عصر کا وقت آگیا تھا سب مسلمان بہنیں نماز میں مصروف ہوئیں بعد نماز فتح ٹرکی کے لیے دعا مانگی۔ ہندو بہنیں کمرے میں بیٹھی رہیں۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سب جمع ہوئے اور چونکہ گارڈن پارٹی کا انتظام تھا سب کھانے پینے میں مشغول ہوئے۔

جلسہ کے ختم پر گریموفون میں اقبال کا قومی ترانہ گایا گیا سب بہنیں تعظیماً کھڑی ہوگئیں اور پھر جلسہ برخاست ہوا۔ سب بہنیں خوشی کے ساتھ رخصت ہوئیں۔ چلتے وقت پھر سب کو عابدہ نے معاہدہ کا مکرر خیال دلایا خدا سے دعا ہے کہ وہ اسی طرح سب بھائی بہنوں کو جلسہ بائی کاٹ کرنے کی ہدایت کرے اور وہ ایسے ہی کامیاب ہوں جیسے عابدہ و فہمیدہ کا جلسہ،

این دعا از من جملہ جہاں آمین باد

ایم جے بیگم بنت مولوی محمد فضل مبین صاحب

ہر ہائنس نواب بیگم صاحبہ تاج الہند جی۔سی۔ایس۔آئی۔جی سی آئی۔ای فرمانروای بھوپال کا مجوزہ زنانہ کالج دہلی

حضور سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال کے مجوزہ زنانہ کالج دہلی کی خوش خبری

ایسی فرحت افزا ہی کہ جسکو پڑہکر انتہا درجہ خوشی ہوئی ۔ میں بڑی خوشی سے ہر ہائنس بیگم صاحبہ کے کالج کی تجویز کا خیر مقدم کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ نواب بیگم صاحبہ کی یہ مفید تجویز جلد سرسبز ہوگی ۔

اس کالج سے علاوہ اور مذہب کے مسلمان لڑکیوں کو جو فائدہ ہوگا اس کا شکریہ میں خاص طور پر ادا کرتی ہوں ۔ دہلی میں مدرسوں کی بہت ہی کمی ہے ۔ اتنے بڑے شہر میں خاصکر مسلمانوں کا صرف ایک ہی مدرسہ ہے جو کہ اتنی لڑکیوں کی ضرورت کو پورا ہی نہیں کر سکتا ۔

نہ معلوم ہر ہائنس بیگم صاحبہ کو اپنی ہم جنس کی کس درجہ محبت اور ہمدردی ہے کہ جس نے دہلی میں کالج بنانے کا خیال دلایا اور اپنی ہمدردی کو عملی صورت میں لانے کی کوشش فرماکر اپنی بہنوں کو علم کی روشنی اور تہذیب کی شاہراہ پر لانے کی تجویز فرما رہی ہیں ۔

اسلامی بہنوں کو جو اس سے فائدہ ہوگا اس سے قوم پر ایک نیا اور نمایاں احسان ہوگا ۔ ہم اہل دہلی کے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ بیگم صاحبہ عالیہ کا شکریہ ادا کر سکیں ۔ ہر ہائنس بیگم صاحبہ کی یہ عنایات ایسے وقت میں ہوئی ہیں جبکہ دہلی میں تعلیم نسواں کی ترقی کو قوم سے لیکر گورنمنٹ تک نے بھلا رکھا تھا ۔ ایسے وقت میں ہر ہائنس بیگم صاحبہ کا ہمدردی سے کالج بناکر تعلیم کی ترقی کی طرف متوجہ ہونا غیبی امداد سے کم نہیں ۔ جس کے شکریہ کے لیے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں خدائے تعالیٰ ہماری مہربان فرقہ نسواں کی سرتاج ہر ہائنس کو تا دیر قائم رکھے ۔

اب دیکھنا یہ ہی کہ دہلی کی بیبیاں بیگم صاحبہ کی اس مبارک تجویز کا کتنا خوشی سے استقبال کرتی ہیں ۔ اور اپنی لڑکیوں کو کالج اور اسکول میں داخل کر کے اپنی شکرگزاری کا ثبوت دیتی ہیں ۔ ہر ہائنس بیگم صاحبہ نے تحریر فرمایا ہی کہ

تمام ملکوں اور تہذیب کے تمام درجوں میں عورتوں کی تعلیم ضروری ہے لیکن ہندوستان میں تہذیب کی موجودہ حالت میں عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ نہایت اہم اور ضروری ہے کیونکہ تمام دنیا میں اس امر کو تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اسی ملک میں عورتوں کی جہالت ترقی کی گاڑی کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

بیگم صاحبہ عالیہ کی یہ عبارت سنہری حرفوں میں لکھ کر بہنوں کو اپنے پاس رکھنی چاہیے۔

واقعی یہ ہے کہ جس طرح ہم اسلام میں مرد عورت کی تفریق بغیر شامل ہیں اسی طرح دنیاوی تعلیم اور ترقی میں بھی شریک ہیں۔ جب تک ہم میں علم نہوگا ہمارے قومی کام کبھی نہیں سُدھر سکینگے۔ ہم کو علم حاصل کرکے قومی کاموں میں امداد پہنچا کر دکھانا یہ ہے کہ جسم اسلام کے دونوں ہاتھ ملکر اس کی درستی میں شامل ہیں۔ اور قومی گاڑی کے چلانے میں ہم بھی اسکا دوسرا پہیا ہیں۔

نواب بیگم صاحبہ تعلیم نسواں میں ترقی کرکے نہ صرف فرقہ نسواں کو ممنون احسان بنائیں گی۔ بلکہ گورنمنٹ کے سامنے بھی اپنی قوم کو باوقعت ثابت کرینگی۔ کیونکہ گورنمنٹ خود علم دوست اور تعلیم نسواں کی بھی کچھ کم حامی نہیں ہے۔

کئی سال کا عرصہ ہوا کہ گورنمنٹ کے ایک اعلیٰ حکمراں نے اپنی اسپیچ میں فرمایا تھا کہ ” ہم ایسی قوم کی کیونکر نہ محبت کریں کہ جس قوم کی عورتیں قابل ہوں اور قومی کام میں دلچسپی رکھتی ہوں۔“ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری بے خبری اور کمی تعلیم اور بھی قوم کی بے وقعتی کا سبب ہے۔ جس کا دور کرنا خود ہمارے اختیار میں ہے۔

دہلی کی بہنوں کو نواب بیگم صاحبہ سے قدرتی طور پر خاص دلی یگانگت ہے۔

جسکا تجربہ خود نواب بیگم صاحبہ کو دہلی میں کانفرنس کے صیغۂ تعلیم نسواں کے اجلاس میں ہوا ہوگا۔ اگرچہ اس سے ترتیب میں بہت بے قاعدگی ہو گئی تھی جو کہ افسوس کے قابل ہے۔ مگر بہنوں کے شوق نے یہ بے قاعدگی کی تھی جو معافی کے لائق ہے۔

یقین ہے کہ ہر ہائنس بیگم صاحبہ کے مجوزہ کالج میں۔ دہلی کے بہت سے خاندان بیگم صاحبہ کی شراکت کی وجہ سے بھی اپنی لڑکیوں کو شوق سے اسکول اور کالج میں داخل کرائیں گے۔ اور تعلیم نسواں کے بے جان جسم میں جلدی جان پڑ جائے گی۔

فرقۂ نسواں کی
بہی خواہ
سلطان بیگم

چند افکار تازہ

نہیں پروانوں کی قلت رہے روشن چراغ نظم
ہزاروں جرعہ کش باقی رہے دائم ایاغ نظم
تمامی السنہ پر اردو ہے اقبال سے غالب
شرر ہوں نثر کے تم کو مبارک، ہم کو داغ نظم
زمین شعر ہے اب آسماں افکار عالی سے،
نہ کیوں عرش معلی پر ہو نخوت سے دماغ نظم

کہو یہ تارکانِ شعر سے کیوں شاعری چھوڑی؟

نہیں ہے طائرِ اندیشہ سے بالا سُراغِ نظم

نہ گھورسے ہوکے پنہاں دیدۂ حیران گلچیں اب

صبا! نزہت سے پُر ہی نکہتِ گلہائے باغِ نظم

غزل

خدمتِ خلقِ خدا میں ننگ و رسوائی نہیں
رائے ہے میری یہی، کچھ فقرہ آرائی نہیں

بخش دیں کھوکر کوئی گر تم کو کرنے زندہ دل
خوش نہو صاحب! یہ جادو ہے مسیحائی نہیں

بندگیِ حق میں کب ہے ترکِ دنیا لازمی
کچھ برہنہ پائی شرطِ جادہ پیمائی نہیں

بھاگنا لوگوں سے، گھرنا لشکرِ افکار میں
او دلِ خلوت طلب! یہ شرطِ تنہائی نہیں

ق
کاروانِ آرزو برباد ہی ہوتا رہا
آہ لیکن ہم نفس! لب پر کبھی آئی نہیں

ہوگیا ناسور زخمِ دل کہاں تک ضبطِ غم؟
ناصحو! اب ہم میں یارائے شکیبائی نہیں

دشتِ حبِّ قوم میں رکھکر قدم کیا خوفِ خار
مانع ہاموں نوردی آبلہ پائی نہیں

کس طرح افراد پر واجب نہو صلاحِ قوم
فرض چین باغباں کیا باغ پیرائی نہیں؟

اُف رے نادانی! کہ ہے ہر شخص خواہشمند زر
کوئی لیکن صنعت و حرفت کا شیدائی نہیں

گر کوئی ہو خوشہ چینِ کشت زارِ اختراع
اسکی کچھ عزت نہیں، کچھ ہمت افزائی نہیں

رکھے اپنے سرپرستوں ہی کے سر الزامِ جہل[1]
قوم کے دشمن خدا ناکردہ سودائی نہیں

ز۔خ۔ش! تو ہی نہیں کچھ پائے بندِ دامِ غم
کون یاں شکوہ طرازِ چرخِ مینائی نہیں،

کاربند اس پر اگر ہو قوم تو ھذا المراد
ورنہ کچھ بھی کارآمد خامہ فرسائی نہیں

راقمہ۔ خاتون کی سچی ترقی خواہ ز۔خ۔ش

---

[1] اس شعر میں جناب شیخ عبداللہ صاحب اوران کی بےغرضانہ کوششوں کی طرف اشارہ ہے،

مبارکبادی

جناب اڈیٹر صاحب! تسلیم. خاتون تو میاں احتشام الدین صاحب کی گودوں کی کھلائی ہوئی ہے۔ وہ اگر ان کی شادی پر خوش نہ ہوگی تو کون ہوگا؟ نہ وہ اتنی اکھل کھری ہے کہ انہیں مبارکباد بھی نہ دے۔ لیجیے! میں اُس کی زبان بنتا ہوں۔ یہ چند شعر ہیں، خاتون کو دیدیجیے کہ لوگوں کو سُنا دے۔ والسلام

سید ہاشمی

وہ نکلی اُجلی اُجلی کرن، ہاں! اُٹھ بیٹھیں مرغانِ چمن
ہو قمری عنبری قند شکن، ہو طوطی خضری چہچہہ زن
ہاں سوسن شہد و شکر گھولے اور نرگس بھی آنکھیں کھولے
ہاں جوش میں خود مونھ سے بولے سر دخترِ غنچۂ تنگ دہن
ہاں! چشمے کی چادر گرنے لگے، ہاں! موتی سا پانی جھڑنے لگے
ہاں! اہلی گہلی پھرنے لگے ہر موج۔ بنیں آبی ناگن
ہر نغمہ ہوا پہ سحاب بنے، ہر جھونکا نوائے رباب بنے
احباب کی وہ ترحاب بنے، یہ دھن جو الاپے یاں ارگن
اے فخرِ وطن اے فخرِ وطن، شاداب کن گلہائے چمن
ہاں! بزمِ عروسی کر روشن تو جم جم آ اہلاً سہلاً
دولھا تو کتنا پیارا ہے، امبر کا سا تارا ہے،
کیوں دور کھڑا اسے شرما رہا ہے؟ تو جم جم آ اہلاً سہلاً
مکھڑے کی بلا گردان نگاہ سب کی، اور دل میں صلِّ علےٰ
برپا ہے صدائے "بسم اللہ" تو جم جم آ اہلاً سہلاً

کیا جوش نیاز کا ہی عالم، گُل بچھ گئے آ کر زیر قدم

محراب ہوئی تسلیم کو خم تو جم جم آ اہلاً سہلاً

سب بیاہ مساعد شادی ہی کیا شور مبارک بادی ہی

کیا دل سے میں نے دعا دی ہی، تم جگ جگ جیو دولھا دلہن

دنیا میں شادم شاد رہو، آباد رہو، آباد رہو،

سب فکروں سے آزاد رہو پھٹکیں نہ کبھی آلام و محن

ہاشمی

اڈیٹوریل

ریویو

نعتیہ کلام

منشی محمد حسین صاحب صادق ہیڈ کلرک دفتر اخبار زمیندار لاہور نے نعتیہ کلام کا ایک منتخب مجموعہ تقریباً سو صفحہ کا مرتب کر کے نہایت عمدگی کے ساتھ چھپوایا ہی۔ اور اس کی نہایت کم یعنی ۸ قیمت رکھی ہی تاکہ لوگ کثرت سے خرید کر پڑہیں اور داخل ثواب ہوں۔ مصنف موصوف سے یہ کتاب مل سکتی ہی۔

اس میں کسی کو شک نہو گا کہ نعتیہ کلام جسمیں حضور سرور کائنات کے اوصاف اور محامد بیان کیے جائیں تمام مسلمانوں کے لیے ایک نہایت دلچسپ مضمون ہی جس سے انکا ایمان تازہ ہوتا ہی اور روح کو فرحت ہوتی ہی۔ چنانچہ شاعری نے نعت گوئی خود حضور اکرم کے زمانہ سے اپنے ذمہ لی حضرت حسان بن ثابت کعب بن زہیر اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم حضور کی تعریف میں اشعار لکھتے تھے اور صحابہ کرام ان کو سنتے تھے اور یاد کر لیتے تھے لیکن ہمارے اردو یا فارسی کے شعرا کا مذاق اسقدر ادنی اور پست ہو گیا کہ انہوں نے سرور کائنات کے محامد اصلی کی طرف بہت کم خیال کیا۔ اور جس طرح اپنے خیالی معشوقوں کی تعریف کیا کرتے ہیں اسی طرح اس روح اعظم کی تعریف میں مصروف ہوئے جسکے

نور سے تمام عالم منور ہوا۔

س قسم کی ادنیٰ شاعری اور بازاری کلام میں حضور انور کی مدح دیکھکر ایک سچے مسلمان کے دل میں ضرور قلق پیدا ہوتا ہی کیونکہ اس سے نبوت عظمیٰ کی کسر شان ہوتی ہی۔

اللہ اللہ کجا ایک اولوالعزم رسول کا درجہ اور کجا یہ کہ اس کی شان میں ناز نیں۔ صنم، بت وغیرہ الفاظ استعمال کیے جائیں۔ زلفوں کی تعریف ہو۔ خم ابرو کی مدح ہو، رخساروں کی ثنا ہو۔ ممکن ہی کہ ان باتوں سے جہلا کے دل میں محبت پیدا ہو۔ لیکن اس سے عظمت مٹ جاتی ہی۔ اور یہ دربار نبوت کی بے ادبی ہی۔

اولیاء کرام ہمیشہ سے یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

لیکن محبت اور مدح کے پردہ میں لوگ یہاں بھی دیوانگی اختیار کیے ہوئے ہیں۔

ہر چند کہ اس مجموعہ میں اس قسم کا کلام زیادہ نہیں ہی، لیکن ہی۔ اور کم سے کم یہ کہ اسکا خیال نہیں رکھا گیا ہی۔ امید ہی کہ آئندہ اڈیشن میں اسکا خیال رکھا جائیگا۔

اخبار دربار آگرہ

دہلی دربار منعقدہ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کی یادگار میں آگرہ سے ایک اخبار دربار کے نام نکالا گیا ہی۔ اس کے تمام تر وہی مقاصد ہیں جو دوسرے اخبارات کے ہیں۔

آگرہ ہندوستان کا پایہ تخت تھا۔ امید ہی کہ یہ اخبار ان آرزوں کو پورا کریگا جو آگرہ ایسے بھاری بھرکم شہر سے رکھی جاتی ہیں۔ اس کی قیمت سالانہ ۱۲؎ رہی۔

رسالہ عزیز

یہ رسالہ بھی آگرہ سے بچوں کے لیے نہایت صاف چھپائی کے ساتھ ساڑھے تین جزو پر ماہوار شائع ہوتا ہے۔

بچوں کی دماغی تربیت اور ان کی معلومات میں دلچسپی کے ساتھ اضافہ کرنے کے لیے ہم

ہم جن باتوں کی ضرورت سمجھتے ہیں وہ اس رسالہ میں پائی جاتی ہیں ہم کو امید ہے کہ یہ رسالہ ترقی کریگا
اس کی سالانہ قیمت عہ ہے۔ جو اس کی خوبیوں کے مقابل میں زیادہ نہیں ہے۔ اس کے اڈیٹر
مولوی واحد یار خاں صاحب بی اے ہیں جو نہایت قابلیت کے ساتھ اسکو چلاتے ہیں۔
منیجر صاحب رسالہ عزیز آگرہ سے طلب فرمائیے۔

بہن بنت نصیر الدین حیدر صاحبہ کے خط سے یہ افسوسناک خبر معلوم کر کے ہم کو بہت صدمہ
ہوا کہ اُن کے والد ماجد جو آٹھ سال سے مرض فالج میں مبتلا تھے اور جن کی سخت علالت کی خبر
خاتون میں شائع ہو چکی تھی۔ ۸ جمادی الثانی کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
یوں تو والدین کا انتقال ہر شخص کے لیے فطرتاً بہت بڑا صدمۂ جانکاہ ہوتا ہے۔ لیکن بہن
موصوفہ کے لیے یہ سانحہ بہت ہی سخت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اُن کو صبر جمیل
عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

جواب

کسی بیمار کے لیے سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی اچھے حکیم یا ڈاکٹر کی طرف رجوع کرے اور علاج کرائے
اشتہاری دواؤں اور عطائیوں کے نسخوں کے ذریعہ سے علاج کرانا بہت خطرناک ہوتا ہے۔ ہم نے
ایک بہن کے اصرار سے مجبور ہو کر اُن کی بیماری کا حال درج کیا تھا۔ اب انکے لیے جو نسخہ تجویز ہوا ہے
وہ بھی مجبوراً درج کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ہم اس طریقہ کو پسند نہیں کرتے۔ اس لیے آیندہ خاتون میں ہم
اس قسم کا اشتہار نہ چھاپیں گے۔ جناب محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ
خاتون میں ایک بہن نے اپنا حال درج فرمایا تھا۔ ذیل کا نسخہ نقل کر کے بھیجتا ہوں۔
ایک تولہ سونٹ چھلی کو ایک چھٹانک پانی میں گھول کر چھان لو۔ اور اسمیں ایک چھٹانک سرسوں کا تیل ملا کر
آگ پر رکھدو۔ آگ نرم ہو جب پانی جل جائے اور تیل ہی تیل باقی رہ جائے تو اتار کر ٹھنڈا کر کے شیشی میں رکھ لو۔
جن کا کان سے چھچھڑے نکلتے ہیں وہ اس تیل کی ہر روز ایک قطرہ کی نسوار لیں۔ جتنے سال سے چھچھڑے
آتے ہوں اتنی ہی بار ہر روز نسوار چڑھا لیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ضرور آرام ہوگا۔

گورنمنٹ ممالک متحدہ

متفرقات

صیغۂ پولٹیکل

۴ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء

نمبر ۸۹ ۴-۲۱۳- اس تحریر کی رو سے اطلاع عام کے لیے مشتہر کیا جاتا ہی کہ حاجیوں کی بیویوں اور بچّوں اور نوکروں کے لیے جو حج کے سفر میں اُنکے ہمراہ ہوں، ضروری ہوگا کہ وہ اپنے ساتھ راہداری کے جُدا جُدا پروانے لائیں یا جُداگانہ فیس ویزا ادا کریں بشرطیکہ متعلقین مذکور کے نام اُس پروانہ راہداری کے خانہ ۱ میں لکھے ہوں جو اُس حاجی کو عطا کیا جائے جس کے ہمراہ وہ جائیں۔

یہ احکام اُن زائروں سے متعلق ہونگے جو سوا ے حجاز کے قلمرو ٹرکی کے کسی اور مقام کو جا رہے ہوں۔

حسب الحکم جناب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر۔ ممالک متحدہ

آر برن

چیف سیکرٹری گورنمنٹ۔ ممالک متحدہ

رجسٹرڈ نمبر اے (۲۷۱)

خاتون

جلد ۶ | بابت ماہ اگست ۱۹۱۲ء | نمبر ۸

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

۱ زیور .. .. از اڈیٹر ۱
۲ عقل کی پڑیا .. .. ا۔ ب صاحبہ ۱۱
۳ آثار قرب قیامت .. .. ا۔ ب۔ ن صاحبہ ۱۹
۴ جاپان .. .. .. سید خورشید علی صاحب ۲۵
۵ ایک زنانہ کلب کی تحریک .. .. .. ز۔ ب صاحبہ ۳۵
۶ پردے سے پردہ .. .. .. عابدہ بیگم صاحبہ ۳۸
۷ انسانی ضروریات .. .. زکیہ بیگم صاحبہ ۴۱
۸ اڈیٹوریل ۴۵

خاکسار عبد اللطیف پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

شیخ عبداللہ بی اے پبلیشر نے علیگڈھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علی گڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت للعہ
اور ششماہی ۱۲آ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی
مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ
نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے
اس رسالے کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات
کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا
کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں۔ اور عمدہ
تصنیفات کے پڑہنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے
محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اردو
زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اسکی آمدنی سے
کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت
کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

زیور

زیور کون پہنتا ہی۔ کب سے پہنا جاتا ہی۔ کس غرض سے پہنا جاتا ہے۔ یہ اس قسم کے سوالات ہیں جو بہت بڑی تاریخی واقفیت اور مشاہدے کی محتاج ہیں۔ مگر ایک رسالہ کے مضمون کے لیے ہمیں زیادہ گہری تحقیقات کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ جو باتیں روزانہ ہم دیکھتے یا سُنتے ہیں یا معمولاً سفرناموں میں پڑھتے ہیں اُنہیں سے مذکورۂ بالا سوالات کے جواب بخوبی دیئے جاسکتے ہیں۔

زیور کون پہنتا ہی؟ جب سے ہم کو تاریخی معلومات سے واقفیت ہی ہم عورتوں اور مردوں دونوں کو زیور کا شائق پاتے ہیں۔ عورتیں زیور کی زیادہ دلدادہ رہی ہیں اور مرد کم۔ مگر پہنتے دونوں رہے ہیں۔ انسان خود نو

زیور پہنتے ہی تھے وہ اپنے پالتو جانوروں کو بھی بعض وقت زیور پہناتے ہیں
راجہ مہاراجہ اور بڑے بڑے سیٹھ اپنے گھوڑوں اور رتھ بہلی کے بیلوں کو
رنگ برنگ کے ہار پہناتے ہیں۔ بندر والے اپنے بندروں کو چھلّے چھوڑیا
پہناتے ہیں۔ لوگ اپنے کتوں اور بلیوں کے گلے میں بھی کسی خوبصورت دھات کے
سِکّے ڈالدیتے ہیں۔ کوڑیوں کے گچھے اور ہار تو عموماً دھوبیوں کے بیلوں کے
گلے میں دکھائی دیتے ہیں۔

بعض فقیر اپنی چھوٹی چھوٹی گائیں و بچھڑے لیکر میلوں میں بھیک مانگنے
جاتے ہیں۔ اُن کے سینگ اور ماتھا اور گلا اور بعض وقت دُم اور ٹانگیں سب
کوڑیوں کے نہایت خوبصورت ہاروں اور گچھوں سے لدے ہوتے ہیں۔
ان فقیروں کی گائیں جن لوگوں نے دیکھی ہوں ہم سفارش کرینگے کہ وہ قیصری
دربار دہلی کی باتصویر کتاب کو بھی دیکھ لیں اور اُس میں ہمارے ملک کے راجہ
مہاراجہ صاحبان کی تصویریں بغور دیکھ لیں اور مقابلے سے بتائیں کہ آیا بلحاظ زیور
پہننے کے ان فقیروں نے ہمارے قدیم حکمرانوں کا چربہ اُتارا ہے یا ہمارے راجگان
و مہاراجگان ہی ان فقیروں کی صناعی سے متاثر ہو کر اُن کی نقل اُتارنے پر مجبور
ہوئے ہیں۔

راجپوتانہ میں جاکر دیکھو تو عام طور پر مرد کچھ نہ کچھ زیور پہنے ہونگے۔ ہاتھوں
میں کڑے کانوں میں بڑے بڑے بالے۔ گلے میں اشرفیوں کے ہار اور انگلیوں
میں انگوٹھیاں اور بعض وقت پاؤں میں بھی کڑے اور پاؤں کے انگوٹھے و انگلیوں
میں چھلّے دکھائی دیتے ہیں۔

ریاست کشمیر کے ڈوگرہ قوم کے مرد بھی اسی قسم کے زیور پہنتے ہیں اور
اگر کوئی امیر آدمی کم از کم ہاتھوں میں سونے کے کڑے اور گلے میں اشرفیوں کے

ہار نہ پہنے تو لوگ اُس کا پورا وقار تسلیم نہیں کرتے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ شخص مفلس ہو گیا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ بڑا کنجوس ہے۔

ہندوستان کے اُن حصص میں جہاں تعلیم زیادہ ہو گئی ہے۔ مردوں کا وہ گروہ جو تعلیم یافتہ ہو گیا ہے یا تعلیم یافتوں کے اثر میں آ گیا اب زیورات کا شوقین نہیں رہا مگر ہر شہر میں سیٹھ مہاجن وغیرہ دکھائی دیتے ہیں جو کم از کم بچپن و جوانی میں کچھ نہ کچھ زیور ضرور پہنتے ہیں۔

ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں ادنیٰ اقوام کے مرد چاندی یا پیتل یا پوتھ یا مونگے یا کوڑیوں گھونگوں وغیرہ کے کڑے بالے اور ہار پہنتے ہیں۔ اکثر دھوبیوں کو چاندی کے کڑے پہنے دیکھا ہے۔ بیرے کانوں میں بڑے بڑے بالے لٹکاتے ہیں۔ جنگلی اور وحشی خانہ بدوش قوم کے مردوں کو پیتل کے کڑے اور بالے پہنے دیکھا ہے۔

ہندوستان کے دیہاتی عموماً مونگے کے ہار بنا کر اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں۔ غرضکہ جس قدر اعلیٰ سے ادنیٰ طبقہ کی طرف ہم جاتے ہیں ہم کو مردوں میں زیادہ زیور کے شائق اور زیور پوش نظر آتے ہیں۔ اور جب ہم ادنیٰ طبقہ سے اعلیٰ کی طرف نظر دوڑاتے ہیں تو مردوں میں ہر ہر درجے میں زیوروں کا رواج کم دکھائی دیتا ہے۔ یہانتک کہ جب ہم سب سے اعلیٰ طبقہ میں پہونچتے ہیں تو مردوں میں زیور بالکل ہی مفقود ہو جاتا ہے۔

اس سے ایک صریح و بدیہی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زیورات کو ادنیٰ تہذیب اور جہالت سے بہ نسبت اعلیٰ تہذیب و تعلیم کے زیادہ تعلق ہے۔ ہم عورتوں کے متعلق زیورات پر بحث کرتے وقت پھر ناظرین کو اسی نتیجہ پر پہونچائیں گے کیونکہ جو تمیز و فرق مہذب و غیر مہذب مردوں کی حالت میں ہے وہی فرق

عورتوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اب یہ سوال کہ انسان کو زیور کا شوق کب ہوا اور کب سے وہ زیور پہننے لگا ایک نہایت ہی مشکل سوال ہے۔ اور ہمارے پاس کوئی یقینی جواب نہیں ہے مگر ادنیٰ سے ادنیٰ اور وحشی سے وحشی اقوام کے مشاہدے سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ زیور کا شوق کسی تہذیب یا علم یا دماغی ترقی کا محتاج نہیں ہے جن اقوام کے مرد اور عورتیں بالکل مادرزاد برہنہ جنگلوں میں پھرتے ہیں اور انسان و حیوان کے گوشت میں کوئی تمیز نہیں کرتے اُن کے گلے میں بھی ہڈیوں۔ کوڑیوں اور گھونگوں کے ہار دیکھے گئے ہیں۔ جن اقوام کو آگ جلانے یا تیر یا پھندے سے اپنا شکار پکڑنے یا مارنے کی عقل بھی نہیں وہ بھی خوبصورت لکڑی یا پتھر کے ٹکڑے اپنے گلے یا کانوں میں لٹکاتے ہیں۔ جن اقوام میں اتنی عقل نہیں کہ پانچ تک گن کر شمار بتا سکیں وہ بھی انسان کی یا جانوروں کی گول گول ہڈیاں یا سفید چمکدار کوڑیاں جمع کرکے گھاس کے تنکوں میں پرو کر کسی چیز سے گلے میں باندھ لیتے ہیں۔

ان مشاہدات سے ایک بات بالکل صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو زیور کا خیال لباس پہننے کے خیال سے بھی پہلے پیدا ہوا ہوگا۔ کیونکہ لباس کے تیار کرنے کے لیے کم و بیش کچھ عقل کی ضرورت ہے۔ مگر کسی چیز کو اُٹھا کر اپنے گلے میں یا کانوں میں لٹکا لینا صرف ایک خفیف سے رُجحان دل پر منحصر ہے۔ کوئی چمکدار یا صاف شفاف چیز آنکھوں کے سامنے دکھائی دی تو اسکو اُٹھا لیا اور بجائے اس کے کہ پھر بار بار اس کی خوبصورتی کو کوئی دیکھنے آئے اس کو اپنے ساتھ لے لیا اور چونکہ اس کی خوبصورتی کا ظہور صرف اس بات پر منحصر تھا کہ وہ دوسروں کی نگاہ کے سامنے رہتی اس لیے جسم کے کسی ایسے حصہ

میں اُس کو لٹکا دیا جہاں پر ہر دیکھنے والے کی نگاہ اُس پر پڑے۔

زیور کے شوق کی ابتدا اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ گو بعد میں انسانوں نے زیور کی تیاری و تراش خراش میں اسی طور پر اپنی عقل و حکمت سے کام لیا جیسے لباس و مکانات و دیگر آرائشی چیزوں میں کام لیا گیا ہے۔ مگر زیور کی ابتدا اس سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی کہ وحشی انسان سمندر کے کنارے پر خوبصورت گھونگے اور کوڑیاں چُن چُن کر اپنے گلے میں لٹکایا کرتا تھا اور یہ فعل اُس کا بلا ضرورت تھا کیونکہ زیور سے اُس کو کسی قسم کا کوئی جسمانی فائدہ نہیں پہونچ سکتا تھا۔

زیور جیسے سب سے ابتدائی حالت میں بے ضرورت تھا اسی طور پر اب تک محض غیر ضروری ہے۔

ابتدائی مقصد تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز جو آنکھ کو اچھی معلوم ہوئی اُس کو کان۔ ناک۔ گلے یا ہاتھوں میں باندھ دیتے تھے مگر رفتہ رفتہ ایک دوسری غرض ایجاد کی گئی اور اسوقت تک لوگ اُسی دوسری غرض سے زیور پہنتے ہیں۔

دوسری غرض جو بعد میں ایجاد ہوئی وہ یہ تھی کہ جو چیز خود آنکھ کو بھلی معلوم ہوتی تھی۔ جب وہ نمایاں طور پر گلے یا کانوں میں لٹکا دی جاتی تھی تو کان اور گلا اور ان کے ساتھ ہی مالک کان اور گلے کی طرف بھی فوراً آنکھ مائل ہوتی معلوم ہوئی۔ اگر دس ہمشکل آدمی ایک قطار میں کھڑے ہوں اور اُن میں سے ایک کے کانوں یا گلے میں کوئی چمکدار چیز دکھائی دیتی ہو تو لامحالہ سب سے اوّل اُسی پر نظر جائیگی۔ اب باقی نو آدمیوں کو اُس چیز کی ترغیب ہونی ایک لازمی امر ہے۔ جس کی وجہ سے دوسروں کی نگاہ کو اُس دسویں آدمی نے سب سے

اوّل اپنی طرف کھینچا تھا۔
اس کے ساتھ ہی ایک ضمنی مگر زیادہ موثر خیال یہ پیدا ہوا کہ جو چیز خود خوبصورت ہے وہ جب انسان کے گلے اور کانوں اور ہاتھوں اور ماتھے پر لٹکائی یا باندھی جائے گی تو وہ انسان کے چہرہ اور ہاتھوں کو بھی خوبصورت بنا دے گی۔
پھر رفتہ رفتہ ظاہری نمائش جو ادہوری تہذیب کا لازمی نتیجہ ہے اُس نے عورتوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنی ہمجنس عورتوں پر فوقیت حاصل کریں تو اُنھوں نے فوقیت حاصل کرنے کا سب سے سہل طریقہ یہی دیکھا کہ قیمتی دہات یا چمکدار قیمتی پتھروں مثل ہیرے وغیرہ کے زیور بنا کر اپنے گلے اور کانوں اور بازوں اور ماتھے اور ناک میں پہنیں تاکہ اُن کی وجہ سے اوّل تو حُسن میں کچھ افزائش ہو اور دوسرے لوگ سب سے زیادہ دولتمند سمجھ کر خاص عزت کریں۔ ایک ملکہ یا رانی اپنا یہ حق سمجھنے لگی کہ اُس کے مرتبہ کے لحاظ سے اس کے پاس سب سے زیادہ اعلیٰ اور قیمتی زیورات ہوں۔
ایک دولتمند عورت ہرگز نہیں گوارا کرسکتی تھی کہ غریب عورتوں کی طرح اُس کے ہاتھ یا ناک یا کان یا گلا خالی دکھائی دیں۔ جوں جوں تمدن بڑہتا گیا تمدن کے دیگر تکلفات میں ترقی ہوتی گئی۔ اسی کے ساتھ ساتھ زیورات کی قیمت اور کثرت بھی ترقی کرتی گئی۔
وحشی اقوام کے مشاہدات سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ سب سے اوّل چمکدار گھونگوں اور کوڑیوں اور پتھر کے ٹکڑوں نے جس جس کی آنکھ کو اپنی طرف مائل کیا وہ عورت ہی ہے۔ وحشیانہ برہنگی میں بھی ننگی دہڑنگی عورتیں کسی چمکدار چیز کو جس شوق سے زمین پر سے اُٹھاتی اور اپنے گلے میں یا کانوں میں لٹکاتی ہیں مرد ولسے بہ اُسکا عشر عشیر بھی شوق نہیں دکھائی دیتا۔

بعض سفرناموں میں سیاحوں نے اپنے چشم دید واقعات لکھے ہیں مثلاً نامی فلاسفر چارلس ڈاروں نے انتہائے جنوبی امریکہ کے وحشیوں کے حالات میں لکھا ہے کہ قند کے لال لال ٹکڑے اور پوتھ وغیرہ پر عورتیں جان دیتی ہیں۔ وحشیوں کے ایک گروہ میں ایک شخص کی شادی ہوئی چند ہی روز گزرے تھے۔ جہاز والوں نے سرخ کپڑے کے ٹکڑے اور چمک دار پوتھ اس کی دلہن کو پہننے کے لیے دیئے۔ وہ اس قدر خوش ہوا کہ گویا اس کو کوئی خزانہ مل گیا اور اپنی عورت کو اس نے کپڑے کے سرخ ٹکڑے سب کے سامنے بطور زیور کے پہنائے۔ یعنی کچھ اس کے کانوں میں اور کچھ گلے میں اور کچھ ماتھے پر لٹکائے۔ تمام دوسرے وحشی چاروں طرف کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور عورتیں بڑی حیرت سے اس خوش قسمت دلہن کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ آخر جب مرد اس عورت کو زیادہ گھور گھور کر دیکھنے لگے تو خاوند کو سخت رشک معلوم ہوا اور وہ اپنی دلہن کو لے کر جنگل کی طرف اکیلا چل دیا۔

ایک طرف وحشی عورتوں کی حالت اور دوسری جانب مہذب اقوام کی عورتوں کی حالت مشاہدہ کرنے کے بعد اس میں ذرہ برابر شک باقی نہیں رہتا کہ تہذیب زیور کی کچھ زیادہ قدر و منزلت نہیں کرتی۔ بلکہ تہذیب دل و دماغ کو کسی اعلیٰ خیال میں لگا دیتی ہے۔ اور مہذب عورتوں کو ظاہری آرائش اور نمائشی اشیاء سے اپنی قدر و منزلت قائم رکھنے کی طرف رہنمائی نہیں کرتی تہذیب عمدہ خصائل اور عمدہ صفات کو انسان کا بہترین زیور تصور کرتی ہے اور انسانی ہمدردی کو عورتوں کی سب سے بڑی آرائش کی چیز قرار دیتی ہے۔

مس نائٹنگل وغیرہ کے قصے عام طور پر لوگوں کو معلوم ہیں کہ اُنھوں نے اپنے اوپر کیا کیا تکالیف برداشت کیں اور زخمی سپاہیوں اور بیماروں کو آرام پہونچایا۔ آج لوگ اُن کی یادگاریں قائم کر رہے ہیں۔ اُن کی سوانح عمریاں لکھ رہے ہیں۔ ہر شخص عزت سے اُن کا نام لیتا ہے۔ اور ان کے مقابلے میں بہت سی رانیاں اور بیگمات ہو گذری ہیں اور اب بھی ہوں گی جن کے پاس لاکھوں روپے کا زیور ہوگا۔ مگر کوئی شخص نہ اُن کا نام جانتا ہے اور اگر نام جانتا بھی ہو تو اُن کا ذکر کرنا محض عبث سمجھا جائیگا۔ سُننے والے ایسی رانیوں اور بیگمات کی مطلق کچھ قدر و عزت نہ کرینگے جو محض اپنے زیوروں کی وجہ سے شہرت رکھتی تھیں۔

ہندوستان میں ہم عورتوں کو زیورات کا بہت ہی شیدا دیکھتے ہیں ہم کو ان کی حالت سے اپنی تہذیب کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ اکثر عقلمند لوگوں کی رائے ہے کہ کسی قوم کی اعلیٰ اور ادنیٰ ترقی کا معیار اُس قوم کی عورتیں ہوتی ہیں۔ گو ہماری غیرت اس بات کو تسلیم نہ کرے کہ ہم کسی دوسری قوم کے مقابل میں اپنے کو کم مہذب خیال کریں مگر یہاں پر ہم کو واقعات سے بحث کرنی مقصود ہے۔ اپنے موٗنھ سے آپ اپنی بڑائی کرنا ہم جہالت کی بڑی دلیل قرار دیتے ہیں اور اپنے عیوب کو تسلیم نہ کرنا ایک بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔

تہذیب کن کن باتوں سے پہچانی جاتی ہے۔ اُن باتوں میں دیکھ لو کہ ہم یورپ کی قوموں سے پیچھے ہیں یا آگے۔

اعلیٰ تہذیب کی سب سے پہلی دلیل تعلیم ہے۔ تعلیم میں ہماری عورتوں میں اور یورپ کی عورتوں میں وہی نسبت ہے جو ایک ابجد خواں بچے کو ایک عالم

فاضل سے ہوتی ہے۔

دوسری دلیل تہذیب کی دوسروں کی ہمدردی ہے۔ ایک وحشی ذرہ ذرہ سی بات پر اپنے ہمجنسوں کو اذیت پہونچاتا ہے۔ دوسروں کا مال چھین لیتا ہے۔ دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر کبھی متاثر نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے جو لوگ تہذیب کے اعلیٰ زینے پر پہونچ گئے ہیں وہ دوسروں کی خاطر اپنے اوپر تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ دوسروں کی جان بچانے کے لیے اپنی جان کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ دوسروں کی تکلیف سے اُن کو خود تکلیف ہوتی ہے۔ کسی غریب کو ستاتے نہیں بلکہ جہانتک ہوسکتا ہے اس کی مدد کرتے ہیں۔

تیسری دلیل تہذیب کی ایجاد وصنعت و دستکاری ہے۔ ایک وحشی آگ جلانا بھی نہیں جانتا۔ مگر ایک مہذب انسان بجلی کی روشنی سے اپنے گھروں کو روشن کرتا ہے اور برقی حرارت سے اپنا کھانا پکاتا ہے۔ صنعت وحرفت میں اسوقت یورپ کُل دنیا کے لیے ایک نمونہ ہے۔ دنیا کے ہر ایک حصہ میں یورپ کی صنعت وحرفت کا بازار گرم ہے۔

چوتھی دلیل تہذیب کی اپنی اولاد کی تربیت ہے۔ وحشی یا نیم وحشی عورتیں بچوں کو ہر وقت مارتی کوٹتی رہتی ہیں۔ بلا گھرکی کے بات نہیں کرتیں۔ کوئی اچھی بات اُن کو نہیں سکھاتیں۔ یہانتک کہ رفتہ رفتہ معصوم بچے مثل درندوں کے سخت دل اور خونخوار ہوجاتے ہیں۔ ہمارے ملک کی عورتیں یا تو بچپن کی سختی کے باعث اپنی اولاد کو سخت دل اور خودغرض بنادیتی ہیں اور یا انتہا سے لاڈ میں بدمزاج اور بزدل اور ناعاقبت اندیش بنادیتی ہیں۔

ان باتوں کے علاوہ ہزارہا اور باتیں ہیں جن سے مہذب اور غیر مہذب انسان میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ مگر بڑی بڑی دلیلیں یہی ہیں۔

اب بتاؤ کہ جو عورت مذکورۂ بالا تہذیب کے زیوروں سے عاری ہے وہ قیمتی چمک دار دہات یا خوبصورت پتھروں کو پہن کر کبھی دوسروں کی نگاہ میں کوئی خاص عزت یا وقعت حاصل کر سکتی ہے۔ ایسی عورتیں مثل چینی کے بے جان بے زبان گڑیا کے ہوتی ہیں۔ مرد کچھ دنوں تک ان گڑیوں کو سجا کر اپنے گھروں میں بٹھا دیتے ہیں کہ اپنا دل بہلائیں۔

مگر جس طرح چینی کی گڑیا کا رنگ و روغن اتر جاتا ہے اور بچے اس کو اٹھا کر پھینک دیتے ہیں اور پھر اُدہر التفات نہیں کرتے۔ اسی طور پر زیور کی دلدادہ عورتوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔

جوانی خود عورت کے لیے سب سے بڑی خوبصورتی اور زیبائی ہے۔ جوانی کے بعد اگر عورتیں سر سے پاؤں تک موتیوں اور ہیروں کے زیور اور ہار پہن کر بھی بیٹھیں تو ان کی طرف کوئی توجہ نہ کریگا۔ خود اُن کی ملنے والی عورتیں طعن کرینگی اور کہیں گی کہ اس بڑہیا کو کیا ہو گیا شرم نہیں آتی کہ اس عمر میں یہ سنگار۔

ناظرات خاتون! یہ باتیں خود غور کرنے کی ہیں۔ اصلی زیور اور حقیقی زیبائش کی چیز وہ ہے جس سے اپنی زندگی میں ہر وقت بلکہ مرنے کے بعد بھی عزت اور قدر ہو۔ وہ اصلی زیور علم ہے۔ اگر اُس اصلی زیور کے ساتھ اپنے جوانی کے عہد میں ایک آدھ خوبصورت ظاہری زیور بھی کوئی پہنے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر جو بیبیاں یہ خیال کرتی ہیں کہ ہماری عزت صرف ہمارے زیوروں سے قائم رہ سکتی ہے۔ وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ میں نے یہ مضمون خاص طور پر اُن کے لیے لکھا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ پوری توجہ اس مضمون کو پڑہیں گی۔

خاکسار
عبداللہ

عقل کی پڑیا

ایک مقام پر چھ عقل کی پتلیوں کا مجمع تھا۔ سب اکٹھی ایک ہی گھر میں رہتی تھیں۔ اور سوت کات کر بسر اوقات کرتی تھیں۔ سب نے سوت کات کر ایک دن اُس کے بیچنے کی غرض سے بازار کا قصد کیا۔ ان میں سے ایک بولی بُوا کھانا پکاتے چلیں۔ بازار سے آکر کھالیں گے۔ سب بولیں ہاں۔ ہاں سچ تو ہے۔ غرض ہر ایک نے کھانا پکا کر تیار کیا۔

پھر صلاح ہوئی کہ اب کھانا تیار ہے تو اسے کھالینا بھی ضرور ہے ورنہ خراب ہو جائیگا غرض جب کھاپی کر فارغ ہوئیں تو ایک نے کہا کہ بوا بازار کا جانا ہے اور سودے کا معاملہ ہے دیر سویر کی خبر نہیں۔ ایسا نہو بازار سے آتے آتے رات ہو جائے۔ اور رات کو بھوکے مرنا پڑے۔ اس سے شام کا کھانا پکا کے فراغت سے چلو کہ تھکے ماندے آنے کے ساتھ ہی روٹی کا ٹکڑا کھالیں گے۔

شام کا کھانا تیار کرتے تیسرا پہر ہوگیا۔ سبھوں نے کہا کہ اب اسکو چھوڑ کر گھر میں رکھ جانا تو مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ بھی چٹ کیا۔ اور کوئی چار گھڑی رات گئے بازار کا رستہ لیا۔ رستے میں ملا چوکیدار۔ اُس نے ٹوکا کہ رات کے وقت تم کہاں جاتی ہو؟

عورتوں نے جواب دیا کہ جلتے کہاں ہیں بھیا سوت بیچنے جاتے ہیں۔ چوکیدار نے جواب دیا کہ ارے احمق ہوئی ہو۔ اتنی رات گئے بھی کوئی سوت بیچتا ہے۔ یہ وقت کہیں بازاروں میں پھرنے کا ہے۔ یہ کہہ اور اُن سب کو بازار کی

ایک دُکان میں رات کو ٹھہرا دیا۔ اور باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ جب رات گئی تو ایک سکھی ان میں سے بولی کہ اے بُوا کچھ بات کرو کہ رات کٹے۔

دوسری سکھی۔ اپنی بیتی کہوں یا جگ بیتی۔

پہلی۔ اے بُوا جگ بیتی سے کیا کام آپ بیتی کہو۔

غرض ان میں سے ایک عورت نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ

بُوا میرا میاں سپاہیوں میں نوکر تھا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ نوکری چھوٹ گئی۔ اور گھر میں بیٹھ کر روٹیاں توڑنے لگا۔ پھر آخر کب تک جو کمایا تھا سب چٹ ہو گیا فاقوں پر نوبت پہونچی۔ موئے کو نگا نہ تن کو کپڑا۔ صرف ایک جوڑا اس کے گلے میں رہ گیا۔ جب میں نے بہت تقاضا شروع کیا تو اُس نے کہا کہ میرے پاس کپڑے ہوں تو باہر جاؤں۔ پیسہ نہیں کہ ان چیتھڑوں کو دُھلواؤں۔ غرض میں مجبور ہوئی۔ اور ذرا سا صابون محلّے سے مانگ تانگ کر لے آئی۔ اور کپڑے دھونے شروع کیے۔ تو کمبخت ٹھنڈے پانی سے صاف نہوتے تھے۔ اور گھر میں انید ھن کی برکت۔ آخر کار مجبور ہو کر میں نے اس کی پگڑی چولھے میں رکھ دی۔ پھر بھی کم بخت پانی گرم نہوا۔ لاچار انگرکھا بھی جلا دیا۔ بارے ذرا گُنگُنا ہوا۔ مگر اچھی طرح گرم نہ ہونے کی وجہ سے پاجامہ بھی جلا دیا۔ رومال اور ٹوپی کو خوب دُھویا جب سفید ہو گئے تو کوڑی سے مہرہ کیا۔ رات کو جو میاں آئے میں نے خوشی خوشی کہا کہ آج ہم نے بڑا کام کیا ہی۔ لاؤ انعام دلواؤ۔

میاں۔ کیا کیا!

میں۔ تمھارے کپڑے ایسے صاف شفاف دھوئے ہیں کہ مُوا دھوبی بھی کیا دھوے گا۔

میاں۔ میرے پاس کیا ہی جو تم کو انعام دوں۔ بس انعام یہی ہی کہ نوکری ہو جائے

ہم کمائیں تم کھاؤ۔

میں نے خوشی خوشی کپڑے میاں کے سامنے لاکر رکھدیئے۔ اور کہا کہ ٹھنڈے پانی سے کپڑے صاف نہیں ہوتے تھے۔ میں نے فضول کپڑے جلا کر یہ رومال اور ٹوپی دھوئی ہے۔ میاں نے سر پیٹ لیا۔ اور کہا کہ میں ابتو باہر جانے کے لائق بھی نہ رہا۔ اب میں کیا کروں۔ اور ایک کہی نہ دو موئے نے میرا ہاتھ پکڑکر گھر سے نکال دیا۔

کہو بُوا اس میں میرا کیا قصور میں نے کیا بُرائی کی تھی۔

دوسری سکھی

اس طور سے مدعاطراز ہوئی کہ میرا میاں فوج میں جمعدار تھا۔ ہر برس رمضان میں شہر کے تمامی امرا و فقرا کی دعوت بڑے دھوم دہام سے کیا کرتا تھا۔

ایک سال روز مقرر پر کھانا بکثرت پکوایا۔ لوگ جمع ہوئے۔ میں نے میاں سے کہا کہ دیگیں تم اندر بھجوا دینا کھانا میں نکالوں گی۔ غرض جب سب کھانا اندر آگیا تو میں نے لونڈی سے پوچھا کہ کیوں ری تو میاں کی خیرخواہ ہے یا بدخواہ۔ لونڈی نے کہا کہ خیرخواہ۔ میں نے کہا کہ سُن ری لونڈی آجکل وبا کا زور ہے۔ اور یہ رمضان کا مہینہ ہے۔ دن بھر کے بھوکے جب اس کھانے پر ٹوٹینگے تو کیا حال ہوگا۔ سب مرینگے اور مفت میں میاں بندھے بندھے پھرینگے بس اس سے بہتر یہ ہے کہ یہ سب کھانا تو لیجا کر کوڑے پر پھینک دے۔

غرض اس لونڈی نے ایسا ہی کیا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو میاں نے کھانا منگوایا۔ میں نے کہا کہ کچھ سودا ہوا ہے۔ وبا کی یہ کثرت اور اُس پر یہ دعوت کچھ شامت سوار ہے۔ میں تو ہرگز کسی کو ایک دانہ نہ دوں گی۔ میں کیا خدانخواستہ

تمہاری طرح دیوانی ہوں کہ پیسہ کا پیسہ خرچ ہوا۔ اور اپنی جان مصیبت میں پھنسے اسی واسطے میں نے سارا کھانا کوڑے پر پھنکوا دیا۔ میاں سنتے ہی جامے سے باہر ہو گیا۔ اور مجھے نکال دیا۔

تیسری سکھی

نے اپنی داستان اس طرح شروع کی کہ اے بوا تم نے تو اتنا ہی کیا تھا۔ مجھ بیچاری مصیبت کی ماری نے تو کچھ بھی نہ کیا تھا۔ میرے میاں سفر کو سدھارے تھے میرے گھر کے پاس ایک ندی تھی ناؤ میں سوار ہو کر گئے۔ لونڈی جو پہنچانے کو گئی تھی۔ اُس نے آکر کہا کہ پانی میں ایک کشتی تھی میاں اُس پر سوار ہو کر گئے ہیں۔

میاں کو گئے ہوئے کئی دن ہو گئے مگر کوئی رسید کا خط نہیں آیا۔ آخر میں نے لاچار ہو کر خود ہی خط لکھوایا۔ اور لونڈی کو دیا کہ جا ناؤ میں ڈال آ۔ کئی خط لکھوائے مگر جواب ندارد۔ حالانکہ وہ چھوکری جا جا کر اُن کو ناؤ میں ڈال آتی تھی۔ آخر کو میں نے خود میاں کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ اور لونڈی سے پوچھا کہ وہاں لوگ کیونکر جاتے ہیں۔

لونڈی۔ بیوی ایک کاٹ کا پٹرا ہی اُس کو پانی میں ڈالتے ہیں۔ اُسکو ناؤ کہتے ہیں۔ اسی پر سوار ہو کر لوگ جاتے ہیں۔

میں نے کہا تو اس میں مشکل کیا۔ کیا خدا کے دیئے پٹرے ہمارے گھر میں نہیں یا پانی ہم کو میسر نہیں اتنی دور جانے سے کیا حاصل!

یہ کہہ کر بیوی نے دروازے کے دونوں کواڑ نکلوا لیے۔ اور دروازوں اور موریوں کو بند کر کے گھر میں پانی خوب بھروا یا۔ اور دونوں پٹرے ڈال کر ایک پر بیوی سوار ہوئیں ایک پر لونڈی۔ اور اُن کو جھونکے دے دے کر

چلانا شروع کیا۔ جب ذرا لونڈی کا ٹپرا آگے بڑھا تو بیوی چلائیں ارے نامراد ٹھہر پہلے میں میاں پاس جاؤں گی۔ پھر جب بیوی کا کواڑ آگے بڑھا تو لونڈی چلائی اے بیوی مجھے کہاں چھوڑ چلیں۔ غرض اسی حال میں کئی دن گزر گئے۔

اسی اثنا میں میاں بھی سفر سے آگئے۔ گھر کے چو طرف آکر پھرنے لگے دروازہ ہی نہ ملا۔ حیران ہوئے کہ یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے۔ غرض گھبرائے۔ محلے والوں سے پوچھا کہ بھئی ہمارا مکان تو اسی محلہ میں تھا نہ؟ ایک پڑوسی نے کہا جی ہاں یہی آپ کا مکان ہے۔ آئیے میرے گھر میں تشریف لائیے تو میں آپ کو آپ کے گھر کا تماشا دکھاؤں۔

میاں بیچارے اس شخص کے کوٹھے پر جاکر کیا دیکھتے ہیں کہ سارا گھر پانی سے لبالب ہے اور بیوی اور لونڈی دونوں ایک ایک ٹپرے پر بے خبر پڑی ہوئی ہیں۔ انہیں کچھ بن نہ آئی۔ پہلے تمام نہریاں کھلوائیں۔ پھر دروازہ کھلوایا اور اندر گئے۔ میاں کو آتے دیکھ کر بیوی اور لونڈی دونوں ہوشیار ہوئیں اور کہنے لگی اے لو میاں کے پاس پہونچ گئے۔ میاں نے بیوی سے پوچھا اے نیک بخت یہ کیا غضب کیا سارے گھر کا ستیاناس کر دیا۔ بیوی بولیں میں نے کیا کیا۔ تم کو بہت سے خط بھیجے جواب نہ آیا۔ آخر میں خود تمہارے پاس چلی آئی۔ کرایہ کی کشتی کرتی تو خرچ ہوتا یا نہ ہوتا۔ اس لیے میں نے کہا کہ لاؤ اپنے گھر میں ہی کشتی بنالیں کہ جلدی پہونچ جائیں۔

یہ سنتے ہی اسکا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اور اس کم بخت نے نہ کچھ کہا نہ کچھ سنا مجھے باہر نکال دیا۔ کہو بوا میں نے کیا برا کیا تھا۔

چوتھی سکھی

بولی کہ خیر بوا تم نے تو آخر کچھ کیا بھی تھا۔ میں نے اتنا بھی نہیں کیا۔

میرا میاں سوداگر تھا۔ مشک زعفران۔ گلاب۔ کیوڑہ اور سفیدے کی سوداگری کیا کرتا تھا۔ ایک دن کہنے لگے کہ بوی سلیقہ مند عورتیں اپنے گھروں کو کیا صاف ستھرا رکھتی ہیں۔ ایک یہ ہمارا گھر ہے کہ اس میں سفیدی تک نہیں۔

میں نے سوچا کہ اگر چونا مٹی بازار سے آئے تو آخر کچھ نہ کچھ خرچ ہوہی گا۔ اس سے بہتر ہی کہ جو چیز گھر میں بیکار رکھی ہی اُسی کو کام میں لاؤں۔ مشک اور زعفران کا تھالا باندھ اس میں کیوڑہ اور گلاب ڈالدیا۔ اور تمام گھر اس سے لیپ دیا۔ جب لیپ چکی تو سارا گھر زرد ہو گیا۔ میں نے کہا اے ہی میاں تو گھر کی سفیدی کرنے کو کہہ گئے تھے یہ کیا ہوا۔ آخر مجھے کچھ نہ بن پڑی۔ میں نے سفیدے کی بوریاں کی بوریاں اس پر پھیر دیں۔ جب تو گھر خوب سفید ہو گیا۔

میاں نے جو گھر میں قدم رکھا تو سارا گھر معطر۔ گھبرا کر کہنے لگے۔ اے شاید کوئی گلاب کا قرابہ پھوٹ گیا۔ لانا بیوی ذرا کنجی دینا کوٹھری تو کھولوں۔ یہ خوشبو کہاں سے آرہی ہی۔

میں نے کہا کہ لے لو۔ اور سنو۔ عقل گئی کہ رہی۔ اللہ نے آنکھیں بھی دی ہیں کہ نہیں۔ گھر کو دیکھو یہ صفائی کاہے کی ہی۔ میاں نے کہا واہ۔ واہ خوب۔ تو نے تو میرے ہاتھ میں بھیک کا ٹھیکرا ہی دیدیا اور تباہ ہی کر دیا۔ میرے گھر سے نکل اور اپنا رستہ لے۔ یہ کہہ کر مجھے چھوڑ چھاڑ الگ ہو گیا۔ کہو بُوا اس میں میں نے کونسا غضب کیا تھا۔

پانچویں سکھی

نے سلسلہ سخن اس طرح آغاز کیا کہ میرا میاں بادشاہ کے یہاں بادرچی تھا۔

اور گھر میں اللہ کے فضل سے گھی کے کپّے اور میدے کی بوریاں بہت تھیں
ایک دن اُس نے کہا کہ بیوی میرا دل حریرے کو بہت چاہتا ہی۔ تم کسی دن
بناؤ۔ میں نے یہ سُنکر ٹال دیا کہ بیوقوف ہی۔ حریرہ بنا آسان سمجھا ہی۔ مفت
میں ڈھیروں روپیہ خرچ ہو جائے گا۔

لیکن جب اُس نے کئی دن متواتر کہا تو میں نے کہا کہ خیر بھئی اب اس کو
اصرار ہی تو یہاں کب انکار ہی۔ غرض برتن کی تلاش تمام محلّے میں کی مگر
کوئی میری خواہش کے موافق نہ نکلا۔ اور گھر کی دیگیں تمام چھوٹی تھیں بھلا
ان میں کیا نگوڑا چُلّو بھر حریرہ بناتی۔ آخر سوچتے سوچتے میں نے سمجھا کہ اے لو
میری نادانی۔ میری بلا برتن کے واسطے لوگوں کی خوشامد کرے۔ میرے گھر
میں تو خود اللہ کا دیا کنواں موجود ہی۔ اس سے عمدہ صاف ستھرا بڑا برتن کہاں
ملے گا۔ آخر کو میں نے جھٹ گھی کے کپّے اُس میں ڈال بانس سے ہلانا
شروع کیا۔ اور پھر میدے کی بوریاں اس میں ڈالکر ہلایا۔ محلّے کے لوگوں سے
پوچھا کہ کیوں بھئی تم کو میدہ بھُننے کی خوشبو بھی آتی ہی یا نہیں۔ مگر وہ کم بخت
جنھوں نے برتن تک نہ دیا حالانکہ ان سب کے گھروں میں کنوسے تھے جلن
اور حسد کے مارے کہنے لگے کہ ہم کو تو خوشبو نہیں آتی۔ پھر میں نے کھانڈ کی
بوریاں ڈالیں۔ اور جب حریرہ تیار ہوا تو چکھا ذرا پھیکا تھا۔

اب میں سمجھی کہ میری اتنی محنت برباد ہوتی ہی۔ اور بنا بنایا گھان ستیاناس
ہو رہا ہی۔ تو جو گھر میں رُپیے تھے جھٹ بازار بھیج کر چھکڑوں میں شکر منگوا لی
اور اُس میں ملائی۔ ایک دیگ تو گھر کے واسطے اِدھر اُدھر سے اُتار لیا اور
باقی سارے محلّے میں بانٹا کہ بھلا محلّے والے بھی تو جانیں کہ ہمارے گھر میں
حریرہ بنا تھا۔ ورنہ اپنے گھر میں چُھپ کر کھا لیا تو کس کام کا۔

اتنے میں میاں آئے۔ انھوں نے مجھ سے کسی کام کے لیے رُپیے مانگے
میں نے کہا آگ لگے تمہارے حریرہ کو۔ قربان گیا تمھارا حریرہ۔ سارا روپیہ پیسا
سب خرچ ہو گیا۔ میں تو اوّل ہی کہتی تھی کہ حریرہ بنانا کچھ ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔
میاں نے گھبرا کر کہا کہ ہیں! حریرہ کو رُپیے سے کیا تعلق! میں نے کہا
لو اور سنو۔ ساری شکر تو گھر کی خرچ ہو گئی۔ بازار سے الگ آئی۔ پھر بھی کمبخت
جیسا میں چاہتی تھی میٹھا نہ ہوا۔

غرض جب میں نے سب حال بیان کیا تو بہت خفا ہوا۔ اور مجھے نکال
باہر کیا۔ بھلا بُوا اب تمہیں انصاف کرو ایک تو میں نے اس جوانا مرگ کا
کہنا کیا۔ دوسرے خود سارے دن مصیبت اُٹھائی۔ اور قسمت کی بات اُلٹا مجھے
بُرا بھلا کہہ رہا۔

چھٹی سکھی

بولیں خیر بُوا تم نے تو اتنا بھی کیا۔ مجھ غریب نے تو کچھ بھی نہ کیا تھا۔ میرا میاں
بادشاہی مصاحب تھا۔ ایک روز بادشاہ کے یہاں جشن تھا۔ اُس نے کہا کہ
مجھے کاروبار میں گھر آنے کی فرصت نہ ہوگی تم میرے درباری کپڑے کسی کے
ہاتھ بھجوا دینا۔

میں سب طرف پھری کوئی آدمی وقت پر نہ ملا۔ آخر میں گھر میں آئی تو گھر کی
پلی ہوئی بُدھیا بکری سے کہا کہ بُدھیا تو میاں کے کپڑے دے آئیگی اُس نے کہا کہ
(ماں) میں سمجھی کہ کہتی ہے کہ ننگی بُچی میں کس طرح باہر جاؤں گی۔

آخر بُوا اپنی عزت تھی۔ میں نے اپنا سارا گہنا اُسکو پہنایا۔ اور جوتھی کے
جوڑے کا بھاری زمردی دوپٹہ اُڑھایا۔ اور اچھی طرح بنا سنوار دیا۔ کہ لوگ یہ
نہ کہیں کہ ان کے گھر کی بکری بُرے حالوں رہتی ہے۔ پھر اس کے گلے میں کپڑوں

کی پوٹلی باندھ دور گلی تک خود پہنچا آئی۔ اور رستہ بھی بتا دیا۔

جب شام کو میاں آئے تو کہنے لگے کہ تم نے مجھے سارے آدمیوں میں خوب رُسوا کیا۔ میرے کپڑے نہ بھجوائے۔ میں نے کہا کہ ہوش کی خبر لو۔ مجھے یہ چوچلے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ بھلا میں کسی غیر کے ہاتھ بھیجتی تو نہ پہنچنے کا شبہ بھی ہوتا۔ میں نے اسی واسطے کہ قیمتی کپڑے ہیں اپنی معتبر بڑھیا بکری کے ہاتھ بھجوائے ہیں۔ اور میں نے تو اُس کو گہنا وغیرہ بھی خوب پہنا دیا تھا کہ ایسا نہو دربار کے لوگ دیکھ کر ہنسیں۔

میاں نے کہا ارے کمبخت کہیں جانوروں کے ہاتھ بھی کپڑے بھیجتے ہیں تو نے تو مجھے لٹوا دیا۔ سارا گھر تباہ کر دیا۔ غرض نہ بولا نہ بات کی۔ اور کھڑے کھڑے مجھے گھر سے نکال دیا۔ لو بُوا اب تمہیں انصاف کرو کہ میں میرا کیا قصور تھا۔

ب - ۱

آثار قرب قیامت

"قیامت بہت قریب ہے"

"علامات صغائر گزر رہی ہیں اور کبائر ظاہر ہوا چاہتی ہیں"

یہ وہ رعشہ انداز و ہیبت ناک جملے ہیں جو آجکل ممالک اسلامیہ مصر سوڈان۔ بیت المقدس۔ قسطنطنیہ وغیرہ میں عموماً ہر مسلمان کے لب پر امید و بیم۔ خوف و رجا کے ساتھ بار بار آ رہے ہیں۔

اگر ایک شخص امام آخر الزماں حضرت مہدی کی آمد آمد کا مشتاق۔

ان کے قدوم میمنت لزوم کا جی جان سے متمنی ہے تو دوسرا خوف "قرب قیامت" سے لرزاں اور توشہ راہ آخرت میں بدل کوشاں ہے۔ غرض جوش اسلام کا عجیب و غریب منظر۔ محبت دین کا حیرت انگیز مرقع پیش نظر ہے۔ کوئی جسم ایسا نہیں جو اس روحانی اثر سے مغلوب۔ اور اس مذہبی قوت سے مفتوح نہو۔ کوئی اسلام کی آئندہ فلاح و بہبودی (جو حضرت مہدی سے وابستہ ہے) پر پھولا نہیں سماتا تو کسی کے "قرب قیامت" کی اس علامت کبرے کے اس قدر نزدیک ہونے پر آے حواس گم ہوئے جاتے ہیں اور وہ تن من دھن سے ادائے حق اللہ وحق العباد میں سرگرم ہے۔

"قرب قیامت" کے پختہ یقین۔ راسخ عقیدہ۔ مضبوط اعتقاد ہی کا یہ سبب ہے کہ ترک و عرب گھربار۔ مال و دولت زن و بچہ سب چھوڑ کر جام شہادت میں سرمست جوق جوق شہر طرابلس میں جمع ہو رہے ہیں اور عنقریب ظالم اٹلی کو اس کے کیفر کردار پر پہونچانے والے ہیں نصرمن اللہ وفتح قریب

اور مسلمانان ہند؟ وہ اس مسئلہ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ آہ کسی نظر سے نہیں۔ ان کے حب دنیا میں سرشار دل۔ کاروبار عالم میں اُلجھے ہوئے دماغ انہیں یقین ہی نہیں ہونے دیتے کہ واقعی آخری وقت بہت ہی قریب آگیا ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں میں وہی جھگڑے ہیں وہی فساد۔ وہی مردانہ و زنانہ۔ قومی کاموں محض ذاتی بغض وحسد کی وجہ سے روڑے اٹکانا اور پھر وہی اپنی کجی پر اصرار خدا ان کے حال زار پر رحم کرے۔

پیاری بہنو معاف کرنا میں اپنے دلی جوش سے مجبور ہو کر نفس مضمون سے کس قدر دور ہٹ گئی۔ اچھا اب سُنیئے دلائل "قرب قیامت"! احادیث صحیحہ

کی رُو سے۔

(۱) وان من اشراط الساعة یرفع العلم ویکثر الجھل ویکثر الزنا ویکثر الخمر ویقل الرجل ویکثر النساء حتے یکون لخمسین امراۃ القیم الواحد و فی روایة یقل العلم ویظھر الجھل متفق علیہ

ترجمہ: "یہ ہی قیامت کی علامتوں میں سے کہ علم اُٹھالیا جائے گا۔ جہالت بڑھ جائے گی۔ بُری باتوں کی کثرت ہوگی۔ شراب بہت پی جائے گی مرد کم ہونگے عورتیں بڑھ جائیں گی۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں میں ایک مرد ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہی کہ علم کم ہو جائے گا۔ اور جہالت ظاہر ہوگی۔ اس حدیث پر سب کا اتفاق ہی"

(۲) اول اشراط الساعة۔ نار تحشر الناس من المشرق الی مغرب۔

"قیامت کی سب سے پہلی نشانی یہ ہی کہ ایک آگ نکلے گی جو آدمیوں کو مشرق سے ہانک کر مغرب کی طرف لیجائے گی۔ بعض علماء نے اس آگ سے "ریل" مراد لی ہی" العلم عند اللہ

(۳) وعن ابی ھریرۃ۔ قال بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدث اذجاء اعرابی فقال متی الساعة قال اذا ضیعت الامانہ فانتظر الساعة قال کیف اضاعتھا قال اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعة رواہ البخاری۔

روایت کیا ہی اس حدیث کو حضرت بخاری نے ابی ہریرہ سے۔ کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک اعرابی آیا اور کہا۔ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا کہ جس وقت

امانت ضائع کر دی جائے۔ تو انتظار کرو قیامت کا۔ اعرابی بولا کیا صورت ہی اضاعت امانت کی۔ فرمایا جسوقت سونپا جائے کام ایسے شخص کو جو اسکا اہل نہو۔ تو انتظار کرو قیامت کا۔

(۴) ایک دن حضرت جبرئیل امین آنحضرت کی خدمت میں بشکل اعرابی ظاہر ہوئے۔ اور منجملہ اور سوالات کے کہا۔

قال فاخبرنی عن الساعۃ قال ما المسئول عنھا باعلم من السائل

قال فاخبرنی عن اماراتھا قال ان تلد الامۃ ربتھا وان تری

الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان ط وفیہ

اذا رائیت الحفاۃ العراۃ الصم البکم ملوک الارض ط"

خبر دو مجکو کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا جو سوال تم نے مجھسے کیا ہے میں اس کی بابت تم سے کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ پھر حضرت جبرئیل نے کہا اچھا قیامت کی علامات ہی سے مطلع کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ اکثر آدمی کنیزک زادے ہونگے اور تم دیکھو گے ننگے پاؤں والوں کو۔ ننگے بدن والوں کو، فقیروں کو اور بکریاں چرانے والوں کو کہ (مزے سے) لیٹے ہیں اپنے محلوں میں۔ اور ایک روایت میں ہی کہ آنحضرت نے یوں فرمایا۔ کہ جب تم دیکھو گے ننگے پاؤں والوں کو۔ ننگے بدن والوں کو کہ بہرے ہیں وہ (حق سننے سے) گونگے ہیں وہ (حق کہنے سے) بادشاہ ہیں زمین کے"

یہ حدیث کسی قدر پیچیدہ ہے اسکو واضح طور پر سمجھانا ضروری معلوم ہوتا ہے، مطلب یہ ہی کہ جب قیامت قریب آنے کا وقت بہت قریب آجائے گا تو ذلیل اور نااہل لوگ (جیسا کہ ارشاد نبوی سے ظاہر ہوتا ہی) حکومت وسرداری کرینگے درآنحالیکہ وہ حق کہنے سننے سے بالکل بے بہرہ ہونگے"

علاوہ ان احادیث پاک کے ایک آیت قرآن پاک کی بھی قابل تحریر ہے
ںیں اس پر بھی غور فرمائیں۔

واخرجنا لھم دابة من الارض تکلمھم۔

یعنی ہم نے زمین سے ایسے جانور نکالے جو آدمیوں سے بات چیت
رینگے۔

تکلم حیوانات بھی کبائر سے ہے۔ گو ابھی تک جانور باقاعدہ انسان سے
تگو نہیں کرتے مگر وہ زمانہ بھی بہت دور نہیں کیونکہ سائنس دانوں نے بندر
دو چار جملے کہنا سکھا لیا ہے اور اُن کا قول ہے کہ اس حیوان میں تکلم کی ایک
اص حد تک صلاحیت موجود ہے۔ چند روز ہوئے میں نے ایک اخبار میں
ھا تھا کہ ایک یورپین ڈاکٹر نے اپنے پالتو بندر کو "ماما" اور پاپا کہنا سکھایا ہے
انچہ وہ ہمیشہ صاحب بہادر کی زوجہ کو "ماما" اور خود صاحب کو "پاپا" کے
م سے پکارتا ہے۔

پیاری بہنو! تم خود غور کرو کہ کیا یہ وہ دور نہیں جس کی خبر آنحضرت نے
ی ہے۔ اور زمانہ "قرب قیامت" کے ہیبت ناک نام سے موسوم کیا ہے۔
ن احادیث و آیات کو دیکھو جو جو علامات صغائر بیان کی گئی ہیں وہ حرف بحرف
ری ہو رہی ہیں اور بہت قریب ہے کہ کبائر ظاہر ہوں۔ منجملہ اُن کے ظہور امام مہدی
قرب قیامت کی علامت کبیرہ ہے۔

اکثر علمائے ممالک اسلامیہ اس پر متفق ہیں کہ ۱۳۳۰ ہجری کے اندر اغلباً
ور ۱۳۳۵ و ۱۳۴۰ ھ کے بین بین یقیناً نیر تاباں مہدوی اُفق مکہ معظمہ سے ظاہر
ہ کر تمام عالم کو منور کرے گا۔ ان کے قدوم سعادت لزوم سے دنیا سے فانی
م ظلم و جور سے پاک ہو جائے گی۔ جیسا کہ اکثر احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

ہیں اس موقع پر طوالت مضمون کے خیال سے ان سب کو قصداً نظرانداز کرتی ہوں۔

اس موقع پر سیدی و مولائی حضرت حسن نظامی کی (جو حال ہی میں ممالک اسلامیہ سے طویل سفر کے بعد واپس تشریف لائے ہیں) چند سطور اختصار کے ساتھ نقل کرتی ہوں۔

دمشق میں میری ملاقات حضرت امام نووی محدث کے مدرسہ میں مولانا بدرالدین نامی سے ہوئی (جو تمام ملک شام میں ممتاز محدث اور زبردست فاضل ہونے کے علاوہ صاحب کشف و کرامات اور غیبی خبریں دینے والے مانے جاتے ہیں) سلسلہ کلام میں حضرت نے زمانہ آیندہ کی نسبت بہت سی خبریں ارشاد فرمائیں جنکا ماحصل یہ ہے کہ قیامت قریب آگئی۔ بہشت آراستہ ہو چکی۔ دوزخ بھڑکائی جا چکی۔ دنیا پر تاریکی نے اس سرے سے اُس سرے تک قبضہ کرلیا۔ آفتاب رسالت کا برزخ (یعنی امام مہدی) کعبہ کے میدان میں جلوہ افروز ہوا چاہتا ہے۔ اے ہندوستان والو! تمہاری آنکھیں کھلیں یا نہیں کھلیں۔ نیند بھری یا نہیں بھری؟ سو چکے اُٹھو دنیا بردۂ عدم میں جانے کو تیار ہے۔ جو کچھ کرنا ہے آج کرلو۔ کیا تم اسواسطے آئے ہو کہ میرا پیام اہل ہند تک پہونچا دو؟ کیا ہندوستان والے ایک دمشقی کا پیغام قبول کریں گے۔

میری پیاری بہنو! سفر آخرت کے واسطے تیار ہو جاؤ۔ وہ وقت آہ! وہ رعشہ انداز وقت! بہت قریب ہے۔ اپنا ایمان۔ اپنا مذہب از سرِ نو مضبوط کرو۔ حالتیں سنبھالو۔ جب تمہیں کوئی معمولی سا سفر بھی پیش آجاتا ہے تو کس قدر

تندہی اور مستعدی سے سامان و توشہ راہ میں منہمک ہوجاتے ہو. سوائے اس نئے خیال کے کوئی خیال دماغ میں نہیں رہتا. مگر حیف صد حیف سب سے بڑھ سفر سب سے کٹھن رستہ. سب سے زیادہ دشوار گزار منزل اسقدر قریب. اور ہم اُس سے اس درجہ غافل و بے پرواہ!! انا للہ وانا الیہ راجعون

خاکسار اذل انام
ا- ب - ن

پیاری ناظرات خاتون! اگر آپ کو مضمون ہذا پسند آئے تو بذریعۂ خاتون مجھے مطلع فرمایئے تاکہ اُسکا دوسرا نمبر "آثار قرب قیامت وظہور مہدی کی خبر احادیث صحیحہ کی رو سے،، لکھ کر روانہ کروں۔

والسلام۔ ا- ب - ن

جاپان

اٹھارواں باب

دیہاتی زندگی

جاپانی کسان دنیا کے سخت ترین محنت کرنے والوں سے ہوتے ہیں بلاناغہ صبح سے شام تک اپنی زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے کے ساتھ انتہا درجہ کی جفاکشی سے وہ برابر مصروف رہتے ہیں. ہفتہ کے پورے ساتوں دن وہ کام کرتے ہیں اور ان کو جمعہ یا اتوار سے کوئی کام نہیں. صرف اسوقت جبکہ ان کی زمین پوری طرح تیار ہوچکتی ہے اور وہ فصل کے منتظر ہوتے ہیں ایک آدھ دن کی

کسی میلہ کی خاطر یا کسی مقدس تہوار کے باعث تعطیل منا لیتے ہیں۔

جاپان کے سارے کھیت تقریباً چاوڑے سے درست کیے جاتے ہیں۔ اور اس بات کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے کہ سبزی ہمیشہ باقی رہے اور کھیت سرسبز و شاداب باغ نظر آئیں۔ ان کھیتوں میں مختلف چیزوں کی کاشت ہوتی ہے مگر چاول سب سے زیادہ بوئے جاتے ہیں۔ جب کبھی چاولوں کی فصل خراب ہو جاتی ہے تو جاپان کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ قحط کی مصیبتیں برداشت کرتا ہے۔

چاولوں کی کاشت کے واسطے بہت زیادہ پانی کی ضرورت ہے اس لیے کسی قریب کی نہر یا ندی سے کھیت کو خوب پانی دیا جاتا ہے اور اس کے بعد دلدل میں چاول بوئے جاتے ہیں۔ یہ سب کام گھٹنوں برابر دلدل میں اُتر کر عورتیں اور مرد اپنے ہاتھ سے انجام دیتے ہیں۔ اس کام کے سخت محنت طلب اور بہت غلیظ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ عورتیں اپنی "کی مونو" کو کیچڑ میں جانے کے لیے اوپر چڑھا لیتی ہیں اور مرد تو بالکل نکال کے پھینک ہی دیتے ہیں۔ چاول بونے کے بعد تین دفعہ پھر ہر پودے کے پاس جا کر الگ الگ گھانس پات جو بافراط اُگ آتا ہے صاف کرنا پڑتا ہے۔

جب چاول تیار ہونے کے قریب آتے ہیں تو تمام پانی کھینچ لیا جاتا ہے اور زمین سکھا دی جاتی ہے۔ کھیت مختلف رقبہ اور مختلف وضع کے چند مربع گز کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے سے لیکر کئی بیگوں تک کے ہوتے ہیں۔ عموماً ایک بیگہ کا کھیت بڑا تصور کیا جاتا ہے۔ ایک کھیت کو دوسرے کھیت سے جدا کرنے کے لیے جاپان میں کوئی باڑ یا فصل نہیں ہوتی۔ زمین کی اتنی قدر کی جاتی ہے کہ اس طرح باڑ وغیرہ لگا کر تھوڑا سا حصہ کھیت کا بیکار ضائع کرنا بہت بُرا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حدود بہت عمدگی کے ساتھ معلوم کر لیے جاتے ہیں اور ہر کسان اپنے قطعہ

زمین سے خوب واقف ہوتا ہی۔

دوسری بہت اہم زراعت اُن درختوں کی ہی جن سے کاغذ بنتے ہیں۔ جاپان کی صنعت و حرفت میں کاغذ کا بہت کچھ دخل ہی۔ وہ ہر جگہ ہر موقع پر ہر چیز میں استعمال ہوتا ہی۔ ایک جاپانی کی روزانہ زندگی کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک ایسے مکان میں رہتا ہی جس کا بہت بڑا حصہ کاغذ سے تیار ہوا ہے کاغذ کے پیالہ میں چاے پانی پیتا ہی۔ کاغذی قندیل کی روشنی میں پڑھتا ہی۔ اپنے کپڑوں وغیرہ کو کاغذ میں لپیٹتا ہی۔ اور کاغذی کی ڈوریوں سے اسکو باندھتا ہی۔ کاغذی کے دستی رومال استعمال کرتا ہی۔ کاغذ کا لبادہ کاغذ کا جوتہ اور کاغذ کی ٹوپی پہنتا ہی۔ دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے کاغذ کی چھتری لگاتا ہی اور ایسی ہی تمام چیزیں جو اس کی روزمرہ زندگی کی ہوتی ہیں۔ سب کاغذ کی ہوتی ہیں۔ جاپان میں ساٹھ (۶۰) سے زیادہ اقسام کاغذ کے ہوتے ہیں اور ہر قسم ایک الگ کام کے لیے مخصوص ہی۔ بعض کاغذ اسقدر مضبوط اور دبیز ہوتے ہیں کہ ان کو چاک کرنا بالکل ناممکن ہوتا ہی اور اسی طرح بعض کاغذ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر سخت سے سخت بارش کا بھی اثر نہیں ہونے پاتا۔

اگر آپ کبھی ندی کے کنارے کنارے جائیں تو آپ کسی ماہی گیر کو ضرور اپنے کام میں مصروف پائیں گے۔ یہ لوگ مختلف طریقوں سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ڈور اور کانٹا اور جال کا زیادہ رواج ہی۔ زیادہ بڑی جھیل یا چشمے میں عموماً جال ہی کے ذریعہ مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ یہ جال بارہ یا چودہ فٹ بڑا اور دائرہ کی شکل کا ہوتا ہی اور اس کے کناروں پر کسی قدر وزنی گولیاں آنک کی لگی ہوتی ہیں تاکہ ان کے وزن سے جال پانی میں ڈوب سکے۔

ماہی گیر جال کو کندھے پر رکھ کے اُبلے ہوئے چانولوں کا ایک ہنڈا

پانی میں پھینکتا ہے۔ مچھلیاں اس چارہ کو کھانے کے لیے جمع ہو جاتی ہیں اور اسوقت ان پر جال اس انداز سے پھینکا جاتا ہے کہ پانی کی سطح پر وہ بالکل پھیل جاتا ہے۔ سیسہ کی گولیاں وزن سے فوراً ڈوبنے لگتی ہیں اور اس طرح جال گنبد کی طرح بن جاتا ہے اور مچھلیاں جو کھانے میں مشغول رہتی ہیں اس کے درمیان آجاتی ہیں۔ جال کے سرے پر ایک مضبوط رسی بندھی ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ سے اسکو آہستہ آہستہ کھینچا جاتا ہے۔ سیسہ کی گولیاں وزن کے سبب ایک دوسری سے مل جاتی ہیں۔ اور جال کو چاروں طرف سے بند کر دیتی ہیں۔ اس سے مچھلیاں بالکل مقید ہو جاتی ہیں۔

بعض دفعہ تیر و کمان بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ تیر و کمان سے شکار کرنیکے لیے یہ اہتمام کرنا پڑتا ہے کہ بعض خاص پھلوں اور ایک قسم کی گھانس کو جو حد سے زیادہ تلخ ہوتی ہے پانی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ان سب کے عرق سے سارا پانی کڑوا ہو جاتا ہے اور مچھلیوں کو مجبوراً سطح آب پر آجانا پڑتا ہے۔ جب وہ تکلیف کے مارے پانی کی سطح پر تڑپنے لگتی ہیں تو ماہی گیر اُن کو اپنے تیر کا نشانہ بناتا ہے۔ تیر سے ایک رسی بندھی رہتی ہے جس کے ذریعہ مچھلی کو کنارے کی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

گرمیوں کے موسم میں عموماً رات کے وقت گاؤں کے لوگ بچوں کے ساتھ جگنو کے شکار کی غرض سے باہر نکل جاتے ہیں۔ قریب میں پانی کا جو مقام ہوتا ہے۔ وہی اُن کا منزل مقصود ہوتا ہے۔ یہ ننھی سی چمکدار مخلوق ندی یا تالاب کے پانی کی سطح پر جب اُڑتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں کروروں طلسماتی قندیلیں جگمگا رہی ہیں۔ ان کو پکڑ کر چھوٹے سے جستی پنجرے میں مقید کیا جاتا ہے۔ پنجرے میں بہت تھوڑی سی گیلی مٹی ہوتی ہے جس میں باجرے یا کسی اور اناج کا درخت ایک آدھ انچ کے برابر اُگا ہوا ہوتا ہے۔ اس پنجرے میں جگنو کئی روز تک زندہ رہتے

ہیں اور اس سے بچوں کو بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

قصبہ کی آبادی ندی سے کچھ بہت دور نہیں ہوتی بلکہ ایک آدھ نالہ یا نہر عین آباد رستوں کے بیچ میں سے بہتا ہوا ندی سے جا ملتا ہے۔ اس نہر سے بہت کام نکلتے ہیں۔ کہیں اس کے کنارے آستینیں چڑھائے اور "کی مونو" اوپر اٹھائے ہوئے اکثر عورتیں کپڑے دھونے میں مشغول رہتی ہیں۔ کہیں ترکاری دھوتی ہیں کہیں نہانے کے لیے ڈولچوں میں پانی بھر بھر کر لیجاتی ہیں۔ ہر طرف سے چوبی ہتھوڑوں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز بڑے زور شور سے سنائی دیتی ہے۔ یہ اُن چکیوں کی آواز ہوتی ہے جو نہر کی مدد سے بڑے بڑے چوبی ہتھوڑوں کو چانول پیسنے کے کام پر لگائے رکھتی ہیں۔ اگر آپ گاؤں کی گلیوں میں چاروں طرف پھریں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ہر شخص اسوقت کیا کر رہا ہے۔ مکانوں کے سامنے کا حصہ بالکل کھلا ہوا ہوتا ہے اور ہر مکان کے سارے بھیتے آپ کو نظر آجاتے ہیں۔

مکانات کے پیچھے بڑے اونچے بانس کے درخت اُگ آتے ہیں۔ ان درختوں کی بہت قدر کی جاتی ہے کیونکہ یہ نہایت کارآمد ہوتے ہیں۔ مکان بنانے میں بانس کی لکڑیاں استعمال کرتے ہیں اور پتوں سے چھپر چھانے کا کام لیا جاتا ہے اس درخت سے رکابیاں، صندوق، تشتریاں، کٹورے، ناؤ کے چپو، پانی کے برتن، مچھلی پکڑنے کی چھڑیاں، گلدان، بانسری، پیپے، پنکھے، چھتریاں، وغیرہ۔ غرض ایسی ہی پچاسوں چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ بانس کی کونپلی شاخوں کو بڑی پرتکلف اور لذیذ نعمت سمجھ کر کھایا جاتا ہے۔

گرمیوں کے زمانہ میں کسی روز جبکہ موسم خوشگوار ہوتا ہے روزانہ کاروبار سے فراغت حاصل کر کے گاؤں والے "اوڈوری" میں شریک ہونے کے لیے گاؤں کی دیول کے صحن میں جمع ہوتے ہیں۔ جاپان میں اوڈوری کھلی ہوا

میں ناچنے کو کہتے ہیں۔ مندر کے صحن کو خوب آراستہ کیا جاتا ہے اور بڑی بڑی خوبصورت کاغذی قندیلیں لٹکائی جاتی ہیں۔ ان میں ایک خاص قندیل بھی ہوتی ہے۔ جس کا نام "ٹورو" ہوتا ہے۔ ٹورو کے معنی ہیں "پٹاری میں روشنی" ٹورو عموماً پانچ فٹ اونچی اور دو فٹ چوڑی ہوتی ہے۔ اس کے ایک بازو پر تو اس دیوتا کا نام نقش کیا ہوتا ہے جس کے دیول کے صحن میں محفل رقص قائم کی گئی ہے۔ دوسرے بازو کسی بہت مختصر مگر دلکش نظم کے لیے مخصوص ہوتے ہیں جو گاؤں کے نوخیز نوجوانوں کی غور و فکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نوجوانوں میں اس عزت کو حاصل کرنے کے لیے ایک عجیب مقابلہ ہوتا ہے اور ہر ایک اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی نظم بہترین ہو تاکہ ٹورو پر درج کرنے کی غرض سے منتخب کی جاسکے۔ اس قسم کی نظموں میں سے دو کا مطلب بطور نمونہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

(۱)

لکڑہارے کی جھونپڑی کے بازو کی باڑ میں شاہ دانہ کا درخت جو پھولا ہے اس پر میں نے نگاہ ڈالی اور مجھے شک ہوا کہ شاید اس پر بے وقت برفباری ہوئی ہے۔

(۲)

شام کی اوس میں جو میدان مناشی کی اونچی گھانس کی سبز پتیوں پر برستی رہتی ہے۔ گرمیوں کا چاند آہستگی کے ساتھ چھپ کر نکل آتا ہے اور اپنی جگہ لے لیتا ہے۔

نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ایک حلقہ بنا کر ناچتے ہیں۔ درمیان میں کوئی ایک کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کے اطراف رقص ہوتا ہے۔ بیچ والا شخص مختلف

گیتیں وغیرہ بتاتا جاتا ہے۔ ناچنے والے ہمیشہ نوجوان اور اُن بیاہے ہوتے ہیں۔ معمر لوگ مندر کی سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے بڑی مسرت وشادمانی کے ساتھ اس دلچسپ اور فرحت انگیز کھیل کود کو دیکھتے ہیں۔

اُنیسواں باب
دیہاتی زندگی

بارش کے وقت دیہات کے لوگ اپنے تئیں پانی سے بچانے کی غرض بالکل سرتاپا لپیٹ لیتے ہیں۔ قلیوں میں زیادہ تر ایک بہت بڑے لبادہ کا رواج ہے جو وہاں کے درختوں سے تیار ہوتا ہے۔ گھانس کے سرے باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لبادہ کے باعث اور نیز چھتری نما بڑی ٹوپی کی وجہ سے بہت آرام کے ساتھ پانی میں بھیگنے سے وہ بالکل بچے رہتے ہیں۔ جو بڑی ٹوپی نہیں پہنتے ہیں وہ ایک بڑی روغنی کاغذ کی چھتری لیے رہتے ہیں جو ان کی پوری طرح حفاظت کرتی ہے۔

جاپان میں بارش اکثر ہوتی رہتی ہے۔ خصوصاً گرمیوں میں اس کی زیادتی ہوجاتی ہے اور اسوقت سفر کرنا کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہوتا۔ اچھی اچھی سڑکیں بھی اس وقت کیچڑ سے بھر جاتی ہیں۔ خراب سڑکوں کی تو کچھ نہ پوچھیے۔ وہ بالکل دلدل سی بن جاتی ہیں۔ رکشا والا جب مشقت کے ساتھ ان راستوں میں اپنی گاڑی کھینچتا ہے تو اس کے پاؤں اسقدر دھنس جاتے ہیں کہ گھانس کے جوتے جو ایسے وقت استعمال کیے جاتے ہیں زمین کے اندر رہ جاتے ہیں

اور پاؤں باہر نکل آتے ہیں۔ راستوں کے دونوں طرف اس قسم کے جوتے جنکو
وراجی کہا جاتا ہے سیکڑوں پڑے رہتے ہیں۔ یہ جلد جلد خراب ہوجاتے
ہیں اور ان کو ناکارہ ہوجانے پر وہیں پھینک دیا جاتا ہے۔ اسی وقت بہت
کم قیمت پر دوسرے جوتے خرید لیے جاتے ہیں۔ رستہ بھر عموماً اس قسم
کے جوتوں کی بہت سی دکانیں ہوتی ہیں اور صرف ایک سن میں جو ہمارے
دو پیسوں سے بھی کم ہوتا ہے ایک جوڑا مل جاتا ہے۔

یہ جوتے صرف انسان ہی نہیں پہنتے بلکہ گھوڑوں کو بھی پہنائے جاتے
ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے گھوڑوں کے پاؤں بہت غلیظ اور
بدشکل بن جاتے ہیں۔ گھوڑوں کے جوتے زیادہ موٹے ہوتے ہیں اور
گھانس ہی ـــ کے ذریعہ پاؤں میں باندھے جاتے ہیں۔ اس قدر جلد یہ
جوتے بیکار ہوجاتے ہیں کہ رستہ بھر کام آنے کے لیے کافی ذخیرہ زین سے
بندھا ہوا رکھنا پڑتا ہے۔ اور جب کوئی گاؤں راستہ میں ملتا ہے تو آگے کے لیے
ایک نیا ذخیرہ فراہم کر لیا جاتا ہے۔ ان جوتوں کی قیمت بھی کچھ زیادہ نہیں ہوتی
ایک آنہ میں چاروں پاؤں کا ایک جوڑا مل جاتا ہے۔

اجنبی سیاح جب جاپان کے قصبات میں جاتا ہے تو وہ ساری نگاہوں کا
مرکز بنا رہتا ہے۔ لیکن گھورنے سے زیادہ اسکو کوئی تکلیف نہیں دی جاتی۔
اس شخص کے جوان سے بالکل مختلف نظر آتا ہے طور و انداز دیکھتے رہنے
کے جاپانی اس قدر خواہشمند رہتے ہیں کہ کبھی نہیں تھکتے۔ لیکن اس پر بھی
ان کی خوش اخلاقی اور انسانیت میں کوئی فرق نہیں آنے پاتا۔ وہ کبھی اس
بدتمیزی سے اجنبی شخص کو نہیں دیکھتے کہ گھورنے والوں کا اس کے پیچھے ایک
مجمع لگ جائے۔ اگر کبھی کہیں محویت میں اس کی نوبت پہنچ جائے تو دوسرے

لوگ فوراً اُن شوقین تماشائیوں کو ہوشیار کر دیتے ہیں۔

ایک انگریز مسٹر الفریڈ پارسنز ایک مرتبہ جاپان میں بعض مقامات کی تصویریں لے رہا تھا۔ اس کے کمال کو دیکھنے کی غرض سے بہت لوگ جمع ہو گئے اور اکثر اس کے بالکل قریب پہونچ گئے۔ مصور موصوف کا بیان ہے۔

ایک قریب کا چائے خانہ والا جس کے ہاں میں نے اُسوقت ناشتہ کیا تھا لوگوں کے اس شوق کو دیکھ رہا تھا اور جب میں دوسرے دن صبح کو اُس مقام پر تصویر کے خاکہ کو مکمل کرنے کے لیے پہونچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جس جگہ میں کام کرتا تھا اُس کے اطراف ایک کٹہرہ سا لگا ہوا ہے۔ کٹہرہ کی کل کائنات یہ تھی کہ چند بانس کی پتلی سی لکڑیوں کو کھڑا کر کے اس پر تاگا باندھ دیا تھا۔ لیکن اسکے بعد کسی شخص نے اس کے اندر قدم رکھنے کی جرأت نہیں کی۔ جاپانیوں کی قوم اس قدر حکم بردار اور تربیت پذیر ہے کہ اگر ایک معمولی سا تاگا اگر کسی بڑی شاہراہ میں آڑھ باندھ دیا جائے تو آمد و رفت بند کر دینے کے لیے بالکل کافی ہے۔

جاپان کی شاہراہوں اور پگڈنڈیوں پر زائرین کی صورتیں بہت زیادہ نظر آتی ہیں جو کسی مشہور مندر یا زیادہ تر مقدس پہاڑ فوجی ساں کی زیارت کو جاتے ہیں۔ فوجی ساں کے زائر اپنے لباس سے پہچانے پڑتے ہیں۔ وہ سر سے پاؤں تک سفید لباس میں ہوتے ہیں۔ سفید کیمونو، سفید جُراب، اور گھانس کی جوتیاں پہنے ہوتے ہیں۔ سر پر سفید برتن نما ٹوپی ہوتی ہے پیٹھ پر ایک خاص گھانس کی چٹائی اوڑھ لیتے ہیں جس کی بدولت دھوپ

اور برسات سے حفاظت ہوجاتی ہے۔ گلے میں ایک تسبیح پڑی ہے۔ پی بی جس میں ایک گھنٹی بھی لگی رہتی ہے اور چلنے میں برابر بجتی جاتی ہے۔ وہ گھانس کی جوتیوں کے چند جوڑے ساتھ لیے ہوتے ہیں تاکہ وقت ضرورت بدلتے جائیں اور ان کے ہاتھ میں ایک عصا ہوتا ہے جس کے سرے پر کاغذ کی دھجی بندھی ہوتی ہے۔

جاپان میں حج و زیارت میں بہت کم خرچ ہوتا ہے۔ زائرین کی غذا انتہا سے زیادہ سادہ ہوتی ہے۔ دو پیسے میں وہ کسی چائے خانہ میں رات بسر کر لیتے ہیں یا اکثر اوقات گاؤں والے ان زائرین کو اپنے ہاں ٹھہرا کر ان کی مہمانداری کرتے ہیں۔ اپنے مہمان کی ضیافت کے لیے گاؤں والا اپنا بہترین اسباب گاؤں کے گودام سے نکال لاتا ہے۔ دیہات میں پورے قصبہ کا ایک ہی گودام ہوتا ہے۔ یہ گودام بڑے وسیع اور خوب مضبوط ہوتے ہیں۔ ان کو لکڑی مٹی اور چونہ سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور دروازہ لوہے یا پیتل اور تانبے کے مرکب کا ہوتا ہے۔ جب کبھی آگ لگ جاتی ہے جو کسی نہ کسی وقت بالکل یقینی ہے اور سارا گاؤں راکھ کا ایک ڈھیر رہ جاتا ہے تو اُسوقت گاؤں والوں کا مال و متاع محفوظ رہتا ہے اور دوسرے نئے مکانوں کے کام آتا ہے۔ جو فوراً ہی برقی سرعت کے ساتھ تیار ہوجاتے ہیں۔

جب سونے کا وقت آتا ہے تو اسمے ڈو یعنی لکڑی کی دیواریں گھر کے اطراف کھڑی کر دی جاتی ہیں اور خوب مضبوطی کے ساتھ ان کو باندھ دیا جاتا ہے۔ جاپان کے مکانات جو دن کے وقت بالکل کھلے رہتے ہیں رات کو صندوق کی طرح بند کر دیے جاتے ہیں۔ رات میں صرف گاؤں کے چوکیدار کی آواز کے سوا ہر طرف خاموشی رہتی ہے۔ چوکیدار کو چوروں اور آگ سے حفاظت کرنے کے لیے رات بھر گشت کرتے رہنا پڑتا ہے۔ جب وہ قصبہ میں چکر لگاتا ہے تو اس کے ہاتھ

میں لکڑی کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں جن کو آپس میں وہ مارتا جاتا ہے۔ اس سے "کلاپ کلاپ، کلاپ کلاپ" کی آواز نکلتی ہے۔ اس آواز سے یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ چوکیدار سویا نہیں ہے بلکہ اپنے سوئے ہوئے قصبہ کی حفاظت کا فرض بجا لارہا ہے اور چوروں کی تلاش کر رہا ہے۔

سید خورشید علی
حیدرآباد دکن

ایک زنانہ کلب کی تحریک

کئی دفعہ جبکہ میں خواب شیریں کے انتظار میں بستر راحت افزا پر لیٹی ہوں اچانک میرے دل سے سوال اُٹھتا ہے کہ ہماری حالت یعنی (طبقۂ اُناث کی) کیسی ہے اور کیوں ہے؟ اس کا جواب میں اپنے ہی دل سے پاکر نہایت ہی نادم پریشان ہوتی ہوں۔ اکثر تو مجھے اس بات کا بہت ہی رنج ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات میری پریشانی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ بے اختیار میرے آنسو نکل آتے ہیں اور اُسی غربت کے عالم میں جبکہ میرے تمام اعزا و اقربا خواب شیریں کے مزے لے رہے ہوتے ہیں۔ یہی دو اشک یا یہی دو حرفی آہ جو اُس وقت میرے دل نکلتی ہے۔ میری غمگسار ہوتی ہے۔

مگر یہ ہماری حالت خود اپنے ہی کیے سے ہو رہی ہے۔ اور سچ تو یوں ہے کہ مرد اس معاملہ میں بالکل بے قصور ہیں۔ ہماری عزت مردوں کی نظر میں حیوان سے بدتر اگر نہیں ہے تو حیوان کے بالمشابہ ہونے میں کچھ شک نہیں۔ اور اسکو خود طبقۂ اُناث کی سوسائٹی اپنی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے مگر افسوس کہ

شرم غیرت نہیں آتی۔ کیا اے پیاری بہنو تمہیں ایسے نفرت آمیز فقرات جو مرد تمہارے سامنے اور تمہاری غیبت میں بھی تمہارے لیے استعمال کرتے ہیں سُن کر شرم نہیں آتی؟ کیا تم ایسی بے عزتی کی زندگی کو (جس کے دینے سے خدا اگر موت دیدے تو بہتر ہی) گذارنا عار نہیں سمجھتیں؟ میرا خیال ہے کہ تم ہرگز ہرگز اس کی برداشت نہ کروگی کہ مردوں کی نظر میں ذلیل و خوار ہو کر رہو۔

اے بہنو! اگر آپ کا خیال میرے خیال کے موافق ہی تو بس ہوشیار ہو جاؤ اُٹھو۔ اور دیکھو زمانہ ترقی کی سیڑہی طے کر رہا ہے۔ اور امید ہی کہ اگر خدا نے چاہا تو جلد ہی منزلِ مقصود پر پہنچ جائیگا۔ اگر کہیں ہم خدانخواستہ اسی طرح خواب غفلت میں پڑے رہے تو پھر ہمارے لیے مرجانے کا مقام ہوگا۔

آؤ کچھ کام کر چلیں۔ اور ہمت نہ ہاریں مجھے تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ہماری ہی جنس نے بعض اوقات ایسے ایسے کام کیے ہیں کہ جنکا ہونا مردوں سے بھی (جو کہ اب شاہراہ ترقی پر سوار ہیں) کئی دفعہ ناممکن ہوا۔ پس کیا سبب ہے کہ باوجود حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے بیٹیاں ہونے کے ہم اُن کی بہنیں کہلائیں مگر عادتوں میں اسقدر تفاوت ہو کہ اُن کے نام تو صفحۂ تاریخ پر درخشندہ ہوں۔ اور ہم ہوں کہ زندہ درگور رہوں۔

پیاری بہنو! امیری رائے ہے کہ ایک زنانہ کلب کی بنیاد ڈالی جائے جس کے حسب ذیل مقاصد ہوں۔

(۱) اس میں ایک مدرسہ قائم کیا جائے جس میں کہ پردے کا کافی انتظام ہو۔ اور شریف گھرانوں کی لڑکیاں بلا خوف و خطر تعلیم پا سکیں۔

(۲) ایک یتیم خانہ بھی بنایا جائے تاکہ اُس میں مسلمان لڑکیاں جو کہ لڑکپن ہی میں یتیم

ہو جاتی ہیں اور پھر وہ کسی کے برتن صاف کر کے یا جھاڑو دیکر یا کسی کا بچہ کھلا کر غرضیکہ بُری طرح اپنا پیٹ پالتی ہیں اور پھر اُن میں سے اکثر بدچلن اور بدراہ ہو جاتی ہیں جس سے ہماری جنس کو نقصان پہونچتا ہے باسانی پرورش پا سکیں۔

(۳) ہر سہ ماہی کے بعد یعنی سال میں چار دفعہ ایک جلسہ ہوا کرے جس میں معزز ہندوستانی لیڈیاں شریک ہوا کریں۔ اور مختلف پہلوؤں پر بحث ہوا کرے۔ اس سے یہ فائدہ متصور ہے۔ کہ ہندوستانی لیڈیاں بھی آپس میں میل جول کے طریقوں سے واقف ہوں۔

(۴) ایک رسالہ شریف ہندوستانی بہنوں کے لیے نکالا جائے جو ہندوستان بھر میں اپنے رنگ کا اکیلا ہو۔

(۵) دینی تعلیم لڑکیوں کے دینے کے لیے علیحدہ ایسا انتظام کیا جاسے کہ وہ قرآن شریف نماز روزہ کا اصلی مفہوم سمجھ سکیں۔

سینے پرونے، کاڑھنے، پکانے کا بھی بندوبست کیا جائے

اگر میں یہاں پر کوئی پہلو چھوڑ گئی ہوں تو خاتونی بہنوں کو چاہیے کہ ظاہر کردیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ تعلیم لڑکیوں کے لیے نہایت ہی مفید اور کار آمد ہوگی۔ نہ صرف ماں باپ کے لیے۔ بلکہ اُس نئے گھر کے لیے بھی جس میں کہ آجکل کے زمانہ میں بہ مشکل پانچ فیصدی بھی چین سے نہیں بسر کرتی ہیں۔ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کیونکر خاوند اور اُس کے خاندانی ممبروں سے سلوک کرنا چاہیے۔

جہانتک میرا خیال ہے یہ طریقہ بہت ہی مناسب ہے۔ مگر اکیلی میری ہی رائے سے کیا ہو سکتا ہے۔ میری سب ہندوستانی بہنوں کی رائے درکار ہے۔

نہ صرف راے بلکہ مدد بھی۔ امید ہے کہ ضرور میری خاتونی بہنیں میرے خیال کے بارے میں اپنی موافق یا مخالف راے کا اظہار کرینگی۔ دونوں صورتوں میں کوئی باعث رنجیدگی کا نہوگا۔

یہ بیان کرنا کہ زنانہ کلب کے لیے کس قدر روپیہ درکار ہوگا۔ میرے خیال میں اسوقت مناسب نہیں۔ یہ اُسوقت ہوگا۔ جبکہ خاتونی بہنیں اپنی موافق یا مخالف راے سے مجھے مطلع فرمائینگی۔

سب سے پہلے میں چاہتی ہوں کہ اڈیٹر صاحب رسالہ خاتون بذریعہ رسالہ خاتون مجھے اپنی راے سے مطلع فرمائیں۔ والسلام

راقمہ

ز۔ ب۔ بنت عطا محمد خانصاحب از امرتسر

پردے سے پردہ

میں اُن دونوں لائق بہنوں یعنی عزیزہ بیگم صاحبہ اور مسز طفیل احمد صاحبہ کی تہ دل سے شکرگزار ہوں چونکہ اُنھوں نے میری ناچیز راے کی تائید فرمائی ہے۔ مگر مسز طفیل احمد صاحبہ نے میرے ناچیز مضمون میں ترمیم بھی فرمائی ہے۔ چنانچہ بہن صاحبہ موصوفہ تحریر فرماتی ہیں کہ

"دس گیارہ برس کی عمر تک لڑکیاں ان فضول رسومات یعنی پردے پردہ کرنے سے آزاد ہوتی ہیں اور اس آزادی کے تھوڑے سے زمانہ میں وہ اعلیٰ تعلیم پا سکیں اور میموں سے دستکاریاں بھی سیکھ سکتی ہیں"

بہن صاحبہ موصوفہ کی اس معترضانہ تحریر کے ماننے میں مجھے کسی قدر تامل ہے۔ ایک مسز طفیل احمد صاحبہ ہی ایسی ہوشیار اور ذہین لڑکی ہونگی کہ جنھوں نے دس گیارہ برس کی عمر میں پردے سے پردہ کرنے سے پہلے حسب دلخواہ تعلیم پالی اور میموں سے دستکاری بھی سیکھ لی ہو گی اور پھر پردہ سے پردہ کرنے کی رسم کو بھی اختیار کر لیا ہو گا۔ مگر بہن صاحبہ موصوفہ کو سب لڑکیوں کو مثل اپنے ہی نہ تصور فرمانا چاہیے۔ کیونکہ اکثر لڑکیاں ایسی ذہین اور شوقین نہیں ہوتیں بہت سی لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن کو دس گیارہ برس کی عمر میں پڑھنے لکھنے اور دستکاری سے بالکل دلچسپی نہیں ہوتی۔ بلکہ بڑے ہو کر تعلیم اور دستکاری کا شوق ہوتا ہے (جیسی کہ میں ہوں)

۔ چنانچہ عزیزہ بیگم صاحبہ کی اس تحریر سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے جس کی تھوڑی سی نقل مثال کے طور پر شکریہ کے ساتھ پیش کرتی ہوں۔ وہ یہ ہے۔

"بھائی صاحب موصوف جب لندن سے تعلیم پا کر آئے تو اُنھوں نے ہم لوگوں کی اعلیٰ تعلیم کرنی چاہی مگر اُن کی کوششیں رائیگاں گئیں۔ ہم لوگوں کو باوجود سگے بھائی ہونے کے اسقدر شرم لاحق ہوئی کہ گفت و شنید کا موقع نہ ملا اور یہی نامراد پردہ سے پردہ بیچ میں حائل ہوا اور ہم لوگ اعلیٰ تعلیم سے محروم رہے۔ ایک بار ہمارے پدر بزرگوار نے مجکو فارسی پڑہانا چاہا۔ مگر مجکو افسوس کے ساتھ یہ موقع بھی ہاتھ سے دینا پڑا پدر بزرگوار کے پاس بیٹھکر پڑہنا پڑتا تھا اس سے ہمارے پردے میں بہت کچھ ہرج ہونے لگا۔ والد کے رعب سے بھاگنے سے مجبور رہتی اور پردہ کا بھی بڑا خیال رہتا اسوجہ سے مجکو پڑہنا ترک کرنا پڑا، آخر آجتک

اُس موقع کو یاد کرکے کف افسوس ملتی ہوں۔

برخلاف اس کے ہماری لائق بہن صاحبہ موصوفہ فرماتی ہیں" ہمیں سب سے اوّل توجہ نسواں کی اصلاح کے لیے تعلیم کی طرف توجہ کرنی چاہیے" بہن صاحبہ موصوفہ تو مجھے ہی فرماتی ہیں کہ اس پر غائر نظر نہیں کی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ بہن صاحبہ موصوفہ نے بھی میرے اس ناچیز مضمون پر غائر نظر نہیں کی ورنہ وہ یہ اعتراض نہ فرماتیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتی ہیں کہ" تعلیم عام ہونے پر یہ گتھی خود بخود کھل جائیگی" بہن صاحبہ مجھے معاف فرمائیں میں اسکے خلاف کہے بغیر نہیں رہ سکتی یعنی اس پردہ سے پردہ کی حالت میں کبھی بھی تعلیم عام نہیں ہوگی اور نہ یہ گتھی خود بخود کھلے گی۔

بہن صاحبہ جو یہ تحریر فرماتی ہیں کہ" دس گیارہ برس کی عمر میں دستکاری سیکھ سکتی ہیں محض غلط ہے۔ بقول مسز طفیل احمد صاحبہ" رہا میم صاحبان سے دستکاری سیکھنا شرفا ایسی دستکاری کو کچھ اچھا نہیں سمجھتے۔ پس جب ہمارے ہاں شرفا میں میم کا گھر میں قدم رکھنا بھی کبیرہ گناہ میں داخل ہے اور لڑکیوں کو مدرسہ میں بھیجنا یا گھر ہی میں اعلیٰ تعلیم دلوانا بھی شرم و غیرت کے مارے گڑ جانے کا مقام ہے۔ جب میم کے آنے پر اعتراض ہوتے ہیں اور لڑکیوں کے لیے مدرسہ کا نام لینا باعث ذلت و حقارت ہے اور گھر پر بھی تعلیم کا کافی انتظام نہیں ہوسکتا تو کیا تعلیم کا سر پھرا ہے کہ خود بخود عام ہوجائے گی اور پردہ سے پردہ کی شامت آئی ہے کہ وہ بقول مسز طفیل احمد صاحبہ کے خود بخود خاص ہوجائیگا۔

پس اس حالت پر غور کرکے ہم کو سب سے اوّل یہ پست خیالیاں یہ بدگمانیاں اور بیہودہ پردہ سے پردہ کی رسم کو دور کرنا چاہیے جب ہی تعلیم عام ہوگی۔

اگر میرے ناچیز قلم سے کوئی لفظ خلاف شان بہن صاحبہ موصوفہ لکھا گیا ہو تو معاف فرمائیں۔

خاکسار

عالیہ بیگم بنت مجیب احمد تمنائی

از سہارنپور

انسانی ضرویات

کہنے کو تو انسان صرف ایک خاک کا پُتلہ ہے۔ لیکن اس کی ضرویات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام عالم اسی کے لیے بنایا گیا ہے اور اس کی ضرورتوں سے پُر ہے۔ ہر فرد بشر کو پیدائش کے وقت سے زندگی کے ختم ہونے تک کچھ نہ کچھ ضرورتیں لاحق رہتی ہیں۔

ان میں سے بعض وہ ضرورتیں ہیں جن کے بغیر زندگی ایک لمحہ کے لیے بھی دشوار ہے۔ بعض ایسی ہیں جن کے بغیر تھوڑے عرصہ انسانی زندگی قائم رہ سکتی ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن کو درگزر کیا جائے تو کوئی خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنا مفید ثابت ہوتا ہے۔

اربع عناصر جو ان چار چیزوں یعنی آتش و آب و باد و خاک کا مجموعی نام ہے انسانی ضرورتوں میں سب سے لابدی اور اہم ہیں کیونکہ اگر ہوا نہ ہوتی تو دم گھٹ کر مرجاتے جیسے ایک چوہے کو یا اور کسی جاندار شے کو ایک شیشے میں بند کردیا جائے اور اُس کی ہوا نہ نکالی جائے تو فوراً جان دیدیتا ہے۔ اگر خاک نہ ہوتی تو مکان کس چیز سے بناتے اور اشیائے خوردنی کیونکر پیدا ہوتیں۔ اگر آتش نہ ہوتی تو سردی سے کس طرح محفوظ رہتے۔ اگر پانی نہ ہوتا تو آتش کی وجہ سے

جل کر فنا ہو جاتے ۔ غرضیکہ اربع عناصر نہایت ہی ضروری ثابت ہوتے ہیں۔

کھانا پینا سونا وغیرہ وہ ضروریات ہیں جن کے بغیر کچھ عرصہ تک زندگی قائم رہ سکتی ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ سب بہنوں پر واضح ہے اور تقریباً بارہا تجربے میں آچکی ہوگی۔ اس لیے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

اب وہ ضرورتیں باقی ہیں جو انسانی زندگی کے لیے قریب غیر ضروری ہیں اور جوں جوں تہذیب پھیلتی جاتی ہے وہ بھی اس کے قدم بہ قدم بڑھتی جاتی ہے گزشتہ زمانہ کی حالت پر نظر ڈالنے سے یہ بات بخوبی روشن ہو جائے گی بلکہ کما حقہ اس کی تصدیق ہو جائے گی۔

تاریخ اسکا حوالہ دے رہی ہے کہ گزشتہ زمانہ میں انسان ایسے ہوتے تھے جیسے آجکل کے وحشی آدمی یا جن کو بن مانس سے لقب کرنا چاہیے وہ جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔ جنگلی جانوروں اور پھلوں وغیرہ پر بسر اوقات کرتے تھے کھنڈروں اور غاروں میں مکان بنایا کرتے تھے۔ تمام دن گشت کرکے شام کو اپنے مکانوں یعنی غاروں میں آجایا کرتے تھے۔ اس طرح رہنے میں اُن کو ایک قسم کی فرحت ہوتی تھی۔ کپڑوں کی جگہ درختوں کی چھال اور پتے استعمال کرتے تھے۔

نہ ان کو عمدہ مکان کی ضرورت تھی، نہ عمدہ پوشاک کی خبر تھی، نہ سواری سے واقف تھے نہ لذیذ غذا درکار تھی۔ علم اور تہذیب تو ان کی شکل سے کانپتے تھے۔ اسی طرح زندگی آرام سے بسر کرتے تھے۔ اور بھلی بُری چند ضرورتیں جو پیش آتیں مہیا کر لیتے تھے۔

چونکہ زمانہ یکساں نہیں رہتا اور ہمیشہ ترقی کی طرف مائل ہے بقول شخصے

"جس طرح زمانہ بدلتا رہتا ہے اُس کے ساتھ ہم بھی بدلتے رہتے ہیں" آجکل بخلاف اس کے ایسی چیزیں ایجاد ہوگئیں کہ ان کے نہ ہونے سے زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ رہنے کے لیے عمدہ مکان چاہیے، کھانے کے لیے عمدہ غذا، پہننے کو خوش وضع لباس، سیر و سیاحت کو سواری، خدمت کو نوکر کی ضرورت ہے۔ اگر ان میں سے کوئی چیز کم ہو جائے تو فوراً جان کے لالے پڑ جائیں ایک دم زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ ایک ساعت گزارنا دشوار ہو جاتا ہے۔

آپ ذرا خیال فرمائیں کہ بارش۔ دھوپ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کے بغیر انسان کو بالکل زندہ رہنا ہی غیر ممکن ہے کیونکہ اگر وقت پر مینھ نہ برسے تو قحط پڑ جاتا ہے اور اگر قطعی بارش نہ ہوا کرتی تو تمام عالم میں عجیب رنگ ہوتا نہ کہیں سبزی کا نشان ملتا نہ کوئی جانور رہ سکتا سب طرف ایک ڈراونا سماں ہوتا۔ حضرت انسان کا تو پتہ بھی نہ چلتا۔ اسی طرح سورج نہ برآمد ہوتا تو کاروبار عالم میں ویسی ہی ابتری نظر آتی جیسی کہ انتہائے شمال یا انتہائے جنوب میں آجکل سُنی جاتی ہے۔ وہاں تو صرف چھ ماہ سورج نہ نکلنے پر یہ حال ہے۔ لیکن اگر کبھی سورج نظر ہی نہ آتا تو بالکل عالمیان کا نمود ہی نہ ملسکتا۔

مکرریں زمانہ گزشتہ کے باشندوں کا حال بیان کر کے چند ضروری باتیں بتلانا چاہتی ہوں۔

چونکہ پہلے زمانہ کے لوگ سیدھے سادھے ہوتے تھے نہ ان کو دین کی خبر تھی نہ دنیا کی۔ جنگلی جانوروں کی طرح صرف کھانے پینے سے کام تھا یہی اپنا دستورالعمل بنا رکھا تھا اس لیے حوائج بھی محدود بلکہ بہت کم ہوتی تھیں۔ آجکل کی حالت دیکھ کر آنکھیں کھلتی ہیں کہ انسان نے وہ کام کر دکھائے جو پچھلے لوگوں کے خواب و خیال میں بھی نہ آتے ہونگے۔

یہ صرف عقل کو ترقی دینے کی بدولت ہے۔ گو عقل اُن لوگوں میں بھی تھی لیکن وہ اُس کو ایسی حالت میں رکھتے تھے۔ جیسے کوئی لوہے کی چیز بہت عرصہ تک بے خبری میں پڑے رہنے سے زنگ آلود ہو جاتی ہے۔ یا کسی عمدہ لکڑی کو بہت مدت تک غفلت سے رکھنے سے گھُن لگ جاتا ہے۔ وجہ اُسکی یہی ہے کہ ان کو ترقی کا خیال نہیں تھا اور علم جیسی ضروری شے سے بالکل بے خبر تھے اسی لحاظ سے ان کا زمانہ ایک تاریکی کا زمانہ تھا۔

اب نئی روشنی، نئے خیال، نئی ایجادیں، نئی وضع طرح، نئے فیشن جو چیز دیکھیے سب نئی ہے اور نہ صرف نئی بلکہ ضروری ہے۔ علم کیسی نادر شے ہے کہ ہر شخص جو اسکو حاصل کر لیتا ہے یہ ہمیشہ اُسکا ساتھ دیتا ہے نہ چوری جانے کا نہ گُم ہونے کا خطرہ، نہ ٹوٹنے پھوٹنے کا فکر اسی کی بدولت وہ ضرورتیں جو غیر ضروری تھیں اب ضروری ہوتی جاتی ہیں۔

خیال فرمائیے ریل، تار برقی، توپیں، بندوقیں، جہاز آبی، جہاز ہوائی، مشینیں جو ہزارہا قسم کی ہیں۔ مثلاً چھاپنے کی، کپڑا بُننے کی، جوتے بنانے کی مثل ہذا۔ ہزارہا چیزیں ایسی ہیں جو نہایت ضروری ہوگئیں۔ اور یہ سب ترقی علم اور ترقی کی بدولت ہے۔

غرضکہ انسانی ضروریات کی کچھ انتہا نہیں۔ جیسا انسان ہوتا ہے ویسی ہی اُس کی ضروریات بھی ہوتی ہیں۔

خاکسار

زکیہ بنت مولوی حکیم عبد الرحمٰن صاحب سہارنپوری

حال مقیم حیدرآباد دکن

اڈیٹوریل

کیا قوم کے دلوں میں تعلیم اُناث کی سچّی خواہش پیدا ہوگئی ہی یا نہیں؟

ہر شخص کو جس نے اس معاملہ پر سنجیدگی سے واقعات کو ملحوظ رکھ کر کبھی غور کیا ہوگا اس سوال مندرجہ عنوان کا جواب نفی میں ملیگا۔

مسلمانوں میں بعض اشخاص دوسروں کی دیکھا دیکھی تعلیم اُناث کی حمایت میں کبھی کبھی کوئی کلمہ خیر کہہ دیتے ہیں مگر امتحان کے طور پر چند سوالات اگر اُنسے کیے جائیں تو پھر اُن کے اصلی خیالات کی پوری قلعی کُھل جاتی ہی۔ ایک ایسی ہی قوم کے بزرگ حامی تعلیم اُناث سے چند روز ہوئے کہ ہم کو گفتگو کا موقع ہوا۔ اُس گفتگو کا نتیجہ حسب ذیل ہی۔

حامی تعلیم۔ جناب آپ کا بورڈنگ ہوس کب تک تیار ہو جائیگا۔ اخبارات میں مخالفانہ مضامین دیکھ کر سخت افسوس ہوا کہ اس زمانے میں بھی لوگ اسقدر اہم مسئلے کے متعلق اختلاف رکھتے ہیں اور کام کرنے والے آپس میں اتفاق سے کچھ کرنا نہیں چاہتے۔

اڈیٹر۔ بورڈنگ ہوس توانشاءاللہ اخیر سال سے قبل تیار ہو جائیگا۔ تھوڑے سے روپیے کی ضرورت تھی مسلمانوں سے اپیل کیا مگر صاحب اسے برخود ہست چپکے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ اور وقت پر اگر بورڈنگ ہوس تیار نہ ہوا تو پھر اخباروں کے کالم سیاہ کرینگے کہ ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔

حامی تعلیم۔ ہاں حضرت قوم کی کچھ ایسی حالت ہی کوئی کچھ کرتا دھرتا تو ہی نہیں مگر نکتہ چینی کا بازار سب طرف سے گرم ہی۔

اڈیٹر۔ یہ بات تو نہیں کہ کوئی بھی کچھ نہ کرتا ہو۔ متعدد اشخاص ایسے موجود ہیں جن کو تعلیم اناث کا بالکل سچا خیال ہے اور وہ لڑکیوں کو تعلیم دلانا چاہتے ہیں مگر عام طور پر قوم میں اسکا احساس نہیں ہے۔ گو نکتہ چینی کے لیے ہر شخص آمادہ ہے۔

حامی تعلیم۔ آپ استقلال سے اپنا کام کیے جائیے خدا نے چاہا تو آخرکار کامیابی ہوگی۔

اڈیٹر۔ میں آپ کی گفتگو سے یہ سمجھا ہوں کہ آپ کو لڑکیوں کی تعلیم کا بہت زیادہ خیال ہے۔

حامی تعلیم۔ کیوں نہیں۔ اس زمانہ میں جو شخص تعلیم اناث کا مخالف ہوگا وہ یا تو سخت جاہل سمجھا جائیگا یا دیوانہ۔

اڈیٹر۔ گو تعلیم اناث سے مخالفت ایک دوسری بات ہے اور اس کی حمایت بالکل ایک علیحدہ امر ہے۔ ممکن ہے کہ ایک شخص مخالف نہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حامی بھی ہو۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کسی معاملہ میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرتے اور جو بات ہو جائے اس کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ مگر کسی امر کی انجام دہی میں دوسروں کا ہاتھ بٹانا نہیں چاہتے ایسے لوگ دنیا میں بکثرت موجود ہیں اور جو لوگ ابتدا میں کسی کام کے واقعی حامی یا مخالف ہوتے ہیں اُن کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔ میں آپ سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آپ واقعی حامی تعلیم اناث ہیں یا صرف اس کی مخالفت سے باز رہنا ہی حمایت تصور فرماتے ہیں۔

حامی تعلیم (آنکھیں مَلکر) حضرت ذرا پھر فرمائیے۔ میں آپ کا مطلب ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھا۔

اڈیٹر۔ جناب من۔ میں نے یہ عرض کیا ہی کہ ایک شخص جو واقعی حامی تعلیم
اُناث ہوگا وہ یہ چاہیے گا کہ قدمے، قلمے، درمے، سخنے اس کی حمایت
کرے۔ اگر اُس کے پاس روپیہ ہوگا تو وہ روپیہ سے مدد کریگا۔ اگر
مضامین لکھ سکتا ہی تو اخبارات میں مضامین لکھ کر دوسروں کو اپنا ہمخیال بنائیگا
اگر تقریر کرنی آتی ہوگی تو جلسوں میں کھڑا ہوکر لکچر دیگا۔ اور لوگوں کو تعلیم اُناث
کے فوائد سمجھائیگا اور اگر چلکر کہیں جانا پڑیگا تو فوراً چلا جائیگا۔ اور جس کام کی
انجام دہی کی ضرورت ہوگی اسکے لیے کوشش کریگا۔

انسان اپنی ذات کا اور اپنے بال بچوں اور عزیزوں کا سب سے بڑا حامی
ہوتا ہی اور یہ حمایت اس کی فطرت میں موجود ہوتی ہی۔ اپنے لیے اور اپنے
بال بچوں کے لیے وہ سب کچھ کرتا ہی۔ شب و روز محنت و مشقت میں سرگرداں
رہتا ہی تب جاکر کہیں کسی کام میں کاربراری ہوتی ہی۔ اب اپنی ذات اور
اپنے عزیزوں کے علاوہ کچھ اور بھی لوگ ہیں جنکے لیے اس کو کچھ کرنا چاہیے
اور وہ اس کی قوم ہی۔ اگر اپنے ذاتی کاموں کے برابر قومی کاموں میں کوئی
توجہ نہیں دیسکتا تو اُس میں اسکا کچھ قصور نہیں مگر کچھ تو کرنا چاہیے۔ کچھ وقت
تو اس کے لیے دینا چاہیے۔

آپ اگر اپنے لیے ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں تو آپ کسی کام میں بھی کامیابی
حاصل نہیں کرسکتے۔ آپ اگر اپنی اولاد کو تعلیم نہ دلائیں۔ اُن پر روپیہ صرف
کرکے مدارس میں اُن کو داخل نہ کرائیں۔ اور گھر بیٹھے یہ فرماتے رہیں کہ میں یہ
چاہتا ہوں کہ میری اولاد تعلیم حاصل کرے۔ یا میں اپنی اولاد کی تعلیم کا مخالف
نہیں ہوں۔ تو کیا آپ کی اس خواہش سے یا اس مخالفت سے باز رہنے
سے آپ کی اولاد تعلیم یافتہ ہوجائے گی۔ یقیناً آپ کی اولاد کبھی تعلیم یافتہ

نہو گی۔ پھر آپ خود ہی قیاس سے فرمایئے کہ اگر قوم کا ہر فرد بشر صرف تعلیم اُناث کے لیے کچھ خواہش رکھنے یا مخالفت سے باز رہنے پر اکتفا کرتا ہو تو اس سے ہم لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کبھی کوئی انتظام کر سکتے ہیں؟ اگر ہر شخص کا یہی خیال ہو کہ ہماری خواہش ہی کہ لڑکیاں تعلیم پائیں اور ہم لڑکیوں کی تعلیم کی مخالف نہیں اور اپنے پاس سے ایک پیسہ بھی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے صرف کرنا نہ چاہیئے تو ایسا شخص تعلیم اُناث کے حق میں کوئی مفید نتیجہ پیدا کرنے میں مدد دیسکتا ہی؟ غالباً اب آپ سمجھ گئے ہونگے کہ ایک خیالی حامی اور اصلی حامی میں کیا فرق ہے۔

حامی تعلیم۔ میں آپ کا مطلب تو سمجھ گیا۔ مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کو لڑکیوں کی تعلیم کے لیے روپیے کی بھی ضرورت ہی۔ ہم تو ہمیشہ یہ سمجھا کیے کہ کچھ روپیہ آپ کو گورنمنٹ نے دیا ہی اور کچھ دیسی ریاستوں سے مل گیا ہی۔ بس یہ رقم کافی ہوگی۔ دو چار استانیاں رکھ کر آپ لڑکیوں کو قرآن شریف اور اُردو اور ابتدائی قاعدے حساب کے پڑھا کر تیار کر دیا کرینگے۔ کوئی بی اے ایم اے، یا انٹرنیس تو آپ کو پاس کرانا ہی نہیں۔ نہ بڑی بڑی معلمائیں رکھنے کی ضرورت۔ پھر روپیے کی آپ کو کیا ضرورت ہی۔ اور غریب قوم کس کس بات کے لیے روپیہ دے۔ لڑکوں کی تعلیم کا بار ہی کیا کم ہی کہ آپ اب لڑکیوں کے لیے بھی روپیہ مانگیں گے۔ میرے نزدیک تو آپ کو قوم سی لڑکیوں کی تعلیم کے لیے روپیہ تو مانگنا ہی نہیں چاہیے۔

اڈیٹر۔ غالباً آپ سمجھ گئے ہونگے کہ آپ سے حمایت تعلیم اُناث کے متعلق سوال کرنے سے میری کیا غرض تھی۔ میری صرف یہ غرض تھی کہ آپ تعلیم اُناث کے سچے ہمدرد نہیں ہیں۔ اور آپ پر ہی کیا منحصر ہی سیکڑوں آدمی اُسوقت

قوم میں اسوقت آپ کے ہمخیال ہیں۔ آپ مخالفت نہیں کرتے اسکے لیے آپ کا شکریہ
مگر آپکے دل میں چونکہ سچی حمایت نہیں ہے اسلیے آپ ایک مغالطے میں پڑے ہیں اور یہ سمجھ رہے
ہیں کہ مخالفت نہ کرنا ہی کافی حمایت ہے۔

حامی تعلیم۔ میں آپکے خیالات سے ہی واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

اڈیٹر۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے خیالات آپ کو کچھ بہت پسند نہ آئینگے۔ مگر چونکہ
آپ میرے خیالات سے واقفیت چاہتے ہیں۔ اسلیے عرض کیے دیتا ہوں۔

میرے نزدیک مرد اور عورت کی تعلیم میں سرمو فرق نہیں ہونا چاہیے۔ جو تعلیم مردوں
کے لیے ہے وہی عورتوں کے لیے بھی ہونی چاہیے اور انشاءاللہ کسی وقت میں ہو کر رہے گی
عورتوں کی تعلیم کا بار اُٹھانا ہر ایک مہذب قوم کے لیے اُسی قدر ضروری ہے جسقدر
مردوں کی تعلیم کا بار اُٹھانا ضروری ہے۔

جبتک کوئی قوم اپنی عورتوں کو مساوات کا درجہ دیکر اپنی ترقی میں اُن سے
امداد حاصل نہ کرے گی وہ کبھی مہذب۔ متمول اور بااخلاق نہیں ہو سکتی۔

ہمارے لیے تو اسلام نے ایک دائرہ قائم کردیا ہے اُس دائرہ سے ہم باہر جانا
نہیں چاہتے۔ مگر اُس دائرہ کے اندر جو جو شخصی اور تمدنی حقوق عورتوں کو حاصل تھے
وہ پھر اُن کو دیدو تو آپ کی دوبارہ سرسبزی و بحالی ایک امر یقینی ہو جائے گا۔

میرے یہ اصولی خیالات ہیں۔ فروعات کی تشریح بہت طول ہے۔ اسکی ضرورت نہیں۔

حامی تعلیم۔ حضرت آپ تو ناممکن اور ممکن کو ملانے کی فکر میں تھے یہ تو کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔

اڈیٹر۔ خیر اب اس گفتگو کو یہیں پر ختم کیجیے۔

مدرسۂ نسواں علیگڈھ یکم ستمبر سے ۳۰ ستمبر تک بند رہیگا۔

ہندوستان میں زنانہ تعلیم کا مسئلہ

سیاسی اور اقتصادی مسائل سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ نیچ ذاتوں کی اصلاح کے واحد مسئلہ کے علاوہ تعلیم نسواں کے برابر اہمیت رکھنے والا اور کوئی سوال نہیں ہے۔ یہ اُن چند اہم مسائل میں سے ایک ہے جنھیں اطمینان بخش طریقہ پر حل کرنے سے قومی تعمیر کی بنا قائم ہوسکتی ہے۔ ہر چند کہ یہ مسئلہ گذشتہ ۱۵ یا ۲۰ سال سے پبلک کے پیش نظر ہے تاہم یہ بات مجبوراً تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اسے عملی طور پر حل کرنے کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اس صورت میں لازم ہے کہ ہم اس پر نہ صرف عقلی بلکہ عملی نکتۂ خیال سے غور کریں اور دیکھیں کہ اسکا بہترین اور مفید ترین حل کیونکر ممکن ہے۔

اس جگہ یہ بیان کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اس مسئلہ کے تاریخی پہلو پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لیے اس موقع پر نہ تو ہم قدیم ہندوستان میں

عورتوں کی ترقی یافتہ تعلیمی حالت یا ان کی بہترین سوشل پوزیشن پر رائے زنی کرینگے اور نہ ہمیں ان بواعث کے تذکرہ سے سروکار ہوگا جو ان کے زوال کا موجب ثابت ہوئے۔ ہمارا بیان تعلیم نسواں کی صرف اس ترقی تک محدود ہوگا جو گزشتہ ۵۰ یا ۶۰ سال کے عرصہ میں عمل میں آئی ہے، اور اس کے علاوہ ہم ان کی موجودہ تعلیمی حالت اور مختلف تعلیمی ذرائع کی کوششوں اور نتائج، راستہ کی مشکلات، اور ان پر غالب آنے کے وسائل، کا ذکر کرینگے۔

عورتوں کی سابقہ تعلیمی حالت

زمانہ ماضی قریب میں یعنی اُسوقت جبکہ ہندوستان میں انگریزی عملداری ابھی مستحکم نہ ہوئی تھی عورتوں کی تعلیم پر بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ کہیں کہیں دیہات میں مقامی مدارس موجود تھے جن میں اکّی دکّی لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی تھیں اور بڑے بڑے گھرانوں میں لڑکیوں کو برائے نام مذہبی تعلیم کے علاوہ گھر کے کاروبار سنبھالنے اور حساب رکھنے کے معمولی طریقے سکھائے جاتے تھے تاہم لڑکیوں کو اسکول میں اس قسم کی باقاعدہ تعلیم دلانے کا خیال جو ان کی تربیت کا ایک ضروری جزو سمجھی جائے بہت ہی تھوڑے عرصہ سے پیدا ہوا ہے۔

تعلیم نسواں کے سب سے اوّل حامی مسیحی مشنری تھے جنھوں نے ۱۸۲۰ء میں اس میدان میں قدم رکھا اور سب سے پہلے مسیحی اور بعد میں ہندو لڑکیوں کے لیے مدارس قائم کیے۔ اس کے بعد گورنمنٹ نے اس طرف توجہ کی اور سرکاری پالیسی کا اعلان اول مرتبہ ۱۸۵۴ء کی مشہور مراسلت میں ہوا جس پر ہندوستان کے سارے موجودہ تعلیمی سسٹم کی بنا قائم ہے۔ کچھ عرصہ سے ان کوششوں میں بعض ترقی یافتہ ریاستوں فیاض سوسائٹیوں، اور محب وطن لوگوں نے بھی ہاتھ بٹایا ہے۔ ۱۸۸۳ء کی تعلیمی

کمیشن کی رپورٹ مظہر ہے کہ

احاطہ مدراس میں تعلیم نسواں کی کوشش نے ان معنوں میں جو زمانہ موجودہ کے نکتۂ خیال سے صحیح تصور کیے جاتے ہیں ابتدا میں یہ صورت اختیار کی کہ چرچ مشنری سوسائٹی نے تناولی میں اس قسم کے بورڈنگ اسکول قائم کیے جہاں صرف مسیحی لڑکیاں تعلیم حاصل کر سکتی تھیں۔ اس کے بعد ۱۸۴۱ء میں سکاٹش چرچ کے مشنریوں نے مدراس کی ہندو لڑکیوں کی تعلیم کا فرض اپنے ذمہ لیا۔ چنانچہ جب ۱۸۵۴ء کی مراسلت کا نفاذ ہوا تو احاطہ مدراس اور نواحی علاقوں میں کم و بیش ۸۰۰۰ ہزار لڑکیاں مشنری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ احاطہ بمبئی میں بھی اس تحریک کے بانی مشنری ہی تھے۔ چنانچہ ۱۸۲۳ء سے لیکر ۱۸۵۴ء تک بمبئی میں تعلیم نسواں کلی طور پر مسیحی مشنوں ہی کے ہاتھ میں رہی۔ آخر الذکر سال میں ہندوستانی اس میدان میں قدم رکھنے لگے۔ اس زمانہ میں طلبا کی لٹریری و سائنٹیفک سوسائٹی نے چند زنانہ اسکول قائم کیے، جو انقلابات زمانہ میں سے گزرتے ہوئے بھی تعلیم نسواں کے معاملہ میں بہت کچھ خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء کی سرکاری مراسلت کے موقع پر بمبئی میں ۶۵ زنانہ اسکول تھے جن میں ۳۵۰۰ لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

آگے چلکر کمشنروں نے لکھا ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ شمالی و جنوبی ہند میں زنانہ تعلیم کے معاملہ میں ابتدا کرنے والی مشنری سوسائٹیاں ہی رہی ہیں اور بحالت موجودہ بھی اس بارے میں انہیں سب سے اہم درجہ حاصل ہے۔ ۱۸۵۴ء کی مراسلت کے موقعہ پر ممالک مغربی شمالی و اودھ میں مشنریوں کے قائم کردہ ۱۷ زنانہ اسکول تھے جن میں ۳۸۶ لڑکیاں تھیں۔

احاطہ بنگال میں گورنمنٹ نے مشنریوں کو ان کے کام میں بہت کچھ مدد دی۔ چنانچہ ۱۸۵۴ء میں وہاں ۲۸۸ زنانہ اسکول تھے جن میں ۶۸۶۹ لڑکیاں تھیں، بحالیکہ

عورتوں کی ... اس کام کی ابھی ابتدا ہی ہوئی تھی۔ اور نہ ہم...

اس وقت تک ہر چند کہ بعض افسر انفرادی طور پر تعلیم نسواں کے لیے خاصی کوشش کرتے رہے تھے۔ تاہم گورنمنٹ نے اس معاملہ پر سنجیدہ طور سے توجہ نہ دی تھی۔ تعلیم نسواں کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی کا اظہار واضح طور پر اول مرتبہ ۱۸۵۴ء کی مراسلت میں ہوا جس میں اس کے متعلق ذیل کے الفاظ درج تھے۔

ہندوستان میں تعلیم نسواں کی اہمیت کو جہاں تک تسلیم کیا جائے کم ہے اور اس بارے میں جو کوششیں ہو رہی ہیں ہمیں ان سے پوری دلچسپی ہے۔ نواب گورنر جنرل نے باجلاس کونسل گورنمنٹ بنگال کے نام اپنی ایک مراسلت میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ گورنمنٹ کو ہندوستان میں تعلیم نسواں کے معاملہ میں پوری امداد اور ہمدردی سے کام لینا چاہیے۔ ہم اس سے تہ دل سے متفق ہیں

لیکن جیسا کہ ذیل کے اعداد سے معلوم ہوگا باوجودیکہ گورنمنٹ نے اپنے منشا کو اس قسم کے واضح اور حوصلہ افزا الفاظ میں ظاہر کر دیا، ہندوستان میں تعلیم نسواں نے کوئی نمایاں ترقی نہ کی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کی بہت بڑی وجہ لوگوں کی عدم توجہی تھی۔ پردہ سسٹم اور صغر سنی کی شادی کے رواجات انہیں کچھ نہ کرنے دیتے تھے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حکام نے اس طرف ویسی توجہ جیسی چاہیے تھی نہ دی۔

ذیل کے اعداد اس نوٹ سے لیے جاتے ہیں جو مسٹر ہاول نے ۱۸۶۲-۷۰ء میں ہندوستان کی تعلیمی حالت پر لکھا تھا۔

صوبہ	اسکول	طالبات	صوبہ	اسکول	طالبات
بنگال	۲۷۸	۵۵۱۰	مدراس	۷۵	۳۱۰۹
بمبئی	۹۰	۴۰۳۰	صوبجات متحدہ	۵۹۵	۱۲۰۰۲

صوبہ	اسکول	طالبات	صوبہ	اسکول	طالبات
پنجاب	۹۵۰	۱۰۵۳۵	صوبجات متوسط	۱۳۲	۳۶۶۲
				۲۱۲۰	۳۸۸۴۸

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان میں سے اکثر اسکول لوور پرائمری درجہ کے تھے۔

رپورٹ مظہر ہے۔

بہ ہیئت مجموعی معلوم ہوتا ہے کہ سال زیر رپورٹ تک تعلیم نسواں کے متعلق گورنمنٹ کی وہ امداد اور ہمدردی جس کا وعدہ ۱۸۵۴ء میں کیا گیا تھا عملاً کام میں نہ لائی گئی تھی۔ لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ سنہ رواں میں اس سمت میں بہت کچھ اصلاح و ترقی ہوئی ہے۔ اگر ان نتائج پر غور کیا جائے جو کسی دوسری جگہ درج کیے گئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کی راہ میں جو خاص مشکلات حائل ہیں وہ تربیت یافتہ قابل استانیوں کا نہ ملنا اور کافی طور پر معائنہ نہ ہونا ہیں۔ فی الحقیقت اُن صوبجات میں بہت بڑی ترقی حاصل ہوئی ہے جہاں حکام ضلع و افسران تعلیم نے اس تحریک میں ذاتی طور پر دلچسپی لی ہے یہ بات موجب ابتہاج و امتنان تصور کی جا سکتی ہے کہ چند سال کے عرصہ میں ایک ایسے معاملہ میں جو مختلف مجلسی تعصبات سے محصور تھا کسی نہ کسی قدر کامیابی حاصل ہو سکی ہے۔

یورپین اور ہندوستانی طالبات کا تناسب

اب ہم اس مسئلہ کے دوسرے مرحلہ میں پہونچتے ہیں جبکہ ۱۸۸۲ء کی تعلیمی کمیشن انعقاد پذیر تھی اس زمانہ کے اعداد و شمار حسب ذیل ہیں۔

صوبہ	اسکول	طالبات	صوبہ	اسکول	طالبات
مدراس	۵۵۷	۳۵۰۴۲	صوبجات متحدہ	۳۰۸	۸۸۸۳
بمبئی	۳۴۳	۲۶۷۲۲	پنجاب	۳۱۱	۹۳۵۳
بنگال	۱۰۱۵	۴۱۳۴۹	صوبجات متوسط	۷۹	۳۲۲۵
				۲۶۱۳	۱۲۴۶۱۸

ان اعداد کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہی کہ گو احاطہ مدراس و بمبئی میں نمایاں ترقی ہوئی تاہم صوبجات متحدہ و پنجاب میں بہت کچھ کمی واقع ہوگئی تھی۔

ان اعداد میں آسام اور کورگ وغیرہ علاقوں کو بھی شامل کیا جائے تو میزان علی الترتیب ۲۶۹۷ و ۶۶۰۷ ۱۲ بنتی ہی، جس سے اندازہ ہوتا ہی کہ اسکول جانے کے قابل عمر کی لڑکیوں میں سے بلحاظ آبادی صرف ۵ ۸۔ فیصدی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔

تعلیم نسواں کی یہ حالت ۱۸۶۶ء اور ۱۸۸۲ء میں تھی۔ اب ۴۰ سال کا عرصہ گزرنے پر اس کی حالت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہی کہ اس میں بہت کچھ ترقی عمل میں آچکی ہی۔ اسکولوں کی تعداد سیکڑوں سے ہزاروں اور طالبات کی ہزاروں سے لاکھوں تک پہنچ چکی ہی۔ پرانے تعصبات بہت کچھ دور ہو چکے ہیں۔ تعلیم یافتہ جماعتیں بہ ہیئت مجموعی اگر عملی طور پر نہیں تو کم از کم قیاسی طور پر تعلیم نسواں کی اہمیت کو تسلیم کرنے لگ گئی ہیں اور عام رائے بہت کچھ اس مسئلہ کے حق میں نظر آتی ہی۔ تعلیم نسواں کے میدان میں بہت سے نئے کام کرنیوالے پیدا ہو چکے ہیں اور بعض ترقی یافتہ ریاستوں مثلاً بڑودہ، میسور، ٹرانکور، میں اور بعض مذہبی و مجلسی سوسائٹیوں مثلاً آریہ سماج، برہمو سماج، اور سیوا سدن کی طرف سے اس بارے میں جو کوششیں عمل میں آ رہی ہیں وہ قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کو مدنظر رکھ کر جب ہم اُس ترقی پر جو گزشتہ ۴۵ سال کے عرصہ میں ہوئی ہی غور کرتے ہیں تو وہ چنداں طمانیت بخش نظر نہیں آتی۔ ملک کے اندر اعلیٰ تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہی۔ اوسط طبقہ کی عورتیں جو تعلیم یافتہ گنی جاتی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ صرف اس قابل ہوتی ہیں کہ تھوڑا بہت لکھ پڑھ سکیں۔ اور یہ تو ظاہر ہی کہ بحالات موجودہ جاہل عورتوں کی تعداد بہت ہی زیادہ ہے۔

حساب لگایا گیا ہے کہ ہندوستانی عورتوں میں ۷ فی ہزار لکھ پڑھ سکتی ہیں فیصدی سے کم تعلیم یافتہ کہلا سکتی ہیں۔ برٹش انڈیا میں جو لڑکیاں یا عورتیں زیر تعلیم ہیں ان میں سے ۶۰ فیصدی سے کم ایسے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتی ہیں جو صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہیں اور ۴۰ فیصدی سے زیادہ مشترکہ اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔ عرصہ پنج سالہ ۱۹۰۲ تا ۱۹۰۷ء میں ہندوستان کے اندر ایسی طالبات کی تعداد ۶۴۵۰۲۸ تھی اور اس کے بعد اس تعداد میں اور بھی بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہے چنانچہ گزشتہ پنج سالہ عرصہ میں اس تعداد میں ۶۰۰۵۵۰ طالبات کا اضافہ ہوا ہے۔

بحالت موجودہ برٹش انڈیا کے مختلف صوبجات میں اسکول جانے کی عمر کی لڑکیوں کی تعداد کے مقابلہ میں طالبات کا تناسب حسب ذیل ہے۔

صوبجات	اسکول جانے کی عمر کی لڑکیوں کی تعداد کے مقابلہ میں طالبات کا تناسب
برہما	۸٫۱۴
بمبئی	۵٫۹
مدراس	۵٫۷
مشرقی بنگال و آسام	۳٫۵
بنگال	۳٫۲
پنجاب	۲٫۶
صوبجات متوسط و برار	۱٫۹
صوبجات متحدہ	۱٫۲

ہندوستان کے لئے مجموعی ۳٫۵ کا تناسب ہے

ذیل میں ان لڑکیوں کی تعداد درج ہے جو برٹش انڈیا میں یورپین اسکولوں کے

ان ا؟

ہوئی تا ۔ یہ تعلیم ہیں۔

مدراس	۱۶۱۰۹۷
بمبئی	۱۰۶۷۶۸
بنگال	۱۲۴۱۸۱
مشرقی بنگال و آسام	۷۹۱۴۳
برہما	۶۱۳۵۱
صوبجات متحدہ	۲۰۲۵۷
پنجاب	۳۵۹۸۶
صوبجات متوسط و برار	۱۹۰۰۳

اعلیٰ درجہ کی نسوانی تعلیم کا اندازہ کرنے میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہی کہ اگر یورپین، یوریشین، مسیحی، اور پارسی، لڑکیوں کی تعداد کو مجموعہ میں سے تفریق کردیا جائے تو باقی ماندہ عداد بالکل بے حقیقت رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اندازہ کیا گیا ہی کہ آرٹ کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے والی ۲۰۱ طالبات میں سے ۴۸ یورپین اور یوریشین ہوتی ہیں ۴۲ مسیحی اور ۳۲ پارسی۔ ایسے ہی میڈیکل ڈگری کے امتحانات کی تیاری کرنے والی لڑکیوں میں ۷۶ میں سے ۷۰ اور چھوٹے درجہ کے ڈاکٹری امتحانات میں داخل ہونے والی لڑکیوں میں ۱۶۸ میں سے ۱۴۱ ان اقوام ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب ہم سیکنڈری تعلیم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہی کہ ہندوستانی لڑکیوں کے لیے اسقدر ہائی اسکول نہیں ہیں جتنے یورپین لڑکیوں کے لیے ہیں اور یہ بیان مشرقی بنگال و آسام کے علاوہ ہر صوبہ پر صادق آتا ہی انگریزی سیکنڈری مدارس میں کل ۴۲۹۴۹ طالبات تعلیم حاصل کرتی ہیں جن میں سے ۱۱۵۰۲ یورپین اور یہ ۷۲۵۰ مسیحی ہیں البتہ پرائمری یا ورنیکولر تعلیم میں ہندی لڑکیوں کی تعداد زیادہ نظر آتی

ورنیکولر اسکولوں کی اونچی جماعتوں میں بودھ مذہب کی لڑکیوں کی تعداد زیادہ
چنانچہ مڈل ورنیکولر اسکولوں میں ۲۲۴۶ بودھ اور ۱۳۷۴ برہمنی مذہب کی لڑکیاں
ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہی کہ برہما میں تعلیم نسواں نسبتاً زیادہ پھیلی ہوئی ہی اور
وہاں لڑکیاں زیادہ عمر تک تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ مڈل ورنیکولر سے نچلے درجہ کے
پرائمری اسکولوں میں بودھ لڑکیوں کی تعداد کم، مسلمان لڑکیوں کی اس سے زیادہ
اور ہندو لڑکیوں کی سب سے زیادہ ہی۔ لیکن ان میں بھی زیادہ تر غیر برہمنی اقوام کی
لڑکیاں ہیں۔

جب ہم لڑکیوں کی سکنڈری اور پرائمری تعلیم کی طرف توجہ دیتے ہیں تو معلوم ہوتا
ہی کہ باستثنائے یورپین اسکولوں کے سارے ہندوستان میں صرف ۱۲۰۸ لڑکیاں
ایسی ہیں جو ۵۶۰۲۶۱ زیر تعلیم لڑکیوں میں سے سکنڈری اسکولوں کے اونچے درجہ
میں تعلیم پاتی ہیں اور ان میں سے بھی ۵۶۳ احاطہ بمبئی کی ہیں۔ انگریزی کے درجہ
مڈل میں ۲۳۴۸ اور ورنیکولر کے درجہ مڈل میں ۳۰۳۹ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں جنکا
مجموعہ ۸۵۹۹ بنتا ہی۔ ہر چند کہ یہ تعداد بہت کم ہی اور اسی درجہ میں تعلیم حاصل
کرنے والے لڑکوں کی تعداد کا تیرھواں حصہ ہی تاہم اب سے پانچ سال اس طرف
جو تعداد تھی اُس میں بقدر ۴۸ فیصدی اضافہ ہو چکا ہی۔ پرائمری اسکولوں میں لڑکوں
اور لڑکیوں دونوں کی تعداد یکساں یعنی ۵۴۰۰۹۱ ہی بحالیکہ سنہ ۱۹۰۲ء میں ۳۴۸۵۱۰
تھی۔ اس سے ۱۹۵۸۱ کا اضافہ ثابت ہوتا ہی۔ تعلیم نسواں کے اخراجات
کی تفصیل حسب ذیل ہی۔

سنہ ۱۸۸۱-۲ء	۸۴۷۰۰۰ روپیہ
سنہ ۱۸۹۰ء	۲۶۹۰۰۰۰ روپیہ
سنہ ۱۹۰۷-۸ء	۴۴۳۴۰۰۰ روپیہ

ان [..] لڑکیوں کے پبلک انسٹی ٹیوشنوں کا ہی اس کے علاوہ مشنری لیڈیوں کے
ہوتی تا [..] پر تعلیم دینے اور زنانہ کلاسیں جاری کرنے سے بھی تعلیم نسواں کو بہت کچھ
مدد پہنچی ہی۔ ہر چند کہ اس بارے میں سارے ہندوستان کے اعداد و شمار معلوم
نہیں ہو سکتے تاہم اندازاً معلوم ہوتا ہی کہ پنجاب اور بنگال میں اس سسٹم نے بالخصوص
ترقی حاصل کی ہی۔ فی الحقیقت تعلیم نسواں کی راہ میں صرف دو مشکلات حائل ہیں یعنی
صغر سنی کی شادی اور پردہ سسٹم۔ اگر انہیں دور کیا جا سکے تو تعلیم بہت تیزی سے
ترقی کر سکتی ہی۔ اسی وجہ سے خانگی تعلیم اور زنانہ کلاسیں زیادہ مقبول ہوتی جا رہی
ہیں لیکن اس میں بھی ایک خاص مشکل یہ نظر آ رہی ہی کہ نہ صرف تربیت یافتہ اُستانیاں
کم ملتی ہیں بلکہ کم تعلیم یافتہ اور غیر تربیت یافتہ اُستانیاں بھی بمشکل ہاتھ آتی ہیں۔
ذیل کے اعداد سے جو گزشتہ ماہ مارچ میں شائع کیے گئے تھے معلوم ہوتا ہی کہ
ہندوستان میں تعلیم نسواں کس قدر ترقی حاصل کرتی جا رہی ہی۔

	سنہ ۱۹۰۷ء	سنہ ۱۹۱۱ء
آرٹ کالج	۸	۸
ہائی اسکول	۱۱۲	۱۳۰
پرائمری اسکول	۹۹۸۳	۱۲۰۰۲

طالبات کی مجموعی تعداد ۵۶۱۴۳۹ سے بڑھ کر ۷۹۳۶۴۶ پر پہنچ گئی! اسکول
جانے والی عمر کی لڑکیوں کے مقابلہ میں طالبات کا تناسب فیصدی ۳،۲ سے بڑھ کر
۲،۴ تک پہنچ گیا۔

ہندوستان میں تعلیم نسواں کی موجودہ حالت کا مختصر بیان ہی۔ ہر چند کہ وہ کام
جو ہمارے پیش نظر ہی بہت وسیع اور مشکل ہی تاہم یہ دیکھنا اطمینان بخش ہی کہ اس باب
میں جو ترقی عمل میں آ رہی ہی وہ گو سست اور تدریجی ہی مگر حقیقی اور پائدار بھی ہے

جس سے عنقریب نمایاں ترقی کے نتائج ظہور میں آنے کی توقع کی جائے۔

زنانہ تعلیم کی مشکلات

اُن بواعث پر بحث کرنے سے پیشتر جو اس ملک میں تعلیم نسواں کی راہ میں حائل ہیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند الفاظ میں ان مختلف ایجنسیوں کا ذکر کر دیا جائے جو آجکل اس بارے میں کوشاں ہیں کہ ان مشکلات کو دور کیا جا سکے اور جن کی انتھک محنت اور کوشش سے وہ ترقی جو ہم آجکل دیکھ رہے ہیں عمل میں آئی ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کام میں سب سے بڑی کوشش گورنمنٹ اور مشنریوں کی طرف سے عمل میں آئی ہے۔ لیکن کچھ عرصہ سے بعض ترقی یافتہ ریاستوں میں بھی تعلیم نسواں کے مسئلہ پر توجہ دی جانے لگی ہے جن میں خاص طور پر قابل ذکر ریاستہائے بڑودہ و تراونکور ہیں۔

افسوس ہے کہ مختلف ریاستوں کے متعلق صحیح اعداد و شمار حاصل نہیں ہو سکتے اور اس لیے ہم اس کے متعلق یقینی طور پر صرف اسی قدر بیان کر سکتے ہیں کہ تعلیم یافتہ مستورات کی تعداد فیصدی آبادی کے اعتبار سے ریاست تراونکور سب پر فوقیت رکھتی ہے اور بڑودہ کی ترقی یافتہ ریاست کا نتیجہ بھی کچھ کم شاندار نہیں۔ ریاست بڑودہ میں ایک زنانہ ٹریننگ کالج، ایک زنانہ ہائی اسکول، اور صدر مقام و مفصلات میں متعدد مدارس ہیں۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کی بہت بڑی تعداد دیہاتی اسکولوں اور مشترکہ اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتی ہے۔

۱۹۰۳ء میں اسکول جانے والی عمر کی لڑکیوں میں سے ۰ فیصدی سے زیادہ تعلیم حاصل کرتی تھیں اور یہ تعداد برہما کی تعداد سے ملتی جلتی ہے جو تعلیم نسواں کے اعتبار سے برٹش انڈیا کا سب سے ترقی یافتہ صوبہ ہے۔ گزشتہ ۲ سال کے عرصہ میں بڑودہ کے اندر تعلیم نسواں نے خاص ترقی حاصل کی ہے۔ ۱۹۰۶ء میں بڑودہ

ان ؟؟ تم ۴ لڑکیاں اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتی تھیں جو صوبجات متحدہ و پنجاب ہوئی تا ۔ بات کے مجموعہ سے زیادہ ہی تھا لیکن ان دونوں صوبوں میں سے ہر ایک کی آبادی اور رقبہ ریاست بڑودہ سے بہت بڑھا ہوا ہی۔

جب ہم اشاعت تعلیم نسواں کی دیگر ایجنسیوں پر غور کرتے ہیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہی کہ مسیحی مشنریوں کو چھوڑکر باقی تمام مذہبی اور فلاح عامّہ کی کوشش کرنے والی جماعتوں میں سے اور کسی نے زنانہ تعلیم کی اشاعت میں اس قدر کوشش نہیں کی جسقدر آریہ سماج نے (بالخصوص شمالی ہند میں) کی ہی۔ اس کی طرف سے صوبجات متحدہ پنجاب کے قریب قریب تمام بڑے بڑے شہروں میں زنانہ اسکول قائم ہیں در جالندھر اور دیرہ دون میں جو کنیا مہا ودیالہ قائم ہیں وہ موڈل اسکولوں کا درجہ رکھتے ہیں اور لوگوں کو ان کے انتظام پر ہر طرح اطمینان ہی۔ آریہ سماج کے علاوہ ہر ملک کے دیگر حصص میں مختلف سوسائٹیاں مثلاً برہمو سماج، تھیاسوفیکل سوسائٹی، سیوا سدن اور سنگھ سبھائیں، اس بارے میں پوری خدمت سر انجام دے رہی ہیں۔ شہر فیروزپور میں جو سکھ کنیا مہا ودیالہ ہی وہ خالصہ جماعت کی ان تھک کوششوں کا بہترین نمونہ اور اس امر کی بیّن مثال ہی کہ بے غرضانہ خدمت کسی اوسط درجہ کے شخص کی طرف سے بھی ہو تو اپنا پھل لائے بغیر نہیں رہتی۔ ہم امید کرسکتے ہیں کہ اس قسم کے کامیاب انسٹی ٹیوشن زمانہ مستقبل کی نسلوں کو کمر ہمت باندھ کر حصول مدعا میں محو ہونے کے لیے آمادہ کرنے کا موجب ثابت ہونگے۔

اس جگہ تک ہم نے تعلیم نسواں کے مختلف مدارج کی ترقی بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہی کہ ان مشکلات اور رکاوٹوں کا کسی قدر ذکر کر دیا جائے جو ان لوگوں کی راہ میں حائل رہی ہیں جو گزشتہ پچاس سال کے عرصہ میں تعلیم نسواں کی تحریک کو قائم رکھتے چلے آئے ہیں۔ ان اسباب کی بہترین شناخت اور

تشریح انڈین ایجوکیشن کمیشن ۱۸۸۳ء کی رپورٹ میں درج ہی جس کے چند فقرا ذیل میں کیا جاتا ہی۔

ہندوستان میں تعلیم نسواں کی راہ میں بعض خاص مشکلات حائل ہیں یہ مشکلات کچھ تو اس وجہ سے ہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے لڑکوں کی تعلیم کے مسئلہ پر توجہ دینے کے ایک مدت بعد اس معاملہ پر توجہ دی۔ لیکن سب سے بڑی دقت جو اس بارے میں پیش آتی ہی وہ طاقت بالادست کے کسی قسم کی کارروائی کرنے یا نہ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ خود لوگوں کے رواجات سے تعلق رکھتی ہی۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہی کہ آبادی کے زنانہ حصہ میں اس امر کی خواہش مطلق نہیں پائی جاتی کہ حصول تعلیم کو ذریعہ معاش بنایا جائے۔ دوسری بات یہ ہی کہ ہندوستان میں صغر سنی کی شادی کا رواج ہی اور خوشحال طبقہ کی عورتیں اپنی شادی شدہ زندگی حد درجہ کے پردہ میں بسر کرتی ہیں۔ یہ باتیں اس قسم کی ہیں جن سے تعلیم نسواں کے حامیوں کو ہر قدم پر دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہی۔ تیسری بات یہ بھی ہی کہ لڑکوں کے اسکولوں کی نسبت لڑکیوں کے مدارس کے لیے اُستانیاں کم تعداد میں اور کمتر قابلیت رکھنے والی ملتی ہیں۔ آخری دقت یہ ہی کہ تعلیمی سسٹم زیادہ تر مردوں ہی کے ہاتھ میں ہی۔ اور گو تھوڑی بہت تربیت یافتہ اُستانیاں اب بتدریج تیار ہو رہی ہیں تاہم تعلیم کی سمت قائم کرنے اور معائنہ کا کام ابھی تک مردوں ہی کے ہاتھ میں ہی اور جو ٹکسٹ بکیں تیار ہوتی ہیں ان میں بھی بہت بڑی حد تک لڑکیوں کے بجاے لڑکوں کی تعلیم ہی کا خیال رکھا جاتا ہی۔

ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ممبران کمیشن نے امور ذیل کی سفارش کی تھی۔

(۱) تعلیم نسواں کا خرچ تمام مقامی میونسپل اور پراونشل فنڈوں کا جزو ضروری

سمجھا جائے اور اس پر خاص توجہ دیجائے۔

(۲) لڑکیوں کے اسکولوں کے واسطے ٹکسٹ بکیں تیار کرنے میں حد درجہ کی چھان بین
سے کام لیا جائے اور لوگوں کو اس قسم کی کتابوں کی تیاری پر آمادہ کیا جائے۔

(۳) لڑکیوں کے وظائف کے لیے خاص انتظام کیا جائے اور یہ وظائف
بعد امتحان دیئے جائیں نیز اس خیال کو مدنظر رکھ کر کہ لڑکیاں زیادہ عمر تک اسکولوں
میں رہیں ان وظائف کا معتد بہ حصہ ان لڑکیوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے جو ۱۲
سال کی عمر کے بعد اسکول میں رہیں۔

(۴) اس قسم کے قواعد مرتب کیے جائیں جن کی رو سے تمام زنانہ مدارس میں
بتدریج اُستادوں کی جگہ اُستانیوں کو دی جائے۔

(۵) لوکل گورنمنٹوں کی توجہ زنانہ نارمل اسکولوں یا جماعتوں کے قیام پر منعطف
کرائی جائے۔ جن مدارس کا انتظام پرائیویٹ ہے ان کو خاطرخواہ مدد کی جائے
اور اس امداد کا کچھ حصہ اُن انعامات کی صورت اختیار کرے جو امتحان سرٹیفکٹ پاس
کرنے والی لڑکیوں کو دیئے جایا کریں۔

(۶) اس قوم کے دیسی شرفا کو جو تعلیم نسواں سے دلچسپی رکھتے ہیں زنانہ اسکولوں
کی منتظم کمیٹیوں میں داخل کرنے کی کوشش کی جائے اور یورپین و ہندوستانی
خواتین کو اس قسم کی کمیٹیوں کی امداد پر راغب کیا جائے۔

سطور بالا میں کمشنروں کی تبائی ہوئی تعلیم نسواں کی جو مشکلات بیان کی گئی ہیں وہ
اب بھی ویسے ہی صادق آتی ہیں جیسے ۱۸۸۲ء میں تھیں۔ فرق صرف اتنا ہی کہ معاملہ پہلے
کی نسبت اب کسی قدر رو باصلاح ہے۔

چونکہ اس مسئلہ کو عملی طور پر حل کرنے کا وقت اب قریب آگیا ہے اس لیے یہ ضروری
معلوم ہوتا ہے کہ اُن تجاویز پر جو کمشنروں نے سطور بالا میں پیش کی ہیں اور بھی زیادہ

توجہ دی جائے۔

صیغہ پبلک انسٹرکشن کے مختلف ڈائرکٹروں کی تازہ رپورٹوں سے بھی انہیں مشکلات کا وجود ثابت ہوتا ہے جو اوپر بیان کی گئی ہیں چنانچہ مذکور ہے۔

تعلیم نسواں کے انتظام میں خاص مشکلات یہ ہیں کہ نہ تو والدین کو اس بات پر راغب کیا جا سکتا ہے کہ وہ لڑکیوں کو اسکولوں میں بھیجیں اور نہ اچھی تربیت یافتہ استانیاں ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور مشکلات بھی ہیں لیکن وہ سب اسی ضمن میں آجاتی ہیں۔ تعلیم نسواں کی کمیٹیوں کی رپورٹیں زیادہ تر اس اجمال کی تفصیل سے پُر ہوتی ہیں اور انہی مشکلات کو مد نظر رکھ کر مختلف انتظامی تبدیلیاں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ اگر لڑکیوں کو لڑکوں کے مدارس میں داخل ہونے پر آمادہ کیا جا سکے تو غنیمت ہے۔ لیکن اگر وہ جداگانہ زنانہ اسکولوں کو ترجیح دیں تو جداگانہ مدارس کھولے جاتے ہیں۔ پردہ سسٹم کو قائم رکھا جاتا ہے۔ لڑکیوں کو ان کے گھروں سے گاڑیوں میں بٹھا کر لایا جاتا ہے۔ زنانہ انسپکٹر مقرر کی جاتی ہیں اور فیس معاف کر کے انعامات دیئے جاتے ہیں۔ وہ باتیں جو لڑکیوں کو اسکول آنے اور وہاں رہنے پر راغب کرنے کی مشکل کو حل کر سکتی ہیں وہی استانیوں کی بہم رسانی کی مشکلات کو دور کرینگی۔ لیکن اس اثنا میں استانیوں کو حاصل کرنے کی کوشش جہ تک ممکن ہوتا ہے قائم رکھی جاتی ہے۔ فی الحقیقت بحالت موجودہ تعلیم نسواں کی ترقی کا دارومدار طالبات اور استانیاں حاصل کرنے کی مشکلات رفع کرنے کے طریقوں پر ہے۔

تعلیم نسواں کی حالت ممالک غیر میں

سطور بالا میں مختصر طور پر ہندوستان کی مستورات کی تعلیمی حالت بیان کی گئی ہے اس جگہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند لفظوں میں بعض غیر ممالک کی زنانہ تعلیم کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ اس مطلب کے لیے صرف دو ترقی یافتہ ممالک کا ذکر کافی معلوم ہوتا ہے جو

حسب ذیل ہے۔

(۱) فرانس (۲) جرمنی (۳) اضلاع متحدہ امریکہ (۴) انگلستان (۵) جاپان

(۱) فرانس میں تعلیم نسواں کی حالت

۱۸۸۲ء میں ملک فرانس میں ۶ اور ۱۳ سال کے درمیان عمر کے تمام بچوں کے لیے ابتدائی تعلیم مفت اور لازم قرار دی گئی تھی۔ تازہ ترین اعداد و شمار ۱۹۰۶ء کے متعلق دستیاب ہو سکتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال ۳۳۲۸۲ زنانہ مدارس میں ۲۷۷۶۷۰۲ لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ کثیر التعداد لڑکیاں (جن کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکی) لڑکوں اور لڑکیوں کے مشترکہ اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانس میں تعلیم نسواں کے دونوں طریقے مروج ہیں، یعنی جداگانہ بھی اور مشترکہ بھی۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ گو پبلک اسکولوں کی تعداد بہت زیادہ ہے تاہم لڑکیوں کی مجموعی تعداد میں سے ½ پرائیویٹ اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ زنانہ سکنڈری اسکولوں اور اعلیٰ تعلیم کے متعلق مذکور ہے۔

جمہوری سلطنت (فرانس) کی اہم ترین کامیابیوں میں قابل ذکر امر لڑکیوں کے لیے پبلک سکنڈری اسکولوں کا قیام اور ان کی ترقی ہے۔ دسمبر ۱۸۸۰ء میں جب یہ قانون پاس کیا گیا تو حسب معمول اس کی بہت کچھ مخالفت ہوئی کیونکہ اس سے لوگوں کے دیرینہ رواجات اور مجلسی طریقوں کی خلاف ورزی ہوتی تھی۔ ۱۸۸۱ء میں اس قانون کے پاس ہوتے ہی لائی سی اور کالج قائم کیے گئے ۱۸۸۶ء میں ۱۴ لائی سی اور ۱۷ کالج تھے جن میں طالبات کی تعداد علی الترتیب ۲۲۴۳ اور ۲۷۳۴ تھی۔ تازہ ترین سرکاری اعداد نومبر ۱۹۰۸ء کے شائع شدہ ہیں جبکہ لڑکیوں کے لیے ۴۷ لائی سی اور ۶۱ کالج تھے جن میں علی الترتیب ۱۷۴۵۲

اور ۲۴۱۰۲ یا مجموعی طور پر ۲۷۹۷۶ طالبات تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ سرکاری یونیورسٹیوں میں طالبات کی تعداد ۳۶۰۹ تھی جن میں سے ۱۶۴۳ غیر ممالک کی رہنے والی تھیں۔

(۲) جرمنی میں تعلیم نسواں کی حالت

جرمنی میں بھی ۶ اور ۱۴ سال کی عمر میں تعلیم مفت اور لازمی ہے۔ درجہ پرائمری میں تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کی تعداد صحیح ہر چند کہ معلوم نہیں ہو سکی تاہم اس میں شک نہیں کہ وہ بہت بڑی ہے۔ فرانس کی طرح جرمنی میں بھی جدا گانہ اور مشترکہ دونوں طریقوں پر لڑکیوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ تاہم ایک معاملہ میں دونوں ملکوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ ناقابل تشریح ہے۔

ہر چند کہ جرمن پریس میں مشترکہ تعلیم کی حمایت کا رجحان بڑھتا جاتا ہے اور سکنڈری اسکولوں اور ہائر انسٹی ٹیوشنوں میں طالبات کو داخل کر لیا جاتا ہے تاہم لوئر اسکولوں میں اسکا رواج کم ہوتا جا رہا ہے۔ مشترکہ تعلیم کی جماعتیں زیادہ تر چھوٹے شہروں میں جہاں گریڈ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے یا دیہاتی علاقوں میں جہاں بغیر گریڈ کے اسکول ہوتے ہیں، پائی جاتی ہیں۔

جب ہم سکنڈری تعلیم پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی جرمنی دیگر قابل ذکر یورپین ملکوں سے اختلاف رکھتا ہے۔ اس ملک میں زنانہ تعلیم کا معیار انگلستان سے بالکل مختلف ہے۔ یہاں لڑکیوں کی سکنڈری تعلیم کا انتظام سرکار کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے صرف ایک ہی قسم کے اسکول جائز تسلیم کیے جاتے ہیں۔ جو اس قسم سے مختلف ہوں انہیں گورنمنٹ تسلیم نہیں کرتی۔ ایسے اسکولوں سے بہت سی پابندیاں اور رکاوٹیں عائد کی جاتی ہیں جن سے ان کی ترقی بہت کچھ رکتی ہے۔ فی الحقیقت جرمنی میں عورتوں کی تعلیم کو وسیع پیمانہ پر نہ تو چلایا جاتا ہے اور نہ چلانا مناسب سمجھا جاتا ہے

البتہ اگر آزادانہ طور پر اس قسم کی کوئی کوشش عمل میں آئے تو گورنمنٹ اس کی متحمل ہوتی ہے۔ بہت بڑی توجہ اس بات پر دی جاتی ہے کہ کثیر التعداد عورتوں کو ایک خاص قسم کی محدود تعلیم دی جائے۔ ایک محدود حلقہ کو اعلیٰ ترین تعلیم و تربیت دینا مقصود نہیں، وائز ولٹ کا یہ قول ہے کہ

> سب سے بڑی ضرورت اس بات کی نہیں کہ عورتوں کے لیے یونیورسٹیاں قائم کی جائیں، نہ اس بات کی کہ عورتیں زمانۂ موجودہ کی علمی کوششوں میں شریک ہوں، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کثیر التعداد لڑکیوں کو احتیاط کے ساتھ وسیع پیمانہ پر تعلیم دی جائے یا یوں کہنا چاہیے کہ آنے والی نسل کے لیے مائیں تیار کی جائیں۔

ڈاکٹر ونڈر نے بعض اعداد و شمار جمع کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی میں ۱۹۰ پبلک سکنڈری مدارس ہیں جن میں ۹ یا ۱۰ سال کا کورس ہوتا ہے۔ باستثنائے ۲ کے ان میں سے سب کے سب موجودہ صدی ہی میں قائم ہوئے ہیں۔ ۱۲۸ مدارس پرشیا میں، ۲۴ شمالی جرمنی میں، اور ۴۴ جنوبی جرمنی میں ہیں۔ پرشیا کی گورنمنٹ کی طرف سے تعلیم نسواں کے معاملہ میں جس قلیل دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ان ۱۲۸ مدارس میں سے صرف ۴ سرکاری ہیں باقی ۱۲۴ یا تو مختلف شہروں کی طرف سے قائم ہیں یا خاص خاص لوگوں کے قائم کردہ ہیں۔ طالبات کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں ہو سکی البتہ ڈاکٹر ونڈر کے بیان کے بموجب ۹۱۸۰ ہے۔

(۳) اضلاع متحدہ امریکہ میں تعلیم نسواں کی حالت

اضلاع متحدہ امریکہ کے ہر ایک صوبہ میں از روئے قانون مفت تعلیم دینے کے پبلک اسکول قائم ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے اسکول پرائیویٹ اور خیر خواہان بنی نوع انسان کے قائم کردہ ہیں۔ جون ۱۹۰۰ء میں اندازہ کیا گیا تھا کہ اضلاع متحدہ امریکہ کی مجموعی آبادی ۸۸۸۷۴۹۷۰۰ ہے جس میں سے ۱۲۲۰۹۴۱۰ لڑکیاں ۵ اور ۱۸

سال کی درمیانی عمر کی ہیں اور اس تعداد میں سے ۸۴۸۸۱۳۷ اسکولوں میں تعلیم پاتی ہیں۔ اس مجموعہ میں سے ۵۱۸۰۹۹ سکنڈری مدارس میں تعلیم حاصل کرنیوالی ہیں اور ان میں سے ۴۷۵۷۶۱ سرکاری اور ۴۲۳۳۸ نج کے انسٹی ٹیوشنوں میں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ ضلاع متحدہ امریکہ میں مشترکہ تعلیم کا سسٹم زیادہ تر مروج ہی اور گو حال میں اس معاملہ پر بہت کچھ بحث چھڑی ہوئی ہی کہ تعلیم مشترکہ بہتر ہی یا منفردہ؟ تاہم معلوم ہوتا ہی کہ عام راے صرف سکنڈری اور اعلیٰ تعلیم کے بارے میں منفردہ سسٹم کے حق میں ہی ورنہ پرائمری اسکول ملک کے ہر حصہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کو یکجائی تعلیم ہی دیتے ہیں۔

(۴) انگلستان میں تعلیم نسواں کی حالت

انگلستان میں ابتدائی تعلیم ۶ اور ۱۴ سال کی درمیان کی عمر میں جبریہ ہی۔ اور گو درجہ پرائمری کی طالبات کے صحیح اعداد حاصل نہیں ہو سکتے تاہم اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تعداد طلباء سے کسی طرح کم نہو گی۔ سکنڈری تعلیم کے متعلق انگلستان اور ویلز کے اعداد مظہر ہیں کہ ۱۹۰۶ء میں طالبات کی تعداد ۸۵۶۵۸۹ تھی۔ ہر چند کہ امریکہ میں سکنڈری تعلیم لڑکی اور لڑکیوں کو جداگانہ طور پر دینے کی تحریک زور پکڑ رہی ہے تاہم انگلستان میں معاملہ اس سے بالکل برعکس ہی۔

(۵) جاپان میں تعلیم نسواں کی حالت

جاپان میں تعلیم نسواں کی جو حالت آجکل ہی اسکا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ دسمبر ۱۹۱۱ء کے "رسالہ ادیب" میں جنابہ زبیدہ خاتون صاحبہ کے ایک مضمون میں ہو چکا ہی اس لیے اس جگہ اسکا صرف سرسری بیان درج کیا جاتا ہی۔

اس ملک میں بھی لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی تعلیم جبریہ ہی۔ لیکن ایک عرصۂ دراز تک لڑکیوں کی تعلیم کس مپرسی کی حالت میں پڑی رہی۔ لڑکیوں کو اسکول میں لانیکے لیے

پورے طور پر کوشش ۱۸۹۰ء میں کی گئی جس کے بعد یہ تحریک اس قدر اشاعت پذیر ہوئی کہ اب لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد اسکولوں میں قریب قریب برابر ہی ہے۔ ۱۹۰۷ء میں ۲۲۵۶۰۵۲ لڑکیاں پرائمری اور ۲۱۵۲۳ سکنڈری اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ طالبات کی مجموعی تعداد جس میں ٹکنیکل اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیاں بھی شامل تھیں ۲۲۵۲۴۴۵ تھی۔ بحالیکہ اس سال ہندوستان میں تمام مدارج کی طالبات کی تعداد صرف ۳۹۳۱۶۰ تھی۔

ان اعداد کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جاپان اور ہندوستان میں اسکول جانے کی عمر کی لڑکیوں کی تعداد کے مقابلہ میں طالبات کا تناسب ۹۴ر۱۷ اور ۲ر۲ فیصدی علی الترتیب تھا۔ ۱۸۹۲ء میں لڑکیوں کے لیے ۲۷ پبلک اور پرائیویٹ ہائی اسکول تھے جن میں ۲۱۵۰۰ طالبات تعلیم پاتی تھیں۔ ان کے علاوہ ۷۰۰ لڑکیاں متفرق مدارس میں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ مسٹر شارپ اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ

ابھی تک اعلیٰ یا خاص تعلیم یافتہ عورتوں کی مانگ پیدا نہیں ہوئی البتہ صرف اُستانیوں کی ضرورت گاہ بگاہ رہتی ہے۔ گو عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مانگ عنقریب پیدا ہوجائیگی اور گورنمنٹ کو اسے پورا کرنا ہوگا لیکن عام رائے اب سکنڈری تعلیم کی حمایت میں ہے اور بعض صورتوں میں جہاں پُرانی وضع کے والدین اپنی لڑکیوں کو اسکول بھیجنا نہیں چاہتے تو آخرالذکر خود اسکول جانے پر مُصر ہوتی ہیں۔ نوجوانوں کو بھی اب ایسی قسم کی بیویوں کی تلاش رہتی ہے جنھیں خانگی تربیت کے علاوہ لٹریری تعلیم بھی حاصل ہو۔ ہندوستان میں اگر کوئی لڑکا زیادہ امتحانات پاس کرے تو اُس کی شادی کا میدان زیادہ وسیع ہوجاتا ہے لیکن جاپان میں جو لڑکیاں سکنڈری اسکولوں کے امتحانات پاس کریں ان کی قدر بڑھ جاتی ہے۔

جاپان میں لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم کا انتظام یا تو مشنری اسکولوں میں ہوتا ہے یا زنانہ یونیورسٹی

میں جو ۱۹۰۰ء سے قائم ہے۔ ابتدا میں اس یونیورسٹی سے متعلق ۳۰۰ طالبات تھیں لیکن تین چار سال ہی کے عرصہ میں ان کی تعداد ۱۵۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ پرائمری درجہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کو یکجائی تعلیم دیجاتی ہے۔ لیکن سکنڈری اور ہائی کلاسیں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے الگ الگ قائم ہیں۔

سطور بالا میں بعض ترقی یافتہ ممالک میں تعلیم نسواں کی اصلاح اور بہتری کا جو حال مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے اس سے تین باتوں کی توضیح ہوتی ہے جو موجودہ سسٹم کے لازم اجزا کا درجہ رکھتی ہیں (اولاً) تمام ممالک میں لڑکیوں کی پرائمری تعلیم جبریہ اور کسی حد تک مفت ہے (ثانیاً) لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم ایک ساتھ ہوتی ہے اور دونوں کے لیے جبری ہے (ثالثاً) سکنڈری تعلیم کی ترقی کا موجب زیادہ تر سرکاری امداد نہیں بلکہ عوام کی دلچسپی اور جوش ہے۔

یہ وہ راستے ہیں جن پر چل کر مشرق اور مغرب کے ترقی یافتہ ممالک نے تعلیم نسواں کے معاملہ میں بہت کچھ کامیابی حاصل کی ہے اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اگر ہم بھی انہیں لائنوں پر چلیں تو کیوں کامیاب نہوں۔ ان حالات میں تعلیم نسواں کی مشکلات رفع کرنے اور اسے ترقی دینے کے لیے سب سے اوّل اس بات کی ضرورت ہے کہ زنانہ پرائمری تعلیم جبریہ کی جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ۱۸۸۲ء کی تعلیمی کمیشن نے لڑکوں اور لڑکیوں کی مشترکہ تعلیم کی تجویز کو ناپسند کیا تھا تاہم بعض لوکل گورنمنٹوں نے اسے بنظر پسندیدگی دیکھا ہے اور ہندوستان کے بعض حصوں میں یہی طریق مروج ہے۔ فی الحقیقت ۴۰ فیصدی طالبات اس قسم کے مدارس میں پڑھتی ہیں جہاں لڑکوں اور لڑکیوں کو یکجائی تعلیم دی جاتی ہے۔ سکنڈری اور اعلیٰ تعلیم کے معاملہ میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب تک قابل استانیاں حاصل نہ ہوسکیں گی۔ اسے پورے طور پر ترقی نہ دی جا سکے گی۔ اس مشکل کا واحد

حل صرف یہ ہے کہ اچھے خاندانوں کی تعلیم یافتہ عورتیں روز افزوں تعداد میں اس شریفانہ پیشہ کو اختیار کرنے لگیں اور اپنی زندگیاں اپنی جاہل بہنوں کی صلاح و فلاح کے لیے وقف کردیں۔ اگر بیوہ عورتوں کو مناسب تربیت دیکر اس کام پر لگایا جائے تو خصوصیت سے بہت کچھ فائدہ ہونے کی توقع ہے۔

اس مضمون میں ہندوستان کے اندر تعلیم نسواں کی موجودہ اور گزشتہ حالت بیان کرکے اسے ترقی دینے کی بعض تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ یہ تجاویز بلاشبہ نئی نہیں ہیں تاہم انہیں اگر مد نظر رکھا جائے اور ہمیشہ انہیں عمل میں لانے کی کوشش کیجاتی رہے تو بہت کچھ فائدہ حاصل ہونے کی توقع ہے۔

ادیب

مشین یا کل

ہمارے یہاں بہت سے عامل ہیں جنکو اسم آتے ہیں جس سے وہ موکلوں کو تابع کرلیتے ہیں۔ اُن موکلوں سے قسم قسم کے کام لیتے ہیں۔ دور دور شہروں کی چیزیں منگواتے ہیں، دوسروں کے بھید نکلواتے ہیں، روپیہ پیسہ بھی سُنتے ہیں کہ ان سے وصول کرواتے ہیں۔ غرضکہ ہزارہا قسم کی باتیں جو قیاس میں نہیں آتیں وہ ان پوشیدہ آنکھوں سے اوٹ خدمتیوں سے کرائی جاتی ہیں۔ مگر یورپ کے لوگوں نے نئی نئی قسم کے اسم نکالے ہیں اور نرالے موکل تابع کیے ہیں۔

ہمارے یہاں کے نہ تو اسم سمجھ میں آئیں اور نہ موکل۔ یورپین قوموں کا اسم قدرت اور قدرت کا قانون ہے۔ قدرتی طاقتیں اُن کے موکل ہیں۔ اور یہ قدرتی

قانون جو ذرا بھی غور و محنت کریگا اُس کی سمجھ میں آسانی سے آسکتے ہیں۔ دھوئیں کو دیکھو کیا بے اصل شے ہے مگر انجن کے پیٹ میں ایک خاص طریقہ سے بند ہو کر کیا کیا کرامات کر دکھاتا ہی۔ بجلی کو دیکھو کیسی طوفان میں تڑختی دمکتی ہے اُسکو ایک خاص طریقہ سے جدا کر دو اور تار سے ملا دو پھر کیا عجیب و غریب کام اُس سے نکلتا ہی۔ ہمارے بڑے بڑے مولویوں کے بڑے بڑے اسم بھی ان قدرتی طاقتوں اور ان کی بیش بہا خدمتوں کے سامنے ہیچ ہیں۔

انجن ریل گاڑی کو کھینچتا ہی، انجن جہاز کو چلاتا ہی، انجن سڑک کوٹتا ہی، انجن کپڑا بنتا ہی، انجن کاغذ بناتا ہی، انجن برف جماتا ہی، زر خرید غلام کیا کیا کام کریگا جو انسان کا کام انجن کرتا ہی۔

بجلی ہمیں روز تازی تازی خبریں سُناتی ہی، بجلی ہماری سڑکوں ہمارے گھروں کو چاند ایسا روشن و منور کر سکتی ہی۔ بجلی سے سُنا ہی کہ ریلیں بھی چلتی ہیں اور کشتیاں پانی کو کاٹتی ہیں، بجلی سُنا ہی کہ بدن میں لگانے سے انسان کو چونچال کر دیتی ہے۔

جبتک دُھوئیں کا حال معلوم نہ تھا بہت سے کام ہَوا دیتی تھی۔ ہَوا سے چکّی چلتی تھی آٹا پستا تھا، ہَوا سے جہاز چلتے تھے۔ چھوٹی کشتیاں چلتی تھیں۔ بہت سے دریا اونچائی سے گرتے ہیں ان کی تیز رفتاری ان کی روانی بھی ایک قدرتی طاقت ہی اور اس سے بھی انسان کام لیتا ہی۔ پن چکّی اسی وجہ سے تو کہلاتی ہی کہ پانی سے چلتی ہی اور ہَوا کی چکّی کی طرح اس سے بھی آٹا پیسا جاتا ہی۔

علاوہ دھوئیں اور بجلی کی کلوں کے بہت سی کلیں چھوٹا موٹا کام کرنے کے لیے پہیّوں سے اور کمانی سے چلتی ہیں مثلاً بائیسکل، سینے کی کل، برف جمانے کی کل، ٹائپ رائٹر، چھاپہ، ان سے کس قدر محنت بچتی ہے۔

بائیسکل پر چڑھا آدمی پیدل آدمی سے دوگنا تگنا تیز جاتا ہے۔ سینے کی کل کی بہ نسبت ہاتھ کے چوگنا جلد بخیہ ہو جاتا ہے۔ برف کس آسانی سے جمتے ہیں، حرف کس آسانی سے چھپتے ہیں۔ بہت سی کلیں کمائی کی ہیں۔ گھڑی کس قدر مفید انسان ہے۔ اس کی قدر وہی خوب جانتے ہیں جو پابند وقت ہیں۔ گرموفون باجا کیا عجیب وغریب ہے (اب سے پچاس برس پہلے کسی آدمی کے قیاس میں یہ بات نہ آئی) اس سے انسان کی آواز کل میں بند کرلو اور جب چاہو اس سے وہی آواز لے لو۔ پھر کل کی چیزیں سستی ہوتی ہیں جیسے پاس روپیے ہوئے اُسنے خریدلی۔ جو چیزیں پرانے زمانہ میں صرف امیروں کو نصیب تھیں وہ اب غریبوں کو حاصل ہیں۔

ہم نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ رامپور میں نواب صاحب کے لیے اب سے بیس برس پہلے کس اہتمام سے برف جمایا جاتا تھا اور پانی ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔ اب وہی برف ہے جو گلیوں گلیوں غریب امیر سب کے گھروں میں مارا مارا پھرتا ہے۔ ململ خاصہ عوام الناس پہنتی ہے۔ کل کے سلے بوٹ نوکروں چاکروں کے پیر میں دکھائی دیتے ہیں۔ قینچی چاقو ہر ایک کے ہاتھ میں ہیں۔ گھڑی کیسی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی جس کی جیب میں دکھائی دی اس کی عزت کا باعث ہوئی۔ اب وہی گھڑی ہے کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ بائیسکل کس قدر عام ہے گرموفون کی آواز بھی اب ہر طرف سُنائی دینے لگی۔ سینے کی کل بھی اب دربدر ہے۔

بڑی نعمت چھاپے سے ہے کتابیں سستی ہونے لگیں علم سستا ہوگیا اعلیٰ اعلیٰ کتابیں پیسوں کے مول آتی ہیں۔ اچھے اچھے عالم فاضل تھوڑے خرچ میں ہمنشین ہوتے ہیں۔ اور یہ کس قدر خوبی کلوں میں ہے کہ ان کی پیداوار پانی اور مینہ پر منحصر نہیں خشک سالی انہیں کچھ زیادہ نہیں ستاتی ہے۔ ان کا انجن چلتا ہی رہتا ہے۔

ان کا مال بکتا ہی رہتا ہی اور پھر جہاز ریل اور تار تو ایسی کلیں ہیں کہ ان سے نہ صرف تجارتی ہی نفع ہی بلکہ ایک بڑا فائدہ ان سے اخلاقی بھی ہو رہی ہندستان ہی مگر ریل و تار نے دور دراز شہروں کے لوگوں کو کس قدر قریب کر دیا ہے سو میل کے سو پیسے۔ اب جنکے پاس ہیں وہ ہندوستان کا چکر لگا آئے سیر کر آئے یا روپیہ کما ئے اور پھر گھر لوٹ آئے۔

تار برقی کو دیکھو دنیا کے ایک سرے کی خبر دوسرے سرے تک ایک ٹ ایک لمحہ میں پہونچا دیتی ہی۔ صبح یہاں ایک بات ہوئی شام تک یورپ اور امریکہ کے گھر گھر میں پہنچ گئی۔ چار پیسہ میں اخبار آتا ہی جس میں دنیا کے چار کونوں کی خبریں ہوتی ہیں۔ خبر کے لحاظ سے دُور دُور کے لوگ ایسے ہی ہیں جیسے پڑوس والے۔ بڑے بڑے دریا، اونچے اونچے پہاڑ اور گہرے گہرے سمند تار برقی سے زیر ہیں۔ دنیا کے ایک سرے پر ایک انسان دوسرے سرے کے انسان سے اچھی طرح سے ہر نس مرض کی خبر دے رہا ہی۔ شادی غمی میں شریک تجارتی اشیار کا مول تول سونے چاندی کا بھاؤ طے کر رہا ہی۔

ٹرکی و اٹلی میں آجکل لڑائی ہو رہی ہی۔ روز خبریں آ رہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہیں قریب ہی لڑائی ہو رہی ہی۔ سنا جاتا ہی کہ اب ایسی کل نکلنے والی ہی کہ دُور کی شئے بیٹھے بیٹھے دکھائی دینے لگے۔ پھر تو دیسی پردیسی میں اور بھی فرق نہ رہے گا۔

ریل تار قطع نظر اور باتوں کے آجکل بادشاہوں کی بڑی قوت ہیں۔ انگریز جہاں جاتے ہیں ریل تار ساتھ لیجاتے ہیں۔ اس سے اُن کو اپنی بادشاہت کی دُور دُور کی خبریں معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ رعایا کی کیفیت رتی رتی معلوم ہوتی رہتی ہی اور جہاں بے اطمینانی کا ڈر ہوتا ہی وہاں ریل سے فوج جلدی

جلدی پہونچا دیتے ہیں۔ جہاز بھی اُسی زنجیر کی ایک کڑی ہے جس سے ہمارے بادشاہ سلامت ہندوستان سے ہزاروں کوس کے فاصلہ پر لندن میں بیٹھے حکومت کر رہے ہیں اگر جہاز نہ ہوتا تو سات سمندر پار کرکے انگریز کس طرح ہندوستان میں آتے۔

پہلے بادشاہ جو آئے وہ خشکی پچھم کی طرف سے گھوڑوں پر سوار آئے اور ہندوستان کی حکومت ہندوستان ہی میں بیٹھ کر کی۔ انگریز پہلی قوم تھی جو دھوئیں کی کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر ہندوستان کے کنارے پر آباد ہوئے اور اپنے حسن انتظام سے ہندوستان کی متفرق قوموں کو مغلوب کیا اور اب لندن سے بیٹھے ہندوستان کی بادشاہت کر رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ تار ریل اور جہاز سے بے شمار فائدے انسانوں کو ملے ہیں اور مل رہے ہیں۔ اور ہم مشرقی لوگوں کو یورپین مغربی لوگوں سے یہ سبق لینا چاہیے اور دل پر اچھی طرح سے نقش کر لینا چاہیے کہ بلا کل کا کام دیر کا ہے بکھیڑے کا اور مہنگا۔ کل کا کام جلدی کا آسانی کا اور سستا۔ جسوقت ہم اس سبق پر عمل کرنے لگے تو بہت کچھ ترقیاں ہمارے ملک ہماری قوم میں ہونے لگیں گی۔

خاکسار

بیگم مختار اللہ خاں صاحب

از غازی آباد

عید کی خوشی میں

غمزدگان طرابلس کی یاد

او مہر نو! ابر میں چھپ جا ہمیں شرما نہ آج بے زر دل کو رُوپے سیمیں بھر حق کھلا نہ آج

شیشۂ دل ہی مرا لب ریزِ خونِ آرزو
ساقیا کیا خاک ہو شوقِ مےِ پیمانہ آج

ہی ابھی کچھ ہوش، مطرب! ہاں ذرا پُردرد کی
نغمۂ غم ہو گیا ہوئے دلِ دیوانہ آج

اُف ٹرپلی میں ہمارے غمزدہ بھائی بہن!
ہائے انکی عید ہو گی کیسی مفلوکانہ آج

سیر چشمی ان تہی دستوں کی دیکھ اے ماہِ نو
ملک دیں سے بڑھ کے نقدِ جاں کو جانا آن

قید میں اٹلی کی ہیں جو صاحبِ شب زندہ آہ
سیدگہ ان کی بنے گا ان کا کلفت خانہ آج

جامہ چاکی یتیماں سے جگر ہی چاک چاک
ہائے ان کی عید ہو بے آب و بے دانہ آج

جمع کرکے صدقۂ رمضان و فطرِ عید
ہم ٹرپلی میں بنا سکتے ہیں صحت خانہ آج

اب کدھر یورپ کی وہ ہمدردیِ انساں گئی
کیا ہوا اے جرمنی! ترکوں سے وہ یارانہ آج

روتے روتے بندھ گئیں ز۔خ ہماری ہچکیاں
کس قیامت کا نکالا آپ نے افسانہ آج

عاصیہ
ز۔خ۔ش

پھولوں کی ٹوکری

سلسلہ کے لیے گزشتہ نمبر ملاحظہ ہو

میری کے مصیبت کا آغاز

گم شدہ انگوٹھی

کہے دیتی ہی سرگرانی ہماری
اجل کا کچھ احساں ہوا چاہتا ہی

میری نے وہ خوبصورت لباس احتیاط کے ساتھ تہ کرکے صندوق میں رکھا ہی

تھا کہ کونٹس امیلیا کو اپنے گھر میں موجود پایا مگر عجیب پریشانی کی حالت میں چہرہ زرد سانس چڑھی ہوئی سارا بدن کانپ رہا تھا۔ میری کو نہایت تعجب ہوا کہ آخر اسکا سبب کیا ہے۔ مگر قبل اسکے کہ وہ کچھ کہتی امیلیا نے چلّاکر کہا میری یہ تم نے کیا کیا ہے اماں جان کی ہیرے کی انگوٹھی کھوگئی ہے کمرے میں سوائے تمہارے کوئی نہیں گیا۔ لاؤ وہ انگوٹھی مجکو دیدو۔ ورنہ اس کا بُرا نتیجہ ہوگا۔ لاؤ لاؤ انگوٹھی مجکو دیدو۔ مجھے اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

یہ سُنکر میری کی جان تن سے نکل گئی۔ خوف کے مارے چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس نے کونٹس سے کہا کہ آخر اس سے آپ کا منشا کیا ہے۔ نہ انگوٹھی میرے پاس ہے نہ میں نے اُس کو دیکھا ہے۔ میں جہاں کھڑی تھی وہاں کھڑی کی کھڑی رہی اُس جگہ سے ہٹی تک نہیں۔

مگر میری کے اس بیان سے امیلیا کو اطمینان نہ ہوا وہ انگوٹھی کے لیے اصرار ہی کرتی رہی۔

امیلیا۔ میری میں تو صرف تمہاری بھلائی کو کہتی ہوں۔ تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کہ اس میں ایک بھاری قیمت کا پتھر لگا ہوا ہے اور انگوٹھی کی قیمت کچھ ہی کم ایک ہزار روپیہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تمہیں اسکا حال معلوم ہوتا تو تم اس کو ہرگز نہ لیتیں۔ تم نے شاید اسکو معمولی قیمت کی سمجھی ہوگی۔ لاؤ انگوٹھی مجھے دیدو۔ اور تمہارا یہ فعل ناسمجھی کا اقتضا سمجھ کر معاف کر دیا جائیگا۔

میری اپنے پر جھوٹی تہمت لگتے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میری۔ واقعی میں انگوٹھی کے متعلق کچھ نہیں جانتی میں نے کبھی غیر کی چیز چھوئی نہیں یہ میری خو نہیں۔ اتنی جرأت نہیں چُرانا تو درکنار۔ میرے پیارے باپ نے مجھے اس قسم کی تعلیم ہی نہیں دی اور ہمیشہ ایسے کاموں سے منع کیا ہے۔

اسی اثنار میں اسکا باپ بھی آگیا وہ اپنے باغ میں کام کر رہا تھا کہ اُسنے کونٹس کو نہایت عجلت کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھا۔ دریافت حال کی غرض سے وہ بھی چلا آیا۔ جب اُسکو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو اس پر عجیب حالت طاری ہوئی۔ اپنے سنبھالنے کو اس نے ایک میز کا کونہ پکڑلیا اور ایک ٹپائی پر بیٹھ گیا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی اور بات کر سکنے کے قابل ہوا تو اُس نے کہا۔

اے میری! اس ملک کے قانون کی رو سے اسقدر قیمتی انگوٹھی کا چُرانا ایک ایسا جرم ہی جس کی سزا موت ہی۔ خیر اس کی اتنی پرواہ نہیں مگر یاد رکھو کہ خدا بھی اس چوری سے منع فرماتا ہی۔ لہذا اس فعل کی تم نہ صرف انسان کے آگے جوابدہ ہو بلکہ اس عالم الغیب کے آگے بھی جسکو سبھوں کے دل کا حال معلوم ہی اور جس کے سامنے حیلہ سازی اور جھوٹی باتیں کچھ موثر نہیں ہو سکتیں کیا تم کو خدا کا پاک حکم یاد نہیں۔ کیا میری نصیحتوں کو بھول گئیں کیا سونا اور قیمتی ہیرا دیکھ کر تمھارے موںھ میں پانی بھر آیا؟ اگر تم نے درحقیقت انگوٹھی لی ہی تو انکار مت کرو۔ اور اس کو واپس دیدو۔ کیونکہ یہی ایک طریقہ ہی اس سے حتی المقدور خطا کی تلافی ہو سکتی ہی۔

میری (زور زور سے ہچکیاں لیتے ہوئے) میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں نے انگوٹھی دیکھی تک نہیں۔ اگر میں کوئی انگوٹھی راستے میں بھی پڑی ہوئی پاتی تو مجھے اسوقت تک آرام نہ ملتا جب تک کہ میں اس کے مالک کو نہ پہونچاتی۔ میں بالکل سچ کہتی ہوں کہ انگوٹھی میرے پاس نہیں۔

باپ۔ دیکھو تمہیں کونٹس امیلیا سے جو صرف ازراہ محبت تم کو قانونی گرفت سے بچانے کے لیے یہاں آئی ہیں اور جنھوں نے تم کو ابھی کتنا بڑا انعام دیا ہی

جھوٹ نہ بولنا چاہیے اور دھوکہ نہ دینا چاہیے اور اس میں خود ہمارا ہی سراسر نقصان اور تباہی ہے اگر انگوٹھی تمہارے پاس ہو تو فوراً کہدو اور کونٹس سفارش کرکے تم کو سزا سے جس کی تم مستحق بھی ہو بچالیں گی - میری ! میں استدعا کرتا ہوں کہ سچ بولو اور ایماندار بن کر رہنے کی کوشش کرو -

میری - ابا ! تم کو یہ بخوبی معلوم ہی کہ میں نے اپنی تمام عمر میں کبھی کوئی چیز نہیں چرائی ایک کوڑی بھی نہیں - میں نے غیر کے درخت سے ایک پھل دوسرے کی زمین سے ایک مٹھی بھر گھاس لینے کی جرأت بھی نہیں کی - پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہی کہ میں اتنی قیمتی چیز چرالوں گی - ابا ! تم میرے کہنے کا یقین کرو میں نے اپنی زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں کہا -

باپ - ذرا میرے ان سفید بالوں پر رحم کرو - مجکو رنجیدہ غمگین مت کرو - آخری وقت مجھ پر اتنا بڑا صدمہ مت ڈالو - اگر انگوٹھی لی ہو تو مجھ سے کہدو - تم کو اُس خدا کا واسطہ جس کے حضور میں مَیں بہت جلد جانے والا ہوں - اور جس کی حکومت میں چوروں کے واسطے کہیں جگہ نہیں - میں تم سے ہزار منت کہتا ہوں کہ سچ سچ کہدو -

میری نے اپنی آنکھیں جن میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے آسمان کی طرف اُٹھائیں اور نہایت سنجیدگی سے کہا کہ خدا اے عالم الغیب خوب جانتا ہی کہ میرے پاس انگوٹھی نہیں ہی - میں کامل یقین دلاتی ہوں کہ میرے پاس انگوٹھی نہیں ہی -

جب بڈھے باپ کو اپنی بیٹی کی بے گناہی کا یقین آگیا تو اُس نے کہا اب مجھے پورا پورا اطمینان ہی کہ انگوٹھی تمہارے پاس نہیں تم کو خدا کے خوف سے اور نیز میرے اور کونٹس کے آگے جھوٹ بولنے کی کبھی جرأت

نہ ہوتی۔ اب چونکہ مجھے تمہاری بے گناہی کا یقین ہے اس لیے اب میں مطمئن ہوں۔ تم بھی اطمینان رکھو۔ کوئی خوف نہ کرو اس دنیا میں سب سے زیادہ خوفناک دو گناہ ہیں۔ ایک قید خانہ، دوسرے موت۔ مگر موت کو اس سے کوئی نسبت نہیں۔ چاہے ہم پر کیسی ہی مصیبت کیوں نہ آئے ساری دنیا ہمارے خلاف ہو جائے کوئی غم نہیں کیونکہ ہمارا مددگار خدا بزرگ ہے۔ ایک نہ ایک دن ہماری بیگناہی سب پر واضح ہو جائے گی۔ خدا وعدہ کرتا ہے کہ ہماری سچائیوں کو روز روشن کی طرح سب پر ظاہر کر دیگا۔

یہ باتیں سُنکر نوجوان امیلیا بھی آبدیدہ ہو گئی اور کہنے لگی کہ مجھے تمہاری باتوں سے یقین ہو گیا کہ انگوٹھی تمہارے پاس نہیں مگر جب میں واقعات پر غور کرتی ہوں تو سوائے اس کے اور کوئی بات ذہن میں نہیں آتی کہ انگوٹھی تمہارے پاس ہی ہوگی۔ میری اماں کو بخوبی یاد ہے کہ انھوں نے انگوٹھی میز پر رکھی تھی اور اس کے بعد میں میری کو ساتھ لیکر ان کے پاس گئی۔ میری کے سوائے وہاں کوئی نہ تھا۔ جب میں حما کے ساتھ دوسرے کمرے میں گئی تو اسوقت میری وہاں تنہا رہ گئی تھی اس سے پہلے یا اس کے بعد کوئی کمرے میں آیا گیا نہیں اور میں بھی میز کے قریب نہیں گئی اس کا حال تو میری کو بھی معلوم ہے ہمارے چلے آنے کے بعد حمی نے لباس تبدیل کرنے کی غرض سے کمرے کا دروازہ بند کر لیا کپڑے پہن کر جب اُنھوں نے انگوٹھی پہننی چاہی تو دیکھا کہ وہ غائب ہے۔ اماں نے سارا کمرہ خوب ڈھونڈھ مارا اور جب تک دو تین مرتبہ اچھی طرح تلاش نہ کر لیا کسی کو یہانتک کہ مجھے بھی کمرے میں نہ آنے دیا انگوٹھی کو نہ ملنا تھا نہ ملی۔ اب تمہیں کہو کہ انگوٹھی کہاں گئی۔

یعقوب۔ میں اس کی نسبت کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ یہ میرے

امکان سے باہر ہے اے خدا تو ہماری اس مصیبت میں مدد کر چاہے جو آفت آئے۔ اے پروردگار میں اسکے لیے تیار ہوں۔ مجھے تو اپنی خوشنودی عطا فرما۔ میرے لیے بس یہی کافی ہے۔

کونٹنس۔ اچھا اب میں گھر جاتی ہوں۔ مگر مجھے سخت رنج ہے۔ میری سالگرہ کا دن اس طرح مغموم کبھی نہیں گزرا۔ مجھے اس آئی ہوئی آفت کا خاتمہ نظر نہیں آتا اگرچہ حمانے ابتک بجز میرے کسی سے نہیں کہا۔ مگر اس راز کا چھپانا غیر ممکن ہے کیونکہ حمی کو آج وہ انگوٹھی پہننی ضرور ہے۔ میرے والد آج دوپہر تک آجائینگے اور جب کے ہاتھ میں وہ انگوٹھی کو نہ دیکھیں گے تو ضرور دریافت کرینگے۔ اُنھوں نے یہ انگوٹھی میری پیدائش کے دن میری اماں کو دی تھی اور میری اماں اسکو میری سالگرہ کے دن پہنتی ہیں انہیں کامل یقین تھا کہ میں یہاں سے انگوٹھی لیکر جاؤں گی۔ اچھا خدا حافظ۔ میں تو جاکر تمہاری بیگناہی کا اظہار کردوں گی مگر بھلا میری سُنے گا کون۔ یہ کہکر وہاں سے ملول اور آبدیدہ گھر کی طرف روانہ ہوئی۔

باپ اور بیٹی دونوں شدت غم سے ازخود رفتہ ہو رہے تھے کہ کونٹس کو دروازے تک پہونچا بھی نہ سکے۔ یعقوب اپنے سر کو ہاتھوں سے پکڑے ہوئے ایک ٹپائی پر بیٹھ گیا۔ آنسو اُس کے جُھرّی دار گالوں پر برابر بہتے تھے۔ میری بھر بھرا کر اس کے قدموں پر گر پڑی اور کہنے لگی کہ میں بالکل بے خطا ہوں۔

باپ نے اسکو محبت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا اے میری! بیشک تم بے خطا ہو۔ تمہارے چہرے ہی سے تمہاری بے گناہی عیاں ہے۔

میری۔ مگر آخر اس کا انجام کیا ہوگا اور ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائیگا

اگر یہ مصیبت صرف مجھ پر آتی تو میں خوشی سے سہ لیتی مگر اس خیال سے میرا کلیجہ پانی ہو رہا ہی کہ میری وجہ سے آپ پر بھی آفت آئیگی۔

یعقوب۔ خدا پر نظر رکھو ہمت نہ ہارو۔ خدا کے حکم کے بغیر ہمارا بال بھی بیکا نہو گا۔ اور یہی خیال ہمارے لیے کافی ہی۔ ہمیں کوئی خوف نہ کرنا چاہیے اور سچائی کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ چاہے تمہیں کسی طرح دھمکی دیجائے یا خوف دلایا جائے یا لالچ دیا جائے۔ مگر تم بال برابر بھی جھوٹ نہ بولنا اور اپنے (کانشنس) کو خراب نہ کرنا۔ پاک کانشنس قید میں بھی تمہارے لیے راحت و آرام کا باعث ہوگا۔ اب ہم دونوں ایک دوسرے سے جُدا کیے جائیں گے۔ میری! اب تمہارا باپ تمہاری تسلی کے لیے موجود نہ رہیگا۔ مگر اس سے تم اپنے تئیں ملول نہ کرنا اور خدا سے لو لگائے رہنا وہ بیگناہوں اور مظلوموں کی ہمیشہ مدد کرتا ہی۔ اور اُس کی امداد کو کوئی تم پر روک نہیں سکتا۔

یہ باتیں ہوہی رہی تھیں کہ دروازہ کھُلا اور مجسٹریٹ کمرے میں موجود تھا میری نے اسکو دیکھتے ہی ایک چیخ ماری اور جاکر اپنے باپ کی گود میں گر پڑی حاکم اعلیٰ نے حکم دیا کہ میری کو جُدا کرکے بیڑیاں پہنادی جائیں۔ اور قیدخانہ میں بھیجدی جائے۔ اور باپ بھی نظربند کرلیا جائے۔ مکان اور باغ پر پہرہ بٹھا دیا جائے۔ تاوقتیکہ وہاں کی تلاشی اچھی طرح ختم نہ ہوجائے۔ کوئی آنے نہ پائے۔

میری گرفتار کی گئی مگر ایک مرتبہ اپنی ساری طاقت صرف کرکے اپنے باپ کے پاس پھر آپہونچی۔ لیکن پھر اسکو علحدہ کرکے ہتکڑیاں، بیڑیاں پہنادی گئیں اور وہ بالکل معذور تھی۔ اسی حالت میں وہ گھر سے حراست

میں روانہ ہوئے۔ راستے میں لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ انگوٹھی کا واقعہ تمام گاؤں میں مشہور ہوگیا تھا اور قریب قریب ہر ایک شخص ان کے مکان کے پاس موجود تھا۔ جتنی زبانیں تھیں اُتنے ہی مختلف قسم کے خیالات ظاہر کیے جا رہے تھے۔

اگرچہ میری یا اُس کے باپ نے کبھی کسی کو آزردہ نہ کیا مگر اسوقت بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو ان کی اس مصیبت سے خوش تھے اور جنھوں نے اس واقعہ کے متعلق بہت سی باتیں اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر بنائیں۔ مگر ایمبرگ کے لوگوں میں زیادہ تعداد اُنہی لوگوں کی تھی جنھوں نے اس موقع پر یعقوب اور میری کی اس ناگہانی مصیبت پر سچّی ہمدردی ولی تاسف کا اظہار کیا تمام لڑکے لڑکیاں گاؤں کے جمع ہوگئے۔ جب میری اور یعقوب کو اس حالت میں دیکھتے تھے تو بے اختیار رونے لگتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہائے اب ہمیں کون پھول بوٹے توڑ توڑ کر دیا کریگے۔ خدا کرے کہ یہ قید کا موُنھ بھی نہ دیکھیں۔

کیونکر نہ غم ہو خلق کو مونس کی مرگ کا ۔۔۔ تھا سب کو اُسکی ذات سراپا ہنر سے فیض

(باقی آیندہ)

عباسی بیگم، مسز سید محمد اسمٰعیل، از حیدرآباد، دکن

موجودہ بی بیاں

ذی عقل مخلوق کا نام انسان ہے اور انسان کی دو شکلیں ہیں ایک مرد،

ایک عورت، یا ایک میاں دوسری بی بی جبتک یہ دونوں آپس میں نہ ملیں انسان پورا انسان نہیں ہو سکتا۔ صناع ازل مختار تھا کہ خالی باوا آدم ہی کو پیدا کرتا اور ان میں تولید کا ایسا مادہ ودیعت کرتا کہ جب وہ چھینکتے یا کھانستے تو بجائے ریزش یا تھوک کے بیٹا بیٹی نکل پڑتے نہ دردزہ کی مصیبت ہوتی نہ حمل کا وبال ہوتا۔ مگر اس قادر مطلق اور خدائے بصیر وخبیر نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ وہ کیا جو کرنا تھا۔ کون کہہ سکتا ہی کہ مرد بغیر عورت کے پیدا ہو سکتا ہی، اور کون مان سکتا ہی کہ عورت بغیر مرد کے وجود میں آسکتی ہی۔ اس خصوص میں قرآن پاک خود شاہد ہی۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے۔ **وجعلنکم ازواجًا** (یعنی بنایا ہم نے تم کو جوڑا) دوسری جگہ فرمایا جاتا ہے۔ وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ (یعنی ہر جنس میں ہم نے بنایا ہے جوڑا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) اس سے زیادہ تشریح ایک اور جگہ فرمائی گئی ہی جس سے عورت کے پیدا کرنے کا نتیجہ بھی ظاہر ہوتا ہی یعنی هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا۔ الی آخرہ

(وہ خدا ہی کہ جس نے پیدا کیا تم کو ایک تن واحد سے اور بنایا اُسی میں سے اس کا جوڑا تاکہ اُس سے آرام وسکون حاصل ہو)

جبکہ بنیاد یا خمیر میں ان دونوں کی مشارکت لازمی ہی تو ناممکن ہی کہ دنیا اور دنیا کے تمام کام یا دین اور دین کے تمام انجام بغیر ان کی شراکت کے ہو سکیں۔

آدمی کی مختصر ڈائری یہ ہی کہ آج پیدا ہوا۔ دودھ پینے لگا۔ گھٹنوں چلنے لگا۔ پانوں پانوں پھرنے لگا، پھر جوان ہوا، نوکر ہوا، ادھیڑ ہوا بوڑھا ہوا اور مر گیا۔

اتنے سارے انقلابات میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرتا کہ دنیا میں رہ کر تنِ تنہا گزار سکے۔ کبھی دائی کی گود میں جائے گا۔ کبھی ماں کی۔ کبھی اُستاد

کی خوشامد کریگا ۔ کبھی باپ کی، کبھی بی بی سے دو چار ہو گا۔ کبھی لونڈی سے کبھی حاکم کا لحاظ کیا جائے گا کبھی رعایا کا۔ حتیٰ کہ مرتے مرتے چار کے کندھوں پر چڑھکر عدم کی راہ لے گا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان سب ساتھ والوں میں میاں بی بی کے تعلقات اور باہمی برتاوے جتنے قابل صلاح و لائق اعتراض ہیں اور کسی کے نہیں۔ یہاں کسی مخصوص خاندان یا گھر کا خاکہ اُڑانا نہیں ہے۔ بلکہ بالعموم تمام پرانے خیال کے مسلمان گھروں میں کم و بیش یہ خرابیاں نظر آتی ہیں ۔ ہم اسوقت صرف گھر کی بی بیوں کی حالت دکھانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مردوں کی تنبیہ کے لیے جناب شیخ عبداللہ صاحب شکراللہ سعیہ کا مشن بہت کچھ کر رہا ہے۔

جب یہ بات مسلم ہو چکی کہ دین و دنیا کا کوئی دھندا بغیر اتفاق مرد و عورت کے نہیں چل سکتا تو اصولاً یہ کب جائز ہے کہ جب کسی کام میں کوئی خرابی پیدا ہو تو ادبدا کر اسکا الزام مردوں ہی کے سر تھوپا جائے ۔ دنیا ایک چھکڑے کی مثال ہے جو دو پہیوں کے سہارے چلتا ہے۔ اُن دو پہیوں کو مرد و عورت فرض کیا جائے تو جب تک کہ دونوں پہیے کیل کانٹے سے ٹھیک نہوں گے چھکڑا ٹھیک نہیں چل سکتا ۔ اور جہاں چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا پھر منزل مقصود تک پہنچنا معلوم ۔

بیشک ایک آدھ صدی سے مردوں نے عورتوں کے تمام حقوق میں سے صرف ایک حق تعلیم (کتابی) دبا لیا تھا۔ لیکن باوجود اس چشم پوشی کے اُن کا رکھ رکھاؤ ۔ اُن کی خاطر و مدارات۔ اُن کے رتبے نہیں گھٹانے تھے۔ بلکہ وہ اُن کو اُسی طرح گھر کا مالک، اپنی آبرو کا شریک، اپنا ننگ و ناموس سمجھتے تھے۔ اسی طرح صرف کتابی تعلیم کے ہوجانے سے نصف صدی قبل تک عورتوں کے مزاج اُن کے سلیقے۔ ان کی تہذیب اور معاشرت بالکل ویسی ہی نظر آتی تھی جیسی تعلیم یافتہ خواتین کی ہونا

چاہیے۔ مگر یہ افسوسناک کایا پلٹ کیسی ہے کہ فی زمانا جبکہ تعلیم نسواں کا حامی یا کم از کم ہر نوجوان مرد نظر آتا ہے اُس کی غیر تعلیم یافتہ شریف النسل خواتین عوام الناس کی عورتیں معلوم ہوتی ہیں۔ جس گھر میں جائیے جس خاندان پر نظر ڈالیے باہر مردانہ بیٹھک میں شریفانہ گفتگو مہذبانہ طریقے اور روشن خیالی کے جھاڑ جگمگا رہے ہیں۔ مگر اندر زنان خانے میں دیکھیے تو بی بی کی صورت تو حور کی سی ہے مگر سیرت چڑیل کی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ نہ بول چال ٹھیک۔ نہ چال ڈھال طریقے کی۔ نہ اُٹھنا بیٹھنا موقع کا۔ باہر سے آنے والے کو زنانہ چوکھٹ میں قدم رکھتے ہی عالم سیمیا کی طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی دوسرے محلے میں آگئے ہیں یہ زنان خانہ ہرگز اُن کا نہیں ہے جو باہر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایسا گمان کیونکر نہ ہو جبکہ ابھی ابھی مردانے میں جنگ طرابلس پر مورخانہ اور ہمدردانہ گفتگو ہو رہی تھی اور یہاں آکر دیکھا تو ایک پڑوسن کی مرغی کے (بھیگی ہوئی اُڑد کی دال میں) مونہہ ڈال دینے پر بے سلیقہ دال بھگونے والی بی بی گلا پھاڑ پھاڑ کر یوں بکار رہی ہے۔ "اے تیرے پالنے والوں پر آخری ٹوٹے۔ اے تیرے انڈے کھانے والوں کو تخمہ ہو۔ اے تیرے ہوتوں سوتوں کا ستیاناس جائے وغیرہ وغیرہ" انصاف کیجیے کہ ایسے الفاظ اور یہ صدائیں کسی شریف گھر کی چار دیواری سے بلند ہونی چاہییں۔

حامیان تعلیم کی طرف سے ایسے الزاموں کا بے ساختہ ہی جواب دیا جائیگا کہ اگر ان گھروں میں تعلیم کا چرچا ہوتا تو یہ خرافات باتیں نہ سُنی جاتیں۔ ایک حد تک یہ جواب ضرور قابل تسلیم ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج سے نصف صدی بیشتر باوجود غیر تعلیم یافتہ ہونے کے شریف عورتوں کی ایسی باتیں کیوں سُننے میں نہیں آتی تھیں۔ اُس زمانے میں تو مرد بھی کتابی تعلیم

کے حامی نہ تھے بایں ہمہ اُن کی بی بیاں بالعموم ایسی سلیقہ شعار اور سگھڑ ہوتی تھیں کہ ہزار تعلیم یافتہ اُن پر سے قربان کر دی جائیں۔

ہمارا گمان ہی اور نہ صرف گمان بلکہ مشاہدہ ہی کہ جس گھر میں مردوں کو نماز، روزہ اور خدا کے روزمرہ احکام کی پابندی ہوگی وہاں کی عورتیں باوجود جاہل ہونے کے ضرور مہذب اور شایستہ ہونگی۔ اب جبکہ بدنصیبی سے خود مرد پابند شریعت نہیں تو عورتیں جتنی آزاد اور بے باک ہوں کم ہی۔

برابر دیکھا جاتا ہی کہ جن پاک گھروں میں قال اللہ وقال الرسول کے سوا کوئی ذکر وفکر کوئی چرچا نہ تھا وہاں آج پچاس برس بعد ع۔ نہ نماز ہی نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہی نہ حج ہی بوڑھی بوڑھی ماماؤں اور اصیلوں کو دیکھتے ہیں کہ پابندی کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز نہایت دلچسپی کے ساتھ ادا کرتی ہیں۔ رمضان شریف کے روزوں کا کیا ذکر ہی۔ شش شا عید، ہزاری، شعبان کے رجب کے مسنون مستحب روزے بھی نہیں چھوڑتیں۔ کہیں وعظ ومیلاد شریف یا مجلس عزا کا تذکرہ سُنتی ہیں تو حتی الامکان اُس میں بھی شریک ہوتی ہیں۔ اگر کسی گھر میں بڑھی ٹھڈی مغلانی پڑی ہوئی ہی تو فرائض شرعیہ کے ادا کرنے کے بعد رات دن اُسکو سینے پرونے اور دوسرے شریفانہ مشغلوں میں دیکھا جاتا ہی۔

مگر وہ گھر کی جوان بی بیاں جن کے باپ دادا مولوی، حافظ شاہ صاحب تھے نہ نماز کی پروا رکھتی ہیں نہ روزے کا خیال۔ نہ زکوٰۃ کا مطلب سمجھتی ہیں۔ نہ حج کو جانتی ہیں۔ نہ اُن کے گھروں میں کوئی جانماز نکلے گی نہ مُصلّا۔ نہ تسبیح دیکھنے میں آئے گی نہ سجدہ گاہ۔ عید بقرعید میں صرف گوشت کھانے اور تقسیم کرنے کے شوق میں قربانی کی یاد ضرور ہوگی۔ مگر عید کے دن فطرے کے نام سے اُنکے کان بھی آشنا نہونگے۔

یہ تذکرے دُھنے جلاہے قصائی کے گھروں کے نہیں ہیں بلکہ شیخ صاحب سید صاحب، خاں صاحب، خواجہ صاحب، مرزا صاحب سب کے ہاں دیکھے سُنے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں ایک شریف گھرانے کا روزنامچہ لکھا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ سو میں دس گھر اسکے خلاف ہوں مگر فیصدی نوّے ایسے گھر ضرور ملیں گے جہاں تھوڑی بہت ردّ و بدل کے ساتھ بجنسہٖ یہی واقعات نظر آئیں گے۔

مثلاً علی الصباح آپ نماز صبح پڑھ کر کسی گھر کا جائزہ لینے کو چلیے۔ نیک نیتی سے آپ خیال کرتے جاتے ہونگے کہ گھر کی بی بی غالباً جانماز پر ہونگی یا کم از کم وضو کر رہی ہونگی۔ مگر گھر میں پہنچ کر امید کے خلاف آپ یہ دیکھیں گے کہ بیگم صاحبہ چادر یا رزائی تانے ہوئے لیسے خواب خرگوش میں ہیں کہ ابھی گھنٹوں نہ اُٹھیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا جب آفتاب کم سے کم سوا نیزہ بلند ہو گیا تو بی بی صاحب نے کروٹ بدلی اور کچھ ہوں ہاں کر کے پھر غافل ہونا چاہتی تھیں کہ دودھ پیتا بچہ اُٹھ بیٹھا اور رنگا ماں کو لتیانے۔ بچّے کی اس حرکت مذبوحی نے گویا اُن کی نیند پر چھُری پھیر دی جھنجھلا کر اُٹھیں اور آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک دہتّڑ اُس معصوم کے جما ہی دیا اور پھر جواول فول مونھ میں آیا بکنے لگیں۔ آخر اُسکے رونے پر مامتا نے رحم کھایا اور جانوروں کے بچوں کی طرح بچّے کو پلنگ پر بٹھا کر چھاتی مونھ سے لگا دی۔ اب اِدھر اُدھر گردن پھیر کر دیکھا جمائی لی۔ پاندان یا ڈبیا میں سے پان نکالا اور بغیر مونھ دُھوئے مونھ کے اگالدان میں ڈال لیا۔ بُرے بھلے بچّے کو دودھ پلا کر اُٹھیں تو دیکھا کہ بی مغلانی جانماز تہ کر رہی ہیں۔ مامائیں۔ نوکرنیاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔ اگر مزاج سیدھا ہے تو لوٹا اُٹھا کر جائے ضرور کو تشریف لے گئیں۔ وہاں سے آکر اب کھٹے پلنگ پر اجلاس ہوا یا کسی دہلیز پر بیٹھ کر چولھے کے کوئلے سے دانت منجنے لگے۔ مونھ دھو کر

پھر پاندان کھولا گیا۔ اتنے میں بی مغلانی وغیرہ بھی پاس آگئیں۔ پہلے خود پان کھایا پھر دوسروں کو عنایت ہوا۔ پاندان کا ڈھکن ڈھکتے ہوئے باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان باتوں میں خیر سے کوئی کام کی بات سننے میں نہ آئیگی اور اگر ہو گی بھی تو صرف اتنی کہ اسپنے آرام فرمانے کی حالت میں سودا سلف پان تپا گو ترکاری جو کچھ آیا ہو گا اسکی پوچھ گچھ ہو کر باقی وہی غیبت وہی بدگوئی وہی آس پڑوس کی داستانیں کہ زہرہ بیگم نے یہ ستم توڑا۔ نظیر فاطمہ سنے یہ بُرائی کی۔ ایک بولی لے ہے بی بی یہ غضب بھی سُنا کل شام کو جب میں بزار (بازار) گئی تھی تو بنیے بقال سب یہ کہہ رہے تھے کہ اکرم میاں کی چھوٹی لڑکی نے اپنے بیاہ سے انکار کر دیا۔ لوج بہو بیٹیاں کسی کی ہوں جو باتیں کہ شریف بی بیوں کے فرشتوں نے بھی نہیں سُنی ہیں وہ ان سے سُن لو۔ یہ نا تمام ہی داستانیں ابھی چھڑی ہوئی تھیں کہ ادہر ایک چار برس کے لڑکے نے روٹی کی پکار مچادی۔ اُدہر تین برس کی بچی نے رونا شروع کر دیا۔ گھر کی بی بی اپنی ضروری باتوں میں ایسی مشغول ہیں کہ نہ ادہر کی خبر نہ اُدہر کی۔ جب بہت چیخ چلاخ ہوئی تو متوجہ ہوئیں اور کہنے لگیں "اللہ کیسے بُرے بچے ہیں ایسی اولاد خدا کسی کو نہ دے" یہ کہکر وہیں بیٹھے بیٹھے روٹی اور سالن نکالکر یا منگا کر بچوں کے آگے رکھدیا اور جھلا کر کہنے لگیں کہ "لو ٹھونسو، نگلو" اس خرافات کے بعد کھانا پکنے کا اہتمام شروع ہوا۔ اس مشغلہ میں پکنہاری پسنہاری اور دوسری ماماؤں سے جو جو قصے اور جھگڑے ٹنٹے ہوئے اُن کے دُہرانے کو ایک پوری کتاب چاہیے۔

اگر میاں کی خوش نصیبی سے بی بی کھانا پکانے میں دستگاہ رکھتی ہیں تو خود مٹی کا تھوا بن کر چولھے کے پاس بیٹھ گئیں اور پیش خدمتوں پہ چلانا شروع کیا۔ "اری زمرد او مُردار زمرد دیگچی نہیں لائی۔ اری او شبراتن یہ چتین پر کل کے

آئے ہوئے انار پڑے سڑ رہے ہیں موئی اندھی کوڑھن سے اتنا نہ ہوا کہ انکو اُٹھا کر کہیں چھونک
صبح سے ابتک تیرے باوا کو توں نے کیا چھوڑا ہوگا۔ یہ بکواس ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ شامت
کی ماری پکنہاری آئی۔ چونکہ آئی تھی ذرا دیر سے بس قدم رکھتے ہی غریب کی ٹانگ لیگئی
پہلا فقرہ جس سے لڑائی کا الٹی میٹم دیا گیا یہ تھا کہ "کیا رات کو مُردوں سے شرط باندھکر
سوئی تھیں" وہ جاہل گنوار مُردوں کا نام سنتے ہی آگ بگولا ہوگئی اور جل کر کہنے لگی
جیسے تم مُردوں سے شرط باندھکر سویا کرتی ہو۔ چلیے جنگ پورا میگزین استعمال میں آنے لگا
وہ پکنہاری کچھ گھر کی لونڈی تو تھی ہی نہیں جو دبتی اُس نے وہ کھری کھری سنائیں کہ
بی بی کو آخر چپ ہونا ہی پڑا۔ اور ہنڈیا چولھے سب پر پانی ڈالکر رونا شروع کر دیا۔
غل غپاڑہ سُن کر میاں جو گھر میں آئے تو چھوٹتے ہی اُن سے کہا جانے لگا کہ "اسوقت
سے تمہارے گھر میں میں رہونگی یا یہ تمہاری آشنا"

آشنا کا لفظ صرف اسلیے کہا گیا کہ اُس پکنہاری نے حد سے زیادہ موئنھ زوری کی تھی
ایسی حالت میں یہ قیاس کیا بیموقع تھا کہ یہ دلیری بغیر میاں کی شہ کے نہیں ہوسکتی حالانکہ
اُس بچاری کے فرشتے بھی اس سے آشنا نہیں۔ اب اگر میاں حلیم اور بردبار ہیں تو ان باتوں کو
ہنسی میں ٹال گئے ورنہ اچھا خاصہ مناقشہ پیدا ہوگیا۔ پھر وہ دن اور رات سارے گھر کے
لیے جس مصیبت سے کٹا کچھ نہ پوچھیے۔ بچے الگ بلبلا رہے ہیں۔ مامائیں نوکرنیاں الگ بدحواس
ہیں خاوند خدا پریشان ہیں۔ بی بی ہیں کہ موئنھ لپیٹے ہوئے چارپائی پر دراز ہیں۔ اس
جاہل جن کا اُترنا بڑی مشکل ہوجاتا ہے۔ دوپہر ڈھل گئی اور کھانے دانے کا کچھ ٹھیک نہیں
میاں بار بار گھر میں آتے ہیں اور بی بی کو بدستور پڑا دیکھ کر بے پاؤں پلٹ جاتے ہیں۔ آخر
ایک مرتبہ جی کڑا کر کے چادر یا دُلائی کو سرکایا اور ڈرتے ڈرتے کچھ خوشامد آمیز باتیں کیں
اگر بچوں کے نصیبوں سے بی بی کو کچھ رحم آگیا تو خیر ورنہ پھر چھوڑ ہونے لگی۔
غرضکہ اسی خرافات میں رات گزری۔ بُرا بھلا کھانا جو ماماؤں سے پک سکا پکا لیا گیا

اور جی بے جی جس طرح بنا بنی بی چپٹ سارے گھر نے کھا پی لیا۔ دوسرے دن صبح سے
پھر کچھ قوام درست ہوا۔ دو چار روز تک امن رہا اور ایسی تقضیع نہوئی مگر جہاں مہینا
بیس روز گزرے کہ پھر وہی لت سوار۔ العظمۃ للہ۔ یہ رُخ اس تصویر کا ذرا عامیانہ ہے۔
وہ گھرانے جو نہایت شریف اور مرفہ الحال ہیں وہاں کی تصویر کا رُخ اگرچہ اتنا غیر مہذب
نہیں ہے تاہم اُن کی حیثیت کے مقابل میں بہت ہی ناکارہ اور تاریک ہے۔ بد تہذیبی اور
فحش کلامی کے سوا باقی تمام مزخرفات وہاں بھی موجود ہیں۔ تھکا ہارا خاوند باہر سے
کھانے کے وقت گھر میں پہنچا۔ بالطبع چاہتا ہے کہ ذرا سکون اور آرام سے گزاروں کہ بیگم صاحبہ
نے بے جا فرمائشات کی فہرست گنانی شروع کر دی۔ ابھی اُس کے حلق سے نوالا نہیں
اُترا ہے کہ گھر میں غلہ اور دیگر ضروریات کی فکر پیدا کر دی۔ کوئی بچہ اگر بیماری سے بچا ہے
تو اُس کی خوشی میں خدا کی رات منانے کا تذکرہ چھیڑ دیا اور نہ صرف چھیڑ دیا بلکہ اپنی ماہانہ
آمدنی کا نصف حصّہ خرچ کرنے کے لیے مانگنا شروع کر دیا۔ خاوند کا سانس اوپر کا اوپر
اور نیچے کا نیچے۔ سوچ رہا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس لاطائل گفتگو کا کیا جواب دے۔ نتیجہ یہ ہوا
کہ جلدی جلدی چند نوالے حلق سے نیچے اُتار کر باہر مردانے میں چلا آیا اور اپنی جان
چھڑائی۔ مسجدوں میں مغرب کی اذانیں ہو رہی ہیں اور شریف گھرانوں میں اسی وقت
ڈھول پٹ رہا ہے یا ساون کے گیت ہو رہے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو عورتوں عورتوں
میں وہ دھواں دھار لڑائی ہو رہی ہے کہ ایک ایک لفظ باہر مردانے میں سُنائی
دیتا ہے۔

یہ خاکا شریف گھرانوں کی روزانہ معمولی زندگی کا ہے۔ ورنہ غیر معمولی حالتوں کے
افسانے عجائب المخلوقات میں لکھنے کے قابل ہیں۔ شادی، بیاہ، ہرج، مرج، ولادت
وفات کے جھگڑے قصے ایسے ہیں جنکا بیان برابر خاتون میں ہوتا رہتا ہے اسلیے اب
اُن سب تذکروں کو چھوڑ کر اصلاح آئندہ پر توجہ کی جاتی ہے۔

ان باتوں کا انسداد حامیان تعلیم کو ضرور چاہیے۔ وہ بی بیاں جو اسوقت خیر سے گھر کی مالک ہو چکی ہیں اور جو ایک چھوڑ دو دو چار چار بچوں کی مائیں کہی جاتی ہیں اُنکے لیے اب اسکا زمانہ تو اب رہا نہیں کہ وہ الف بے تے لیکر مکتب میں بٹھائی جائیں مگر ممکن ہی کہ دوسرے مناسب طریقوں سے اُن کی افہام و تفہیم کی جائے اور اُنکو ایسی عادتیں ڈلوائی جائیں جس سے وہ اُن باتوں کی عادی ہوں جو شریف مستورات میں ہوتی ہیں۔

وہ اولاد جس کی تعلیم کا زمانہ آجکل باقی ہی یا شروع ہوا ہی اُنکے لیے ان موجودہ ماؤں کا موجودہ وجود سخت مضر ہی۔ وہ چند گھنٹے جو کسی گرل اسکول میں یا کسی معقول اُستانی کے پاس گزارے جاتے ہیں ضرور قابل اطمینان ہونگے مگر وہاں سے چھٹی ہونے کے بعد نہ حامیان تعلیم اُن کو اُنکے گھر اور اُن کی ماؤں اور وہاں کی معاشرت و آب ہوا سے بچا سکتے ہیں نہ وہ خود بچ سکتی ہیں اور جب ایسا ہوگا تو وہ عارضی اثر جو اسکول یا اُستانی کی صحبت کا اُن پر پڑا ہی اس بے قاعدہ اور غیر مرتب میل جول سے ضرور زائل ہو سکتا ہی اور نتیجہ میں وہ ایک نامکمل اور ناقص تعلیم کے سوا اچھا سا ٹیفکٹ نہیں پا سکتیں۔ ایسی ادھوری پڑھی لکھی عورتوں کو برابر دیکھا جاتا ہی کہ چند معمولی امتیازی باتوں کے سوا وہی اثر اُن میں موجود ہی جو اُن کی جاہل ماؤں میں سرایت کیے ہوئے سب۔

ہمارے خیال میں جس طرح کہ جاہل مسلمانوں میں جوش قومیت پیدا کرنے کے لیے دیہات میں واعظین کا دورہ تجویز کیا گیا ہی کاش اسی طرح سلیقہ شعار۔ تجربہ کار بی بیاں جنگلوں کی جگہ قصبات اور شہروں میں گشت کیا کریں اور متوسط الحال شریف گھرانوں میں آمد و رفت پیدا کرکے اُن بدسلیقہ اور زباں دراز شریف النسل ماؤں کو سمجھائیں کہ تم کون ہو کن ناموروں اور بزرگوں کی بیٹیاں اور بی بیاں ہو تم کو اپنی روزانہ زندگی اس طرح بسر کرنی چاہیے کہ لوگ انگشت نمائی نہ کریں۔ وقت کی نامساعدت سے اگر تمہیں کتابی تعلیم حاصل نہیں ہوئی تو اب اسکا غم نہ کرو بلکہ کتابی تعلیم کو چھوڑ کر

تقلیدی تعلیم ہی کو غنیمت سمجھو۔ اور جو تمہاری بڑی بوڑھیاں کرتی آئی ہیں وہی کرتی رہو
نماز پڑھنی۔ روزہ رکھنا۔ طہارت کا لحاظ۔ شوہر کا پاس۔ بچوں کی داشت۔
گھر کی چیزوں کا رکھ رکھاؤ۔ بات چیت کا انداز۔ وقت و موقع کا خیال، غرضکہ وہ
معمولی باتیں جو تدبیر منزل اور بچوں کی تربیت اور ذاتی معاشرت کے لیے روزمرہ
ہر گھر میں ہونی چاہییں اس طرح انجام دو کہ اگر کوئی تم کو اچھا نہ کہے تو بُرائی سے
بھی یاد نہ کرے۔

امید ہے کہ یہ اور ایسی دوسری مناسب تدبیریں کی جائیں گی تو ضرور نتیجہ خیز
ہوں گی۔ فقط

دعاگو

احسن مارہروی

اڈیٹوریل

زنانہ مدرسہ کا بورڈنگ ہوس اب قریب ختم ہونیکے ہے۔ وہ اس سے بہت قبل ختم
ہو جاتا مگر روپیہ کی کمی کیوجہ سے درمیان میں کام میں کسی قدر ڈھیل ہوگئی۔ ہماری بیدار
پبلک باوجود اسکے کہ جانتی ہے کہ بلا روپیہ کے کوئی کام نہیں ہو سکتا مگر اس بات کے
انتظار میں بیٹھی ہے کہ غیب سے کوئی نکلکر روپیہ بھی دیدے اور کام بھی کرجائے اور پھر
آخر میں ہم کو اُس کام کا مالک بننے کا پورا اختیار رہو۔

ہم کو بعض وقت کم عقل لوگوں کے اعتراضات دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ وہ ایسے کاموں میں
جنمیں خود کسی قسم کی مدد نہیں کرتے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ عام طور پر مدد نہیں کرتے پھر
لفظ قوم کی آڑ میں کسی کام کی تاخیر کے باعث دوسروں پر بے انصافانہ حملے کرتے ہیں
ایسے لوگ واقعی قوم میں مسلمانوں کے خیرخواہ نہیں ہو سکتے۔ ہم آج بتانا چاہتے ہیں کہ

جس مدرسہ نسواں کے متعلق بار بار کہا جاتا ہے کہ قوم کا روپیہ صرف ہو رہا ہے اور قوم نے یہ کیا اور قوم نے وہ کیا اس مدرسہ کے لیے قوم نے اسوقت تک صرف سترہ ہزار روپیہ کا سرمایہ بہم پہنچایا وہ بھی بحیثیت قوم کے نہیں بلکہ ہمارے کالج کے نوجوان طلبار کی کوشش اور بعض احباب کی خاص توجہ سے یہ خفیف رقم ہم کو ملی ہے۔ باقی جو کچھ روپیہ ملا اس میں کچھ دیسی ریاستوں کی فیاضی سے اور زیادہ تر حصہ گورنمنٹ کا۔

ہم نے اس سے قبل ایک موقع پر ایک زندہ قوم کے کارناموں کی مثال خاتون میں شائع کی تھی اور یہ لکھا تھا کہ جب جاپانیوں کو تعلیم نسواں کا خیال پیدا ہوا تو اُنہوں نے قوم کے سامنے اپیل کیا۔ دو سال کے اندر چھ کروڑ روپیہ قوم نے نہایت خوشی سے از خود انجمن تعلیم اُناث کے ہاتھ میں دیدیا۔ برخلاف اُسکے مسلمان جو جاپانیوں سے تعداد میں کہیں زیادہ ہیں اور جنکے کثیر التعداد اخبارات کے کالم آئے دن تعلیم اُناث کی تائید میں بھرے جاتے ہیں اُس قوم نے ۷ سال کے عرصہ میں سترہ ہزار روپیہ کی فیاضی کا دریا بہادیا۔ افسوس صد افسوس!

خیر قوم سے تو اسوقت مایوسی ہے اور مایوسی کے اسباب ظاہر ہیں کہ اوّل تو قوم بیدار نہیں ہے اور جو بیدار ہیں اُنکے دل مُردہ ہیں اور ان تمام خرابیوں پر مستزاد یہ ہے کہ جن لوگوں میں کچھ احساس پیدا ہوا ہے اُن میں نفسا نفسی اور خود غرضی اس درجہ ہے کہ وہ بجائے قوم کو راہِ راست پر لانے کے گمراہ کر رہے ہیں۔ ہم نے ان حالات کو دیکھ کر پھر گورنمنٹ کی طرف رجوع کیا اور گورنمنٹ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ بورڈنگ ہوس کی تکمیل کے لیے امداد دیگی اور اب اُس وعدہ میں تواتر ہو چکا ہے عنقریب رقم ملجائے گی تو ہم بورڈنگ ہوس کو ختم کر دینگے۔ اس بورڈنگ ہوس میں علاوہ اُستانیوں کے اسوقت ۰۷ طالبات کے رہنے کا انتظام ہے جو صاحب اپنی صاحبزادیوں کو بھیجنے کے خواہشمند ہوں وہ ابھی سے اپنا نام درج کرائیں تاکہ جسوقت بورڈنگ ہوس کھُلے تو جنکا نام پہلے سے درج ہو اُنکو ترجیح دیجائے۔

ترکی سلطنت اور اُسکی دشواریاں

ترکی سلطنت جب سے یورپ میں قائم ہوئی ہے اُسوقت سے لیکر ابتک برابر اُسکو اپنی ہمسایہ سلطنتوں سے اذیت پہونچتی رہی ہے۔ ترک دنیا کے بہادر و جنگجو قوم ہیں۔ ترکوں کے مخالف بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ترک سپاہی شجاعت اور انسانی شرافت کی ایک زندہ تصویر ہیں۔ مگر یورپ کے لوگوں کو اس بات کی شکایت ہے کہ اس بیسویں صدی میں بھی تُرک واقعی حکومت کرنیکے راز کو نہیں سمجھے ہیں۔ ان کی حکومت صرف ایک قسم کا فوجی تسلط ہے اور افلاس زدہ زمینداران اور کاشتکاران سے تشدد کے ساتھ جو کچھ اُنکے پلّے پڑتا ہے وہ خود اور اُنکے اعمال چھین لیتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ تُرکی حکومت کا ڈھنگ ابھی تک ایک قدیم قسم کا ڈھنگ کا ہے اور زمانہ حال کی سی باتیں اُس میں نہیں ہیں۔ مگر اصلیت یہ ہے کہ ترکوں کو یورپ کی دیگر سلطنتیں چین نہیں لینے دیتیں۔ نہ اُن کو موقع دیتی ہیں کہ وہ اپنی حالت کو درست کریں۔ گو اُنھوں نے اپنی طرز حکومت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کیا کہ شخصی سلطنت سے اسکو جمہوری بنادیا۔ قوانین بالکل اُسی قسم کے وضع کیے جو یورپ کی دوسری سلطنتوں میں رائج ہیں۔ مگر اسپر بھی سلطنت کی حالت روبہ ترقی دکھائی نہیں دیتی۔

ترکوں نے جب اپنی اصلاح کرنی چاہی تو یورپ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب تو یہ اپنے قدم پورے طور پر یورپ کی سرزمین میں جمائے لیتے ہیں اور جب یہ مضبوط ہوجائینگے تو پھر اُن کا نکالنا دشوار ہوگا تو سب سے اول اٹلی نے طرابلس کے اوپر ایک ناجائز حملہ کیا جس کی بابت تمام یورپ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ اٹلی کو طرابلس پر فوج کشی کی کوئی وجہ نہ تھی باوجود اسکے بھی ترکی سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ بلکہ جب صلح کی گفتگو آتی ہے تو ترکی سے کہا جاتا ہے کہ وہ کچھ واجبی سا معاوضہ لیکر طرابلس کو اٹلی کے حوالہ کردے

اصلی غرض تو یہ ہی کہ طرابلس ٹرکی سلطنت میں سے نکالکر سلطنت کو کمزور کردیا جائے تاکہ آیندہ اُسکو بالکل پامال و نیست و نابود کرنے میں زیادہ دقت نہو ابتک اٹلی والے ساحلی سمندر جنگی جہازوں کی آڑ چھوڑکر آگے بڑھنے نہیں پائے ہیں

طرابلس کے مسلمان باشندے جو عربوں کی اولاد میں سے ہیں وہ سال بھر سے برابر ایک ایسی سلطنت کا مقابلہ کر رہے ہیں جنکے پاس جنگی جہازوں اور باقاعدہ فوج اور دیگر سامان جنگ کا پورا مسالہ موجود ہے۔ اٹلی کا حملہ ویسا ہی ہی جیسے کہ ڈاکو کسی کے گھر میں گھس کر عورتوں بچوں ضعیفوں کو تہ تیغ کرتے ہیں گھر کا مال و اسباب لوٹتے ہیں۔ مگر طرابلس کے بہادر مسلمانوں کا مقابلہ کرنا ویسا ہی ہے جیسے اپنی گھر کی حفاظت کے لیے نوجوان ڈاکوؤں سے لڑتے ہیں۔

اب اُدھر تو اٹلی سے مقابلہ ہو رہا ہی ادھر چار اور چھوٹی چھوٹی عیسائی ریاستوں میں آپسمیں اتفاق کرکے ٹرکی پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہی اور اپنی افواج کو سرحد کی جانب روانہ کرنا شروع کردیا۔ یہ چار ریاستیں یہ ہیں۔

اوّل یونان، دوسری بلگیریا۔ تیسری سرویا اور چوتھی رومانیا،

ان چاروں ریاستوں کے متعلق یہ جاننا ضروری ہی کہ وہ کیسی ہیں اور وہ کیوں ترکوں کی مخالفت پر ہمیشہ آمادہ رہتی ہیں۔

یہ چاروں ریاستیں دراصل حکومت ٹرکی کے مختلف صوبے تھے اور صدہا سال تک زیر حکومت ٹرکی سلطنت کے رہے ہیں مگر آخر کار جب ٹرکی حکومت کمزور ہوئی اسکا جنگی بیڑہ جو یورپ میں سب سے زبردست سمجھا جاتا تھا بالکل تباہ ہو گیا اس نے غلبہ حاصل کرلیا تو منجملہ ان کے آخر الذکر تین صوبے اور ایک چوتھا صوبہ منٹیگرو ٹرکی سلطنت سے علیحدہ کرکے جرمنی کے شاہی خاندان کے اشخاص کو یورپ کی سلطنتوں نے اتفاق کرکے ان ریاستوں کو علیحدہ علیحدہ اُن کے زیر حکومت

کر دیا۔ یونان تو بہت پہلے ہی آزاد کر دیا گیا۔ اب روس کی ان ریاستوں کو علیحدہ کرنے میں یہ حکمت عملی تھی کہ یہ چاروں پانچوں بطور گدّوں کے ہر وقت کمزور ٹرکی کو گھیرے رہیں گی۔ جہاں موقع ملیگا وہیں اُسکو زخم پہونچائیں گی اور اسطور پر ٹرکی خود بخود کمزور ہوتی جائے گی اور آخر کار باقی حصہ سلطنت پر میرا تسلط ہو جائیگا۔

یہ چاروں ریاستیں جنھوں نے اسوقت ٹرکی کے خلاف ایکا کیا ہی بجائے خود ٹرکی کے لیے کوئی بڑی غنیم متصور نہیں ہو سکتیں مگر ان کے پیچھے شہ دینے والے روس اور آسٹریا دوسری سلطنتیں لگی ہوئی ہیں اُن سے ضرور اس بات کا اندیشہ ہی کہ خواہ ٹرکی جیتے یا ہارے وہ دخل دیکر کوئی صوبہ اور ٹرکی سلطنت سے نوچ لیں ترکوں نے بھی اسوقت اپنی پوری فوج کو یورپین ٹرکی میں جمع کر لیا ہی اور وہ بھی مرنے مارنے پر تیار ہیں۔

اگر ٹرکی کے ساتھ ناجائز سختی ہوئی تو ترک بہادروں کے مقابلہ میں ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا اتفاق اور ایکا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ مگر برخلاف اسکے اگر روس وغیرہ حریص اور ہمیشہ کی ترکوں کی مخالف سلطنتوں نے دخل دیکر ترکوں کو زیر کرنا چاہا تو پھر بجز تائید غیبی کے اور غریب ترکوں کا کوئی سہارا نہیں اور یہ ترکوں ہی پر کیا منحصر ہی اگر یورپ کی باقی سلطنتیں ایکا کرکے روس پر ہی حملہ کریں جو ایک بڑی سلطنت کہی جاتی ہی تو اُنکے مقابلہ میں روس کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہی۔

دنیا کی تاریخ جاننے والوں کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہی۔ دُنیا میں قومیں اور سلطنتیں پیدا ہوئیں اور اپنا اپنا وقت گزار کر نظروں سے غائب ہو گئیں۔ لیکن تمام تاریخ ہم کو اس کرہ زمین پر بہت دنوں تک عزت سے رہنے کا ایک راز سکھاتی ہی اور وہ راز یہ ہی۔ کہ جس ملک میں رہو اُس ملک کی محبت کو پورے طور پر اپنے دل میں جگہ دو اور اس ملک کی حفاظت کے لیے سب افراد قوم اتفاق کرکے

رجسٹرڈ نمبر ایل (۲۶۱)

خاتون

جلد ۶	بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء	نمبر ۱۰

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل۔ بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

۱ مسلم یونیورسٹی .... ز، خ، ش صاحبہ ۱

۲ جاپان ...... سید خورشید علی صاحب ۸

۳ نتیجہ افلاس ...... قیصر، صاحب ۱۳

۴ سیامی بیویاں پنجابی خاوند ...... ایک پنجابی صاحب ۱۶

۵ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ...... سید اختر حسین صاحب ۲۳

۶ مہارانی کیکئی ...... از زمانہ ۲۶

۷ سلیمہ کی زندگی ...... سید اختر حسین صاحب ۳۵

۸ یاد عزیزہ ...... عباسی بیگم صاحبہ ۳۸

اڈیٹوریل ۴۲

خاکسار عبداللطیف پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑھ میں چھپا

شیخ محمد عبداللہ بی اے پبلشر نے علیگڑھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علیگڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (عه/
اور ششماہی ۱۲؍ ہی۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی انکو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے بے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر اُستانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے۔

مسلم یونیورسٹی ضرور قائم ہونی چاہیے

مسلماں ہو کے توڑا ساغرِ لاتقنطوا تم نے — دریعے پہ دے پٹکا امیدوں کا سبو تم نے
یقیں جانو کہ یونیورسٹی مل سکتی ہے اب بھی — اگر چھڑکا تدبر پر توکل کا لہو تم نے

فی الحال مسلمانانِ ہند کے لیے سب سے زیادہ اہم، سب سے زیادہ قابلِ غور، سب سے زیادہ بحث طلب "محمڈن یونی ورسٹی" کا مسئلہ ہے۔ جس کی اہمیت نے کل اہل الرائے کی توجہ کو گرد و پیش سے ہٹا کر صرف اپنی طرف منعطف کرا لیا ہے اور قومی اخبارات کے کالم گویا اسی کے لیے وقف کر رکھے ہیں۔ کوئی اخبار یونیورسٹی کے وجود کو اشد ضروری بتاتا ہے۔ کوئی بالکل فضول۔ لیکن ہم مستورات نے ایسے عظیم الشان مسئلہ پر کچھ نوٹس نہیں لیا۔ حالانکہ یہ بحث جس حد تک مردوں کے لیے

ضروری ہے تقریباً اتنی ہی ہمارے لیے۔ اخبار تہذیب نسواں نے البتہ چند اڈیٹوریل نوٹس اور مراسلات اس کی نسبت شائع کیں۔ لیکن وہاں ایک طرفہ بحث ہو رہی ہے۔ اب میں چاہتی ہوں کہ دوسرے پہلو (فوائد یونیورسٹی) پر بھی کچھ روشنی ڈالوں۔

آج سے چند ماہ قبل کسکو یہ خیال آسکتا تھا کہ جس سال کے پُرارمان آغاز میں تمام مسلمان یونیورسٹی لینے پر اڑے ہوئے ہیں اور "یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید"، کے مصداق ہیں حتیٰ کہ اس سرگرمی اور متفقہ جوش سے متاثر ہو کر شمس العلما حافظ نذیر احمد مرحوم کی زبان پر بھی یہ الفاظ آگئے۔

"کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کے بعد میں نے تو مسلمانوں کو کسی بات پر اس عموم کے ساتھ متفق ہوتے دیکھا نہیں جیسا وہ آجکل اپنی یونیورسٹی بنانے کے لیے"۔

کل وہی مسلمان اسی سال کے پُرحرمان خاتمہ پر اس بات میں اختلاف کرنے لگیں گے کہ یونیورسٹی فنڈ کس کام میں خرچ کیا جائے؟

کون جان سکتا تھا کہ یہی اہل اسلام جو آج متفق اللفظ ہو کر "مسلم یونیورسٹی پر حیات اسلام کا دارومدار ہے" کی رٹ لگا رہے ہیں۔ صرف چند ماہ بعد "اگر یونی ورسٹی قبلہ ہو تو نماز نہ پڑھیں" کہنے لگیں گے ؎

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

اس حیرت انگیز انقلاب کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت میں داخل ہے کہ بشاش اور بیگانۂ غم دل ایک آدھ رنج و ناامیدی کو ہنسی خوشی برداشت کر لیتا ہے لیکن ایک غم و الم سے بھرا ہوا دل۔ ایک تفکرات سے پریشان دماغ کسی مزید فکر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

مسلمان، مظلوم، دل شکستہ، پے در پے مصائب سے تنگ آئے ہوئے مسلمان سکرٹری آف اسٹیٹ کی اس تازہ عنایت سے بالکل ازخود رفتہ ہوگئے۔ مرتے کو مارے شاہ مدار سے

برق میرا آشیاں کب کا جلا کرلے گئی   کچھ جو خاکستر بچا، آندھی اڑا کر لے گئی

ہمارے زخم دل پر نمک پاشی کی گئی، ہمارا جام مصائب لبریز ہوگیا۔ پس اگر فرط یاس سے دفعتہً ہمارے موونھ سے نکل گیا کہ ایسی محدود الاثر یونیورسٹی کو ہمارا دور سے سلام ہے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمیں یکایک اس مصیبت کا سامنا کرنا پڑا جسکا سان و گمان تک نہ تھا۔ امید کے بعد ناامیدی نہایت دردناک چیز ہے۔ اگر سرکار حشمت مدار کا قصد مختص المقام اور اس پر بھی محدود الاثر یونیورسٹی دینے کا تھا تو ہمیں اس خوشگوار خواب سے چونکا کیوں نہ دیا کہ ہمیں ایک کامل الاختیار اور حق الحاق رکھنے والا دار العلوم نہ ملیگا۔ گورنمنٹ نے نہ صرف ہمارے جوش و خروش کو خاموشی سے دیکھا۔ بلکہ ہر موقعہ پر اپنے طرز عمل سے ہماری حوصلہ افزائی فرما کر ہمیں یقین دلادیا کہ اس ہاتھ سے چندہ جمع کرو اور اُس ہاتھ سے موونھ مانگا چارٹر لو۔

آنریبل ممبر صیغہ تعلیم کے وعدے (محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس دہلی کے موقع پر) اور ۳۱۔اگست کی چٹھی سے ہم سب کو یقین ہوگیا کہ اگر گورنمنٹ عالیہ ہم کو یونیورسٹی کے بارے میں گرانقدر امداد نہ دیگی تو کم ازکم سنگ راہ بھی نہوگی لیکن خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم۔ ناگہاں پریس کمیونیک نے ہمارے جوش کو سرد ہمارے حوصلوں کو پست، ہماری حسرتوں کو پامال کرڈالا، ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

لبرل اخبارات فریاد کرنے لگے کہ مسلمانوں جیسی وفادار (بلکہ جاں نثار رعایا)

کے ساتھ یہ سلوک لازم نہ تھا اگر لارڈ کرزن بہادر کا پہلے ہی سے ایسا قصد تھا تو ہماری امیدوں کو درجہ یقین تک پہونچا دینا کچھ زیادہ مناسب نہوا۔

اس نازک موقع پر اس مقدس و محترم فرقہ کو (جسے علی گڑھ کے نام سے چڑ ہی) الزام دہی کا نادر موقع ہاتھ لگا۔ نزلہ گرا عضو ضعیف پر اُنھوں نے بلا کسی ادنی سی دلیل کے صاف صاف کہدیا کہ یہ سارا کیا دھرا علیگڈہ والوں کا ہی جنھیں اچھی طرح علم تھا کہ سرکار ان کی یونی ورسٹی دینے والی آسامی نہیں مگر اُنھوں نے دیدہ و دانستہ قوم کو مغالطہ میں رکھا۔

اس کے جواب میں اہل علیگڈہ صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

قیل ان الرسول قد کہنا قیل ان الله ذو ولدٍ

کہا گیا کہ رسول ساحر تھے کہا گیا کہ اللہ صاحب اولاد ہی

من لسان الوریٰ معاً ما نجی الله والرسول فکیف انا

جب اللہ اور رسول نے زبان مخلوق سے نجات نہ پائی تو ہم کیونکر بچ سکتے ہیں؛

اس جملہ معترضہ کے بعد اب پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کرتی ہوں۔

معزز حضرات! آپ کی مایوسی بجا، آپ کا غصہ برمحل لیکن صرف اتنی عرض ہے کہ جس پاک مذہب کے آپ نام لیوا ہیں ذرا اُس کی عدیم النظیر تعلیم اور اُس کی مفید الشان احکام کا بھی خیال رہے۔ کلام اللہ میں جا بجا خدا کی رحمت سے مایوس ہونا کس قدر جرم عظیم بتایا گیا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں "حذر و تانی فے الامور" کی کتنی تاکید ہی۔

سال نہیں، دو سال نہیں، قریباً نصف صدی کے متفق علیہ مسئلہ (محمڈن یونیورسٹی) سے یک لخت ہاتھ اُٹھا لینا، اور چند شرائط کے پیچھے ایک ایسی بے بہا چیز کو جسکے لیے سر برآوردگان قوم نے خون اور پسینہ ایک کر دیا، کھو بیٹھنا اپنے پاؤں میں آپ

کلہاڑی مارنا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سرہار کورٹ بالقابہ نے مسلم و ہندو یونیورسٹیز کو جن شرائط سے مشروط کیا ہے ان کی پابندی سے ہمیں ۳۰-۳۵ لاکھ کے سرمایہ سے صرف یونیورسٹی آف علی گڑھ ملے گی جسپر کوہ کندن و کاہ برآوردن کی مثال یاد آجاتی ہے۔ جواباً عرض ہے غیر الحاقی یونیورسٹی قابل المنفعت ضرور ہے۔ مگر نہ اتنی جتنی آپنے سمجھ رکھی ہے ہماری یونیورسٹی علیگڈھ ہی میں محدود رہکر وہ کام کرسکتی ہے جس کے آپ الحاقی یونیورسٹی سے متوقع ہیں۔ ہاں اتنا حرج ضرور ہوگا کہ گھر بیٹھے نہیں بلکہ سفر و سیلۂ ظفر کے ذریعہ سے۔ ہم علی گڑھ ہی میں متعدد کالج قائم کرکے اطراف ہند کے طالبان علم کو مدعو کرسکتے ہیں۔

کیا کوئی صوبہ ایسا ہے جو ایم اے او کالج سے محروم الفیض رہا ہو۔ کیا وہ ایک مقامی درسگاہ نہیں؟

ولایت کے نہایت نامآور دار العلوم آکسفورڈ یونیورسٹی اور کیمبرج یونیورسٹی مختص المقام درسگاہیں ہیں۔ لیکن کیا اُن کا چشمۂ فیض دور دور کے تشنہ گان علم کو سیراب نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں ہمیں قوی امید بلکہ کامل یقین ہے کہ اگر ہم بالاتفاق اسی بات پر اڑے رہے اور باقاعدہ ایجیٹیشن (آئینی مجاہرہ) سے کام لیتے رہے کہ گورنمنٹ ان قیود سے ہمیں آزاد کردے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ہماری پیاری اور عادل گورنمنٹ ہماری مسلسل مگر مودبانہ عرضداشتوں پر توجہ مبذول نہ فرمائیگی۔ اور کم از کم سکولوں کے الحاق کا حق عطا نہ کرے گی۔

تنسیخ تقسیم بنگالے نے یہ امر روز روشن کی طرح ثابت کردیا ہے کہ ہماری لبرل اور حریت پسند گورنمنٹ ایجیٹیشن سے کسقدر متاثر ہوتی ہے۔

رہا یہ امر کہ گورنمنٹ عالیہ مسلم و ہندو یونیورسٹیوں کو علیگڈہ و بنارس ہی سے موسوم کرنا چاہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تجویز میں ہمارا عملی نقصان ذرہ برابر نہیں۔ مثل مشہور ہے کہ نام سے کیا کام؟ ہمیں پہلے ہی امید تھی کہ محمڈن یونیورسٹی کا نام خود بخود علی گڑھ یونی ورسٹی پڑ جائے گا جس طرح محمڈن کالج کا نام علی گڑھ کالج مشہور ہو گیا۔

بیشک ہمارے لیے یہ امر روح فرسا ہے کہ ہم اپنی یونی ورسٹی سے جان سے پیارا لفظ "مسلم" علیحدہ کریں۔ لیکن جب ہم حقیقت میں مسلم ہیں تو اس طلبی صدہا دلشکنیوں کا متحمل ہونا پڑیگا ع

این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر

میں اس موقع پر ہندو نیشن سے آفریں کہے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یونی ورسٹی کے معاملہ میں اُن کی تُلی روش اس قابل ہے کہ ہمارے اہل الرائے اسپر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ اگر ہمارے برادران وطن پالٹکس میں ہم سے بیس قدم آگے ہیں تو تعلیم میں چالیس قدم۔

انھوں نے سرکار کے فیصلہ کا ایک ایک حرف نہایت خاموشی، متانت اور تحمل سے سُنا۔ اور ہر چہ از دوست میرسد نیکوست سمجھ کر اسپر سر تسلیم خم کیا۔ اگر اسکا ان پر کچھ اثر ہوا تو صرف یہ کہ پہلے سے دو چند تندہی سے چندہ جمع کرنے میں منہمک ہو گئے۔ وصولی زر کی رفتار پہلے سے دوگنی ہو گئی۔ مسٹر مالوی اور مسز اینی بیسنٹ اطراف ہند میں اسکے لیے دورہ کرنے لگے۔ یہ عجیب و غریب خیال تو اتنی بڑی قوم کے کسی فرد کے دماغ میں نہ آیا ہوگا۔ کہ چارٹر واپس کر دو۔ اور یونی ورسٹی کا خیال ہی چھوڑ دو۔

اسوقت مایوسی نے ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ اور ہمیں نیک و بد

کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ لیکن جب تیر کمان سے چھوٹ جائیگا۔ جب ہندو یونیورسٹی ماشاءاللہ بصد آب وتاب اپنی قوم کی علمی تشنگی بجھا رہی ہوگی۔ جب ہماری آیندہ نسل سرکاری قیود سے تنگ آکر " اسلامی یونیورسٹی، اسلامی یونیورسٹی" کی صدا بلند کرے گی۔ اور جب ہمارے نوجوان ہماری پست ہمتی وکوتاہ بینی پر نفرین کرینگے۔ جب ہماری بے حد جانفشانی کا سرمایہ برباد ہوچکا ہوگا جب یونیورسٹی قایم کرنے کا موقعہ ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نکل جاچکا ہوگا۔ اُسوقت آہ اس حسرتناک وقت میں ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم نے کیا کیا اور کیا کرنا چاہیے تھا؟ لیکن مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلۂ خود باید زد۔

گر نہیں سنتے قول حالی کا　　　　پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

اے عزیز قوم! اے معزز اکابر قوم!! آب رفتہ در جو می آید۔ اُٹھو بہتی گنگا میں ہاتھ مونھ دھولو۔ ورنہ پھر اشک سے مونھ دھویا تو کیا حاصل؟

مسلمانوں نے ہندوؤں سے بدرجہا زیادہ جوش اور فیاضی سے محمڈن یونیورسٹی کا خیر مقدم کیا تھا۔ لیکن مسٹر بٹلر کی ایک چٹھی نے آں قدح بشکست آں ساقی نماند کا سماں پیدا کردیا۔ ہائے کیا یونیورسٹی کا حشر بھی ہمارے ہاتھوں وہی ہوگا جو جنگ واٹلی وٹرکی سے، نہیں نہیں " اطالین ڈاکہ" سے اظہار جوش کا ہوا کہ نہ اب وہ مظلوم ٹرکی کی مالی امداد ہی اور نہ انکے حق میں دعائے خیر۔ نہ اٹلی کے ناپاک مال کا بائی کاٹ۔

پیاری قوم! میں حیران ہوں کہ تیرے جوش کو آب رواں کی لہریں کہوں یا ہانڈی کا اُبال؟ صابون کے جھاگوں سے تشبیہ دوں یا سوڈا واٹر کے بلبلوں سے۔

اے قوم! اے بدنصیب قوم! تو کب تک اغیار کو ہم پر ہنسوائیگی،

میں اس مضمون کو اپنے ناچیز قطعہ تاریخ پر (جو میں نے مسلم یونیورسٹی کے حسرتناک خاتمہ پر موزوں کیا ہی) ختم کرتی ہوں۔

قطعۂ تاریخ

چو یونی ورسٹی را کرد محدود الاثر قیصر — دلِ اسلامیاں شد پرورش گاہ شکایت ہا
جہاں دشمن، فلک بدخواہ، بخت قوم برگشتہ — چہ سازد با جہاں یک ملت صد گونہ آفتہا
بصد حسرت چو گفتم خون حسرتہاے مسلم شد — خرد گفتہ بگوشم، سال ہم گو، خون حسرتہا

سنہ ۱۳۳۰ھ

ہیچ میرز — ز، خ، ش
آف علی گڈھ

جاپان

بیسواں باب

کوتوالی اور فوج

جاپان کی کوتوالی کے جوان کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہی کہ وہ بہت شریف ہوتا ہی۔ اس کے طبقہ "ساموراسے" میں داخل اور شریف الخاندان ہونے کے سبب عام لوگ اس کی بہت عزت و وقعت کرتے ہیں عام جاپانیوں سے بھی اسکا قد چھوٹا ہوتا ہی۔ اور پونے پانچ یا پانچ فٹ سے زیادہ نہیں ہوتا۔ لیکن باوجود اس پست قامتی کے اس کی حکومت میں کوئی فرق نہیں آنے پاتا۔ جب "ساموراسے"، کو شکست کر دیا گیا تو ان لوگوں کو

بہت کم پیشے پسند آئے، تجارت اور زراعت کو تو انھوں نے بالکل ناپسند کیا اور سب کے سب خانگی ملازمت، چھپائی کے کارخانوں اور کوتوالی میں شریک ہو گئے۔ اگرچہ یہ کام ان کی اگلی زندگی سے بہت کم مناسبت رکھتے تھے لیکن ان کو اختیار کرنے کے بہت کافی وجوہ تھے۔

خانگی ملازمت اختیار کرنے کو "ساموراے" نے اس لیے پسند کیا کہ اس کو جاپان میں معزز پیشہ سمجھا جاتا ہے۔ چھپائی کے کارخانوں میں شریک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ "ساموراے" کا طبقہ تعلیم یافتہ تھا اور صرف ان ہی میں یہ قابلیت تھی کہ جاپان کی پیچیدہ حروف تہجی سے کام لیں۔

کوتوالی میں داخل ہونے کا یہ سبب ہوا کہ ان کی طبعی مناسبت جنگی مذاق اور حکومت کرنے کی عادت سے وہ اس کے لیے بہت موزوں تھے، ان کی حکومت عام طبقہ پر غیر محدود ہی جس کے وجوہ یہ ہیں۔

اب سے چالیس برس پیشتر جاپان کی آبادی دو طبقوں میں منقسم تھی، ایک طبقہ حکمراں تھا اور دوسرا محکوم، حکمراں طبقہ بڑے شاہزادوں، نوابوں اور "ساموراے" یعنی ان کے ساتھیوں پر مشتمل تھا اور اس کی تعداد بیس لاکھ تھی۔ آبادی کا بقیہ حصہ یعنی تین کروڑ اسّی لاکھ نفوس پہلے طبقہ کے محکوم تھے۔ ان قدیم دنوں میں جب کوئی ڈاے میو اپنے محل سے سفر پر روانہ ہوتا تھا تو کیا گو میں جو ایک قسم کی بند گاڑی ہوتی ہے سوار ہوتا تھا اور "ساموراے" کے دستے اسکے جلو میں ہوتے تھے۔ اگر راستہ میں کوئی معمولی آدمی مل جاتا تو اس سے یہ توقع ہوتی کہ یا تو وہ فوراً راستہ چھوڑ کر چلا جائے یا اپنے موہنہ کے بل زمین پر گر جائے اور سواری کے گزرنے تک اسی حالت میں پڑا رہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو "ساموراے" فوراً اپنی تلوار سے اسکا کام تمام کر دیتے۔ اس طرح کے قتل پر ایک لفظ بھی نہیں

کہا جاتا اور یہ ایک بالکل معمولی بات تصور کی جاتی تھی۔ اس قسم کے برتاؤ نے عام لوگوں کو "ساموراے" کی عزت وبزرگی کرنے کا عادی بنا دیا اور وہی وقعت و عظمت اب کوتوالی کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔

جاپان کی کوتوالی کے جوان کی اُس کی کشتی کے کمال کے باعث بھی بہت عزت ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ کچھ قدآور نہیں ہوتا لیکن ایک بڑے سے بڑا مضبوط اور قوی ہیکل اجنبی اس کے سامنے بالکل عاجز اور بیکار ہوتا ہے۔ جاپانی کشتی پر جس کو جیوجٹسو کہتے ہیں وہ بہت طاق ہوتا ہے۔ جیوجٹسو سے ایک مشاق آدمی اپنے حریف کو جس طرح چاہے اپنے قابو میں کرسکتا ہے اور آسانی کے ساتھ دے مار سکتا ہے۔

ایک سیاح نے اپنا چشم دید واقعہ ایک چھوٹے قد کے جاپانی کوتوالی والے کے ایک بڑے قوی قدآور لڑاکو روسی ملاح کو زیر کرکے گرفتار کرنے کا بیان کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک بچے اور ایک دیو میں مقابلہ ہو رہا ہے۔ ملاح بار بار پست قامت جوان پر حملہ کرتا جاتا تھا لیکن کوتوالی والا اپنے تئیں ان حملوں سے صاف بچاتا ہوا موقع کا منتظر رہا آخر کار اس کو موقع مل گیا اور ایک دفعہ جب ملاح نے اپنی پوری طاقت سے حملہ کیا تو اُس نے ملاح کی کلائی پکڑ لی اور دیکھتے دیکھتے ملاح نے ایک ایسی پٹخنی کھائی کہ جاپانی کے سر کے اوپر سے ہوتا ہوا کوئی دو گز سے زیادہ کے فاصلہ پر جا پڑا۔ جب وہ چکراتا اور لڑکھڑاتا ہوا زمین سے اُٹھا تو کوتوالی کے جوان نے اس کی کمر میں ایک رسی باندھ دی اور اس کو لیے ہوئے مظفر ومنصور تھانہ کی طرف چلا۔

جاپان کی کوتوالی کو وہیں کے لوگوں سے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ جاپان کے لوگ اپنی کوتوالی کی بلا اعتراض بڑے شوق کے ساتھ اطاعت کرتے

ہیں۔ اگر کہیں کوئی مجمع ہوجائے اور اُس سے کسی کو مضرت پہونچنے کا اندیشہ ہو تو فوراً جیسا ہی کوئی وردی پہنا ہوا چھوٹا سا سپاہی وہاں پہونچکر حکم دیتا ہے سارا مجمع منتشر ہوجاتا ہی۔ بعض اوقات کوتوالی کا جوان کسی قلی یا رکشا والے کو اس کی غلطی پر متنبہ کرتا اور اس کو نصیحت کرتا ہوا نظر آتا ہی۔ یہ نظارہ بھی عجیب ہوتا ہی۔ قصور وار شخص اپنی بڑی ٹوپی اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے عاجزی، غریبی اور اطاعت کی تصویر بنا کھڑا رہتا ہی اور ہر دوسرے لفظ پر نہایت ادب کے ساتھ سر جھکاتا جاتا ہے۔

تعلیم یافتہ ہونے کے سبب اس کو تصویر کشی اور مصوری سے خاص ہمدردی ہوتی ہے۔ اُن اجنبی سیاحوں کی مدد کرنے میں اس کو بڑا لطف آتا ہی جو جاپان کے مناظر کی تصویریں بناتے ہیں۔ مسٹر مواریٹمر منیس نے لکھا ہی۔

میں نے (جاپان کے) کوتوالی والے کو دنیا کا سب سے زیادہ دلچسپ اور مسرت بخش شخص پایا۔ ایک دفعہ جب میں کسی دُکان کا نقشہ بنا رہا تھا تو کوئی راہرو راستہ چلتے چلتے ٹھٹک گیا اور کھڑکی میں سے دُکان کے اندر کے سامان کا معائنہ کرنے لگا۔ کوتوالی والے نے ایک ہی نگاہ میں تاڑ لیا کہ میں اس نظارہ کو بھی تصویر میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ میرا کام ختم ہونے تک وہ شخص اسی حالت میں اسی جگہ بالکل ایک بُت کی طرح کھڑا رہا۔

اس اثنا میں کوتوالی والا رستہ پر اِدھر اُدھر برابر گشت لگاتا تھا۔ سوائے میرے نقشوں کے ہر طرف دیکھتا جاتا اور رستہ چلنے والوں کو دوسری گلی سے جانے کی تاکید کرتا جاتا تھا"

جاپان کے سپاہی اور جاپان کی فوج کے متعلق ہم کو یہاں کچھ زیادہ بیان

کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے جو ساری دنیا اس کی تعریف میں گونج اُٹھی تھی، استقلال وثابت قدمی، اطاعت و فرماں برداری اور ہمت وجوانمردی کا جن عجیب وغریب خارج از قیاس طریقوں سے جاپانی فوج نے جنگ روس وجاپان کے موقع پر اظہار کیا ہے۔ اس سے نہایت عمدگی کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ جاپان دنیا کی بزرگ ترین بحری اور بری طاقتوں میں شامل ہے۔

جاپانی سپاہی نتیجہ ہے جاپان کی خانگی زندگی کا۔ ایام شیرخوارگی ہی سے اس کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دنیا میں اس کے صرف دو اہم ترین فرائض ہیں ایک اپنے والدین کی اطاعت اور دوسرے اپنے ملک کی خدمت۔ اطاعت و فرماں برداری کی یہ عادت جو بمنزلہ اس کی طبیعت ثانیہ کے ہو جاتی ہے، اس کے لیے بحیثیت ایک سپاہی کے بے انتہا کارآمد اور فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ فوج میں داخل ہونے کے اوّل ہی سے وہ ایک تربیت یافتہ اور قاعدہ کا پابند شخص ہوتا ہے۔ اسوقت تک خاندان کے بزرگوں کی جو اطاعت وہ کرتا ہے اب وہ عہدہ داروں اور افسروں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

اُس کا دوسرا بڑا فرض یعنی ملک کی خدمت کرنا بھی اس کے ایک کامل سپاہی بننے میں بہت مدد دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ اپنی زندگی کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے کہ بلا پس وپیش اپنے شاہنشاہ اور جاپان پر قربان کر دی جائے بلکہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنے وطن کا نہایت کارآمد خادم ثابت ہو اپنے فرائض کی بجا آوری میں وہ ایک ادنیٰ بات سے بھی غفلت نہیں کرتا۔ اسکو ہمیشہ یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں اس قسم کی غفلت ضرورت کے وقت اس کی کامیابی میں حارج نہ ہو۔ وہ اپنی معمولی سی گھنڈی کو بھی اسی احتیاط وخبرداری سے صاف

کرتا ہی۔ جس طرح بڑی بھاری توپ کو۔ ہر کام کے کرنے میں خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ یہی ان کی آمادگی اور مستعدی تھی جو روس و جاپان کی حیرت انگیز فتحمندی کا جزو تھی،

جنگ کے وقت وہ کسی حکم پر بحث و تکرار نہیں کرتے۔ پچھلی جنگ کے موقع پر اکثر جاپانی پلٹنوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ محض اپنے پیچھے آنے والوں کا رستہ صاف کرنے کی غرض سے یقینی موت کے مونھ میں محض مرنے کے لیے بھیجی جا رہی ہیں۔ لیکن اُنھوں نے مطلق پس و پیش نہیں کیا۔ ایک ذرا نہ ہچکچائے بنزئی کے اپنے جاپانی نعرہ ہائے جنگ لگاتے ہوئے یہ چھوٹے قد کے دلیر آدمی آگ کے شعلے اور گولے اُگلتے ہوئے توپ خانوں پر جا پڑے۔ یا برستی آگ میں گھس کر فصیلوں اور دمدموں پر جا چڑھے اور اس طرح اپنی جانیں ڈائی نی پن یعنی جاپان اعظم اپنی پیدائشی سرزمین پر نثار کر دیں۔

سید خورشید علی
حیدر آباد دکن

نتیجۂ افلاس

سخت جاڑوں کی رات میں جبکہ برفیلی ہوا جسم میں ٹھنڈی سرسراہٹ پیدا کر رہی ہی۔ ایک بوڑھا فقیر ایک محل کی دیوار سے لگا ہوا کھڑا ہی اس کا سیدھا ہاتھ اس غرض سے آگے بڑھا ہوا ہی کہ آنے جانے والوں کی فیاضی سے فائدہ اُٹھائے۔ کبھی کبھی دردناک آواز سے چیخ اُٹھتا ہی۔ مگر رات ہو جانے پر آدمیوں کے کثیر تعداد اپنے جسموں کو اونی لبادوں سے ڈھانکے ہوئے چلی جا رہی اُدھ

چلی آرہی ہے مگر کوئی اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس کی توجہ طلب آواز پر نہایت بگڑے تیور ڈالے جاتے ہیں جو غالباً دماغ کو ناگوار گزرنے اور پریشان کرنے کا باعث معلوم ہوتے ہیں۔

بوڑھا فقیر جب چلّاتے چلّاتے تھک گیا۔ سردی نے اس پر انتہا درجہ کا اثر ڈالا۔ تو وہ لاٹھی کے سہارے ایک طرف چل کھڑا ہوا۔ آبادی سے دور ایک تنگ تاریک کوٹھری میں پہونچا۔ یہاں اُس کی ایک چھوٹی سی حسین لڑکی ہاتھ پاؤں کو سُکھڑائے دُبکی دُبکائی ایک کونے میں پڑی ہے۔ دن بھر کی بھوکی اس انتظار میں کہ باپ کچھ کھانے کو لائے گا سو گئی تھی۔

وہ آج بیمار ہے۔ جب ہی اپنے باپ کے ساتھ نہ گئی۔ کیونکہ اسکا دستور تھا کہ اپنے باپ کی لکڑی پکڑے اپنی ننھی سی آواز سے کچھ نہ کچھ باپ کی مدد کرتی تھی۔ اور لوگ اس کی حالت اور صورت، دردناک چھوٹی سی آواز پر رحم کھا کر کچھ دیدیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ آج اُسکا باپ خالی ہاتھ آیا۔ پاؤں کی آہٹ سے معلوم کر کے جاگ اُٹھی اور باپ کو دیکھ کر بولی "ابّا جان آج میری سال گرہ ہے۔ تم ہر سال گرہ پر مجھے کھلونے لا کر دیتے تھے۔ کیوں ابّا! کوئی کھلونا لائے۔

باپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بھرّائی آواز میں بولا "بیٹا آج مینے بہت کوشش کی کہ ایک پیسہ مل جائے جس سے میں تیرے واسطے کھلونا تو کہاں کوئی کھانے کی چیز خریدوں مگر آج اس نامراد جاڑے نے کچھ بھی نہ ملنے دیا۔ بیٹا میں خیال کر کے کل ضرور لادونگا"

بوڑھے فقیر کی بیوی سات آٹھ مہینے ہوئے کہ مر چکی تھی۔ وہ اپنی بیٹی کی نازبرداری کرتی تھی اور جب یہ دونوں آسودہ حال بھی تھے۔ اس لحاظ سے لڑکی کی یہ پہلی سال گرہ ہے جو اس افلاس کے زمانے میں ہوئی۔ وہ اس لحاظ سے

کہاں خاموش رہ سکتی تھی باپ سے کہنے لگی کہ، اچھے ابا میں تو ضرور کھلونا لونگی مجھے تو تم کھلونا لادو۔" باپ نے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے یہی جواب دیا کہ بیٹا آج میں اسقدر تھک گیا ہوں کہ گھنٹوں کی کوشش سے بھی ایک پیسہ پیدا نہیں کرسکتا۔ جو کھلونا لاؤں۔"

اب معصوم لڑکی میں اس جواب سُننے کی تاب نہ تھی اُس نے اپنے گورے چِٹّے ہاتھ باپ کی گردن میں ڈالکر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ آنسوؤں کے دریا بہادیئے۔ غریب باپ بھی ساتھ ہی ساتھ ڈاڑھیں مار کر رونے لگا۔ اُس نے لڑکی کو سینہ سے لگایا اور کہا کہ خیر بیٹی صبر کرو۔ تیرا بوڑھا باپ پھر ایک بار کوشش کرتا ہی، اب نہ رو۔ میں اس جاڑے میں پھر جاکر قسمت آزمائی کرتا ہوں"

اتنا کہہ کر بوڑھے فقیر نے لکڑی اُٹھائی اور چل کھڑا ہوا۔ بہت مسافت کے بعد وہ شہر میں آیا اور صدا لگانے لگا۔ مگر افسوس ہی کہ اب بھی غریب کے حال زار پر کسی نے توجہ نہ کی۔ جانے والے جارہے تھے اور فقیر کی نگر اور آواز ناکامیاب جاتی تھی۔ وہ مغموم ہو رہا تھا اور حیران تھا کہ وہ اب کہاں جائے، کیا کرے۔

ایسی حالت یاس و ناامیدی میں اس کی نظر ایک دکان پر پڑی جس میں دو جوڑے گڑیوں کے رکھے ہوئے تھے۔ ایک نہایت قیمتی فوق البھڑک اور ایک معمولی سادہ۔ فقیر کی للچائی نظر پڑ رہی تھی۔ آخر اُس نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ ایک گڑیا ضرور حاصل کی جائے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اُس کے دل میں اسکا خیال آیا۔ قصد کرتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ دم چڑھ گیا۔ سانس اُلٹنے لگا۔ وہ رُک گیا۔ کانپ رہا تھا۔ سردی سے نہیں بلکہ اس حرکت کے قصد سے۔ دُکاندار دکان بڑھا رہا تھا۔ اس مرتبہ جو وہ اندر گیا۔ فقیر نے بہت غیر معمولی کوشش کرکے معمولی گڑیا کا جوڑا حاصل کیا۔ اور چلتا بنا۔ قیمتی گڑیا چھوڑ کر معمولی گڑیا کا لیناہی اس کی دلی حالت اور

پہلا پہل چوری کا ثبوت دے رہا تھا۔

وہ اپنی جھونپڑی میں آیا، معصوم لڑکی گڑیا کو دیکھ کر خوش ہوگئی۔ اُس سے کھیلنے لگی۔ مگر فقیر کا دل اُسے ندامت کر رہا تھا۔ وہ لڑکی کی خوشی کو اپنی خوفناک اور تردد آمیز حرکت تصور کر رہا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد فقیر کی حالت سنبھلنے لگی وہ اب ہر روز عمدہ عمدہ کھانے لانے لگا۔ باپ بیٹی دونوں نہایت مسرت اور اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگے ایک دن بیٹی نے کھیلتے کھیلتے اپنے شفیق باپ سے سوال کیا۔ کہ یہ عمدہ اور نفیس کھانے پہلے کیوں نہیں لاتا تھا اور اب کہاں سے لاتا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہی غریب بوڑھا رونے لگا اُس نے کہا کہ بیٹا یہ عمدہ قسم کے کھانے اور کپڑے لانے کی تعلیم تیری سالگرہ والی گڑیا نے دی ہے (یعنی جب سے میں نے گڑیا چرائی ہے اُس دن سے مجھے چوری کی عادت ہوگئی ہے)

قیصر (بھوپال) لکھنؤ

سیامی بیویاں، پنجابی خاوند

سیام وہ ملک ہے جس کا راجہ اپنی سگی بہن سے شادی کرتا ہے اور وہ مہارانی بنتی ہے۔ ولی عہد سلطنت وہ لڑکا ہوتا ہے جو راجہ کی سگی بہن بیوی کے بطن سے پیدا ہوا ہو۔

(ایک پنجابی مقیم سیام کا لکھا ہوا)

کسی پنجابی صاحب نے جو سیام میں مقیم ہیں۔ اخبار ہندوستان کے ذریعے پنجاب کے ہندوؤں سے دریافت کیا ہے کہ سیامی عورتوں اور اُن کے پنجابی خاوندوں

کے ساتھ برادری کیا سلوک کرے گی؟ اس کا جواب کئی صاحبان نے دیا ہے کہ برادری ان کو نہ صرف شامل سمجھے گی۔ بلکہ نہایت خوشی سے ان کا خیر مقدم بھی کرے گی۔

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ سیامی عورتوں کی خوراک پوشاک اور عام طرز زندگی پر روشنی ڈالوں۔ تاکہ پنجابی ہندو مزید واقفیت سے صحیح رائے قائم کرسکیں میں کئی سال سے سیام میں مقیم ہوں۔ اس لیے اس معاملہ پر دلیری سے لکھ سکتا ہوں اور جو کچھ لکھونگا وہ ذاتی تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہوگا۔ افسوس ہے کہ میں بوجہ علالت اس سے پیشتر اس معاملہ پر کچھ نہ لکھ سکا۔

اہل سیام کی خوراک

کپی یا کھوئی۔ کپی اہل سیام کے لیے ایک نعمت بے بہا ہے۔ جسے وہ اپنی تمام خوراکوں کی سرتاج سمجھتے ہیں۔ کھوئی کا درجہ سیام میں وہی ہے جو ہمارے ملک میں گھی کا ہے اور اسکا استعمال بھی گھی کی طرح وسیع پیمانہ پر ہر بھاجی اور سالن روزمرہ میں ہوتا ہے۔ کسی سیامی کے لیے کپی کے بغیر کھانا کھانا ایسا ہی بے لذت ہے جیسا ہمارے لیے بغیر گھی کے۔ آپ ضرور معلوم کرنا چاہیں گے کہ کپی کیا چیز ہے اور کس طرح تیار کی جاتی ہے۔

کپی تیار کرنے کا طریق۔ اہل سیام کپی تیار کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی مچھلیاں یا جھینگا مچھلی بہت سی تعداد میں پکڑ کر مٹکوں میں ڈال چھوڑتے ہیں اور کچھ نمک بھی ملا دیتے ہیں۔ تھوڑے دنوں میں یہ مچھلی گل سڑ جاتی ہے اور اس میں کیڑا پڑ جاتا ہے جب اس کی اصلی ہیئت بالکل بدل جاتی ہے تو اسے مٹکوں سے نکال کر بڑے بڑے اوکھلوں میں ڈالتے ہیں اور موسلوں سے خوب باریک کوٹتے ہیں حتیٰ کہ لاتعداد چھوٹی مچھلیاں گارے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔

رنگت بُو اور ذائقہ۔ اس کی رنگت اور بُو کے متعلق کیا ذکر کیا جائے۔ کپی

کی تھوڑی سی مقدار دو دو سو گز تک اپنی سخت تیز بدبو کے باعث ہندوستانی انسانی دماغ کو پریشان کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کی رنگت کیچڑ سی ہوتی ہے۔ چونکہ اُسے کھلا رہنے دیا جاتا ہے۔ اس لیے مکھیاں متواتر اس پر بیٹھتی ہیں۔ اور سفید سفید کرم اس کے اوپر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے ذائقہ کے متعلق تو اہل سیام ہی جان سکتے ہیں ورنہ دوسرے لوگوں کا تو اس کا خیال کرتے ہی جی متلا جاتا ہے۔ کپی کو صرف ادنیٰ لوگ ہی نہیں کھاتے بلکہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ بھی بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ عام آدمی سیامی ڈپٹی کمشنر کے گھر چاندی کے تھالوں میں رکھ کر اور سنہری ورق لگا کر اسے بطور تحفہ لے جاتے ہیں۔

نمکین مچھلی۔ یہ بھی عام استعمال کی چیز ہے۔ ہر چھوٹی بڑی مچھلی کو چیر کر اور نمک لگا کر دھوپ میں خشک کر لیتے ہیں۔ اس کی بدبو کپی سے دوسرے درجہ پر مگر خاصی تیز ہوتی ہے اور عام طور پر سفید کیڑے اُس پر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

ریچھ۔ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ شکاری لوگ جنگلی ریچھ کو مار کر بستی میں لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ بستی کے لوگ اسکا گوشت تھوڑا تھوڑا آپس میں بانٹ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکا سالن بڑا مزیدار ہوتا ہے۔

سانپ اور اژدہا۔ سانپ اور اژدہا بھی ان لوگوں کا من بھاتا کھاجا ہے۔ ایک دفعہ میرے سامنے ایک اژدہا جس کو دو آدمی مشکل سے اُٹھا کر لا رہے تھے چھ ٹکل (ٹکل ہندوستان کے ۱۰ آنے کے برابر ہوتا ہے) کو فروخت ہوا اور اس سے ذرا چھوٹا اژدہا چار ٹکل کو۔

بڑی مکھی اور ٹڈا۔ یہ بھی ان کی چاہتی غذا ہے۔ جنگلی بستیوں میں اکثر شام کو چھوٹے چھوٹے لڑکے گھاس پر مشعل جلاتے اور اس کے گرد کھڑے ہو کر

تالیاں بجاتے ہیں۔ اس آواز پر بلیڈرے باہر نکلتے ہیں اور شعل پر دھڑا دھڑ گرتے ہیں لڑکے انہیں پکڑتے اور اپنی لذیذ خوراک بناتے ہیں۔

ٹڈی مکوڑے وغیرہ۔ جب رات کو بارش ہو یا زیادہ اوس پڑے تو صبح چھوٹے چھوٹے لڑکے کھیتوں میں چلے جاتے ہیں اور رات کی سردی سے نیم جان ٹڈی وغیرہ کیڑوں کو آسانی سے دبوچ لیتے ہیں۔ انہیں سخت گھاس کے تنکے میں پروتے ہیں۔ پھر آٹے میں نمک مرچ ڈالکر اس میں شکار ملا لیتے ہیں۔ اور ناریل کے تیل میں اس کے بڑے تلتے ہیں اور بڑے لطف سے نوش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ گائے بھینس۔ بندر۔ سوٗر۔ مرغی بطخ وغیرہ

جانور پرندے اور حشرات الارض ان کی خوراک کا کام دیتے ہیں۔ اہل چین میں اور ان میں صرف اتنا فرق ہے کہ چینی اپنے ہاتھ سے جانوروں کو قتل کر کے کھاتے ہیں۔ اور یہ سوائے مچھلی اور کیڑوں کے ہر جانور کو یا تو کسی کے ہاتھ کا مارا ہوا کھاتے ہیں۔ یا انتظار کرتے ہیں کہ وہ کسی بیماری یا کسی اور حادثہ سے آپ ہی مر جائے۔

چونکہ ملک میں جنگل اور ندی نالے بکثرت ہیں اور سمندری کنارہ ہی اس لیے قدرتی طور پر اہل سیام کو من بھاتی خوراک بافراط ملتی ہے۔ ایسے کریہ منظر اور بدبودار حشرات الارض اور سمندری کیڑے جن کو ہمارے بھائی دیکھ کر ہی ناک بھوں چڑھا لیں اور ان کی تیز بدبو کے باعث شاید قے تک بھی ان کی نوبت پہونچے۔ وہ انکا من بھاتا کھاجا ہی۔ کسی قسم کا جنگلی کیڑا مکوڑا خواہ کسی شکار و مقدار کا ہو جب اہل سیام کی نظر چڑھ جاتا ہے تو اُن کے موٗنھ میں پانی بھر آتا ہی۔ اور بے اختیار بول اُٹھتے ہیں ”بکین۔ ڈی۔ پن۔ ملن“ یعنی یہ کھانے کے لیے مزیدار ہی۔ کیونکہ اس میں چربی ہے۔

جو خوراک ہمارے ملک سے ملتی جلتی ہے وہ چاول معمولی سبزی ترکاری اور کیلا وغیرہ پھل ہیں۔ اہل سیام برتنوں کو نہیں مانجھتے صرف دھو ڈالتے ہیں۔ ہاں اگر اُن کے کسی برتن کو دودھ یا گھی ذرا بھی چھو جائے تو اس کی بدبو ہٹانے کے لیے انھیں خلاف قاعدہ مانجھنا پڑتا ہے۔

ایک دفعہ بنکوک پایۂ تخت سیام میں گوردگرنتھ صاحب کے لیے میرے ایک دوست کی دکان پر کڑاہ پرشاد تیار ہو رہا تھا اسوقت کئی سیامی جنٹلمین کپڑا لینے آئے مگر ناک پر رومال رکھ کر مہن مہن (بدبو بدبو!!) کہتے بھاگ گئے۔ گھی کی خوشبو ان کے لیے ایسی ناقابل برداشت بدبو تھی کہ اس میں وہ ایک منٹ بھی نہ ٹھہر سکے اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ خوراک کے متعلق اہل سیام کا مذاق کیا ہے سچ تو یہ ہے کہ کھان پان کے بارے میں اُن کا درجہ ہمارے ملک کے بھنگی اور چمار سے بھی ادنیٰ ہے۔ کیونکہ بھنگی گو گائے بھینس مُردہ کھاتے ہیں۔ مگر سیامی ہر چیز مردہ بلکہ گلی سڑی تک چٹ کر جاتے ہیں۔

بناؤ سنگار اور پوشاک

بال۔ تمام دنیا کی عورتیں بالوں کو اپنی زینت سمجھتی ہیں۔ لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ گیسو دراز کو خوبصورتی سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ عورتوں کے لیے بال نہ صرف حسن کا بلکہ عزت کا بھی نشان ہیں لیکن یہ بال جن کی ہماری نظروں میں اتنی عزت ہے سیامی عورتوں کے نزدیک قابل نفرت اور وبال جان سمجھے گئے ہیں اُنھوں نے ایک دم ان کا صفایا بول دیا ہے اور مہارانی تک حجامت بنواتی ہیں۔ بالوں کے بناؤ سنگار کے لیے اُسترے قینچی کا استعمال خوب زور شور سے ہوتا ہے۔

دانت۔ یہ بھی حُسن افزائی میں کافی حصہ لینے والے ہیں موتیوں کی سی چمکدار دانت کیسے بھلے معلوم نہیں ہوتے۔ یہ دانت ہی ہیں جن کی تعریف میں کہا گیا ہے ؎

تیرے دندانِ گوہر نے کیا بے قدر عالم میں
گہر کو، لعل کو، یاقوت کو، ہیرے کو مرجاں کو

مگر اہل سیام کو ان سے بھی نفرت ہے۔ اگرچہ بالوں کی طرح ان کا صفایا کرنا تو مشکل ہے۔ مگر بڑی بیدردی سے ان کی آب و تاب کو ملیامیٹ کیا جاتا ہے۔ اہل سیام سفید دانتوں کو کُتّے سے منسوب کرتے ہیں۔ اور انسان کے لیے ان کی سفید رنگت کو باعث عار سمجھتے ہیں۔ چنانچہ متواتر پان کھا کھا کر اور مونھ میں تمباکو رکھ کر تب تک چین نہیں لیتے۔ جب تک ان کے دانت بالکل سیاہ نہیں ہو جاتے۔

سیامی عورتیں دن بھر پان چباتی رہتی ہیں۔ ساتھ ہی تمباکو کی گولی بھی مونھ سے نہیں نکالتیں۔ اس سے بات کرتے وقت اُن کے لیے مونھ کھولنا مشکل ہو جاتا ہے مجبوراً ناک سے آواز نکالتی ہیں۔ گفتگو کے وقت قریب کے آدمیوں پر کئی دفعہ سرخ چھینٹوں کی بارش بھی کر دیتی ہیں۔ اور بدبو اس کے علاوہ ہوتی ہے۔ ہر ایک گھر میں اوگالدان سُرخ تھوکوں سے لبالب رہتا ہے جس سے بدبو آتی رہتی ہے۔ یہ بھی ہندوستانی خیال سے قابل اعتراض بات ہے۔

پوشاک۔ کمر میں ساڑھے تین گز کا رنگدار کپڑا جس کے دونوں سروں کے کونے آگے سے ہوتے ہوئے دھوتی کی طرح کمر پر اٹکا دیئے جاتے ہیں اور ۲ گز لمبا معمولی عرض کا کپڑا چھاتی پر باندھتی ہیں۔ کبھی کبھی ویسا ہی ۲ گز کا کپڑا کندھوں پر ڈال لیتی ہیں۔ مگر اب کرتہ کا بھی رواج ہوتا جاتا ہے۔ کنواری لڑکیاں جوانی کے وقت چھاتی باندھنا ضروری سمجھتی ہیں۔ مگر جب ان کے اولاد ہو جائے تو پھر پرواہ نہیں کی جاتی اور نصف دھڑ اوپر کا بالکل ننگا رہتا ہے۔ اگرچہ مردوں کے لباس میں تبدیلی ہو گئی ہے وہ کوٹ پتلون وغیرہ پہنتے ہیں۔ مگر عورتوں کا لباس ویسا ہی ہے۔ ان کے چہرے کے نقش ہم سے بالکل مختلف ہیں۔ ناک چھوٹی اور بیٹھی ہوئی

آنکھیں چھوٹی چھوٹی۔ چہرہ چپٹا اور رخسارے بہت اُبھرے۔ سر کے بال بھی نسبتاً موٹے ہوتے ہیں۔ بناوٹ پر نکتہ چینی کرنی مناسب نہیں۔ کیونکہ یہ قدرتی ہے۔ مگر یہ باتیں واقفیت عامہ کے لیے لکھنی ضرور تھیں۔ مذکورۂ بالا حالات سے ناظرین خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سیامی عورتوں کا کھان پان لباس وغیرہ کہاں تک ہندوؤں کے مذاق کے مطابق ہے۔

ایک عجیب رسم

سیام کا مذہب ہندوؤں کے مذہب سے بالکل مختلف ہے۔ وہ عموماً۔ خدا، دوزخ، بہشت وغیرہ کے قائل نہیں ہیں۔ علاوہ ان مذہبی اختلافات کے ایک رسم اس ملک میں ایسی پائی جاتی ہے جو اور کسی ملک میں نہیں ملتی۔ وہ یہ کہ شاہی خاندان میں قدیم زمانہ سے یہ رسم چلی آئی ہے کہ پٹ رانی راجہ کی سگی بہن ہوتی ہے اور راجہ کی سب بہنیں اس کے تخت نشین ہونے پر اس کی بیگمات سمجھی جاتی ہیں۔ وہی شہزادہ تخت نشین ہوتا ہے جو راجہ کی سگی بڑی بہن کے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔ شاذ و نادر عام آدمی بھی اس رسم کی پیروی کرتے ہیں یعنی سگی بہن سے شادی کرتے ہیں۔ برادری اس بات پر اُن کو کسی قسم کی سزا نہیں دیتی۔ لیکن عام لوگ اس واقعہ کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ گو ان کے خلاف کوئی عملی کارروائی نہیں کرتے۔ جو اصحاب سمجھتے ہیں کہ سیامی عورتوں کا کھان پان شدھ پوتر اور پوشاک باقاعدہ ہے اور رسم و رواج ہندوؤں سے ملتے جلتے ہیں اور اسی خیال سے وہ سیامی عورتوں کو اپنی برادری میں خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں وہ مذکورۂ بالا حالات غور سے پڑھ لیویں تاکہ وہ اس معاملہ میں ایسی رائے قائم کر سکیں جس پر عمل کرنے سے بعد میں اِن کو پشیمانی محسوس نہو۔

میری رائے میں تو سیامی عورتوں کے ساتھ برتنے میں کوئی رکاوٹ نہونی چاہیے

اور میرے خیال میں تو کسی کی گزشتہ کمزوریوں کو مدنظر رکھنا ایک وہم سا معلوم ہوتا ہے خواہ کوئی گرے سے گرا انسان بھی کیوں نہ رہ چکا ہو۔ اس کے لیے بھی ہماری برادری کا دروازہ ہرگز بند نہ ہونا چاہیے۔ ہاں جب وہ برادری میں داخل ہو جائے تو اس کی پوری نگرانی کرنی چاہیے اور ہمدردی سے اسکو ایسا گرویدہ کر لینا چاہیے کہ وہ برادری میں پوری طرح سے جذب ہو جائے۔

اس پر ناظرین کے دل میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوگا۔ کہ جب اس معاملہ میں میری ذاتی رائے یہ ہی تو اس معاملہ کو از سرِ نو چھیڑنے سے کیا فائدہ۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے بھائیوں کا جوشِ سوڈا واٹر کا جوش ہوا کرتا ہے وہ کسی تحریک کو پہلے آنکھوں پر جگہ دیکر بعد میں پاؤں میں روند دیا کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے اس سوال کا تاریک پہلو بھی پیش کر دیا ہی۔ تاکہ میرے بھائی اس بارے میں جو کچھ کریں۔ خوب سوچ سمجھ کر کریں اور بعد میں ان کو پشیمان نہ ہونا پڑے۔

خدیجۃ الکبریٰ

نبی آخر الزماں کی پیدائش کے وقت بُت پرستی و کواکب پرستی نے اہل عرب پر جیسا سکہ جما رکھا تھا اس کی تصویر مولانا حالی نے نہایت موثر الفاظ میں کھینچی ہی فرماتے ہیں۔

عرب جس کا چرچا ہی یہ کچھ وہ کیا تھا　　جہاں سے الگ اک جزیرہ نما تھا
زمانہ سے پیوند جس کا جُدا تھا　　نہ کشور ستاں تھا نہ کشور کشا تھا
تمدن کا اُس پر پڑا تھا نہ سایہ

ترقی کا تھا وہاں قدم تک نہ آیا

کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا — کہیں آگ بجتی تھی وہاں بے محابا

بتوں کا عمل سو بسو جابجا تھا — بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا

کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی

طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا — وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا

کہ اس گھر میں اُبلے گا چشمہ ہُدیٰ کا — ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا

وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا

جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا

اس تیرہ و تاریک زمانہ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اہل عرب کے لیے ایک خدائی امداد تھی۔ لیکن بعض ناعاقبت اندیش حضرت کے وجود کو ساحر اور مجنوں سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ توحید کے مقابلہ میں گالیاں دینا اُن کا دین تھا اور کلمۂ حق کی آواز پر اینٹ پتھر برسانا اُن کا ایمان،

حضرت پر جب یہ آیت نازل ہوئی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الآیہ (تو بھی اُسی خدا کا نام لیکر پڑھ جسنے تمام کائنات پیدا کی ہے) اور آپ نے کھلم کھلا دین اسلام کی اشاعت شروع کی تو کفار آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے کوئی گالیاں دیتا کوئی پتھر مارتا اور کوئی کہتا کہ (نعوذ باللہ) آپ جادوگر ہیں۔ اس ظلمت و تاریکی میں سب سے پہلے جو شخص ایمان لایا اور دین محمدی قبول کیا وہ حضرت خدیجہ تھیں۔ حضرت علیؑ نے آپ کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔

حضرت خدیجہ خویلد بن اسد قریشی کی صاحبزادی تھیں، ان کا سن پیدائش سنہ ۵۵۳ء بتایا جاتا ہے۔ خدیجہ کا خاندان عرب کے بہترین تجاروں میں سے تھا۔

ان کی پہلی شادی ابوہالہ سے اور اُن کے مرنے کے بعد عتیق بن عابد سے ہوئی تھی۔

نبی آخر الزماں کی دیانت اور امانت کا حال سُن کر حضرت خدیجہ نے آپ کو اپنا بہت سامال و اسباب سپرد کر کے ساحل حجاز اور بصرہ وغیرہ مقامات میں تجارت کی غرض سے روانہ کیا اور یہ دیکھ کر کہ آپ سے زیادہ امین اور راست گو شخص ملنا دشوار ہے نکاح کا پیغام دیدیا۔ حسب و نسب کی مزید تفتیش کے بعد ۲۹ جوان اونٹ مہر قرار پاکر خدیجہ آنحضرت کے نکاح میں آئیں۔ اُسوقت آپ نے پچیسویں برس میں قدم رکھا تھا اور حضرت خدیجہ کچھ کم چالیس برس کی تھیں۔

خدیجہ نہایت عقلمند اور کمالات ظاہری و باطنی سے معمور عورت تھیں۔ ہر امر میں حضرت کی دلجوئی اور احکام خاوندی کی بجا آوری مقدم سمجھتی تھیں

حضرت نے جب غار حرا میں وحی نازل ہونے اور احکام خداوندی کے پہنچنے کا حال خدیجہ سے بیان کیا تو آپ نے حضرت کو مبارکباد دی اور اُسی دن سے بت پرستی ترک کر کے خدائے تعالیٰ کی وحدت اور آنحضرت کی رسالت کو تسلیم کیا۔ خدیجہ کی کوششوں سے اسلام کو بہت تقویت پہنچی اور یہ کہنا بیجا نہو گا کہ اسلام کی جڑ کو مضبوط کرنے والی ایک عورت تھی۔

آنحضرت کو خدیجہ سے ایک خاص اُنسیت تھی چنانچہ جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا اور ہمیشہ آپ کی ایثار نفسی، محبت اور وفاداری کے معترف رہے۔

خدیجہ کے بطن سے ایک لڑکا قاسم اور چار لڑکیاں زینبؓ، فاطمہؓ، رقیہؓ اور ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔

شادی کے پندرہ سولہ سال بعد ہجرت نبوی سے پانچ برس پہلے خدیجہ نے

وفات پائی۔ اُن کا مزار مقبرہ کوہ حجون میں ہے۔

حضرت کو خدیجہ کے انتقال کا مدتوں افسوس رہا۔ چنانچہ حضرت عائشہ بنت حضرت ابوبکرؓ سے (جو خدیجۃ الکبریٰ کے بعد میں حضرت کے نکاح میں آئیں) روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت سے خدیجہ کے بار بار یاد کرنے کا سبب پوچھا۔ تو آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ اے عائشہ! خدیجہ وہ عورت تھی جس نے ابتدا سے میرا ساتھ دیا اور اُسوقت جبکہ کُل عرب میرے خلاف تھا اور سب لوگ مجھے جھوٹا سمجھتے تھے وہ میری طرف دار تھی۔ فقط

سید مظہر حسین اختر
(میرٹھی)

مہارانی کیکئی

ترتیا یُگ میں بھارت ورش کے پچھم میں کیکئے نامی ایک دیش تھا۔ اس دیش کے راجہ کا نام کیکئے راج تھا اس کے ایک نہایت خوبصورت لڑکی تھی جسکا نام کیکئی تھا۔ یہ دیوی وید اور شاستروں کی عالم تھی۔ چونکہ لڑکپن ہی سے اس کو اعلیٰ تعلیم دی گئی تھی۔ اس لیے تمام اوصاف اس کی ذات میں جمع ہو گئے تھے۔ گرہستی کے کاروبار کو خوب سمجھتی تھی۔ راج کاج کے کام میں ماہر اور شجاعت و بہادری میں اپنی نظیر آپ ہی تھی۔ غرض حسن سیرت وصورت دونوں میں کیکئی کی شہرت دُور دُور پھیل گئی۔

ایک مرتبہ کیکراج تیرتھوں میں بھرمن کرنے کے ارادہ سے باہر نکلا اور

بہت سے مقامات کی یاترا کرتے ہوئے کشمیر میں آیا تو اتفاق سے مہاراجہ دشرتھ بھی تیرتھ کرنے کے لیے وہاں آئے ہوئے تھے۔ ایک روز مہاراجہ دشرتھ کیکراج سے ملنے کے لیے گئے۔ کیکئی بھی وہاں موجود تھی۔ اس کی چال ڈھال، طور اطوار، اور انداز نے راجہ دشرتھ کو اپنا مفتون اور شیدا بنالیا۔ راجہ دشرتھ جب اجودھیا واپس آئے تو انھوں نے اپنے چار دھارمک منتریوں میں سے بام دیوجی کو کیکراج کے پاس یہ پیغام دیکر روانہ کیا۔ آپ براہ مہربانی کیکئی کی شادی میرے ساتھ کردیجیے۔ بام دیوجی نے یہ پیغام کیکراج کو سنایا۔ کیکراج کہنے لگا۔ واقعی مہاراجہ دشرتھ بڑے پرتابی اور خاندانی ہیں۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ اُن کے محل میں بہت سی رانیاں ہیں۔ جن میں کوشلیا اور سومترا کی خاص عزت ہے۔ اس لیے مجھے خوف ہے کہ راجہ میری لڑکی کی اتنی خاطر و مدارات نہ کرسکیں گے جتنی کہ ہونی چاہیے۔ اگر وہ ہماری لڑکی کو پٹ رانی بنائیں اور ہمارے نواسہ کو اجودھیا راج دینے کا اقرار کریں تو مجھے کوئی عذر نہو گا۔ شادی کردیجائیگی بام دیوجی اجودھیا آئے اور سارا حال من وعن سنا دیا۔ راجہ دشرتھ نے جس وقت یہ خوشخبری سُنی تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ اُنھوں نے راجہ کیکراج کی دونوں شرطیں منظور کرلیں۔ اور اس کے لیے تحریری وعدہ دیکر وششٹ منی کے حوالہ کیا اور کہا۔ کہ اسے کیکراج کو دیدیجیے اور کہیے کہ اب اُن کو کوئی عذر نہونا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے اپنے وعدہ کے موافق کیکئی کی شادی بڑے دُھوم دھام سے کردی۔

راجہ دشرتھ نے کیکئی کو محل میں لاکر خاص اہتمام سے رکھا۔ وہ اُن کی بیحد عزت کرتے تھے۔ رانی بھی چونکہ طبعی طور پر نیک اور سیدھی سادی تھی، اس لیے محل کی اور رانیاں بھی اس سے خوش تھیں۔ سب سے خنداں پیشانی کے ساتھ پیش

آتی تھیں۔ مہارانی کیکئی نہایت ہی دور اندیش اور با استقلال تھی۔ ایک مرتبہ "وجنیت پور" کے راجہ "تیمی دھوج" سے راجہ دشرتھ کی لڑائی ہورہی تھی۔ کیکئی بھی ساتھ تھی۔ جب راجہ دشرتھ گھائل ہوگئے تو ان کو لیکر میدان جنگ سے باہر چلی گئی وہاں جاکر راجہ کی خدمت میں کیکئی نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ بڑے بڑے ویدوں کا علاج کرایا۔ زخموں کو خود اپنے ہاتھ سے روزانہ دھوتیں اور صاف کرتیں جس سے راجہ کو جلد صحت ہوگئی۔ راجہ دشرتھ کیکئی کے اس سلوک سے بہت خوش ہوئے۔ اور اس خوشی میں اُنھوں نے کہا پریہ! میں تمہاری خدمات اور سچی محبت سے بہت خوش ہوں اسوقت جو تمہاری خواہش ہو، مانگو"

کیکئی راجہ دشرتھ کے یہ الفاظ سُن کر سخت نادم ہوئیں۔ اُنھوں نے سوچا کہ یہ میری بے عزتی کی جارہی ہے۔ ورنہ استری اور پُرش کے تعلقات میں اسکا کیا ذکر؟ یہ باتیں تو وہاں ہوا کرتی ہیں جہاں مغائرت ہو، مگر راجہ کے بار بار اصرار سے اُن کو زبان کھولنی پڑی اُنھوں نے کہا

"پران ناتھ! میری نہایت ہی خوش نصیبی ہے کہ آپ نے مجھے اس بات کا موقعہ دیا۔ کہ میں آپ سے کچھ مانگوں۔ گو مجھ سے ابھی تک کوئی خدمت اس قابل نہیں ہوئی کہ میں اس کی مستحق سمجھی جاؤں۔ تاہم حسب الحکم میں دو بَر مانگتی ہوں۔ لیکن وہ دونوں میں ابھی نہ کہونگی۔ موقعہ اور ضرورت درپیش ہونے پر مانگ لونگی"

راجہ دشرتھ کیکئی کی ان باتوں سے بہت خوش ہوئے۔ کافی صحت ہونے پر اجودھیا چلے آئے اور خوشی کے ساتھ راج کا کام انجام دینے لگے۔

راجہ دشرتھ کے چار لڑکے تھے۔ اُن میں سے سری رامچندرجی کوشلیا جی کے بطن سے۔ بھرت جی، کیکئی سے۔ لکشمن اور شترگھن سومترا کے بطن سے

پیدا ہوئے تھے۔ مہاراجہ رامچندر جی کی شادی جنک پور کے راجہ جنک کی شہزادی سیتاجی کے ساتھ ہوئی تھی، لچھمن جی کی شادی سیتا جی کی چھوٹی بہن اُرملا سے۔ راجہ جنک کے چھوٹے بھائی "کشن دہج" جی کے دو لڑکیاں تھیں، ان میں سے بڑی کی شادی بھرت جی کے ساتھ اور چھوٹی شادی شترگھن کے ساتھ ہوئی تھی۔

وقت بارش کے پانی کی طرح گزر جاتا ہے۔ دن گیا، شام ہوئی۔ رات آئی اور پھر صبح صادق کا ظہور ہوا۔ عمریں گزر جاتی ہیں۔ جوانی ضعیفی سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور ضعیفی مرگ سے واصل ہوتی ہے۔ غرض یہ سنسار یونہی گھومتا رہتا ہے۔ راجہ بہت عرصہ تک راج کرتے رہے۔ کہ ایک روز کیکراج کا بیٹا یدھاجیت اپنے بھانجے بھرت جی کو لینے کے لیے اجودھیا آئے۔ پتا کا حکم پاکر بھرت اپنے ماموں کے ساتھ ہولیے۔ کچھ عرصہ تک وہاں رہنے کا ارادہ کیا۔ اسی اثنا میں راجہ دشرتھ ایک روز علیحدگی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ تقاضائے عمر کے مطابق اس دنیا کی ناپائداری کا نقشہ اُن کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اور انھوں نے اس سے علیحدہ ہونے کا ارادہ کیا۔ بقول حضرت خوشتر۔

نظر موے سفید آئے جو شہ کو ۔۔۔ زوالِ شب ہوا معلوم مہ کو
کہا دل میں کہ آیا دورِ پیری ۔۔۔ نہیں زیبا ہے اب تاجِ امیری
مناسب ہے کہ اپنے روبرو سب ۔۔۔ یہ تاج و تخت بخشوں رام کو سب
کریں رام اب اودھ میں بادشاہی ۔۔۔ کروں صحرا میں اب یادِ الٰہی

اجودھیا میں یہ خبر مشہور ہو گئی۔ کہ راجہ دشرتھ راج کاج چھوڑنے والے ہیں اور مہاراجہ رام چندر جی اب سلطنت کا کام سنبھالیں گے رعایا نے خوشی کے نعرے بلند کیے۔ اور اپنے اپنے مکانات آراستہ کیے۔ جب مہارانی کیکئی کو یہ خبر

ملی تو اُنھوں نے اُسی وقت قابل پنڈتوں اور خاص خاص سرداروں کو بلاکر ایک کمیٹی کرنی چاہی۔ جب سب جمع ہوئے تو رانی نے بآواز بلند کہا کہ

"میں نے سُنا ہے کہ کل سری رامچندر جی کا راج تلک ہوگا۔ مجھے یہ سُنکر بہت خوشی ہوئی۔ لیکن اگر رام چندر جی تخت پر جلوہ افروز ہو گئے۔ تو راون وغیرہ راکشسوں کا کون ناش کریگا؟ کاش اسے شکست نہ ملی تو یہ ظالم رشیوں کو سخت تنگ کریگا۔ تخت نشین ہوکر اور پھر راج چھوڑکر زیادہ عرصہ تک جنگلوں میں گھوم پھر کر دشمنوں کو مغلوب کرنا غیر ممکن ہے۔ رعایا کو وہی خوف قائم رہیگا۔ میں جانتی ہوں کہ رام کو راج کی خواہش نہیں ہے۔ وہ راج کی خیرخواہی رعایا کا آرام اور سُکھ چاہتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی وہ اپنے پتا کی حکم عدولی بھی نہیں کرسکتے اس لیے آپ صاحبان مجھے کوئی ایسی تدبیر بتائیں جس سے مریادا پرشوتم کے اوتار لینے کا مقصد پورا ہو۔ اور راکشسوں کا ناش ہو"

پنڈت پہلے ہی ایک علیحدہ سبھا مقرر کرکے ایک خاص رائے قائم کرچلے تھے اُنھوں نے کہا۔

"راج ماتا یہ کام کچھ مشکل نہیں۔ لیکن اس میں آپ کو ہر طرح کی تکلیف اُٹھانی پڑے گی اگر آپ منظور فرمائیں تو عرض کیجائے"

رانی نے کہا

"ودوان پنڈتو! اگر پرجا کی خاطر مجھے دُکھ اُٹھانا پڑے تو میرے دھنیہ بھاگ اگر سنسار کے سکھ کے لیے میری کایا بھی کام آجائے۔ تو میں اپنا جنم سپھل سمجھوں گی"

رانی کی یہ دلیرانہ تقریر سُنکر پنڈتوں نے رانی کی قابلیت کی داد دی اور سب یکزباں ہوکر بولے۔

"دھنیہ ہو۔ دھنیہ ہو۔ سُنیئے آپ کو یاد ہوگا۔ کہ میدان جنگ میں راجہ نے آپ کو دو بر دیئے تھے۔ آج آپ اُن کو کام میں لائیے۔ پہلا سوال تو یہ سمجھیے کہ رامچندر جی کو چودہ برس تک بن باس دیا جائے۔ دوسرا۔ بھرت کو راج گدی دیجائے"۔

کیکئی جانتی تھی کہ گو دنیاوی طور سے میری سخت مذمت کی جائیگی اور لوگ مجھے نگاہ نفرت سے دیکھیں گے۔ لیکن اس سے بھارت ورش کو فائدہ عظیم ہوگا۔ ملک راکششوں سے پاک ہو جائیگا۔ اس لیے اُنھوں نے دنیاوی مذمت کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر راجہ سے کہنے کی ہمت کی۔ اور اُن برہمنوں اور سرداروں کو خوشی کے ساتھ رخصت کیا۔

صبح ہوئی شہر کی آراستگی میں پھر وہی مصروفیت نظر آنے لگی۔ ہر شخص خوشی کے نغمے گا رہا تھا۔ کیونکہ وہ دن رام کی تخت نشینی کا دن تھا۔ چھوٹے بڑے سب راج تلک کا چرچا کر رہے تھے۔ جلوس شہر سے نکلے گا۔ ایسا نہو کوئی مکان خراب حالت میں رہ جائے۔ اور وہ آراستہ نہ دیکھ سکیں۔

شام کے وقت مہاراجہ دشرتھ کیکئی کو راج تلک کی خوشخبری سُنانے کے لیے گئے اُن کا خیال تھا کہ کیکئی نے ابتک نہ سُنا ہوگا۔ وہ کیکئی کے محل میں آئے۔ یہ محل ہر طرح کے پھول اور تصاویر سے آراستہ تھا۔ رانی وہاں نہیں تھیں وہ کوپ بھون میں تھیں۔ راجہ وہاں گئے اور کہنے لگے پران پیاری! تو کیوں رنجیدہ ہے؟ تیری حالت میرے لیے سخت مصیبت کا باعث ہے۔ دیکھو رام کا کل راج تلک ہونے والا ہے۔ اُٹھو اور کپڑے وغیرہ بدلو۔

کیکئی نے جواب دیا "راجن" چونکہ خوشی کا دن ہے اس لیے میں آپ سے دو بر چاہتی ہوں جنکا آپنے راجہ دُمج کی لڑائی میں دینے کا اقرار کیا تھا۔ راجہ ان بھولی بھالی باتوں سے

بہت خوش ہوئے۔ ہنستے ہوئے بولے "پیاری! تیرے لیے ہر وقت میری جان حاضر ہے تو نے میری جان بچائی تھی اس کے عوض میں جو چاہو سو مانگو۔ ہرگز دریغ نہیں کرونگا تم جانتی ہو۔

رگھو کل ریت سدا چلی آئی
پران جائیں پر بچن نہ جائی

مانگو کیا مانگتی ہو؟
کیکئی بولی "اچھا راجہ! پہلے ور کے لیے یہ عرض ہے کہ آپ رام چندر کو تو چودہ برس کے لیے بن باس دیجیے۔ دوسرے کی تعمیل میں بھرت کو راج دیجیے۔"
کیکئی کی باتوں کو سنتے ہی راجہ ہکا بکا ہو گیا۔ یہ خواب ہے یا اصلیت ہے۔ میں جاگتا ہوں یا سوتا ہوں۔ غش آگیا۔ جب ذرا ہوش آیا۔ تو اس نے آنکھیں کھولیں۔ رانی نے کہا "بھگوان! آپ ہمیشہ سے اپنے قول پر قائم رہے ہیں۔ لازمی ہے کہ آپ اس عرض کو منظور کریں۔"

کہا اس نے کہ اے شاہِ زمانہ — نہیں شاہوں کو زیبا ہے بہانہ
نہیں ہے جھوٹ شاہوں کو سزاوار — نہیں اقرار میں واجب ہے انکار

(خوشتر)

راجہ نے سیکڑوں عذر کیے۔ جب کچھ پیش نہ گئی۔ تو مجبوراً منظور کرنا پڑا مگر اس روز وہ رات بھر بے ہوش پڑے رہے۔ تن من کا خیال نہیں تھا۔

زمیں پر مضطرب ہے شکلِ ماہی — کہیں کلغی کہیں ہے تاج شاہی

(خوشتر)

صبح ہوئی یہی راج تلک کا دن تھا۔ سب خوشی میں مست ہو رہے تھے، کوئی کہیں گا رہا تھا، کوئی کہیں بجا رہا تھا، دن چڑھا مگر راجہ کا پتہ نہیں سب کے سب حیران

ہوئے۔ اور سب کو جاننے کی خواہش ہوئی کہ راجہ اب تک کیوں نہیں آیا۔ پرجا کے بار بار اصرار سے رام چندر جی حالات جاننے کے لیے کیکئی کے محل میں گئے۔ راجہ پر جو نگاہ پڑی تو اُن کے چہرہ کا رنگ زرد پایا۔ رام نے ماں اور باپ دونوں کے قدموں کو بوسہ دیا۔ اور اُسی وقت دشرتھ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری ہوگیا وہ کچھ نہ بول سکے۔ ٹھنڈے سانس بھر رہے تھے۔ رام باپ کو ایسی حالت میں پاکر سخت متردد ہوئے۔ اور کہنے لگے "پتا جی! کیا معاملہ ہے، کیسا مزاج ہے؟ کیوں نہیں بولتے؟ جب کوئی جواب نہ ملا۔ تو رام کیکئی سے مخاطب ہوئے:" ماتا کیا مجھ سے نادانستگی میں کوئی قصور ہوا ہے۔ آپ سفارش کیجیے۔ کیا ان کو کوئی بیماری تو نہیں ہوئی! یا پیارے بھرت کی کوئی بری خبر تو نہیں ملی۔ میں راجہ کو ایک لمحہ بھی بُری حالت میں دیکھنا نہیں چاہتا، آپ فوراً بتلائیں۔"

کیکئی نے جواب دیا "پتر کوئی خاص بات نہیں ہے۔ راجہ نے مجھے دو بر دینے کہے تھے۔ آج جب میں نے اُن کو مانگا۔ تو اُن کو بہت دُکھ ہوا۔ اس لیے وہ رات دیر سے سوئے تھے۔ اگر زیادہ دُکھ کی وجہ سے راجہ تم سے کچھ نہ کہہ سکیں۔ تو بھی تم کو واجب ہے کہ تم راجہ کے حکم کی تعمیل کرو۔" رام کہنے لگے۔ ماتا! میں راجہ کے حکم سے آگ میں جلنے، سمندر میں ڈوبنے اور زہر کھانے کے لیے تیار ہوں۔ دیر نہ کرو جلد بتاؤ۔" کیکئی بولی "تم چودہ برس تک ڈنڈک بن میں گھوم پھر کر رکشسوں کا ناش کرو اور بھرت اجودھیا میں راج کریں۔"

رانی کی باتوں سے رام کو ذرا بھی رنج نہیں ہوا۔ وہاں سے واپس آکر انھوں نے بن جانے کا سارا انتظام کیا۔ پہلے اپنی ماتاؤں (کوشلیا وغیرہ) کے پاس گئے۔ اُن کو روتا ہوا چھوڑ کر سیتا کے پاس آئے۔ سیتا کو بہت سمجھایا۔ مگر وہ نہیں مانیں۔ اور ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئیں۔ لچھمن جی نے جو سُنا۔ تو وہ بھی رام کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

رام نے انہیں بھی روکا۔ مگر جوش محبت میں آکر انھوں نے ایک بھی نہ مانی۔ آخر دونوں بھائی اور سیتا جی راجہ کے پاس آئے۔ ضعیف کمزور اور دکھی راجہ نے ایک نظر بھر کر نہیں دیکھا۔ اور یہ روانہ ہوئے۔

رام کے جانے کے چند ہی گھنٹے بعد راجہ دشرتھ موت کے شکار ہوئے۔ بھرت کو خبر دی گئی وہ اجودھیا آئے اور سارا حال سنکر راجہ کے کریا کرم سے فارغ ہو کر بن کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں رام چندر جی سے ملاقات ہوئی۔ بھرت نے بہت اصرار سے رام چندر جی کو واپس چلنے کے لیے کہا۔ مگر رام نے منظور نہیں کیا۔ اور وہ رام کی کھڑاؤں لیکر اجودھیا واپس آئے۔ تخت پر کھڑاوں رکھیں اور خود خادموں کی طرح رام کی طرف سے راج کرنے لگے۔ چودہ برس گزر گئے۔ رام تمام رکششوں کا ناش کرتے ہوئے اجودھیا واپس آئے۔ چونکہ اوتار لینے کا مدعا کیکئی کی زبان سے پورا ہوا تھا۔ سب سے پہلے وہ کیکئی سے ملے۔ کیکئی بہت خوش تھی۔ پھر اپنی سب ماتاؤں سے ملے۔ دوبارہ راج گدی کی رسم ادا کی گئی۔ اور راجہ رام چندر عرصہ تک اجودھیا میں راج کرتے رہے۔ ایسا راج کیا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں ابد تک راج کرتے رہیں گے۔ جو کسی راجہ کو نصیب نہیں ہوا۔

مگر یہ صرف کیکئی کے پر اُپکار کا نتیجہ ہے۔ ورنہ جیسے اور مہا پرتابی راجا و مہاراجاؤں کو بھول گئے ہیں۔ اسی طرح آج مہاراجہ رام چندر جی کے جے کار دنیا گونج نہ سنائی دیتی۔

(از زمانہ)

سلیمہ کی زندگی

(۱)

ساون کو شروع ہوئے مشکل سے تین دن ہوئے ہونگے لیکن الاماں، بارش نے وہ تار باندھا کہ ایک دن نہ دو دن پورے ہفتہ بھر نہ تھمنی تھی نہ تھمی۔ عورتوں کی کے ان من گھڑت مسئلوں کو بعض وقت مذاق میں تو ٹال دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو کچھ نہ کچھ بات ضرور ہوتی ہے جیسا سلیمہ کی دادی کہہ رہی تھیں۔ ساتویں دن جا کر بارش ذرا کم ہوئی۔ سورج نے دزدیدہ نگاہوں سے زمین کو تاکا اور چاروں طرف سے اللہ تیرا شکر ہے، یا پاک پروردگار تیرا احسان ہے تو نے اپنے بندوں پر رحم کیا کی صدائیں سنائی دینے لگیں۔

نقی کی لاڈلی بیٹی اور بی مغل خانم کی اکلوتی پوتی سلیمہ یوں تو خدا رکھے پچھلے رجب کو پورے گیارہ برس کی ہو کر بارھویں برس میں لگ گئی تھی۔ لیکن تھی بڑی ضدن۔ آندھی آئے، مینھ آئے، کوئی مرے، کوئی جیے، لیکن جب تک سلیمہ کی ضد پوری نہ ہو چکتی تھی میاں نقی اور بی مغلانی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے ذرا ذرا سی بات میں روپیہ پانی کی طرح بہانا پڑتا تھا اور بات بات پر سیکڑوں کھڑے اٹھے وارے کے نیارے کر کے لیجاتے تھے۔

حسین آباد کے بڑے بڑے رئیسوں کو اس بات کا تعجب تھا کہ میاں نقی کی ڈیوڑھی بارہ پہر امین آباد کا نمونہ بنی رہتی ہے۔ ابھی کچوری والا نہیں گیا کہ حلوے والے نے دُھائی مچائی۔ کوئی کہتا آرہا ہے تازے اور گرم چوڑتے۔ کوئی پکار رہا ہے کہ ملائی کی برف، غرض صبح سے شام تک یہی سلسلہ رہتا تھا۔ اور خدا خدا کر کے

جب سونٹھ کے بتاشے اور کباب والا آ جکتا تھا تو نوکر چاکر ذرا اطمینان سے بیٹھتے تھے۔ ابھی اس سات دن کی لگاتار بارش میں خدا جھوٹ نہ بلائے تو چار دفعہ کڑھائی چڑھی اور کم از کم من سوا من گھی پورا خرچ ہوا ہوگا۔

او نگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ کافی ہوتا ہے۔ مامائیں، مغلانیاں اور خالہ زاد بہنیں تو اس تاک جھانک میں لگی ہی رہتی تھیں کہ ذرا گھر والوں کی نگاہ بچے اور سلیمہ کو کسی نئی چیز کا نام بتائیں۔

وہ وہ کھانے اور مٹھائیاں میاں نقی کے دستر خوان پر چُنے جاتے تھے کہ آخری شاہزادہ کو بھی مشکل سے نصیب ہوتے ہونگے۔

کھانے ہی پر کیا منحصر ہے آرائش کا سامان، زیور، کپڑے، گڑیوں کے برتن پٹارے پٹاریاں، ٹرنک، کیش بکس، اور اسی قسم کی الا بلا سے دو تین کمرے بھرے ہوئے تھے۔ مشرو، گلبدن اور مخمل ہر موسم اور وقت کے کپڑے چنی مل بزاز کے یہاں سے جس قدر، اور جس وقت جی چاہے منگا لینے کی اجازت حاصل تھی۔

سال کے ختم پر جب سُنار، بزاز، حلوائی وغیرہ اپنے حساب کے کاغذ لیکر آ بیٹھتے تھے اسوقت تو میاں نقی کو یہ ہزاروں کی رقم دینی ذرا فضول خرچی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن جہاں سالانہ حساب نمٹ گیا اور نئے سال کی ضرورتوں نے پچھلے دن بھلا دیے پھر وہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

نقی کے والد میر مروت حسین پرانی وضع کے آدمی تھے۔ جہاں لاکھوں روپیہ کی جائداد اور مال دولت باپ دادا کے ترکے سے پایا تھا۔ وہاں ہزاروں خود بھی اپنے قوت بازو سے پیدا کیے تھے۔ ان کی پرانی وضع داری مرتے دم تک قائم رہی۔

لٹھے کے ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ، ململ کا کُرتہ، تنزیب کی اچکن، لکھنؤ کی قدیم ٹوپی اور جوڑے پنجہ کا کامدار جوتہ۔ بس یہ میر صاحب کا لباس تھا۔ اچھے اور مرغن کھانے یا تو اُن کی قسمت ہی میں نہیں لکھے تھے، یا آئے دن بیمار رہنے کی وجہ سے، دونوں وقت میں آدھ پاؤ سوجی کی کھیر اور دو چپاتیاں اس سے زیادہ اُن کی خوراک نہ تھی۔ قدیم (اور پرانی وضع کے) دیوان خانہ میں آٹھ دس لکڑی کے بڑے بڑے تخت بچھے ہوئے ہوئے اور اُن پر چاندنی قالین کا فرش لگا ہوا اس سے زیادہ آرائش انہیں پسند نہ تھی۔ تختوں کے اِرد گرد اہل معاملہ کے لیے موقع بموقع لکڑی کی تپائیاں اور چند پرانے وضع کی کرسیاں پڑی رہتی تھیں۔ خود خمیرے تمباکو کا لمبا پیچوان مونھ سے لگائے سامنے قالین پر بیٹھے رہتے اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ زمین زراعت کے انتظامی معاملات میں صرف کرنے کے علاوہ یا تو نماز وظیفہ میں مصروف رہتے یا گلستاں بوستاں، سکندر نامہ اور اسی قسم کی دوسری کتابوں سے دل بہلایا کرتے تھے۔

اُن کا قول تھا کہ "بلا ضرورت یار دوستوں کا ایک گروہ پیدا کر کے صبح سے شام تک ادہر اُدہر کی جھوٹی سچی باتوں میں اپنا وقت خراب کرنا یا اس کے برخلاف بالکل خانہ نشین ہو کر زنان خانہ میں بہو بیٹیوں کے پاس پڑے رہنا دونوں باتیں شرافت کا معیار نہیں، شریف وہی کہا جا سکتا ہے جو ظاہری اور باطنی شرافتوں سے معمور ہو اور جسے چار بھلے آدمی برا نہ کہیں۔

(باقی آیندہ)

سید مظہر حسین اختر (میرٹھی)

یادِ عزیزہ

کبھی کچھ درد رہتا ہی، کبھی کچھ سوز رہتا ہے
ہمارے دل یہ صدمہ اِک نہ اِک ہر روز رہتا ہی

پیاری عزیزہ کیسی گہری نیند میں پڑی آرام کر رہی ہو کہ تمہیں ذرا بھی اپنے پس ماندگوں کی خبر ہی نہیں۔ پیاری عزیزہ تمہاری خو تو ہرگز طوطا چشمی سے بے مروتی کی تھی نہیں بتاؤ یہ آج خلاف عادت بے وقت کا سونا اور گھر بھر کو بے چین کرنا کیسا؟

عزیزہ میری اچھی عزیزہ انصاف کرو تم تو ماشاء اللہ لائق وفہمیدہ ہو یہ اپنی بدنصیب ماں سے روٹھنا کیسا یہ کیسی خفگی ہی، کیوں خاموشی ہی تمہاری خاموشی تمہاری ماں کو زندہ درگور کیے دیتی ہی۔ عزیزہ پیاری عزیزہ انصاف کرکے اسکا جواب تو دو۔ اگر تمہا بیچاری کی زاری بیجا ہو تو پھر روٹھنا۔ گلشن ہو اور اس میں وہ گل تر ہی نہ ہوا جس کی نرم ونازک پنکھڑیاں جس کی دلفریب نزاکت جس کی میٹھی میٹھی بو خوشنما رنگ صاحب گلشن کے دل ودماغ کو مسرت خوشی دے رہی تھی۔ آہ وہ گھر کس کام کا جو سجا سجایا رہ گیا ہو اور مکین ہی نہو، آہ وہ کنواں کس مصرف کا جو دیکھنے کو رہ گیا ہو جس میں آب شیریں ہی نہیں سوکھا پڑا ہی۔ وہ درخت کس لیے ہی جو پھول پتوں سے خالی کھڑا ہو۔

خیر متذکرہ بالا چیزوں میں پھر از سر نو تبدیلی ہو سکتی ہی۔ خدا کی قدرت میں بات ممکن ہی کہ ہزاروں سوکھے کھیت ہرے بھرے ہو رہے۔ بیسیوں سوکھی باولیاں آب شیریں سے لبریز ہو گئیں سینکڑوں گھر بے مکین کے ہو ہو کر پھر آباد ہو رہے۔ یہ سب کچھ ممکن مگر آہ اُس مسن بیوہ کی کیا حالت ہو گی جو اسکی زندگی بھر کی محنتوں کا ثمر اس سے چھن جائے جسپر وہ اپنے تمام ارمانوں کا دارومدار جس کے سبب

ساری دنیاوی فکریں، آنیں مصیبتیں بھولی ہوئی ہو۔ بدنصیب ماں کے لیے اس سے زیادہ کوئی غم جانکاہ ہو ہی نہیں سکتا کہ یوں یک بیک اٹھارہ سال کی محنت خاک میں ملجائے۔ آہ ری جانے والی دکھیا۔ بیوہ ماں کی جائی کیا اس طرح اپنی ماں کی کمر توڑکر اور اُن سے مونھ موڑکر جانا تھا؟

جانا ہی منظور تھا تو بی بیاہ شادی تو ہو لیتی کوئی اپنی پیاری نشانی تو اپنے پس ماندگوں کی تسکین کے لیے چھوڑ جاتیں۔ ہائے ایسی نامرادی جوانمرگی ایسی حسرت بھری موت کیا ضرور تھی۔ آہ اے عزیزہ! تیری یاد ہمارے لیے سوہان روح بن رہی ہی۔

عزیزہ پیاری عزیزہ! کچھ موہنہ سے تو بولو آنکھ تو کھولو دیکھو تمہاری ماکے بین سے کلیجے پھٹے جاتے ہیں آہ کس طرح تڑپتی بلکتی ہیں۔ خدا دشمن پر بھی بُری گھڑی نہ لائے میری بدنصیب ممانی جان کی غم کی داستان کس طرح سناؤں۔ میں نہیں چاہتی کہ آپکے دلوں کو تھوڑی دیر کے لیے بھی افسردہ ہونے دوں کیونکہ۔ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را، مگر خاموشی ضبط دل کے ٹکڑے کیے دیتی ہی۔

میرے ماموں جان کی بے وقت کی موت سے ممانی جان پر سخت ظلم کیا پھر بعد اس کے سال گزشتہ ہی باد مخالف کے تند جھونکوں سے گلشن بلگرامی پر ایسی خزاں آئی کہ اس کی شادابی سرسبزی جاتی رہی نہ وہ رونق رہی نہ بہار ایک جناب سید علی بلگرامی کا کوچ کرجانا ہی کچھ کم نہ تھا۔ چمن پر اُداسی چھاگئی۔ آہ پھر کیا ستم ہوا اُسی چمن کا ایک نازک خوبصورت گلاب کا پھول دیکھتے کے دیکھتے مرجھا کر رہ گیا۔ خیر پھول بھی دو دن اپنی نکھار دکھلاکر مرجھائی جاتا ہی۔ مگر آہ

پھول تو دو دن بہار اپنی فضا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہی جو بن کِھلے مرجھا گئے

عزیزہ پیاری عزیزہ! درحقیقت تو پھول سے بھی بڑھکر نازک اور خوبصورت تھی اسکا نام بھی کیسا پیارا تھا "عزیزہ بانو بیگم" بالکل اسم بامسمیٰ تھا۔ وہ اپنی حسن صورت حسن سیرت سے پھولوں کو بھی شرمائے دیتی تھی۔ وہ بالکل ایک بلبل خوشنوا تھی جب وہ کہنے لگتی تو مونہ سے پھول برستے۔ اس کی ہر ایک ادا دلفریب تھی۔ جب پیانو پر بیٹھتی تو پژمردہ سے پژمردہ دل پھول کی طرح کھل جاتے خوشی کا ایسا سماں۔ اور جب کوئی غم کی مجلس ہوتی تو اپنے پُراثر اور دل گداز سوز سے سخت سے سخت دلوں کو موم بنا کر چھوڑتی۔

وہ بہت لائق تھی اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ تھی انگلش میں اس کی لیاقت میٹرک تک تھی اُردو فارسی تو اپنی مادری زبان ہے اس کی نہ پوچھیے۔ آہ وہ بڑی ملنسار بڑی ہی محبت شعار تھی خدایا کن کن خوبیوں کو اُس کی یاد کریں۔ کہنے کو تو ماموں زاد لیکن حقیقی بہنوں سے زیادہ محبت کرنے والی۔ میری حقیقی ممانی جان مسز میر شجاعت علیخاں اور جناب سید علی بلگرامی کی حقیقی بہن کی دو لڑکیاں تھیں۔ آٹھ نو سال ہونے کو آئے کہ بڑی لڑکی بھی اٹھارہ سال سے بہت لائق قابل بنکر داغ مفارقت والدہ کو دے گئیں انکے بعد یہی ایک لڑکی چھوٹی تھی جو سب کے لیے باعث مسرت تھی۔ افسوس کیسا موذی مرض آیا کہ جان لیکر ہی چھوٹا۔ عزیزہ پیاری تمہیں یاد ہے کہ جب میں حیدرآباد سے آنے لگی تو تم کس محبت و پیار کی نظروں سے دیکھ دیکھ کر خدا حافظ کہتی تھیں۔ آہ کیا معلوم تھا کہ یہ ادائی الفاظ ہمیشہ کا خدا حافظ ہے۔

میرے یہاں آنے کے بعد صرف ایک ہی مرتبہ تمہاری پیاری تحریر مجھے ملی پھر تمہاری بیماری کی منحوس خبر لیکر خط آنے لگے ہمارے دل پر سخت چوٹ لگی کیونکہ تم کو بھی یہ منحوس اٹھارواں ہی سال ہے۔ آہ کیا معلوم تھا کہ اس بلبل خوشنوا پر صرف سولہ سترہ ہی بہار گزریں گی، اٹھارواں سال اس کی خزاں کا موجب ہوگا۔ آہ اے پیاری

حسرت بھری عزیزہ تمہاری حسرتناک موت پر

حسرتیں روتی ہیں افسوس پشیماں ہوکر

آہ اے مرض ہائے موذی مرض دق! تیرا نام ہی حسین نازک لڑکیوں کے لیے کچھ کم نہیں۔ تونے میری پیاری ابیلی عزیزہ پر سخت ظلم روا رکھا۔ کامل دس گیارہ مہینے اس کے نرم روئی سے زیادہ نرم دل میں رہکر گھن کی طرح کھا گیا اور اس پر یہ ستم کہ اس دریکتا اس دریتیم کو ہم سب سے جیتے جی ہی جدا کرکے کامل آٹھ مہینے جدا رکھا اور پھر اس انمول موتی کو بانجگنی کے کانوں ہیں باچشم گریاں دل بریاں چاک گریباں سپرد کرنا ہی پڑا۔

افسوس افسوس! میرے مرحوم ماموں جان کی کیسی پیاری نشانی بنجگنی کے منوں مٹی تلے دبی پڑی ہی۔ رخصت ہمیشہ کے لیے رخصت! پیاری عزیزہ کبھی عالم رؤیا میں تو آیا کرو۔ کبھی اپنی پیاری صورت تو دکھایا کرو۔ تمہاری بدنصیب ماں کی حالت قابل رحم ہی اور اپنے دونوں بھائیوں پر جن پر تم فدا تھیں جنکے لنڈن سے آنے کی گھڑیاں گن گن کر کاٹ رہی تھیں رحم کرو۔ آہ تم کس قدر خوش ہوئی تھیں جب وہ تم سے آکر ملے اب وہی ہیں کہ تمہارے پائنتی کھڑے آنسو بہاتے ہیں۔ اور تم دیکھتی بھی نہیں۔

خدایا تو بدنصیب ممانی جان کو اور مرحومہ کے بھائیوں کے دل کو اور ہم سب کو صبر عنایت کر اور پیاری مرحومہ کو خلد بریں عطا کر۔ آمین۔

معزز ناظرین سے التماس ہی کہ اپنے عزیز وقت کا کوئی حصہ اس عاجزہ کے لیے صرف کرکے ایک مرثیہ اور قطعہ تاریخ لکھدیں۔ ۱۵۔ مئی بروز چہارشنبہ ۱۹۱۲ء میں پیاری عزیزہ نے دائمی مفارقت اختیار کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

راقمہ خاکسار دلگیر عباسی بیگم از حیدرآباد دکن

اڈیٹوریل

انجمن عروۃ الوثقیٰ مصر
کی
سالانہ رپورٹ بابت سنہ ۱۹۱۱ء

سنہ ۱۸۹۲ء میں اسکندریہ میں بعض ہمدردان قوم نے انجمن مذکورہ قائم کی۔ اس انجمن کا بڑا مقصد یہ رکھا گیا کہ مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو تعلیم دلائے۔ یتیموں کی پرورش اور تربیت ہو۔ شفاخانے قائم کرکے غربا کا معالجہ کیا جائے۔ غریبوں کی اولاد کو صنعت و حرفت کی تعلیم دیجائے۔ علما اور واعظین کے ذریعہ سے اسلام کی خدمت کرائی جائے۔

یہ ہمدردانہ حوصلے اور یہ شریفانہ ارادے تھے جسکے لیے یہ انجمن وجود میں آئی نیک خیال لوگوں کی ہمیشہ اللہ تعالیٰ مدد کرتا ہی۔ اور بالآخر ضرور وہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اس انجمن کے ممبروں نے جہانتک انکے امکان میں تھا کوشش کی اور آخرکار وہ کامیاب ہوئے۔ سال گزشتہ کی اس انجمن کی رپورٹ ہمارے سامنے ہی جس سے ان کی کامیابی کی مختصر کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

سال زیر رپورٹ میں اس انجمن کی کل آمدنی ۷ ۸ ۴ ۸ ۳ گنی ہوئی۔ انجمن نے صنعت و حرفت کے تین مدرسے، ابتدائی تعلیم کے دو مدرسے۔ ملازمین وغیرہ کی تعلیم کے لیے شب کو کھلنے والے تین مدرسے اور مفت تعلیم دینے والے دو مدرسے قائم کیے ہیں۔ ان میں مجموعی تعداد تعلیم پانے والوں کی ۳۰۸۲ ہی جو سال ماسبق سے ۱۹۱ زائد ہی۔

ان تمام مدرسوں میں لائق سے لائق اساتذہ تلاش کرکے رکھے گئے ہیں

غیر زبانوں کے سکھلانے یا صنعت وحرفت کی تعلیم کے لیے اکثر یورپین ہیں جو بیش قرار تنخواہیں پاتے ہیں۔

صنعت وحرفت کا مدرسہ ۱۹۰۸ء سے کھولا گیا ہی اور سال زیر رپورٹ میں ۳۸ طلبا امتحان میں شریک ہوئے تھے جن میں ۳۳ پاس ہوئے اور اُن کو سرکاری ڈپلوما دیا گیا۔

جو مدرسے مفتی ہیں ان میں ۱۰۲۱ طلبا مفت تعلیم پاتے ہیں۔

ان مدرسوں کے علاوہ انجمن نے تعلیم نسواں کی طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ کی ہی۔ یعنی اُس نے سات مدرسے تعلیم نسواں کے لیے قائم کیے ہیں۔ جن میں ۹۶۲ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔ ان میں سے نصف لڑکیاں اپنی تعلیم کا پورا خرچ خود ادا کرتی ہیں۔ اور ۸۸ لڑکیاں نصف۔ باقی مفت تعلیم پاتی ہیں۔

انجمن کے ممبروں کو یہ تجربہ ہوا ہی کہ لڑکیوں میں تعلیم عام اُسوقت ہو سکتی ہی جبکہ اخراجات کا بوجھ اُن پر نہ ڈالا جائے۔ چنانچہ انجمن نے اپنے ایک مدرسہ میں جب فیس معاف کردی تو ایک دم لڑکیوں کی تعداد ۷۰ سے ۲۰۸ تک پہنچگئی اس لیے اب ممبران انجمن اس کوشش میں ہیں کہ تمام زنانہ مدارس کی فیس معاف کردی جائے۔ اور اس کے لیے اُنھوں نے چندہ کی اپیل کی ہے۔ جسکے لیے پہلے خدیو نے تین سو گنی سالانہ مقرر کی ہے۔

یتیم خانہ میں اس سال ۱۱۵ یتیم داخل ہوئے جن کی پرورش اور تعلیم انجمن کرتی ہے۔

انجمن نے کئی شفاخانے قائم کر رکھے ہیں۔ اس سال ایک عالیشان شفاخانہ جدید ۱۲۷۲۲ گنی کے صرفہ سے تعمیر کیا ہی۔ سال زیر رپورٹ میں ۵۴۸۸ بیماروں کا علاج کیا گیا۔

ایک ماہواری رسالہ مذہبی، علمی، تمدنی اور ادبی بھی انجمن کی طرف سے جاری ہی۔ جس کی اشاعت ۸۲۶۸ ہے۔ اس کی آمدنی میں سے ۱۷۰ اگنی شفاخانہ کی دواؤں کے لیے دیا گیا۔

ہماری تہ دل سے دعا ہی کہ اللہ تعالیٰ ایسی مفید انجمن کو روزافزوں ترقی عطا فرمائے۔

خاتون - اسی ذیل میں کچھ ہم اپنے رسالہ خاتون کی نسبت بھی لکھنا چاہتے ہیں۔ یہ رسالہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سب سے بڑی مرکزی درسگاہ سے نکالا جاتا ہی۔ اور اسکا مقصد خاص یعنی تعلیم نسواں کی اشاعت ایسا اہم مقصد ہے جس سے آجکل ہر ذی عقل کو اتفاق ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم کو نہایت افسوس ہوتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ رسالہ اپنے اخراجات کا بار خود نہیں برداشت کر سکتا۔

اڈیٹر کو محض تعلیم نسواں کی حمایت اور اشاعت کی غرض سے اور نیز اس وجہ سے کہ یہ رسالہ صیغۂ تعلیم نسواں علیگڈھ کا ارگن ہی، مالی خسارہ برداشت کرنا پڑتا ہے یہ بھی نہیں ہی کہ ہم اس رسالہ میں کوئی فضول خرچی کرتے ہوں۔ بلکہ نہایت کفایت شعاری کے ساتھ اس کے تمام کام انجام دیئے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ خریداروں کی تعداد بہت کم ہے۔ اس لیے وہ اخراجات بھی پورے نہیں ہوتے۔

اس لیے تمام حامیان تعلیم نسواں اور بالخصوص ناظرات خاتون سے امید ہے کہ وہ اس خسارہ میں اڈیٹر کا ہاتھ بٹائیں۔ اور اس کی صورت یہ ہو سکتی ہی کہ ہر ایک خریدار ایک ایک دو دو خریدار اور پیدا کرے۔ ورنہ ایک ہی شخص اس خسارہ کا

کہانتک متحمل ہوسکتا ہی۔

ہندوستان میں بیواؤں کی تعداد۔ مردم شماری کی سب سے آخری رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ ہندوستان کی کُل آبادی ۳۱ کروڑ ۲۵ لاکھ آدمیوں کی ہے۔

۶ سال سے کم عمر کی بیاہی لڑکیوں کی تعداد ۲۰۲۴۲۵ ہے ان میں سے ۱۷۰۰۰ بچیاں بیوہ ہیں۔

۶ سال سے پندرہ سال کی عمر تک کی شادی شدہ لڑکیوں کی تعداد دو کروڑ پانچ لاکھ ہے۔ جن میں سے نو لاکھ چالیس ہزار بیوہ ہیں۔

رپورٹ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ۹۴۱۲۶۴۲ لڑکیوں کی شادی صغرسنی میں ہوئی ہے۔

تعلیمی اعداد وشمار یہ ہیں کہ ہندوستان میں ایک ہزار آدمیوں میں سے ۱۰۶ مرد اور ۱۱ عورتیں پڑھی لکھی ہیں۔

اکیس کروڑ دس لاکھ ہندوؤں میں سے دس لاکھ تعلیم یافتہ ہیں اور چھ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ مسلمانوں میں سے ایک لاکھ اسّی ہزار مسلمان انگریزی پڑھے ہوئے ہیں۔

شہر قزان کا اسلامی مدرسۂ نسواں۔ فاتحہ خانم جو ایک بہت بڑے دولتمند عبدالولی یا ویشف کی بیٹی اور ایک ذی وجاہت مسلمان سلیمان ایلیطف کی اہلیہ ہیں۔ اُنھوں نے چند سال سے ترکستان کے مشہور شہر قزان میں ایک

مدرسۂ نسواں جاری کیا ہی جس پر وہ اپنی ذات خاص سے بہت کچھ صرف کرتی رہتی ہیں۔

ترکستان کے اخبار **وقت** میں امینہ شمس الدینوا نامی ایک خاتون نے اس مدرسہ کی کیفیت لکھی ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ سال مدرسہ میں ۱۸۰ لڑکیاں پڑھتی تھیں۔ اس مدرسہ کا انتظام نہایت عمدہ ہے اور اُس کا پروگرام زمانہ حال کی ضروریات کے مطابق ہے۔ اور یہ مدرسہ شہر قزان کے بہترین مدرسوں میں شمار ہوتا ہی۔

اعلیٰ جماعت کی لڑکیاں خاص اُستانیوں کی زیر نگرانی زنانہ دستکاری مثلاً خیاطت و طباخی وغیرہ وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔

خود مدرسہ کی بانی فاتحہ خانم کے علاوہ قزان کے بہت سے دوسرے معزز اور متمول اسلامی گھرانوں کی خواتین بھی خاص مدرسہ میں آکر تعلیم و نگرانی کی خدمت انجام دیتی ہیں۔ اور وہ اس فرض کو کارِ ثواب سمجھ کر نہایت تن دہی اور خوشی کے ساتھ ادا کرتی ہیں۔ ان خواتین میں سے بعض علاوہ تعلیم و عام نگرانی کے گھنٹوں باورچی خانہ میں بیٹھنے کی تکلیف برداشت کرکے لڑکیوں کو طباخی کا ہُنر سکھاتی ہیں۔

ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے کہ ان خواتین کی اصلی زینت اُن طلائی زیورات اور بیش قیمت پتھروں اور عمدہ لباسوں سے نہیں ہے جو خدا نے اُن کو دے رکھے ہیں۔ بلکہ ان کی حسن نیت اور اسلامی حمیت سے ہی جو اُن کو اپنے ہم مذہب بہنوں کی خدمت کے لیے فی سبیل اللہ آمادہ کرتی ہے۔ کاش ان خواتین کے اور بہت سے نمونے پیدا ہوں اور اسلامی کشتی کو گرداب بلا سے نکالیں۔

میں مدرسہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور اس کی تمام کیفیت معلوم کر کے
اس کی بانی فاتحہ خانم اور دوسری خواتین کے شکریہ کے طور پر چند سطور
وقت میں لکھتی ہوں اور خدا سے دعا کرتی ہوں کہ ایسی خواتین کے نمونے روز بروز
بڑھیں۔

دستخط امینہ شمس الدینوا

ریویو

رسالہ نماز۔ یہ ایک سوا سو صفحہ کا رسالہ ہے جس میں مولوی عابد علی خانصاحب نے وضو اور نماز وغیرہ کی کیفیت مفصل انگریزی زبان میں لکھی ہے۔ اُن بچوں کے لیے جو اُردو نہیں جانتے ازبس مفید ہے۔ اس میں ہر قسم کی نماز پنجگانہ۔ جمعہ عیدالفطر۔ صلوٰۃ الکسوف والخسوف۔ نماز جنازہ وغیرہ سب نہایت عمدگی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ اور بہت سی سورتیں جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ معہ دعاؤں وغیرہ کے اصل عربی میں لکھ کر انگریزی میں ترجمہ کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ آخر میں بہت سی آتیں اور حدیثیں متعلق بہ عقائد و اخلاق وغیرہ انگریزی میں ترجمہ کی گئی ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ کتاب نہایت مفید ہو گئی ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ انگریزی زبان زیادہ رائج ہو گئی ہے اس لیے بہت ضرورت ہے کہ اس قسم کی ضروری اور کارآمد کتابیں اسلامی مسائل کے متعلق انگریزی میں شائع کی جائیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مولوی عابد علیخانصاحب کی کوشش کو مشکور فرمائے۔

اس کتاب کی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ ہے۔ قیمت ۲ ر ہے۔ اور منیجر صاحب

مسلم اسٹور مالدہ - بنگال سے مل سکتی ہے۔

الاسلام - پبلک ٹریڈنگ کمپنی امرت سر کے سلسلہ تالیفات میں یہ رسالہ مولوی فتح محمد صاحب جالندھر کا شائع ہوا ہے۔ جس میں عام مسلمانوں اور خاصکر بچوں اور عورتوں کو اسلام کے عقائد ضروریہ کے سکھانے کے لیے اسلامی اعتقادات کے مسائل بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں۔

مولوی صاحب ممدوح جو قرآن شریف کے ایک متبحر عالم ہیں اور جن کا ترجمہ قرآن مجید کا مقبول عام ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ لکھ کر عورتوں اور بچوں کے لٹریچر میں ایک نہایت عمدہ اضافہ کیا ہے۔ حقیقت میں مسلمان بچوں کو ابتدا میں اسی قسم کے رسالوں کی ضرورت ہے جن سے ان کے دل میں اسلامی عقیدہ پختگی کے ساتھ جم جائے۔ اور خوب اچھی طرح وہ سمجھ جائیں کہ ہمارے مذہب کے عقائد کن حقیقی اور اصلی بنیادوں پر قائم ہیں۔

اسلامی عقیدہ کی اصلی بنیاد تین جزوں پر ہے۔ توحید، نبوت اور معاد یعنی اللہ تعالی کو اس کی ذات اور صفات میں یکتا اور بے مثل جاننا۔ تمام انبیا، سابقین اور خاصکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق اور خاتم المرسلین سمجھنا۔ اور قیامت یعنی حساب کتاب اور جنت و دوزخ پر ایمان لانا۔

مولوی فتح محمد صاحب نے اس رسالہ میں انہیں باتوں کو نہایت خوبی او خوش اسلوبی کے ساتھ آسان اور سہل عبارت میں سمجھایا ہے۔ جس سے معمولی عقل کی عورتیں اور بچے نہایت آسانی کے ساتھ اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور یہ مسائل اعتقادیہ انکے ذہن نشین ہو سکتے ہیں۔

علاوہ اس کے تقدیر اور ملائکہ کے مسئلہ کے متعلق بھی مولوی صاحب

ہمارے کالج میں بھی ایک میٹنگ ہوئی اور اس میں ہمدردان بزرگان قوم اور نیز یورپین پروفیسروں نے بھی چندے دیئے۔ امید ہے کہ ہماری خواتین اور ناظرات بہنیں اس ثواب عظیم کے حاصل کرنے میں کوشش کرینگی۔

علی گڈھ انسٹیوٹ گزٹ

یہ ہفتہ وار اخبار سر سید علیہ الرحمۃ نے ۱۸۶۶ء میں جاری کیا تھا۔ جو اب مدرسۃ العلوم مسلمانان (علیگڈھ) کا مسلمہ ارگن ہے۔ اس کے متعلق کچھ زیادہ لکھنا ضروری نہیں۔ نمونہ کا پرچہ (جو فرمائش پر مفت روانہ کیا جاتا ہے) طلب فرماکر خود ملاحظہ فرمالیجیے۔ اور اگر پسند ہو تو صرف چار روپیہ سالانہ قیمت مع محصولڈاک پر اپنے نام جاری کرالیجیے۔

درخواستوں کا پتہ

جناب منیجر صاحب، علیگڈھ انسٹیوٹ گزٹ، علیگڈھ

رجسٹرڈ نمبر ایل (۱۲۷۱)

خاتون

نمبر ۱۱	بابت ماہ نومبر ۱۹۱۲ء	جلد ۶

اڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے۔ ایل ایل بی سکرٹری تعلیم نسواں سکشن

فہرست مضامین

۱۔ تماز اور تہذیب .... مسٹر س ۔ ف ۔ اصاحب ۱

۲۔ میرا قومی خواب ... بسید فخرالدین ابوبکر العیدروس ۷

۳۔ زوجین کے باہم تعلقات پر بی بی کا اثر .... ز، صاحبہ ... ۱۵

۴۔ ہندستان میں مستورات کی تعلیم و تہذیب ،، ہرہائنس فاطمہ سلطان جہاں بیگم صاحبہ ۲۱

۵۔ جواب جاہلاں باشد خموشی ...... عالیہ بیگم صاحبہ ۲۴

۶۔ [illegible] اور اُس کے لطیفے ...... از معارف ۲۶

۷۔ [illegible] ۴۵

خاکسار عبداللطیف پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام علی گڑہ میں چھپا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۰ صفحے کا علیگڈہ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہے اور اسکی سالانہ قیمت (عہ) اور ششماہی عہ/۱۲ ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہے یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہے اور جبتک مرد اس طرف متوجہ نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت و بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے جو نقصانات ہو رہے ہیں اسکی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہینگے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کیلیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہے معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کیلیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ اگر اسکی آمدنی سے کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط وکتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علیگڈہ ہونی چاہیے

نماز اور تہذیب

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ خاتون کے اس نمبر میں مسٹر سید فخر الدین ابوبکر العید روس بی۔ اے پی۔ سی۔ ایس اور اُن کی اہلیہ صاحبہ کے مضامین یکے بعد دیگرے شائع کرنے کا ہم کو موقع ملا۔

یہ شاید خاتون میں پہلا موقع ہے کہ میاں بیوی دونوں کے پاکیزہ خیالات ایک ساتھ شائع کیے جاتے ہیں۔

سید صاحب موصوف نے اپنے ذہنی خواب میں جو اخلاقی معرکہ دکھلایا ہے وہ حقیقت میں ہماری قومی حالت کا سچا خاکہ ہے اور جس والیہ ملک کا نام اُنھوں نے قصداً نہیں لکھا وہ اسقدر نمایاں ہے کہ اس کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی یعنی حضور عالیہ ہز ہائنس بیگم صاحبہ والیہ ریاست بھوپال بالقابہا دام اقبالہا جنھوں نے تعلیم نسواں کی مردہ تحریک میں جان ڈالی۔ اور توجہات پر فتحیاب

ہونے کے لیے حامیان تعلیم نسواں کی امداد فرمائی۔

سید صاحب کی معزز اہلیہ صاحبہ نے شرع متین اسلامیہ کے سب سے بڑے رکن یعنی نماز کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ ہم اُن سے اس امر میں بالکل متفق ہیں کہ مسلمانوں کے تنزل کا اصلی باعث یہی ہے کہ وہ پابندی شرع چھوڑتے گئے۔ اور ترکوں کی موجودہ شکست بالکل اسی کا نتیجہ ہے تاریخ شاہد ہے کہ انہیں مسلمانوں نے دنیا میں کچھ کیا جو اسلام کے ظاہراً اور باطناً پابند تھے اگر اب بھی ہم سنبھلیں تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی رحمٰن رحیم موجود ہے۔ اور دین اسلام اور مسلمانوں کو پھر وہی عروج ہو سکتا ہے۔

اڈیٹر

اس زمانہ میں جب تہذیب کی چوطرف دھوم دھام ہے اور ترقی علم و تمدن کا ہر سو چرچا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جیسا گزشتہ خاتون میں موجودہ بیبیوں کے مضمون میں شکایت کی گئی ہے کہ اُن پڑھ بیبیوں میں تو نماز مفقود ہوتی جاتی ہے۔ مگر ہماری تعلیم یافتہ اور مہذب بہنوں میں نماز کی پابندی ہے یا نہیں۔

تجربہ سے پایا جاتا ہے کہ جیسی جیسی تہذیب مغربی ترقی کرتی جاتی ہے مذہب کے اس بڑے زور آور اصول یعنی نماز کی طرف سے زیادہ غفلت ہوتی جاتی ہے۔ بلکہ اس امر کو خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ یہ خیال ہمارا غلط ہے۔

قطع نظر وعدہ وعید مذہبی اور احکام شرعی کے اس سے ہمیں دنیوی فائدے کتنے ہیں وہ دیکھنے چاہییں۔

یوں تو ارکان اسلام کی رو سے جتنی طہارت باطنی اہل اسلام میں ہے اُتنی غیر قوموں میں نہیں۔ مگر ہاں تہذیب مغربی میں ظاہری صفائی زیادہ بڑھکر ہے جیسا ہر روز بلاناغہ حمام کرنا، صاف کپڑے بدلنا، دن میں کئی بار مونھ ہاتھ دھونا

وغیرہ وغیرہ مگر جو لوگ پابند نماز ہیں اُن کو پانچ وقت تو ضرور وضو کے لیے موںھ ہاتھ دھونے ہی پڑتے ہیں۔
علاوہ طہارت باطنی اور کپڑوں کو پاک رکھنے کے۔ اب جنھیں ظاہری تہذیب بھی میسر نہو اور نماز سے بھی بے بہرہ ہیں وہ تو صفائی ظاہری اور باطنی دونوں سے محروم ہے۔ اور جنھیں تہذیب ظاہری حاصل ہے اور نماز سے محروم ہیں وہ طہارت باطنی سے غالباً بے بہرہ رہینگے۔
دوسرا فائدہ دنیوی نماز سے یہ ہے کہ انسان بلا دوسری ورزش کیے ایک ضروری ورزش حاصل کرتا ہے اس سے چستی اور چالاکی آتی ہے اور نہایت پنکچول (وقت کا پابند) ہوتا ہے۔ اور اُس کے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ یہ ایک بڑا قلعہ ہے جو کہ کلیسہ سے بدرجہا مضبوط ہے بُرائیوں کے حملہ سے بچانے کے لیے (الصّلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاءِ والمنکر) خالق بے نیاز کو فقط اپنی عبادت ہی نہیں منظور ہے بلکہ اُس نے کوئی عبادت اپنے گنہگار بندوں کے فوائد سے خالی نہیں پیدا کی ہے۔ صرف نماز صبح ہی میں کیا کم فائدہ ہم کو پہونچتا ہے۔
صبح خیزی ایک عجیب نعمت ہے۔ ہزاروں کلفتیں صبح کے اُٹھنے سے دور ہوتی ہیں۔ صبح کا سہانا سماں آنکھوں کو ٹھنڈک دل کو فرحت بخشتا ہے۔ ہم کو اتنی سب راحت ملے اور اس کی فقط ایک عبادت۔
ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے کیسی کیسی دینی آسانیاں کی ہیں جو کسی دوسری قوم میں نہیں۔ مگر افسوس کہ یہ آسانیاں بھی ہم کو ایک ایسا سنگ گراں معلوم ہوتی ہیں کہ پنجوقتہ تو رہی ایک وقت کی نماز بھی ادا نہیں کر سکتے اگر ہمارے کسی بزرگ نے کوئی کام ہمارے سپرد کیا تو اس کی انجام دہی میں ایسے سرگرم رہیں گے کہ اگر یہ کام پورا نہوا تو وہ خفا ہونگے۔ یہ خوف ہر وقت

اس لیے رکوع ہوا۔ تجر ہمیشہ سجود میں ہیں اسلیے سجود ہوا۔

صوفیاے کرام نے ان ارکان میں سے ایک اور نکتہ نکالا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب انسان قیام میں ہوتا ہے تو وہ الف بن جاتا ہے۔ جب رکوع میں گیا تو احد کی شکل بن جاتی ہے۔ یعنی قیام اور رکوع دونوں ملکر احد ہوا اور جب سجدہ میں گیا تو احمدؐ کی شکل ہوئی سبحان اللہ۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ نماز وہ چیز ہے جس سے خود انسان اوصاف احدی اور احمدی اپنی ذات میں پیدا کر سکتا ہے۔

کیا خوب نماز ہے وہ جو ان نکات کو سمجھ کر پڑھی جائے اور جب انسان ان کا پورا مفہوم اپنی ذات و صفات سے بنے۔ اور کیا ہی عمدہ وہ تہذیب ہے جس میں دینی اور دنیوی علم کی ترقی کے ساتھ ہماری بہنیں اخلاق کا بھی کمال پیدا کریں۔ اور ارکان اسلام کی پوری پابندی کرکے اپنے خالق اور اپنے پیارے رسول کی مقبول بنیں۔

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق	زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق	اُسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اُس سے اپنی لگاؤ
جُھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ

راقمہ

مسز س۔ ف۔ ا

عیدروسی

میرا قومی خواب

بندہ شہر ناسک کی ایک کوٹھی کے باغ میں بیٹھا ہوا نظارۂ قدرت کا محو تماشا تھا یہ قدیم شہر جو از روی تاریخ رام اور سیتا کا قیام گاہ ہونے کے باعث تمام ہندو دنیا کی بڑی تیرتھ گاہ قرار دیا گیا ہے۔ علاقہ بمبئی اور میرے وطن مالوف سورت اور بلاد بمبئی اور پونہ سے۔ مسافت مساوی پر یعنی قریب ڈیڑھ سو میل کے وسط پر واقع ہے۔ اور جسنے تمام خطۂ دکن میں اپنی سرسبزی اور شادابیٔ زمین۔ دلکش قدرتی مناظر اور لطیف آب و ہوا کے باعث شاہجہاں سے خطاب گلشن آباد پایا۔

جسوقت نور جہاں کی وجہ سے وہ درحالت شہزادگی اپنی عزیز بیگم ممتاز محل کو لیجا کر چند مدت یہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔ اور سید صادق شاہ صاحب حسینی صوفی الملقب بہ سرمست جنکا مزار یہاں مشہور روزگار ہے استفادۂ باطنی حاصل کر کے دہلی گئے اور تخت شاہی کو جلوہ افروز فرمایا۔

گلشن آباد کے لیے ایام ماہ اگست وہ ایام تھے جسکو موسم بہار کا بھی عین شباب کہنا چاہیے۔ آسماں پر ہلکے ہلکے بادل ایسے چھائے ہوئے تھے جیسے کسی کے خورشید رخ پر سیاہ جالی کا نقاب پڑا ہوا ہو۔ اور جس میں سے کبھی کبھی رخ تاباں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس ابر نے ہوا میں ایک عجیب لطافت اور خنکی پیدا کر رکھی تھی۔ باران رحمت نے نشنگول قدرت کو ایک دلکش دھانی جوڑا پہنا رکھا تھا۔ یا بقول اس مقبول روزگار مصنف شیراز کے "ابر بہاری را بفرمود تا فرش زمردیں گسترد" اور کچھ قریب گھنٹہ بھر جو ترشح ہوا تھا اُس نے گویا نونہالان چمن کو وہ ابدار موتیوں کا گہنا پہنایا تھا جس کی قدر اہل فرانس و امریکہ ہی ٹھیک کرتے ہیں۔

تمام خطۂ دکن اور گجرات میں سوائے شہر پونہ کے اس زرخیز زمین میں قسم قسم کے پھولوں کی سب سے زیادہ بہار ہوتی ہے ۔ دیسی اور ولایتی گلاب کا جھرمٹ گلرخانِ ہند و انگلستان کی زنانہ پارٹی کی مثال دکھا رہا تھا ۔ یاسمین اور موتیا جسکے پھول بہت کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں بڑا اور ایسا متوالا ہوتا ہی کہ مدن موگرے کے نام سے مشہور ہے ۔ کیتکی کا یہ عالم ہی کہ ہر سو اُسے دست قدرت نے اُکار رکھا ہی ۔ بہار گل اور خوشبوئے مست مجھے از خود رفتہ کیے دیتے تھے ۔

غرض یہ تمام سین کچھ ایسا دلچسپ اور روح خوشکن تھا جس کے ہر رگ وپے سے کچھ ایسے خاص آثار نمودار تھے کہ وہ سمجھ میں نہیں آتے تھے ۔ اور وہ کیا ہیں اسے سوچتے سوچتے میں گویا خواب حیرت میں سو گیا ۔ اسی خواب میں کیا سُنتا ہوں کہ کسی نے شکسپیر کے یہ اشعار جھوم جھوم کر پڑھے ۔

یعنی جب انسان دنیا کے غل وغش سے دور ہوکر اپنے تئیں تجرد میں پاتا ہی تو اُسے ہر شجر گویا نظر آتا ہی ۔ بہتے ہوئے چشمے دفاتر معلوم ہوتے ہیں ۔ اور ہر حجر وعظ کہتا ہوا نظر آتا ہی ۔

مگر یکایک روح سعدی علیہ الرحمۃ نمودار ہوئی اور فرمایا کہ یہ تو سب بیان ہی بیان ہیں عمل را اند تو ہمارے اشعار پر ہی جسکا مضمون بالا صرف ترجمہ ہی اور پھر کچھ ایسے درد اور سوز سے عجمی لہجہ میں یہ بیت گائی کہ اس کا ہر ایک لفظ اسکی تفسیر ہو گئی ۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ‌ ‌ ‌ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اور فرمایا کہ اے خواب غفلت کے سونے والے کچھ تو نے سوچا ہی کہ یہ حالت جو تجھپر طاری ہوئی کیا ہے ۔

نظر خداے بیاں زسر ہوا نباشد　　قدم خداے جویاں زسر خطا نباشد

اسی کو المجاز قنطرۃ الحقیقت کہتے ہیں اگر اس زینہ سے تو سنبھل کر چڑھ گیا تو بے
بمی عشق قدرت خود قادر مطلق کا جلوہ دکھلا دیگا اور اُس پایہ اعلیٰ کو پہونچائیگا جو مقصد
اصلی پیدایش انسان کا ہی - اور جس سے وہ انسان کامل کہلانے کا مستحق ہوتا ہی
افسوس کہ اس پُل صراط پر سے گزرنے کا شوق تو اکثر کرتے ہیں مگر مقصود اصلی سے
منحرف ہو کر وہ بداخلاقی کی خندق عمیق میں گرتے ہیں جو باعث قوم کے سخت
ضعف کا ہو گیا ہی - اسلام کی سوسائٹی تب ہی اس اعلیٰ پایہ کو پہونچ سکتی ہے . جو
ہمارے خدا اور بانی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام کا مقصود اور سخت فرمان ہے
جب ہر متنفس اپنی بیوی کو ہی اپنا عزیز دوست بنائے - اور ہر عورت کو علی العموم اور
اخوات اسلام کو علی الخصوص اپنی دینی بہنیں جانے بلکہ یقینی دینی بہنوں کا سا دل سے
برتاؤ رکھے تو پھر تعلیم النسواں کی مشکلات باقی نہیں رہیں گی -

اخلاقی حالت کا ضعیف ہونا امداد ایزدی کا کم ہونا ہے بلکہ مفقود ہونا اور
اعدار اسلام کا اُن پر مسلط ہونا ہی - اور یہی باعث ہی ان کے پولیٹیکل وقعت گھٹنے کا
دیکھو انحطاط ترقی مسلمانانِ ہند - اور تنزل اہل ترک و ایران - اور دوسری طرف
استقلال اور رعب و جلال مسلمانانِ افریقہ و افغانستان - جو بداخلاق مہذب
نہیں تو با اخلاق نامہذب ضرور ہیں -

اس تقریر نے کچھ ایسا اثر پیدا کیا کہ میں نہایت سراسیمگی کی حالت میں چونک اُٹھا
مگر پھر آنکھ بند ہوئی تو نظارۂ کیفیت نے گھیرا چوطرف گویا خضر اطراف میں کھڑے
دکھائی دیئے - یعنی وہ سبز پوشاک پہنے ہوئے . نوسٹیلے اخاہ تو اب یاد آیا انہیں
پربتوں نے بوجہ تسمیۂ الفاظ سنسکرت نوشنکھر کے یعنی آبادی محدود درمیان
نو گھاٹیوں کے - اس شہر کو غلط العام میں نام نوسک یا ناسک کا دیا ہی -

پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ان گھاٹیوں میں سے ایک کوہ نے سر بلند کیا جس کے وسط میں کچھ عمارات کندہ نظر آئیں۔ جس میں سے ایک دیوی نے اپنا رخ روشن دکھایا اور کہا میں وہ نامور راجہ گوتاما کی ماں ہوں۔ کہ جبکہ تاریخ لکھنے کے لیے اسباب تحریر میسر نہ تھے اور فرہاد سے کوہ کندن کا کہیں پتہ نہ تھا۔ میں نے دیوتا بودھ کی یادگار میں محفل خانے معبد و سماع خانے اسی کوہ میں کندہ کرالیے ہیں۔ جس پر سنہ قبل از عیسی سے ہند کی تاریخ میسر آتی ہے مگر چونکہ پانڈو کوردوں کے بھی حالات اس میں کندہ ہیں اس لحاظ سے اسے پانڈو لینا کیوز (لفظ انگریزی یعنی کہف) کہتے ہیں۔ اور جس کی قدامت کی شہرت سنکر (قدیم عمارات کا دلدادہ اور محافظ لارڈ کرزن ہند میں قدم رکھنے کے چند ہی روز میں ناسک پہونچا اور بباعث آب ہوا لطیف اور ہند کے وسط میں واقع ہونے کے اسے پایۂ تخت ہند قرار دیا چاہتا تھا۔

عمارات مذکورہ تو ہندو راجگان قدیم کی عظمت کا سنہ اس سے زیادہ تک کا پتہ بتاتی ہیں۔ مگر جب میری نظر دریائے گوداوری کے کنارہ دوسرے ٹیلے پر جو محلات شاہی، پائیں باغ، عدالت خانے اُس بادشاہ اسلام کی بنا کردہ عمارات پر پڑی جس کے خطاب گلشن آباد سے اس شہر نے شرف پایا ہے تو سوائے کھنڈروں کے اُن کا کچھ اور آگے پتہ نہ چلا۔

اس واقعہ نے قوم کے سابق جاہ و جلال اور موجودہ مشکلات و پیچیدہ حال کا ایسا افسوسناک نقشہ میرے سامنے کھینچا کہ میں نے اپنے تئیں ایک عمیق بحر غم میں غرقاب پایا۔ اس عالم استغراق میں خیال کا ایرو پلین (ہوائی غبارہ) مجھے ایک میدان کارزار میں لے گیا۔ جہاں کیا دیکھتا ہوں کہ دو بڑے لشکر جرار صف آرا ہیں۔ اس طرف کا لشکر سیاہ پوش اور نہایت پُرخوف معلوم ہوتا تھا

اس کی ہر ایک کمپنی کا افسر جُدا تھا۔ ایک کے علم پر بڑے حروف میں **تعصب** لکھا ہوا تھا۔ دوسرے پر **علوم وفنون جدیدہ سے غفلت**، تیسرے پر **بے انصافی غیر مذاہب**، چوتھے پر **عدم پابندی مذہب**، پانچویں پر **عدم اولوالعزمی**، چھٹے پر **بداخلاقی**، ساتویں پر **جہالت نسوان** لکھا ہوا تھا۔ اور ان سب افسروں کا سپہ سالار جو نہایت قوی ہیکل اور ہیبت ناک دکھائی دیتا تھا اُس کے پھریرے پر سب سے زیادہ بڑے حروف میں **نفاق** لکھا ہوا تھا۔

اِس طرف کا لشکر سبز لباس سے مزین تھا گو اس کی تعداد بہت کم تھی مگر اسکا ہر فرد بشر پر عزم معلوم ہوتا تھا۔ مگر لشکر عدو سے کچھ خوف کھایا ہوا دکھائی دیتا تھا اور باوجود اس بات کے کہ ان کے سپہ سالار نے ان کی بہت کچھ ہمت بڑھائی مگر ان میں سے کسی نے بھی قدم آگے نہ بڑھایا۔ آخر کار اس سپہ سالار قوم کو ایسا طیش آیا کہ اُس نے خود اپنے توسن خوش خرام کو جولانگاہ میں ڈالا۔ یہ سپاہ سالار بھی قوی ہیکلی میں کسی طرح کم نہ تھا۔ گو کہ مسن تھا مگر اس کی نورانی ریش دراز اور بشرے سے وہ رعب و داب برس رہے تھے کہ گویا وہی اُس کا مقدمۃ الجیش تھا۔

اور قبل اسکے کہ وہ اپنی سنانِ آہنی سے کام لے اس کی تیز نظریں ہی جگر اعدا کے پار ہوئی جاتی تھیں۔ ایک شاندار ٹربوش ترکی اس کے زیب سر تھی۔ اور نیم شرقی اور نیم غربی وضع کا جبہ در بر۔ اس کے جگمگاتے ہوئے سبز علم پر سنہری خط جلی میں **اینگلو اورنٹیل کالج** لکھا ہوا تھا اس کی تیغ ابدار عزم بالجزم کے فولاد سے بنی ہوئی تھی اور قومی جاں نثاری کے دُلدُل بادرفتار پر سوار تھا۔ یکایک اُس نے اپنی جان پر کھیل کر خود اُس سپہ سالار نفاق پر ایسا سخت حملہ کیا کہ

جو اس عدوے چالاک نے پشت نہ دکھائی ہوتی تو اسی وقت قتل ہو جاتا۔ مگر زخم کھا کر بھاگ نکلا سپہ سالار قوم نے للکارا کہ ایک وقت عنقریب ایسا آنے والا ہے کہ تمام لشکر قوم کا تجھ پر مجموعی حملہ ہوگا۔ یہ سُنکر افسر تعصب نے مقابلہ کیا۔ اس سے ایسی سخت لڑائی ہوئی کہ اس پر سپہ سالار قوم بہ تقاضائے عمر بہت تھک گیا مگر عدو کو تہ تیغ کر کے چھوڑا اور اپنے لشکر کے لوٹتے وقت افسر غفلت علوم و فنون جدیدہ کو صرف مجروح کر سکا۔

استنے میں لشکر قوم کے میمنہ سے ایک سردار اور میسرہ سے دوسرا سردار سپہ سالار کا ہاتھ بٹانے کے لیے نکلے۔ پہلا سردار باوجود از سرتاپا انگریزی لباس پہنے ہونے کے اور بے ریش ہونے کے نہایت چست معلوم ہوتا تھا اس کے علم پر انگریزی تصانیف اسلام لکھا ہوا تھا اُس نے افسران بے انصافی غیر مذاہب اور عدم پابندی مذاہب پر حملہ آوری کی۔ افسر اوّل کو تو سخت زخم پہونچایا مگر وہ بھاگ نکلا۔ اور گو اُس نے افسر ثانی پر بھی وار کیا۔ مگر خالی گیا اور وہ بھی فرار ہو گیا۔ سپہ سالار نے بآواز بلند کہا کہ گو افسر اوّل کے زیر کرنے کے لیے تو مہدی درکار ہیں مگر افسر ثانی بڑا مکار دشمن ہے اسپر قوم کا مجموعی حملہ اگر جلد نہوا تو وہ مہلت پاکر ضرور لشکر قوم کو کسی سخت بلا ر آسمانی کے دَلدَل میں پھنسا دیگا۔

دوسرا سردار جو نکلا تھا جو باوجود نوجوان ہونے کے سپہ سالار قوم کے قریب قریب پہلے تو پُرعزم دکھائی دیا۔ اُس نے ایرانی کجکلاہ زیب سر کیے ہوئی تھی۔ اُس کے علم پر خط جلی سے محمڈن یونیورسٹی لکھا ہوا تھا۔ اس کے نعرے نے تمام لشکر قوم میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ اس نے میدان میں نکلتے ہی اپنے شبدیز تیز گام کو مہمیز لگایا۔ اور افسر عدم اولوالعزمی

سے جا بھڑ۔ مگر قبل اسکے کہ وہ اُسے تہ تیغ کرکے اپنا علم اوج نصرت پر نصب کرے کہ اسی افسر نے پولٹیکل مشکلات کی ایک ایسی آہنی سپر سے اُسکا وار روکا کہ اُس سردار عجمی کی تیغ پارہ پارہ ہوگئی جس سے وہ نہایت پژمردہ خاطر دکھائی دینے لگا۔

سپہ سالار قوم للکارا کہ ہاں خبردار ہمت نہ ہارنا (این کار از تو آید و مردان چنین کنند) قوم کا وہ نامور حامی علم کا وہ زبردست سرپرست سلطنت آصفیہ کا نوجوان مالک تمہاری حمایت میں کمر ہمت کس رہا ہے۔ اس کی ایک کمک تو آپہونچی ہے اور عنقریب ہند میں جہاں جہاں لائق اہل علم دستیاب ہونگے ان کو مثل اکبر کے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اُن کی قدر کرنے میں اپنے والد ماجد سے سبقت لیجائیگا۔ ہم تو صرف اب دعا کرنے کے قابل رہے ہیں مگر تمہارا اور قوم کا عزم بالجزم ایسا ہو کہ عنقریب ہماری عادل اور رحم دل سرکار برٹش کی رضامندی سے میدان ترقی و تمدن قوم کو ضرور جیت لوگے۔

پھر سپہ سالار قوم قلب لشکر کی طرف مخاطب ہوا اور فرمایا کہ اے فدائیان قوم و اے شجاعان اسلام بطفیل سید الانام اُس قادر لانیام نے ہم کو ہمارے اعدائے قوم پر قریب قریب فتح و نصرت بخشی ہے۔ نحمدا للہ و نصلی۔ کتنے تو تہ تیغ ہو چکے ہیں اور جو زخمی ہو کر بھاگ نکلے ہیں اُن کو بھی شجاعان قوم ہرگز جانبر ہونے دینگے۔ مگر دو اعدا ایسے باقی رہے ہیں جن پر فتحیابی پانا ہمارے قلب کے سرداران نسواں ہی کے حصہ میں لکھا ہے۔

یہ کلام سنتے ہی مثل برق و باد کے ایک گلگوں خوشخرام ساز زریں سے آراستہ جولانگاہ میں آنکلا جسپر ایک خاتون رونق افروز تھیں۔ جنھوں نے

نقاب عربی اپنے رخ انور پر ڈال رکھی تھی۔ اور تاج زریں شاہان ہند و انگلستان
کی وضع کا زیب سر کیے ہوئے تھیں۔ اور جن کے بشرے سے نہایت شوکت و عظمت
رعب و جلال۔ فیاضی اور قدر دانی برستی تھی۔ اوصاف حمیدہ یہ نشان دیتے
تھے کہ یہ خاتون کسی ریاست کی خود مختار مالکہ ہیں۔ کسی نے کہا کہ اس خاتون
عالیشان کا شہرۂ علم و سرپرستی اہل علم یورپ تک پہونچا ہے۔ اس عجیب شان
اور آن بان کے سردار نے اپنا گھوڑا میدان میں بڑھا کر جیسے ہی اپنی سنان آبدار
جس پر سرخ و سبز جھنڈیاں لہرا رہی تھیں بلند کی تمام لشکر قوم نے ایک وہ نعرہ اللہ اکبر
اس کے ساتھ بلند کیا کہ جس کی آواز آسمان ہفتم تک پہونچ گئی ہوگی۔ اور لشکر قوم کا
ہر فرد بشر یہ چاہتا تھا کہ اس سردار باعز و شاں کی ہم رکابی کا فخر حاصل کرے اور
قبل اسکے کہ توسن خوشخرام کو کچھ بھی آنچ آئے اس کے قدموں پر اپنی جان نثار
کرے۔ مگر اس عالی ہمت خاتون نے یہ کہہ کر کہ "ایں کار ما کنیم و خواتین چنیں کنند"
اپنے برق رفتار کو جولاں کیا۔ اور بات کرتے میں اعدائے بداخلاقی او جہالت
نسواں پر حملہ آور ہوئیں۔

مگر قبل اسکے کہ ان کی سنان خارا شگاف سینۂ اعدا کے پار ہو۔ وہ اعدا
اپنے گھوڑوں سے کود پڑے اور دست اطاعت باندھ کر ان خاتون سردار
کے ہم رکاب لشکر قوم تک خود پہونچے پھر تو کیا تھا لشکر قوم میں ہر سو صدائے
آفرین و تحسین بلند ہوئی اور اس محسن سپہ سالار کو اس فتح غیبی سے ایسی خوشی
حاصل ہوئی کہ گویا ایک نئے جوش میں آکر اس نے پھر اپنا گھوڑا میدان میں بڑھایا
اور بآواز بلند للکارا "اے دلدادگان قوم! یہی ہے سچی شیولری جسنے یورپ کو
تمام ایشیا پر ترجیح دے رکھی ہے۔ اور یہی ہے وہ نسواں کی قدر دانی اور عزت جسنے
انگلستان کو تمام یورپ میں ممتاز گردانا ہے۔

پھر اُس نے خاتون کی طرف مخاطب ہو کر کہا "مرحبا صد مرحبا" اگر خاتونانِ قوم سے علم و فضل کی ایسی ہی قدردانی اور تعلیم النسواں کی ایسی ہی سرپرستی ہوتی رہی تو یہ اعدائے گرفتارشدہ کی نسل بھی باقی نہ رہے گی اور قوم ترقی کے اُس اوج کو پہونچیگی جس کی میں اب اطمینان سے گور میں لیٹا ہوا دعا کرتا رہونگا۔

یہ واقعہ ختم ہونے کے ساتھ ہی گویا اس قومی سینوٹوگراف کا اختتام ہوا اور میری آنکھ کھُل گئی۔ سوچنے سے دوسرے سردارانِ قوم کا حال تو منکشف ہوا۔ مگر وہ خاتون سردار کون ہیں اسکا سراغ ہنوز نہیں ملا۔ شاید پھر کبھی اسکی تعبیر مِل جائے۔

سید فخرالدین ابوبکر العید روس
بی اے۔ پی سی۔ ایس
از ناسک

زوجین کے باہم تعلقات پر بی بی کا اثر

یہ امر مسلم الثبوت ہی کہ شوہر کے عادات خیالات کا گہرا اثر زوجہ کی طبیعت پر پڑتا ہی۔ عموماً عورت مرد سے زیادہ رحم دل، جفاکش، شرمیلی اور ہر اچھی بات کو جلد قبول کرنے والی طبیعت رکھتی ہے۔ نیز عورت کی یہ خواہش کہ مرد کی نگاہ میں عزت سے دیکھی جاؤں فطرتی ہے۔ شرمیلی سمجھدار عورت اپنی ذلت سے مرجانا بہتر سمجھتی ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہی کہ فی زمانہ مرد کی حالت رو بہ ترقی تو عورت کی رو بہ تنزل ہی یا مرد کو تعلیم عام تو عورت کو شاذ و نادر ہے۔

لہذا ایسی بیچارگی اور ردی حالت میں عورت کو بہت مصائب برداشت کرنے پڑتے ہیں اور سخت ذلتوں کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ خصوصاً جب جاہل عورت تعلیم یافتہ مرد کے عقد میں آتی ہے۔ تو مرد کا یہ خیال کہ میری بی بی محض جاہل کندہ ناتراش ہے۔ عورت کے واسطے ایک ذلت ناقابل برداشت ہوتی ہے جسکو مشکل سے وہ قوت برداشت میں لاتی ہے۔ اور اسوقت سوائے اس تدبیر و کوشش کے کہ اپنے مونس ہمجلیس شوہر سے کچھ حاصل کرے اور کچھ نہیں کرسکتی۔ چنانچہ اپنی ناقابلیت کی ندامت میں زوجہ اپنے خیالات کو شوہر کے خیالات کے مطابق کرنے پر مجبور ہوجاتی ہے اور اسی وجہ سے شوہر کے عادات خیالات کا گہرا اثر زوجہ کی طبیعت پر پڑتا ہے۔

چونکہ مرد عام طور سے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں تو اُن کا اثر بھی جاہل عورت پر زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ زوجہ کے خصائل خیالات کا اثر شوہر کی طبیعت پر کس طرح اور کہانتک پڑتا ہے۔

چنانچہ عورت بہ حیثیت ایک ملکہ کے اپنے گھر پر حکمراں ہوتی ہے جسکا دائرہ تسلط احاطۂ مکان پر ایسا ہی ہوتا ہے جیسے ایک شخصی بادشاہ اپنی کل مقبوضہ سلطنت پر رکھتا ہے۔ اور اُس کے عادات خیالات کا اثر اپنے کل متعلقین پر اس طرح پڑتا ہے جس طرح بادشاہ کا رعایا پر۔ لہذا عورت کو مرد سے زیادہ رحمدل بارعب۔ حلیم و بردبار۔ منصف مزاج، المختصر کل وہ اوصاف جو ایک بادشاہ میں ہونے ضروری ہیں عورت میں ہونے چاہییں۔

زوجین کے باہم تعلقات پر بی بی کا اثر ہمیشہ اور ہر طرح و ہر صورت میں پڑتا ہے۔ خصوصاً اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ شوہر زوجہ کے کسی قبیح فعل یا ناقص خیال کی برائی کرتا ہے مگر پھر خود اسکو اختیار کرلیتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ

عورت کو یہ غلبہ و تصرف مرد کی بےخبری میں بھی حاصل ہے جسکا تدارک بھی مرد کی تدابیر و کوشش سے خارج ہے۔

نیز یہ امر صریح ثابت ہے کہ صحبت میں کسقدر غلبہ تصرف ہے اگر ایک انسان کو ہمیشہ جنگلی جانوروں کی صحبت میں رکھا جائے تو وہ بالکل جانور ہو جائے گا اور نہ صرف باطنی کمالات پر اثر حیوانی ظاہر ہوگا بلکہ کل اعضاے جسمانی پر اُن کا اثر نمایاں ہوگا۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ زوجین کے باہم تعلقات کسقدر سنگین اور پیچیدہ ہوتے ہیں اور کہانتک اس دیرینہ تعلقات سے ایک کو دوسرے پر غلبہ ملکیت حاصل ہے۔

مرد کا یہ خیال کہ بی بی صرف پرورش اولاد اور خانہ داری کے واسطے ہوتی ہے بالکل غلط ہے۔ بلکہ بی بی شوہر کی ایسی مددگار اور مشیر ہے کہ جیسی ایک ہاتھ کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ یا کسی بڑے دقیق معاملہ میں مشیر صائب کی ضرورت پڑتی ہے یا تنہائی بیکسی میں ایک ہمنشین مونس کی چاہ ہوتی ہے اور زوجہ کے خصائل خیالات کا اثر بھی شوہر پر اس طرح پڑتا ہے جس طرح ایک جانی رفیق۔ پورے مددگار اور ایک مشیر صائب کا پڑنا چاہیے۔

یقیناً عورت مرد کو چاہے نیک راہ سے بد پر کر دے یا بد سے نیک پر لائے۔ چاہے مرد کو بام ترقی پر پہونچا دے یا ذلت کے عمیق گڑھے میں گرا دے سب اسکے قابو اختیار میں ہے۔

اکثر اشخاص کا خیال ہے کہ عورت مرد کی دلچسپی اور دل بہلانے کو پیدا کی گئی ہے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ دلچسپی مرد سے کیا مفہوم سمجھا جائے۔ یعنی مرد کو خوش رکھا جائے ہر وقت ہنسایا جائے۔ کل تفریح کے سامان اس کے واسطے مہیا کیے جائیں۔ لیکن ان باتوں کے واسطے تو خاص عورت کی کچھ ضرورت

نہیں معلوم ہوتی بلکہ ملازم مرد بھی ایسا کر سکتے ہیں اور جو غریب ہیں اُن بیچاروں کو یہ سامان ہی نہیں سوجھتے۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ ان فضول اور بیکار باتوں کے واسطے یہی اشرف اور نفیس چیز پیدا کرتا؟

ہمارے اس سوال پر ایک صاحب نے فرمایا کہ جب حضرت آدم کا دل جنت میں گھبرایا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل بہلانے کے واسطے حضرت حوّا کو پیدا کیا۔

مجھے اس جواب سے بے اختیار ہنسی آگئی۔

میں۔ کیوں صاحب جب جنت میں حضرت آدم کے واسطے کُل تفریح کے سامان موجود تھے اور حوریں خدمت اور دل بہلاوے کو ہر وقت استادہ تھیں تو پھر جنت میں دل گھبرانے کی کیا وجہ تھی۔

صاحب۔ ہمجنس کی چاہ ہر نوع کو ہوتی ہے۔

میں۔ تو کیا اسکا یہ مقتضا ہے کہ جو پہلے ہو وہ لائق ترجیح اور جو بعد میں ہو وہ قابل ذلت یا وہ حاکم اور دوسری محکوم۔

صاحب۔ اسی حساب سے تو جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں وہ کل اوصاف میں ہم سے لائق ترجیح ہونے چاہییے تھیں لیکن گزشتہ زمانہ سے اس زمانہ کے آدمی عقل فہم، فراست بہت زیادہ رکھتے ہیں۔

میں۔ تو پھر کس بات سے مرد قابل ترجیح خیال کیا جائے؟

صاحب۔ چونکہ عورت مرد کی مانگی ہوئی ہے۔

میں۔ تو کیا جس چیز کی تمنا کی جائے اور بہت آرزو سے طلب کی جائے وہ ذلیل سمجھی جائے گی۔

حاصل اس مثال سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کرنا منظور تھا وہ روزِ ازل سے عرش پر لکھ چکا تھا اور زوج کا ہونا مقدم تھا۔ لیکن حضرت آدم و حضرت حوّا کی مثال محض اس بات کے ظاہر کرنے کو تھی کہ بغیر مدد عورت کے مرد کچھ نہیں کر سکتا اور نہ کسی دلکش منظر سے لطف حاصل کر سکتا ہے۔ مرد قوی الجثہ ہونے پر مغرور ہو کر عورت کو ضعیف اور ذلیل خیال کر کے اُس کے کمالات باطنی کو زک پہونچاتا ہے۔ لہذا مرد کے واسطے یہ مثال بہت عبرتناک اور نتیجہ خیز ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے اور اُن کے درجے تفاوت مراتب پر رکھے ہیں لہذا خدا کا ارشاد ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۔

(پاک ہے وہ خدا جس نے پیدا کیا زوج زوج سب چیز کو وہ چیزیں کہ اُگتی پر وئیدگی زمین سے اور نفوس اُنکے سے (اولاد) اور اس قسم کی چیزیں کہ جنکو انسان نہیں جانتے)

پس اس سے صریح ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کل مخلوقات کو زوج سے پیدا کیا۔ اور زوج کہتے ہیں جوڑے کو۔ اور جوڑا ایک نر مادہ سے قرار پایا۔ جو اُسی صورت میں کہا جا سکتا ہے جب دونوں جانب برابر یعنی اُن میں کچھ کمی یا زیادتی نہو۔ اگر ان میں سے کسی کو غلبہ تسلط زیادہ ہے تو جوڑا کب ملتا ہے لہذا نوع بشر کا جوڑا ایک مرد اور عورت سے ملتا ہے جن کا ٹھیک برابر رہنا مقدم ہے۔

پس خداوند تعالیٰ نے مرد کو بہ ضرورت کسب معاش طاقت توانائی دلیری شجاعت زیادہ دی جس سے مرد کو سخت مشقتیں۔ لڑائیاں جانبازیاں

کرنی پڑتی ہیں اور عبادات میں بھی مرد کو عورت کی بہ نسبت زیادہ مشقتیں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ مثلاً جہاد۔ نماز عید و جمعہ اور عورت کو یہ سب معاف ہیں۔

پس اس سے ظاہر ہی کہ مرد کو بہ ضرورت کسب معاش اللہ تعالیٰ نے قوت توانائی زیادہ بخشی اور عورت کو بہ ضرورت پرورش اولاد کمالات باطنی فہم فراست دانائی زکاوت تدابیر درست بہ نسبت مرد کے زیادہ دی ہیں۔

چنانچہ جب زوج کا درجہ برابری پر صحیح ثابت ہی تو پھر زوجین کے باہم تعلقات پر بی بی کا اثر بھی شوہر پر برابر پڑنا ضروری ہے اور اس کے واسطے عورت کا لائق اور دانا ہونا مقدم ہی ورنہ یہ مثل صادق آتی ہے کہ نادان کی دوستی اور جان کا ضرر۔ اور بغیر عورت کے اثر کے مرد کسی زمانہ اور کسی حالت میں نہیں بچ سکتا۔ خصوصاً جب بچہ ہوتا ہی تو ماں کی گود میں پرورش پاتا ہی اور جب بڑا ہوتا ہی تو جلیس زوجہ ہوتا ہے۔

غرضکہ ہر زمانہ میں عورت کی صحبت مرد پر حاوی اور تسلط کیے ہوئے ہی اور اس اثر سے بچنا مرد کو ناممکن ہے۔ چنانچہ اس کی ایک ہی تدبیر ہے کہ عورت کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ ایک عمدہ اثر ڈالنے والی ہو۔ اور اسکے واسطے مستورات میں تعلیم کا ہونا ضروری ہی۔ علم وہ چیز ہی کہ حیوان سے انسان بناتا ہے۔ خدا اس کے سمجھنے کی سب مردوں کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

راقمہ

ز ازمراد آباد

ہندوستان میں مستورات
کی
تعلیم و تہذیب

ہرہائنس بیگم صاحبہ آف بھوپال کی تحریر مندرجہ ذیل ہم شائع کرتے ہیں۔

حضور بیگم صاحبہ نے اس میں یہ نہایت قابل قدر مشورہ دیا ہی کہ خاتونانِ ہمدرد کی انجمن کو وسعت دیجائے۔ اور اسکا دائرہ تمام ہندوستان میں پھیلایا جائے جنابہ عالیہ نے یہ بالکل صحیح ارشاد فرمایا ہی کہ اصلی تعلیم و تہذیب اسوقت تک ہندوستان میں نہیں کی جاسکتی جبتک کہ یہاں کی عورتوں میں تعلیم نہو۔

عورتوں کی عام تعلیم کو اسوقت گو جنابہ عالیہ نے بصورت موجودہ محال قرار دیا ہی لیکن امید ہی کہ رفتہ رفتہ تھوڑے دنوں میں یہ محال امکان کے درجہ پر آجائے گا۔

آخر میں اڈیٹرس صاحبہ تہذیب نسواں و اڈیٹر خاتون و جملہ حامیان تعلیم نسواں کا آپنے شکریہ ادا کیا ہی اور ان کے حق میں دعاے خیر فرمائی ہی۔

ہم اس دعا اور اس شکریہ کے بدل ممنون ہیں اور خوش ہیں نہ اسلیے کہ ہماری ناچیز خدمات شکریہ کے قابل ہیں بلکہ اس لیے کہ اس قلبی تشکر اور دلی ممنونیت سے جیسا کہ بیگم صاحبہ نے ظاہر فرمایا ہے حمایت تعلیم نسواں کا وہ جوش پایا جاتا ہے جس کے ہم خواہاں ہیں کہ ہماری معزز بیگمات میں پیدا ہو۔

اڈیٹر

میں آجکل غور سے دیکھتی ہوں کہ ہندوستان کے بہت سے صوبوں میں تعلیم پہلے سے زیادہ پھیلتی جاتی ہے مگر تب بھی ابھی بہت چاہیے۔ ہمارے گجرات کی طرف مستورات کی تعلیم بہت کم ہی۔ جن میں سے ایک لڑکی کو اگر معمولی بلکہ سچّے طور پر پڑہنا آگیا تو بس۔ کافی سمجھا جاتا ہی۔

بمبئی میں بھی تعلیم بہت کم ہی۔ طیّب جی صاحب کے خاندان میں جو کہ سلیمانی بھورے کہلائے جاتے ہیں بیشک تعلیم ہی اور بہت اعلیٰ درجہ کی ہے اور ہم سے امید کہ ہم بھی سب تھوڑے دنوں میں ویسی ہی تعلیم پائیں گے اور تہذیب یافتہ ہو جائیں گی۔

طیّب جی صاحب کے خاندان کے پیچھے خوجے بھی تعلیم یافتہ ہیں مگر سب نہیں تو بھی کوئی ایسی خوجے کی لڑکی نہیں ہوگی جسے گجراتی اور اپنا مذہب و اُردو نہیں آتا ہوگا۔ باقی دوسری قومیں جیسے میمن کوکنی دکھنی وغیرہ میں تو تعلیم کا بالکل چرچا نہیں ہے۔ اور ہی بھی تو بہت کم اور بہت پُرانی طرز کی۔ مثلاً قرآن شریف آتا ہی وضو نماز کی کتاب پڑھی ہی۔ قصص الانبیا جانتی ہیں اور تعلیم نامہ جو کہ بہت کچّی اُردو میں ہے جسکو اگر پڑہیں بھی تو بے فائدہ۔ اور لکھنا تو اپنی رسم کے موافق سکھایا ہی نہیں جاتا دستخط کے سوا۔ اگر لکھنا بھی آتا ہو تو جیسے ۶ سال کا بچّہ لکھتا ہی بلکہ بچّہ بھی بہتر لکھے گا۔

شکر ہی کہ لاہور، دہلی، آگرہ وغیرہ جسے اپر انڈیا کہتے ہیں وہاں اتنی بھی تعلیم ہی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ گجرات و بمبئی کی جو کہ ہمارا ضلع ہی (اور میں دوسرے اَن پڑھ ضلعوں کی نہیں کہہ سکتی) مستورات بالکل جاہل ہیں انگریزوں کے موافق عام تعلیم تو ہمارے مسلمانوں میں کُل ہندوستان میں بہت زمانہ میں ہوگی۔ جیسے ولایت میں ایک ادنیٰ باورچی و ماما بھی لکھنا پڑہنا

جاتی ہیں۔ اور غریبوں کے لیے رات کے مدرسے بنائے ہیں تاکہ وہ سارے دن کام و محنت کریں اور رات کو ۲ گھنٹے پڑہیں۔ یہ ہمارے ہندوستان کے لیے فی الحال محال ہی اور ہم کو ایسی عام تعلیم کی طرف ابھی بہت زیادہ توجہ نہیں کرنی چاہیے۔

مگر ہمارے اچھے اچھے معزز اور اوسط درجہ کے خاندانوں کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ جب ولایت میں باورچنیں اور مامائیں بھی تعلیم یا چکی ہیں تو ہم ہندوستان کی بیگمیں بھی ابتک پوری تعلیم نہ پائیں۔ لڑکوں کی تو تعلیم چوطرف پھیلی ہی اور روز بروز پھیلتی جاتی ہی اور انشاءاللہ پھیلے گی مگر جب تک مستورات میں تعلیم نہیں ہوگی تب تک ہندوستانی اور خاصکر مسلمان نہیں سُدہرینگے اور مستورات میں جب تک تعلیم نہیں ہوگی تب تک ایسا ہی سمجھنا چاہیے کہ ہندوستان میں تعلیم و تہذیب ہی نہیں۔

امید ہی کہ ہماری جناب مکرمہ معظمہ اڈیٹرس صاحبہ تہذیب النسواں اور بعض معزز بہنیں جو تہذیب کی حامی ہیں اور خود تعلیم یافتہ ہیں اور جنھوں نے بڑی محنت سے خاتونانِ ہمدرد انجمن بنایا ہی اور زنانہ سٹور لاہور و تہذیبی فنڈ شروع کیا ہے اور محتاج خانہ بھی بنایا ہے پورے طور سے کامیاب ہونگی اور ہندوستان کے چوطرف تعلیم پھیلائیں گی اور ہر ملک میں ایسا ہی خاتونان ہمدرد کی انجمنیں قائم کرینگی اور ملک میں تعلیم و تہذیب پھیلائینگی۔

اب میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری تمام لائق اور معزز بہنوں کو اور جناب اڈیٹرس صاحبہ تہذیب النسواں دام عنایتہا کو اس نیکی کا اجر عطا فرمائے۔ اور ہمیشہ سرفراز رکھے۔

علاوہ بریں میں پیارے اخبار تہذیب النسواں کی بابت کہتی ہوں کہ

ہماری تہذیبی بہنوں کو اس اخبار کی طرف اب کی بہ نسبت آیندہ زیادہ خیال رکھنا چاہیے - کیونکہ اسکے ہی طفیل سے لاہور وضلع لاہور میں تعلیم نسواں کی بنیاد پڑی ہی اور پڑے گی - اور اسی اخبار کی بدولت جنابہ ایڈیٹریس کو انجمن - محتاج خانہ اور سٹور وغیرہ وغیرہ کا خیال آیا - اور ہماری تہذیبی بہنوں کے دلوں میں تعلیم و تہذیب نسواں کا اسقدر جوش پیدا ہوا -

اللہ تعالیٰ تعلیم - تہذیب - تہذیب النسواں اور خاتون کو اس سے زیادہ بڑہائے - اور ہم بھی کسی وقت انگریز اور پارسی قوموں کے موافق تعلیم یافتہ ہو جائیں -

اللہ تعالیٰ ایڈیٹریس صاحبہ تہذیب النسواں اور اڈیٹر صاحب خاتون کو ہمیشہ خوش رکھے اور صدوسی سال وہ سلامت رہیں -

خاکسار
ہر ہائنس فاطمہ سلطان جہاں بیگم
آف
سچین

جوابِ جاہلاں باشد خموشی

اُف جہالت ترا بُرا ہو تو کیا ہی بُری بلا ہی جس گھر میں تیری ذراسی بھی جھلک ہو وہ دوزخ کا نمونہ بن جاتا ہی - آہ روشن خیال تعلیم یافتہ سے کوئی ترا برتاؤ پوچھے - جس روشن خیال تعلیم یافتہ کو تجھ سے سابقہ پڑتا ہے اُنہیں اپنی روشن خیالی کے باعث ترے ہاتھوں لوہے کے چنے چابنے پڑتے ہیں - خدا کسی تعلیم یافتہ کو تجھ سے سابقہ نہ ڈالے - ہائے بیچارے

تعلیم یافتہ کو دل ہی دل میں جلنا اور خونِ جگر پینا پڑتا ہی اور اُس پر یہ مثل صادق آتی ہی۔ اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔

اے جہالت تجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہی تو ایک روشن خیال تعلیم یافتہ کو صدمہ پہونچانے کے لیے کمر بستہ رہتی ہی۔

اے جہالت تجھے اکثر عقل کا دشمن پایا ہی چونکہ تو اپنا نیک و بد بالکل نہیں سمجھتی اور جو کوئی تجھے اچھی بات بتائے وہ تیرے نزدیک سخت ناہنجار اور قابل سزا سمجھا جاتا ہی۔ تجھ میں بلا کی ہٹ دھرمی ناعاقبت اندیشی، بدسلیقگی، فضولخرچی بدمزاجی، دلشکنی، حسد، بے مروتی، بے شرمی، بدکلامی کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہی۔ اور تجھ میں فساد کا مادہ بھی حد سے زیادہ معلوم ہوتا ہی کیونکہ تو قریب سب کو ہی اپنا دشمن سمجھتی ہی اور اُڑتی ہوا سے لڑنے کے لیے بھی نوک پنجہ تیار کر لیتی ہے۔ اور تجھ میں یہ بھی خاصیت ہی کہ جس سے بگڑی پہلے تو شیر و شکر ہو جائے گی۔ اور جو دل میں گرہ پڑے گی تو وہ کسی آن کھلنے ہی کی نہیں۔

غرض تیری جو خاصیت ہے وہ اُلٹی اور جو ادا ہی وہ نرالی ہی۔ تیرے لیے کسی کا دل دُکھانا ایک ادنیٰ سی بات ہی خصوصاً روشن خیال تعلیم یافتہ سے تجھے سخت دشمنی ہی۔

کیا ایک روشنخیال دماغ تیری ان نامعقول حرکتوں کو ٹھنڈے دل سے دیکھ سکتا ہی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ تیری طرح جلد باز اور ناعاقبت اندیش نہیں ہی بلکہ اس کو اپنی طبیعت پر پورا قابو ہی اور اس کی شرافت نیک نفسی ہمدردی، صلح پسندی و اعلیٰ تہذیب ہرگز اس بیہودہ امر کی مقتضی نہیں ہوتی کہ وہ محض جاہل بیہودہ دماغ کے ساتھ تو تو میں میں کرکے اپنا دماغ پراگندہ کرے۔ بلکہ

برخلاف ترے اس کے مزاج میں استقلال اور سمائی ہوتی ہے وہ موقع محل سمجھتا اور مصلحت کے وقت سمائی کر جاتا ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ترا جاہلانہ برتاؤ اسے ہر وقت رنج پہونچاتا رہتا ہے۔ تیرا ایک ایک لفظ تعلیم یافتہ روشن خیال کے دل پر نشتر کا کام دیتا ہے۔

بس مندرجۂ بالا عنوان فقرہ ہی تیری زبان کے نکلے ہوئے نامعقول کلموں پر پانی پھیر کر اور اسکا مونس و غمخوار بن کر اسکو تسکین دیتا ہے۔ یعنی

جوابِ جاہلاں باشد خموشی

راقمہ

عالیہ بیگم از حیدرآباد دکن

ابُودُلامہ
اور
اُس کے لطیفے

یہ دلچسپ مضمون مولوی عزیز الرحمن صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ ابُودُلامہ کے لطائف میں ام دلامہ بھی شریک ہے اس لیے ناظرات خاتون امید ہے کہ اسکو دلچسپی سے پڑھیں گی۔

اڈیٹر

ابُودُلامہ عباسیوں کے زمانہ کا ایک مشہور زندہ دل اور ظریف شاعر تھا سفاح اور منصور اور مہدی کے زمانہ میں اُس نے اپنی شعر گوئی اور بذلہ سنجی سے بے حد انعام پایا۔ اُس کے اشعار اور لطائف سے عربی ادب کی کتابیں مالا مال ہیں

ہم ذیل میں اُسکے چند لطیفے درج کرتے ہیں۔

ایک دفعہ وہ مفلس ہوگیا۔ اس نے اپنی بیوی ام دلامہ کے ساتھ اس باب میں مشورہ لیا کہ افلاس کی مصیبت کیونکر دُور ہو۔ اُس نے کہا کہ تمھیں کوئی ایسی تدبیر سوچو، جس سے کچھ روپیہ ہاتھ آئے۔ ابو دلامہ نے کہا۔ شعروشاعری کی تو اب کچھ زیادہ قدر نہیں رہی۔ البتہ ظرافت سے کام نکل سکتا ہی۔ میں آج خلیفہ مہدی کے پاس جاکر اُس کے سامنے یہ بات ظاہر کرونگا کہ میری بیوی ام دلامہ کا انتقال ہوگیا ہی یقین ہی کہ وہ ضرور افسوس کریگا اور میری گریہ وزاری پر رحم کھاکر کچھ روپیہ تجہیز و تکفین کے لیے ضرور دیگا۔

ام دلامہ نے کہا۔ واہ وا، تم نے خوب تدبیر نکالی۔ مجکو جیتے ہی جی قبر میں پہنچا دیا میں تو کبھی اس بات کو قبول نہ کرونگی کہ تم میرا مرنا خلیفہ پر یا کسی اور پر ظاہر کرو۔

ابو دلامہ نے کہا۔ یہ تو صرف ایک حیلہ ہی۔ اس سے خدانخواستہ تم مر تو نہ جاؤگی۔ اگر اس سے تم بُرا مانتی ہو، تو تم بھی یہ کرنا کہ جب میں خلیفہ کے پاس سے آجاؤں، تم محل میں جانا اور خلیفہ کی چاہیتی کنیز خیزران کے پاس جانا اور اُس سے روکر یہ ظاہر کرنا کہ میرا شوہر اُبو دلامہ مرگیا ہی۔ یقین ہی کہ وہ بھی رحم کھاکر تم کو کچھ نہ کچھ روپیہ ضرور دیگی۔ اس طرح ہم دونوں طرف سے خوب ہاتھ رنگیں گے اور افلاس کے سبب سے جو تکلیف ہم آجکل جھیل رہے ہیں، وہ بھی دُور ہوجائگی

اُم دلامہ نے بڑی مشکل سے اس بات کو منظور کیا، مگر آخر میں یہ کہا کہ اگر خلیفہ پر تمھاری یہ عیاری اور حیلہ بازی ظاہر ہوگئی، تو وہ ہم دونوں کو ضرور سزا دے گا

اُبو دلامہ نے کہا۔ تم تسلی رکھو میں اسکا تدارک بھی کرلونگا۔

یہ کہکر ابوُدلامہ خلیفہ کے پاس گیا۔ جب اُس نے خلیفہ کو سلام کیا اور خلیفہ نے اس کی طرف آنکھ اُٹھاکر دیکھا، تو اُس نے چلاّکر رونا شروع کیا۔ خلیفہ نے پوچھا

کہ ابو دلامہ! خیر ہی؟ تم پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہی، جو اسقدر گریہ وزاری کرتے ہو؟
ابو دلامہ نے رونے کے لہجہ میں کہا۔ امیرالمومنین! مجھ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہی
میرا گھر تباہ ہوگیا ہی۔ میں اب کہیں کا نہیں رہا۔ خلیفہ نے دلاسا اور تسلی دیکر پوچھا کہ
آخر بیان تو کرو، وہ کیا مصیبت ہی جس میں تم مبتلا ہوئے ہو؟ ابو دلامہ نے کہا۔
امیرالمومنین! میری بیوی ام دلامہ کئی روز سے بیمار تھی۔ آج اُسکا انتقال ہوگیا۔
ایسی خوبصورت اور خوش سیرت بیوی کا ملنا محال نہیں، تو دشوار ضرور ہی۔ میری زندگی
اب تلخ ہوگئی۔ میرا عیش مکدر ہوگیا۔ اب مجھے ساری عمر رنج و تکلیف کا سامنا کرنا پڑیگا
امیرالمومنین! میری زبان میں طاقت اور الفاظ میں قدرت نہیں ہی کہ میں اس مصیبت
اور درد کو بیان کرسکوں۔ یہ کہکر ابو دلامہ نے چند اشعار دردناک لہجہ میں پڑھے جنکا
مضمون یہ تھا کہ "موت ایک ایسی خوفناک چیز ہی، جسکا ذکر سنکر ہر انسان لرز جاتا ہی۔
اگرچہ یہ بات یقینی ہی کہ ہر انسان موت کا شکار ہوگا؛ مگر کوئی انسان نہیں چاہتا کہ
اس دلفریب دنیا کو اپنے وجود سے خالی کرے۔ عزیزوں کی موت پر ہر انسان کو
ضرور صدمہ ہوتا ہی، مگر بعض عزیزوں کی موت ایسی دردانگیز ہوتی ہی کہ صبر و تحمل کی
طاقت باقی نہیں رہتی اور وہ لوگ جنکے وہ عزیز دنیا سے چل بسے ہیں، زندہ درگور
ہوجاتے ہیں۔"

خلیفہ نے یہ اشعار سُنکر ابو دلامہ سے کہا۔ تقدیر الٰہی پر صبر کرنے کے سوا کوئی
چارہ نہیں ہی۔ اب تم جاؤ اور اپنی بیوی کی تجہیز و تکفین سے جلد فراغت حاصل کرو
پھر خزانہ کے ایک افسر سے خلیفہ نے کہا کہ ہماری طرف سے ابو دلامہ کو ایک ہزار
درم دے دو، تاکہ وہ اپنی بیوی کی وفات کی تقریب میں اس رقم کو صرف کرے۔

ابو دلامہ ایک ہزار درم لیکر خوش خوش اپنے مکان پر آیا اور اپنی بیوی کے سامنے
ہزار درم کی تھیلی رکھکر کہا کہ میں نے اپنے فرض کو پورا کیا اور میرا حیلہ چل گیا۔ اب اگر

تم بھی خیزران کے پاس جاکر میرا مرنا ظاہر کرو، تو کچھ عجب نہیں ہی کہ وہ بھی اسقدر تم کو روپیہ عطا کرے۔ اگر تم بھی اس حیلہ میں کامیاب ہوئیں، تو ہم بہت سے دنوں کے گزارہ کے لیے روپیہ جمع کر لینگے۔ پھر آیندہ خدا مالک ہی۔

ام دلامہ اپنے شوہر کے کہنے سے راضی ہوگئی اور ماتمی لباس پہنکر شاہی محل میں پہونچی اُسوقت خیزران تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ ام دلامہ کو دیکھ کر اُس نے کہا کہ ام دلامہ! تم آج کس حالت میں ہو اور یہ سوگ کا لباس تم نے کیوں پہنا ہی؟ ام دلامہ نے مصنوعی طور سے رونا شروع کیا اور وہ اسقدر روئی کہ گویا ہچکی بندھ گئی۔ چونکہ عورتیں عموماً رقیق القلب ہوتی ہیں، ام دلامہ کی اس حالت کا خیزران پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ بے اختیار اُس کے بھی آنسو نکل آئے۔ پھر اُس نے تسلی و تشفی کی باتیں کرکے ام دلامہ سے دریافت کیا کہ تمھاری یہ دردناک حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ خدا کے واسطے جلد بیان کرو کہ تم پر کیا حادثہ نازل ہوا ہی اور تم اسقدر روتی اور چلاتی کیوں ہو؟ ام دلامہ نے ظاہراً مشکل سے اپنے تئیں ضبط کیا اور چلاکر ازسرِ نو رونے کی آواز میں کہا، ہائے میرا گھر لُٹ گیا۔ میں تباہ ہوگئی۔ آج میرے سر سے تاج اُتر گیا۔ میں جیتے جی مرگئی۔ بارِالہا! تو نے اُس نیک بندے کو دنیا سے اُٹھا لیا۔ اب میری کون خبر لے گا؟ اب میں کس کی ہو کر رہونگی۔ کس کس کے دَر بھیک مانگتی پھروں گی؟ کس کس کا گھر مجھے جھانکنا پڑیگا۔ الٰہی! تو نے اُن کو اپنے پاس بُلا لیا، تو مجھے بھی اَب دُنیا سے اُٹھالے میں اب اس دنیا میں کیونکر رہ سکونگی؟ اب تو قبر ہی کی مٹی سے میری آبرو ڈھکی جائے گی اور بس۔

خیزران نے ام دلامہ کا بین سُن کر کہا۔ ام دلامہ کیا خدانخواستہ تمھارے شوہر کا انتقال ہوگیا ہی؟ ام دلامہ نے کہا۔ ہاں بیوی! آج صبح مجھ پر یہی مصیبت نازل ہوئی ہی۔ یہ کہکر ام دلامہ نے چیخیں مار مار کر رونا شروع کیا۔ خیزران نے ابو دلامہ کی

موت کی خبر سُن کر بہت افسوس کیا اور ام دلامہ کی حالت پر اُسے بہت رحم آیا۔ اُسنے ایک عورت سے کہا کہ ابھی دو ہزار درم لاکر ام دلامہ کو دو، تاکہ وہ اپنے شوہر کی تجہیز و تکفین اچھی طرح کر سکے۔ پھر اُس نے ام دلامہ سے کہا۔ بیوی صبر کرو۔ صبر کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔ خدا اُس مرحوم پر رحمت کرے۔ افسوس! کیا زندہ دل آدمی تھا روتوں کو ہنسا دینا اُس کا ادنیٰ کام تھا۔ شعر بھی خوب کہتا تھا اور بہت نیک اور شریف آدمی تھا۔ ام دلامہ نے جب دو ہزار درم خیزران سے وصول کر لیے، تو اُسنے اُس کی عنایت اور ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اور یہ کہکر محل سے نکل آئی کہ اب لوگ میرے گھر پر جنازے کی تیاری کے لیے منتظر ہونگے۔ میں اب حضور سے رخصت ہوتی ہوں۔

ام دلامہ جب مکان پر پہونچی، تو اُس نے دو ہزار درم کی تھیلیاں اپنے شوہر کے سامنے جا رکھیں اور کہا کہ دیکھو میں تم سے بھی زیادہ کامیاب ہوئی۔ ابو دلامہ نے کہا۔ تدبیر تو میری ہی ایجاد کردہ ہے۔ تم تو اس رائے سے اتفاق ہی نہیں کرتی تھیں۔ خیر اب تین ہزار درم تو آگئے ہیں، جو ایک مدت کے گزارے کے لیے کافی ہیں۔ مگر اب دیکھنا یہ ہے کہ ہماری اس عیاری اور حیلہ سازی کی خبر خلیفہ کو کب ہوتی ہے اور وہ ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے۔ ام دلامہ نے کہا۔ اُس موقع کی تدبیر بھی سوچ رکھو ورنہ کیا کرایا کام سب ایک دم سے بگڑ جائیگا۔ اور اُسوقت کوئی بات بنائے نہیں بن سکے گی۔ ابو دلامہ نے کہا۔ تم بےفکر رہو۔ میں آپ کوئی تدبیر کر لونگا اور تم پر اور اپنے آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دونگا۔

خلیفہ جب دربار سے فارغ ہوا اور علما کے سب آدمی دربار سے اُٹھ گئے، تو وہ اپنے محل میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اُس نے جو ذکر خیزران سے چھیڑا، وہ یہ تھا کہ آج ہم کو نہایت افسوس ہے کہ ام دلامہ جو ہمارے ظریف شاعر ابو دلامہ کی نوجوان بیوی تھی۔ آج انتقال کر گئی۔ آج اُس غریب کو سخت تکلیف اور پریشانی ہوگی اور ہم کو اُسکا

بھی نہایت افسوس ہوگا۔ خیزراں نے کہا۔ امیر المومنین۔ ام دلامہ کا انتقال نہیں ہوا بلکہ حضور کے ظریف شاعر ابو دلامہ نے وفات پائی ہے اور فی الحقیقت یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے۔ خلیفہ نے کہا۔ واہ سبحان اللہ! ابو دلامہ کا انتقال کیوں ہونے لگا۔ وہ تو بالکل تندرست اور زندہ ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ میرے پاس آیا تھا۔ اُسی نے اپنی بیوی کے مرنے کی خبر دی تھی۔ خیزران نے کہا۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ حضور کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ ام دلامہ میرے پاس ابھی روتی اور چلاتی آئی تھی اور اُس نے اپنے شوہر کے انتقال سے مجکو مطلع کیا تھا۔ میں کس طرح کہوں کہ ابو دلامہ کی جگہ ام دلامہ کا انتقال ہوا ہے۔

خلیفہ نے کہا۔ میرے نزدیک تم دھوکے میں ہو۔ میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ابو دلامہ آج میرے پاس آیا اور اُس نے اپنی بیوی کے مرنے کی خبر دی۔ میں ہی نہیں، بلکہ میرے دربار کے سب آدمی گواہ ہیں۔ وہ شخص بھی گواہ ہے جس نے میرے حکم سے ابو دلامہ کو ایک ہزار درم لاکر دیئے تھے۔

خیزران نے کہا۔ امیر المومنین! ایسی غلطی نہیں ہوسکتی کہ ام دلامہ میرے پاس آئی ہو۔ اور میں حضور کے سامنے یہ ظاہر کردں کہ وہ آئی تھی اور اُس نے اپنے شوہر کے مرنے کی خبر دی تھی۔ حضور کو یقیناً دھوکہ ہوا ہے۔ حضور میری لونڈیوں سے دریافت فرما سکتے ہیں کہ وہ یہاں آئی تھی یا نہیں۔ اور اُس نے اپنے شوہر کی وفات کی خبر دی تھی، یا نہیں وہ دیکھیے! حضور کے سامنے میری وہ کنیز بھی موجود ہے، جس نے میرے اشارہ پر اس کو دو ہزار درم لاکر دیئے، تاکہ وہ اپنے شوہر کی تجہیز و تکفین کی رسم اچھی طرح ادا کرے۔ کیا میں حضور کے سامنے جھوٹ بول سکتی ہوں۔

خلیفہ نے خیزران کی بات کو پھر رد کیا۔ خیزران نے بھی اپنی بات پر مکرر اصرار کیا اور خلیفہ کی بات کو جھٹلایا۔ آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ دونوں نے تنگ ہو کر کہا۔

اب زیادہ بحث کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ مثل مشہور ہے "قصۂ زمین بسر زمین" ہم ابھی اُنکے گھر پر چلتے ہیں اور دریافت کیے لیتے ہیں کہ ہم میں سے کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

یہ کہکر دونوں ابو دلامہ کے مکان پر پہونچے۔ ابو دلامہ نے دروازہ سے نکلکر استقبال کیا۔ اس کو دیکھ کر خلیفہ نے خیزران کی طرف ہنس کر دیکھا اور کہا۔ اب تم نے دیکھ لیا کہ ابو دلامہ زندہ ہے اور جو سانحہ پیش آیا ہے وہ اُس کی بیوی کے متعلق ہے۔ خیزران نے خلیفہ کی بات کا کچھ جواب نہیں دیا اور سیدھی مکان کے اندر چلی گئی۔ وہاں پہونچکر اُسنے دیکھا کہ ام دلامہ موجود ہے۔ اُس نے آگے بڑہکر ادب سے سلام کیا۔ اتنے میں خلیفہ بھی اندر پہنچ گیا۔ خیزران نے خلیفہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ دیکھیے میں بھی سچی ہوں۔ ام دلامہ زندہ ہے۔ اور اُس نے جو واقعہ بیان کیا تھا، وہ اُس کے شوہر ابو دلامہ کے متعلق تھا

ابو دلامہ اور ام دلامہ کو زندہ اور سلامت دیکھ کر خلیفہ اور خیزران پر تعجب کا عالم طاری ہو گیا۔ خلیفہ نے ہنسکر ابو دلامہ سے پوچھا کہ آخر اس عیاری کا کیا سبب تھا جو تم دونوں سے ظہور میں آئی؟ ابو دلامہ نے چند اشعار پڑھے، جنکا مضمون یہ تھا کہ "ضرورت حیلے کے دروازے کھول دیتی ہے۔ افلاس دھوکے اور فریب کو جائز کر دیتا ہے، ایسا مکر و فریب تو بیشک ناجائز ہے، جس سے کسی کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو! مگر جب اُس سے ایک کو فائدہ ہو اور دوسرا اُس پر ہنسے، تو اُس کے ناجائز ہونیکا فتویٰ کون فقیہ دے سکتا ہے؟"

یہ اشعار سُنکر خلیفہ اور خیزران دونوں ہنسے اور ابو دلامہ کو انعام دے کر وہاں سے رخصت ہوئے۔

(۲)

کہتے ہیں کہ ابو دلامہ لڑائی کے نام سے بہت ڈرتا تھا اور ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ

مجھے خدا میدان جنگ میں نہ لیجائے۔ رفتہ رفتہ مہدی کو اس بات کی خبر ہو گئی کہ وہ لڑائی سے بہت ڈرتا ہی اُس نے ابو دلامہ کو بُلا کر کہا روح بن حاتم عنقریب ایک مہم پر جائیگا۔ تم کو بھی لازم ہی کہ فوج میں شریک ہو کر اسکے ساتھ میدان جنگ کو جاؤ۔ ابو دلامہ نے کہا۔ امیر المومنین! نہ میں خود سپاہی ہوں، نہ میرے باپ دادا سپاہی تھے۔ مجھ سے یہ کام ہرگز نہو گا۔ خلیفہ نے کہا۔ تمہاری اس لڑائی میں جانے کی سخت ضرورت ہی؛ کیونکہ ایک فوجی سپاہی نے رخصت لی ہی اور اس کی جگہ سر دست کوئی آدمی بھرتی نہیں ہو سکتا۔ ابو دلامہ نے کہا۔ حضور میرے سوا کسی اور کو بھیجدیں۔ میں کئی روز سے بیمار ہوں۔ اس حالت میں کیا خاک لڑ سکتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا۔ اور کوئی آدمی فالتو نہیں ہی، جو لڑائی پر بھیجا جائے۔ اگر تم نہ جاؤ گے، تو فوراً قتل کیے جاؤ گے۔

قتل کا نام سُنکر ابو دلامہ کے ہوش اُڑ گئے اور وہ اپنی ہنسی اور ظرافت کی باتوں کو بھول گیا۔ اُس نے بہت منت سماجت کی کہ کسی طرح اسکو لڑائی پر جانے سے معاف کر دیا جائے؛ مگر خلیفہ پر اسکا کوئی منتر نہیں چلا۔ ناچار اُس نے مرنے پر کمر باندھی اور روح بن حاتم کے ساتھ بادل نخواستہ چل پڑا۔ میدان جنگ میں پہونچکر بھی اُس نے بہت سی تدبیریں کیں کہ لڑائی کے لیے اُسکو نہ بھیجا جائے، مگر خلیفہ نے روح کو سمجھا دیا تھا یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ ابو دلامہ کی بزدلی اور نامردی کا تماشا نہ دیکھتا۔ جب روح نے جنگ پر جانے کے لیے بہت سا اصرار کیا، تو اُس نے کہا کہ میرے پاس نہ تو ایسا عربی گھوڑا ہی۔ جیسا کہ آپ کے پاس ہی نہ ایسے عمدہ ہتیار ہیں، جیسے کہ آپ رکھتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کیونکر ممکن ہی کہ میں دشمن کو مغلوب کر سکوں۔ اگر میرے پاس ایسا نفیس گھوڑا اور ایسی نادر تلوار ہوتی، تو دشمن سے ایک دو ہاتھ کرنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

روح کو ابو دلامہ کی باتوں پر بہت ہنسی آئی اور اُس نے کہا۔ خدا کی قسم میں یہی گھوڑا اور یہی تلوار تم کو سپرد کرونگا۔ پھر دیکھونگا کہ تم لڑائی کے وقت کیا ہنر دکھاتے ہو۔ یہ کہکر وہ اپنے گھوڑے سے اُتر کھڑا ہوا اور اپنی تلوار، جو گلے میں حمائل تھی، اُسکو دیکر کہا۔ لو اَب میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ اور لڑنے کو تیار رہو۔ ابو دلامہ نے جب دیکھا کہ کسی طرح پیچھا نہیں چھوٹتا اور جو تدبیر کرتا ہوں، وہ پَٹ پڑتی ہے۔ تو وہ چار و ناچار گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تلوار گلے میں حمائل کرلی۔ اس بات کو چند ہی لمحے گذرے ہونگے کہ ایک قوی ہیکل سپاہی دشمن کی فوج سے نکلکر میدان میں آیا اور اُس نے خلیفہ کی فوج کی طرف پکارکر کہا کہ اگر کوئی تم میں سے مردِ میدان ہو، تو وہ مجھ سے مقابلہ کرنے کے لیے باہر نکلے۔ روح نے ابو دلامہ کو حکم دیا کہ جاؤ اس سپاہی کو نیچا دکھاؤ، ابو دلامہ نے کہا۔ یہ تو بہت قوی ہیکل ہے۔ میں اسکا حریف کیونکر ہو سکتا ہوں۔ خدا کے واسطے آپ میرا خون اپنی گردن پر نہ لیں۔ میں یقیناً اس کے ہاتھ سے مارا جاؤنگا۔ روح نے کہا۔ ابھی سے کیوں گھبراتے ہو؟ اُس سے ایک دو ہاتھ تو ہو لینے دو۔ بغیر مقابلہ ہوئے یہ کیونکر معلوم ہو سکتا ہے کہ تم اُس کی جوڑ کے نہیں ہو؟ ابو دلامہ نے کہا۔ بس میں ایسے مقابلہ سے باز آیا۔ میں اسکے آگے چڑیا سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ ایسے دیو سے مقابلہ کرنے کے لیے آپ کسی اور پہلوان کو بھیجیں۔ مجھے تو بغیر مقابلہ ہی کے معلوم ہو گیا کہ اگر میں اسکے سامنے گیا، تو میری جان کی خیر نہیں۔ میں آپ کو خلیفہ کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ آپ اس سے لڑنے کو مجھے نہ بھیجیں۔

روح نے کہا۔ نہیں تم کو ضرور جانا ہوگا۔ آخر جب تم میرے ہی گھوڑے پر سوار ہو اور میری ہی تلوار تمہارے گلے میں حمائل ہے تو پھر ڈرنے اور لڑائی سے جی چرانے کے کیا معنے ہیں۔

ابو دلامہ نے کہا۔ میں اس گھوڑے سے اُتر پڑتا ہوں۔ آپ اسکو مجھ سے واپس

لے لیں اور میں آپ کی تلوار بھی واپس کرتا ہوں۔ یہ کہکر اُس نے گھوڑے سے اُترنا
چاہا اور لرزتے اور کانپتے ہاتھوں سے تلوار جدا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ روح
نے غصہ سے گرج کر کہا۔ خبردار! اگر تم گھوڑے سے اُترے، یا تلوار اپنے گلے سے
نکالی۔ تو اسی وقت قتل کیے جاؤ گے۔ تم کو اپنے حریف سے لڑنے اور مقابلہ کرنے
کے لیے جانا ہوگا۔ اور ضرور جانا ہوگا۔

ابودلامہ نے کہا۔ خیر اگر مجھے قتل کرانا ہی منظور ہے، تو میں بھی اپنی تقدیر پر راضی
ہوں، مگر آج دنیا کی زندگی کا اخیر دن ہے۔ میں اس دنیا میں پھر لوٹ کر نہیں آؤنگا
اگر آپ کی یہی مرضی ہے کہ میں لڑنے کے لیے میدان میں جاؤں، تو میں بھوکا ہرگز
نہیں جاؤنگا۔ اسوقت بھوک بہت غالب ہے۔ اگر آپ میرے لیے کچھ کھانے کا
حکم دیں، تو مناسب ہے۔ کھانا کھا کر ضرور مجھ میں طاقت آجائیگی اور میں اس قابل
ہوجاؤنگا کہ اگر حریف پر حملہ نہ کرسکوں، تو کم سے کم اُس کے وار کو تو جھیل سکوں گا۔
روح نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ ابودلامہ کے لیے کھانا لائیں۔ نوکروں نے ایک
بُھنی ہوئی مرغی اور کچھ روٹیاں لاکر ابودلامہ کے سامنے رکھدیں۔ ابوُدلامہ نے
کچھ کھایا اور کچھ کمر سے باندھا اور گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے حریف کی طرف چل نکلا۔
جب ابودلامہ اپنے حریف کے سامنے جاکر کھڑا ہوا، تو اسکو معلوم ہوا کہ وہ مذہباً
خارجی ہے۔ اور یہ تمام فوج، جو خلیفہ کی فوج سے ٹکرانے کو تیار ہے، خارجیوں ہی کی ہے۔
خارجی نے ابودلامہ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر برچھا تان لیا تھا اور گھوڑے کو ایڑ دیکر
اس کی طرف لپکا تھا کہ یکایک ابودلامہ نے بلند آواز سے کہا۔ ٹھہرو! ٹھہرو! ایسی جلدی
کیا ہے۔ پہلے ایک بات سُن لو۔ پھر ہم تم دونوں ایک دوسرے پر وار کریں گے۔
خارجی ابودلامہ کی باتیں سُنکر کھڑا ہوگیا اور حیران ہوکر اس سے پوچھنے لگا
کہ تم یہاں لڑنے کے لیے آئے ہو، یا باتیں کرنے آئے ہو؟

ابو دلامہ نے کہا۔ سُنو بھائی! لڑنے سے ہم ڈرتے نہیں ہیں اور جب ہم دونوں اپنی اپنی فوج سے نکلکر میدان میں آ گئے، تو بیشک اسی لیے آئے ہیں کہ ایک دوسرے پر وار کریں، مگر مجھے ایک بات ضروری تم سے کہنی ہے، جب تک وہ بات تم سُن لو برچھے، یا تلوار کا وار کرنا تم پر حرام ہے۔

خارجی نے کہا۔ اچھا کہو وہ کیا بات ہے۔ ابو دلامہ نے کہا۔ تمہارا کیا مذہب ہے خارجی نے کہا۔ میں خارجی المذہب ہوں۔ ابو دلامہ نے کہا۔ میرا بھی یہی مذہب ہے اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اپنے ہم مذہب پر تلوار اُٹھانی جائز ہے، یا نہیں؟ خارجی نے کہا نہیں۔ ابو دلامہ نے کہا جو تم سے لڑنا نہ چاہے، کیا اُس پر بھی تم حملہ کرنا جائز سمجھتے ہو؟ خارجی نے کہا نہیں، ابو دلامہ نے کہا۔ جب میں اور تم دونوں ہم مذہب ہیں اور میں تم سے لڑنا بھی نہیں چاہتا، تو یہ کیونکر جائز ہے کہ تم مجھ پر تلوار کا وار کرو۔ خارجی ابو دلامہ کی بات سُن کر خاموش ہو گیا، اور کچھ دیر تک سوچتا رہا۔

ابو دلامہ نے کہا۔ مجھے ایک بات تم سے اور پوچھنی ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا میرے اور تمہارے درمیان آج سے پہلے کبھی دُشمنی ہوئی تھی؟ خارجی نے کہا نہیں۔ ابو دلامہ نے کہا میرے رشتہ داروں اور تمہارے رشتہ داروں کے درمیان قدیم سے کوئی عداوت چلی آتی ہے؟ خارجی نے کہا نہیں۔

ابو دلامہ نے کہا کہ اب تمھیں انصاف کرو کہ نہ میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں، نہ تمہارے مذہب کے خلاف کوئی عقیدہ یا مذہب رکھتا ہوں۔ نہ میرے اور تمہارے درمیان آج سے پہلے کوئی بات ایسی ہوئی ہے، جس سے دُشمنی اور عداوت پیدا ہو اور وہ انتقام لینے پر آمادہ کرے۔ نہ میرے اور تمہارے خاندان...... کے درمیان قدیم سے کوئی عداوت چلی آتی ہے، پھر ہم دونوں کا آپس میں لڑنا اور ایک دوسرے پر حملہ کرنا تمہارے نزدیک حماقت اور نادانی ہے، یا نہیں؟

خارجی نے کہا۔ واللہ تم نے سچ کہا۔ ہم تم آپس میں ہرگز نہیں لڑ سکتے۔ جب ہم تم آپس میں یار دوست اور بھائی بھائی ہیں، تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ایک دوسرے پر تلوار اٹھائیں، یا برچھا تان کر حملہ کریں،

ابو دلامہ نے کہا۔ خدا تمھارا بھلا کرے۔ تم نہایت دور اندیش اور سمجھدار آدمی ہو۔ میں اپنے ساتھ کچھ کھانا لایا ہوں۔ اگر تم پسند کرو، تو ہم اور تم دونوں گھوڑے سے اتر پڑیں اور زمین پر بیٹھ کر اور آپس میں ملکر کھانا کھائیں۔ اس سے دوستی اور محبت میں ترقی ہوگی اور ہم کو یقین ہو جائیگا کہ جو تعلق ہم دونوں میں قائم ہوا ہے وہ نہایت پختہ اور مضبوط ہے۔

خارجی نے اس بات کو منظور ہوا۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے اور زمیں پر ایک رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ کھانا درمیان میں رکھا گیا اور دونوں نے کھانا شروع کیا۔

روح بن حاتم، ابودلامہ کی ان حرکتوں کو دور سے دیکھ رہا تھا اور ہنستے ہنستے بیتاب ہوا جاتا تھا۔ جب دونوں نے کھانے سے فراغت پائی، تو ابودلامہ نے دسترخوان طے کیا اور خارجی سے کہا کہ ہم تم دونوں کو مصافحہ اور معانقہ کرنا چاہیے اور اس بات کا قسم کھا کر اقرار کرنا چاہیے کہ اگر ہماری فوج کے افسر ہم کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے کے لیے بھیجیں گے، تو ہم انکار کر دینگے اور میدان میں نہیں آئینگے۔

خارجی نے ابودلامہ سے ہاتھ ملایا اور اُس سے بغلگیر ہوا اور قسم کھائی کہ اگر تم سے لڑنے پر میں مجبور کیا گیا، تو صاف انکار کرونگا اور ہرگز میدان میں نہیں آؤنگا۔ یہ کہہ کر خارجی نے رکاب میں پاؤں رکھا اور جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ابودلامہ بھی فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور اپنی اپنی فوج کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابو دلامہ نے کہا۔ سنو بھائی! لڑنے سے ہم ڈرتے نہیں ہیں اور جب ہم دونوں اپنی اپنی فوج سے نکلکر میدان میں آ گئے، تو بیشک اسی لیے آئے ہیں کہ ایک دوسرے پر وار کریں، مگر مجھے ایک بات ضروری تم سے کہنی ہے، جب تک وہ بات تم سُن لو برچھے، یا تلوار کا وار کرنا تم پر حرام ہے۔

خارجی نے کہا۔ اچھا کہو وہ کیا بات ہے۔ ابو دلامہ نے کہا۔ تمہارا کیا مذہب ہے خارجی نے کہا۔ میں خارجی المذہب ہوں۔ ابو دلامہ نے کہا۔ میرا بھی یہی مذہب ہے اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اپنے ہم مذہب پر تلوار اُٹھانی جائز ہے، یا نہیں؟ خارجی نے کہا نہیں۔ ابو دلامہ نے کہا جو تم سے لڑنا نہ چاہے، کیا اُسپر بھی تم حملہ کرنا جائز سمجھتے ہو! خارجی نے کہا نہیں، ابو دلامہ نے کہا۔ جب میں اور تم دونوں ہم مذہب ہیں اور میں تم سے لڑنا بھی نہیں چاہتا، تو یہ کیونکر جائز ہے کہ تم مجھ پر تلوار کا وار کرو۔ خارجی ابو دلامہ کی بات سُن کر خاموش ہو گیا، اور کچھ دیر تک سوچتا رہا۔

ابو دلامہ نے کہا۔ مجھے ایک بات تم سے اور پوچھنی ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا میرے اور تمہارے درمیان آج سے پہلے کبھی دشمنی ہوئی تھی؟ خارجی نے کہا نہیں۔ ابو دلامہ نے کہا میرے رشتہ داروں اور تمہارے رشتہ داروں کے درمیان قدیم سے کوئی عداوت چلی آتی ہے؟ خارجی نے کہا نہیں۔

ابو دلامہ نے کہا کہ اب تمھیں انصاف کرو کہ نہ میں تم سے لڑنا چاہتا ہوں، نہ تمہارے مذہب کے خلاف کوئی عقیدہ یا مذہب رکھتا ہوں۔ نہ میرے اور تمہارے درمیان آج سے پہلے کوئی بات ایسی ہوئی ہے، جس سے دشمنی اور عداوت پیدا ہو اور وہ انتقام لینے پر آمادہ کرے۔ نہ میرے اور تمہارے خاندان........ کے درمیان قدیم سے کوئی عداوت چلی آتی ہے، پھر ہم دونوں کا آپس میں لڑنا اور ایک دوسرے پر حملہ کرنا تمہارے نزدیک حماقت اور نادانی ہے، یا نہیں؟

خارجی نے کہا۔ واللہ تم نے سچ کہا۔ ہم تم آپس میں ہرگز نہیں لڑ سکتے۔ جب ہم تم آپس میں یار دوست اور بھائی بھائی ہیں، تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ایک دوسرے پر تلوار اٹھائیں، یا برچھا تان کر حملہ کریں،

ابودلامہ نے کہا۔ خدا تمھارا بھلا کرے۔ تم نہایت دور اندیش اور سمجھدار آدمی ہو۔ میں اپنے ساتھ کچھ کھانا لایا ہوں۔ اگر تم پسند کرو، تو ہم اور تم دونوں گھوڑے سے اتر پڑیں اور زمین پر بیٹھ کر اور آپس میں ملکر کھانا کھائیں۔ اس سے دوستی اور محبت میں ترقی ہوگی اور ہم کو یقین ہوجائیگا کہ جو تعلق ہم دونوں میں قائم ہوا ہے وہ نہایت پختہ اور مضبوط ہے۔

خارجی نے اس بات کو منظور کیا۔ دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے اور زمیں پر ایک رومال بچھا کر بیٹھ گئے۔ کھانا درمیان میں رکھا گیا اور دونوں نے کھانا شروع کیا۔

روح بن حاتم، ابودلامہ کی ان حرکتوں کو دور سے دیکھ رہا تھا اور ہنستے ہنستے بیتاب ہوا جاتا تھا۔ جب دونوں نے کھانے سے فراغت پائی، تو ابودلامہ نے دسترخوان طی کیا اور خارجی سے کہا کہ ہم تم دونوں کو مصافحہ اور معانقہ کرنا چاہیے اور اس بات کا قسم کھا کر اقرار کرنا چاہیے کہ اگر ہماری فوج کے افسر ہم کو ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے کے لیے بھیجیں گے، تو ہم انکار کر دینگے اور میدان میں نہیں آئینگے۔

خارجی نے ابودلامہ سے ہاتھ ملایا اور اُس سے بغلگیر ہوا اور قسم کھائی کہ اگر تم سی لڑنے پر میں مجبور کیا گیا، تو صاف انکار کر دونگا اور ہرگز میدان میں نہیں آؤنگا۔ یہ کہہ کر خارجی نے رکاب میں پاؤں رکھا اور جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ ابودلامہ بھی فوراً اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور اپنی اپنی فوج کی طرف روانہ ہوگئے۔

جب ابودلامہ فوج میں پہونچا، تو روح بن حاتم نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے اس خارجی پر ایسا کیا جادو پڑھا تھا کہ وہ تمہارا ہی کلمہ پڑھنے لگا۔ اور تمہارے ساتھ بیٹھ کر اُس نے کھانا کھایا اور بے لڑے واپس چلا گیا؟

ابودلامہ نے وہ تمام گفتگو بیان کی، جو اس کے اور خارجی کے درمیان ہوئی تھی روح نے بے اختیار ایک قہقہہ مارا اور دیر تک ہنستا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور سپاہی دشمن کی فوج کا میدان میں آیا اور اُس نے خلیفہ کی فوج کو خطاب کر کے کہا کہ اگر تم میں کوئی بہادر اور غیرتمند آدمی ہو، تو میدان میں آئے اور مجھ سے مقابلہ کرے۔ روح نے ابودلامہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ جاؤ اس دشمن کو بھی مغلوب کرو۔ ابودلامہ نے چند اشعار فی البدیہہ یہ کہکر پڑھے، جنکا مضمون یہ تھا۔

”میں روح سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو لڑائی پر نہ بھیجے؛ کیونکہ اس کا انجام یہی ہونا ہی کہ بنی آسد مجھکو ذلیل اور رسوا کرینگے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ جب حریف آپس میں لڑتے ہیں، اور ایک دوسرے پر تلوار کا وار کرتے ہیں، تو روحوں اور جسموں میں تفرقہ پڑ جاتا ہی۔ بہادر سپہ سالار موت اسی لیے پیدا کی گئی ہی کہ وہ تمام دنیا پر حملہ آور ہو اور تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو کہ موت سے جی توڑ کر لڑو۔ مہلب جو تمہارے خاندان کا سب سے نامور بزرگ ہوا ہے۔ اُس نے اپنی اولاد کو، میدان جنگ میں مرنے کی آرزو کرنا سکھایا ہی اور یہ خصلت تم نے اُسی بزرگ سے ورثہ میں پائی ہی مگر میرے بزرگوں نے یہ ورثہ میرے لیے نہیں چھوڑا، اگر میرے قالب میں دو جانیں ہوتیں، تو میں ضرور ایک جان کو تم پر فدا کر دیتا۔

مگر مشکل تو یہ ہی کہ میرے جسم میں ایک ہی جان پیدا کی گئی ہی اگر میں اسکو دے بیٹھوں، تو پھر کیا کرونگا؟“

روح نے یہ اشعار سُنکر، جو ابودلامہ نے نہایت عاجزی اور التجا کے لہجے

میں پڑے تھے، ابو دلامہ پر رحم کیا اور اس کو دوبارہ میدان میں لڑنے کے لیے نہیں بھیجا۔ خلیفہ مہدی بھی اس قصہ کو سُن کر بہت ہنسا اور اُس نے ابو دلامہ کو انعام و اکرام سے سرافراز کیا۔

(۳)

ابو دلامہ ایک دن سفاح کے دربار میں گیا جو خاندانِ عباسیہ کا سب سے پہلا تاجدار تھا۔ سفاح نے خوش ہو کر اُس سے کہا کہ جو کچھ تمہیں درکار ہو، وہ مجھ سے طلب کرو۔ ابو دلامہ نے کہا۔ امیر المومنین! مجھے ایک شکاری کُتّے کی ضرورت ہے خلیفہ نے حکم دیا کہ اِس کو ایک شکاری کتّا دیا جائے۔ ابو دلامہ نے کہا، امیر المومنین! میں اس شکاری کُتّے کے ذریعے سے جب شکار کرنا چاہونگا، تو کیا اس کے ساتھ جنگل میں دوڑتا پھرونگا؟ جب تک حضور ایک گھوڑا اس کے ساتھ عنایت نہ کریں، یہ شکاری کُتّا بے کار ہے۔

خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کو ایک گھوڑا بھی سواری کے لیے دیا جائے۔ ابو دلامہ نے کہا۔ امیر المومنین! حضور کی عنایت سے میں اس قابل تو ہو گیا ہوں کہ شکار کرسکوں لیکن جو شکار مار کر لاؤنگا اس کو کون اُٹھائے گا اور کُتّے کی نگہبانی اور پرورش کون کریگا؟ اگر ایک غلام عنایت ہو، تو البتہ وہ کُتّے کی نگرانی بھی کرسکے گا اور اور شکار بھی اُٹھا کر لے آیا کریگا۔

خلیفہ نے حکم دیا اِس کو ایک غلام بھی دیا جائے۔ ابو دلامہ نے کہا، امیر المومنین! میں حضور کی عنایتوں کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا؛ مگر ایک ضرورت ابھی اور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں شکار مار کر اپنے مکان پر لاؤنگا، تو اسکو کون تیار کرے گا اور کون پکا کر مجکو کھلائیگا اس کے لیے ایک کنیز کی ضرورت ہے۔ اگر وہ بھی عنایت ہو تو مَیں نہایت ممنون ہونگا۔

خلیفہ نے حکم دیا کہ اسکو ایک کنیز بھی دیجائے۔ ابو دلامہ نے کہا۔ یہ گھوڑا یہ
اور یہ غلام اور کنیز آخر کہاں رہیں گے؟ میرے پاس تو ایسا کوئی مکان نہیں ہے
جس میں ان سب کی گنجایش ہو۔ اگر حضور ایک مکان عنایت کریں، تو البتہ ان
کی گنجایش اس میں ہو سکتی ہے۔
خلیفہ نے حکم دیا کہ اس کو ایک مکان بھی دیدیا جائے۔ ابو دلامہ نے کہا حضور
ابھی تک اس بات پر خیال نہیں فرمایا کہ یہ جانور اور آدمی جو میرے ساتھ رہیں گے
کس چیز پر گزارہ کرینگے۔ میرے پاس تو نہ کوئی جائداد ہے، نہ کوئی معین آمدنی ہے،
ان کا گزارہ ہو سکے۔ خلیفہ نے ہنس کر کہا۔ ہم تم کو بنی اسرائیل کے میدانوں
دس گاؤں عامرہ اور دس گاؤں غامرہ عنایت کرتے ہیں۔ ابو دلامہ نے کہا
امیر المومنین! عامرہ تو سرسبز اور آباد زمینوں کو کہتے ہیں؛ مگر غامرہ کے معنی میں نہ
خلیفہ نے کہا۔ غامرہ اُن زمینوں کو کہتے ہیں جنہیں روئیدگی نہوتی ہو اور جو
ویران ہوں۔ ابو دلامہ نے کہا۔ امیر المومنین! ایسے سو گاؤں تو میں بھی بنی اسد
میدانوں میں سے آپ کو دیسکتا ہوں۔
خلیفہ ابو دلامہ کی اس بات کو سُنکر ہنس پڑا اور اُس نے کہا کہ اچھا بجا
غامرہ کے وہ دس گاؤں بھی تم کو عامرہ ہی دیئے جائینگے۔ ابو دلامہ نے خلیفہ کا
ادا کیا اور ان سب عطیوں کی نسبت ایک فرمان لیکر دربار سے رخصت ہوا۔

(۴)

منصور کے زمانہ میں جب مُلکِ شام میں عبداللہ بن علی نے خروج کیا اور
نے اس کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجنی چاہی تو اُس نے ابو دلامہ سے کہا کہ تم کو
اس فوج کے ساتھ جنگ پر جانا پڑیگا۔ ابو دلامہ نے کہا۔ امیر المومنین! میں مید
جنگ میں جانے کے لیے تیار ہوں، مگر یہ یاد رہے کہ میں لوگوں میں منحوس اور بد

مشہور ہوں۔ منصور نے کہا۔ تمہاری نحوست کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ فوج کے ساتھ ہمارے اقبال کی سعادت ہوگی اور وہ سعادت تمہاری نحوست پر غالب آ جائے گی ابو دلامہ نے کہا۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ حضور کی سعادت میری نحوست پر غالب آئیگی یا نہیں، مگر میرا منحوس ہونا یقینی ہے۔ اور مجھے اپنی ذات کی نسبت جسقدر تجربہ اور واقفیت ہے، اتنی حضور کو نہیں ہے۔ منصور نے کہا۔ بس ان باتوں کو جانے دو اور حیلے حوالے پیش نہ کرو، تمہیں جنگ پر ضرور بالضرور جانا پڑیگا۔ ابو دلامہ نے کہا۔ میں حضور سے بالکل سچ کہتا ہوں کہ میں ایسی فوجوں کے ساتھ لڑائی میں شریک ہو چکا ہوں اور کوئی فوج ایسی نہیں تھی، جسنے شکست نہ پائی ہو۔ پس اگر حضور جان بوجھ کر چاہتے ہیں کہ بیسویں فوج بھاگنے اور شکست پانے والی وہ فوج ہو، جسکو حضور ملک شام کی طرف بھیجنا چاہتے ہیں، تو میرا اس میں کچھ ہرج نہیں ہے۔ منصور، ابو دلامہ کی اس گفتگو کو سُن کر بے اختیار ہنس پڑا۔ اور اسکو لڑائی پر جانے سے معاف کر دیا۔

(۵)

ایک دفعہ ابو دلامہ بیمار ہوا۔ ایک طبیب نے اُسکا علاج کیا۔ جب وہ اچھا ہو گیا، تو طبیب نے اپنی فیس طلب کی، ابو دلامہ نے کہا۔ تمہاری فیس دینے کے لیے تو میرے پاس ایک حبہ بھی نہیں۔ ہاں اگر تم فلاں امیر یہودی پر اپنے قرضہ کی جھوٹی نالش کر دو تو میں اور میرا بیٹا دونوں عدالت میں چلکر گواہی دیسکتے ہیں۔ اور اس طرح جو روپیہ اُس یہودی سے تمہارے ہاتھ آئیگا، اسکو تم اپنی فیس میں محسوب کر لینا۔ طبیب نے ابو دلامہ کے کہنے کے موافق یہودی پر قرضہ کی نالش کر دی۔ قاضی نے جب یہودی سے دریافت کیا، تو اُس نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں نے اس طبیب سے کبھی قرض نہیں لیا۔ طبیب نے ابو دلامہ اور اُس کے بیٹے دلامہ کو گواہ لکھوایا تھا۔ عدالت نے فوراً دونوں کو طلب کیا۔ جب ابو دلامہ عدالت میں پہونچا تو اُس نے دو شعر قاضی کے سامنے

پڑھے. جنکا مضمون یہ تھا کہ

"اگر لوگ میرے ساتھ چشم پوشی کا برتاؤ کرینگے، تو میں بھی اُنکے عیب ظاہر نہیں کرونگا
اور اگر انھوں نے مجھ پر حرف گیری کی، تو میں بھی اُن کی قلعی کھولنے کو تیار ہوں"

یہ شعر پڑھکر اُس نے قرضہ کی نسبت شہادت دی. پھر اُس کے بیٹے دلامہ نے گواہی دی. قاضی، ابودلامہ کے اشعار سُن کر اس بات سے ڈر گیا تھا کہ وہ کہیں میری ہجو نہ کہہ ڈالے. اُسکو یہ بھی اندیشہ تھا کہ ابودلامہ میری کوئی شکایت خلیفہ سے نہ کرے. اس نے شہادت کے ختم ہونے کے بعد کہا. تم دونوں کی شہادت مقبول ہے. اور فیصلہ مدعا علیہ کے خلاف کیا جاتا ہے.

(۶)

موسیٰ بن داود نے ایک سال حج کا ارادہ کیا. ابودلامہ سے بھی کہا کہ اگر تم میرے ساتھ حج کو چلو، تو دس ہزار درم تم کو دیئے جائیں گے. ابودلامہ نے کہا. میں حج کو چلنے کا اقرار کرتا ہوں، مگر وہ دس ہزار درم ابھی عنایت ہوں. موسیٰ نے دس ہزار درم اُسکو دلوا دیئے. جب حج کو جانے کا وقت آیا اور موسیٰ نے ابودلامہ کو تلاش کرایا، تو اسکا کہیں سراغ نہ ملا. مجبوراً وہ حج کو روانہ ہو گیا. قادسیہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ ابودلامہ اِسی نواح میں ہے. اور شراب کباب کے جلسوں میں مشغول ہے. موسیٰ نے اسکو گرفتار کرا لیا اور اپنے اونٹ پر اُسکو سوار کر کے مکہ کی طرف روانہ ہوا.

اسوقت ابودلامہ نشہ کے سبب سے مدہوش تھا. جب اُسکو ہوش آیا، تو اُس نے موسیٰ کی طرف خطاب کر کے اپنے چند اشعار فی البدیہ کہکر پڑھے. اُن اشعار کا مضمون تھا کہ "اے لوگو! تم سب مِل کر موسیٰ بن داوٗد کی سلامتی کی دعا کرو. اے ابن داوٗد! میں تمھیں داوٗد کی روح کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجکو حج پر لیے جانے سے باز رہو. مجکو معلوم ہوا ہے کہ مکہ کے رستے میں شراب نہیں ملتی اور میں شراب کا عادی ٹھہرا. ذرا خیال

تو کرو کہ مجکو کس قدر تکلیف ہوگی۔ اگر میں نے حج بھی کیا، تو ذرا انصاف کرو کہ تم کو مجھ بد مست کے حج سے کیا ثواب ملیگا؟ مجھے تو لوگ بد دین اور لامذہب بتاتے ہیں۔ موسیٰ نے ان اشعار کو سُنکر ابو دلامہ کو اپنے اونٹ سے اُتار دیا اور اُس سے کہا کہ جا ملعون دُور ہو۔

(۷)

ایک دفعہ خلیفہ مہدی، خراسان کے سفر سے واپس آیا۔ ابو دلامہ اُس کے حضور میں پہنچا۔ اور دو شعر فی البدیہ کہکر اُسکو سُنائے، جنکا مضمون یہ تھا کہ "میں نے یہ منت مان رکھی تھی کہ جب آپ خراسان سے واپس آئینگے، تو میں آپ سے دو باتوں کی خواہش کرونگا! ایک تو یہ کہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجیں۔ دوسری یہ کہ آپ میری گود درہموں سے بھر دیں"۔ مہدی نے ان اشعار کو سُن کر کہا۔ پہلی بات تو میں منظور کرتا ہوں۔ مگر دوسری بات منظور نہیں کرتا۔ ابو دلامہ نے کہا۔ امیر المومنین! یہ بات آپ کی شان کے خلاف ہے کہ دونوں باتوں میں سے جو بات آپ کو زیادہ آسان معلوم ہو، اُسی کو اختیار کرلیں اور دوسری بات کو پورا نہ کریں۔ مہدی ہنسا اور اُس نے حکم دیا کہ ابو دلامہ کی گود درہموں سے بھر دی جائے۔

(۸)

ایک دن ابو دلامہ، منصور کی حضور میں حاضر ہوا اور اُس نے چند اشعار پڑھکر سنائے جنکا مطلب یہ تھا کہ "آج رات کو میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپنے میرے قرضہ کے ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور مجکو ایک نہایت عمدہ ریشمی قبا عنایت کی ہے۔ جسکا رنگ بنفشئی ہے۔ اب میرے خواب کا جھوٹا یا سچّا کرنا آپ کے اختیار میں ہے"۔ منصور نے یہ اشعار سُنکر خلعت اور انعام کا حکم اُس کے لیے جاری کردیا۔ پھر اُس سے کہا کہ دیکھنا یہ کوئی خواب ہمارے سامنے بیان نہ کرنا، ورنہ ہم اُس کو خواب پریشان سمجھیں گے۔

اور اس کی تعبیر پوری نہیں ہوگی۔

(۹)

ایک دفعہ مہدی نے ابو دلامہ سے انعام کا وعدہ کیا؛ مگر بہت دن گذر گئے اور وہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ ابو دلامہ چند اشعار کہکر مہدی کی حضور میں گیا اور وہ اشعار اُسکو سُنائے۔ اُن میں سے ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ "اگر اور نہیں تو آپ اُس رشتہ ہی کا خیال کر کے اپنے وعدہ کو پورا کریں، جو میرے اور آپ کے درمیان ہے"۔ مہدی نے اس شعر کو سُنکر کہا۔ ارے کمبخت! میرے اور تیرے درمیان رشتہ کیسا؟ ابو دلامہ نے کہا خدا آدم اور حوّا پر رحمت نازل کرے۔ کیا آپ ان دونوں کو بھول گئے؟ مہدی بے اختیار ہنس پڑا اور اُس نے انعام دیکر اُسکو مالامال کر دیا۔

(۱۰)

ایک دفعہ ایک مقدمہ میں ابو دلامہ کو ایک قاضی کی عدالت میں جانا پڑا۔ اُس قاضی کا نام عافیہ تھا۔ اُس نے قاضی کی نسبت چند اشعار فی البدیہ کہکر پڑھے جنمیں سے ایک شعر کا مطلب یہ تھا کہ "ملک میں ایسے قاضی بھی ہیں جو فیصلوں میں ناانصافی کرتے ہیں اور اُن کی ناانصافی سے میں ڈرتا ہوں؛ مگر اے عافیہ! میں تم سے بالکل بھی خوف نہیں کرتا"۔ قاضی نے اس شعر کو سُنکر کہا تم نے میری سخت ہجو کی ہے۔ میں خلیفہ سے تمہاری شکایت کرونگا۔ ابو دلامہ نے کہا۔ اگر تم شکایت کروگے، تو خلیفہ تم کو فوراً موقوف کر دیگا۔ قاضی نے کہا۔ کیوں؟ ابو دلامہ نے کہا اس لیے کہ میں نے تمہاری تعریف کی ہے اور تم اُس کو ہجو سمجھتے ہو۔ جب تم تعریف اور ہجو میں بھی تمیز نہیں کر سکتے، تو خلیفہ یہ ضرور خیال کریگا کہ تم قاضی کے عہدہ کے لائق نہیں ہو۔ خلیفہ منصور کو ابو دلامہ اور قاضی کے سوال و جواب کی خبر پہونچی، تو وہ بہت ہنسا اور اُس نے ابو دلامہ کو انعام دیکر سرافراز کیا۔ (از معارف)

اڈیٹوریل

خاتون

رسالہ خاتون اپنی زندگی کا آٹھواں سال ختم کر چکا ہی اور اس زمانہ میں جو کچھ اس نے قوم کی خدمت کی ہی یا جس حدتک وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا ہی اسکا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں ہم اپنی زبان سے اس کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ البتہ اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہی کہ اکثر ناظرات و ناظرین نے وقتاً فوقتاً اس رسالہ کے متعلق بذریعہ اپنے پرائیویٹ خطوں کے اس رسالہ کی قدردانی فرماتے ہوئے ہم کو یقین دلایا ہی کہ جو کام خاتون کر رہا ہی اس کا انجام پانا اور کسی طریقہ سے ممکن نہ تھا

ہم نے زیادہ تر اپنی توجہ اسلامی خواتین کی اصلاح کی طرف مبذول کی اور ہم کو اس خیال سے خوشی ہوتی ہے کہ ہماری آواز مسلمانوں کے کانوں تک پہونچی۔ اور اُنھوں نے اس قلیل عرصہ میں بہت کچھ فائدہ حاصل کیا۔

خاص خاص باتیں جسکو خاتون نے اپنے پروگرام میں رکھا تھا۔ آج قوم کا بچہ بچہ اُن سے متفق معلوم ہوتا ہے اور جو لوگ اُن کے خلاف ورزی کرتے ہیں ان کی پبلک میں پوری تحقیر اور انگشت نمائی ہوتی ہے۔ پبلک کے خیالات میں انقلاب پیدا کرنا کچھ آسان بات نہیں تھی۔ لیکن خدا کے فضل سے ہم اُن خیالات میں جو اس سے آٹھ سال قبل تھے اور ان خیالات میں زمین و آسمان کا فرق پاتے ہیں۔

مگر باینہمہ ہمارے نزدیک ابھی وہ وقت نہیں آیا ہی کہ ہم اپنے کو پورے طور پر کامیاب سمجھیں۔ اور اطمینان سے اپنے اخلاقی ہتیار چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ ابھی ہم کو بہت کچھ کرنا ہی۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر آجتک عورتوں کو ذلت کے گڑھے

کی طرف دھکیلا گیا ہی۔ یہانتک کہ وہ اب تحت الثریٰ میں نظر آتی ہیں۔ اب پھر ان کو عزت اور مساوات کی سطح پر لانا ایک دن کا کام نہیں ہے۔ بلکہ صدیوں کا کام ہے۔

رسالہ خاتون نے اس کام کا بیڑا اُٹھا رکھا ہی اور اسکا انحصار پبلک کے اوپر ہے کہ وہ ایسے ہمدرد اور نہایت خلوص اور یکجہتی سے کوشش کرنے ولے رسالہ کو زندہ رکھنے میں پوری امداد دے اور مثل اور مفید کاموں کے اسکو بھی اپنی غفلت سے ہلاک کرڈالے ہم نے آجتک اپنی ناظرات و ناظرین سے خواہش نہیں کی کہ وہ رسالہ کی اشاعت میں کوشش کریں۔ کیونکہ ہم کو کبھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی؟ اب دو وجوہات سے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہی۔

ایک تو اس کی اشاعت کی اسوجہ سے ضرورت ہی کہ اس کے مفید اثر کا دائرہ وسعت حاصل کرے۔ اور دوسرے بہت سی غریب مستورات کو جو قیمت ادا نہیں کرسکتیں اُن کو رسالہ مفت میں دیا جائے۔

اسوقت جسقدر رسالے مفت میں دیئے جاتے ہیں ان کی قیمت کا سالانہ بار اڈیٹر کے سر پر ہے۔ اگر ہمارے ناظرین و ناظرات اس بار کے اُٹھانے میں ہماری شرکت فرمائیں تو ہم اپنے ناظرین و ناظرات کا خاص احسان مانینگے۔

ہماری خواہش صرف یہ ہی کہ ناظرین و ناظرات میں سے ایک ایک خریدار اور پیدا کریں یہ ایک نہایت معمولی سی خواہش ہی اور تھوڑی سی توجہ سے ہر شخص ایک خریدار پیدا کر سکتا ہی۔ ہم ان ناظرین و ناظرات کے نام مبارک ہر ماہ میں شکر گزاری کے ساتھ شائع کرتے رہیں گے جو ہمارے لیے اس ہماری درخواست کے موافق ایک ایک خریدار پیدا کرینگے۔ اور جو صاحب ہمارے لیے بیس خریدار پیدا کرینگے۔ اُن کو ہم ایک چاندی کا میڈل خاتون میڈل کے نام سے دینگے۔

اور جو دس خریدار پیدا کرینگے اُن کو ایک سارٹیفکٹ سُنہری حرفوں میں چھپا ہوا دینگے۔ اور جو پانچ خریدار پیدا کرینگے اُن کو ایک ایک جلد چُپ کی داد اور چُپ کی فریاد کی دینگے۔

اور جو تین خریدار پیدا کرینگے تو اُن کی نذر ایک جلد چُپ کی داد کرینگے۔ اس سے کم کے خریدار پیدا کرنے والوں کا شکریہ بذریعہ رسالہ کے دل سے ادا کرینگے۔

امدادِ ہلالِ احمر

جنگ بلقان مورخوں کے لیے ایک یادگار لڑائی ہوگی۔ یہ ایسی خونریز جنگ ہے کہ مدتہائے دراز سے تاریخ کے صفحے کسی ایسی جنگ کا پتا مشکل سے دیکیں گے یعنی چند ہفتوں میں لاکھوں آدمی جان سے مارے گئے اور زخمی بھی لاکھوں ہوئے بلگیریا جس کی طرف تمام تر توجہ ترکوں کی ہے۔ اس کے ایک لاکھ سپاہی میدانِ جنگ میں مارے جا چکے ہیں۔ ناظم پاشا سپہ سالار افواج ترکی نے لکھا ہے کہ شتلجہ لائن کے آگے دس میل مربع میں بلگیریوں کی لاشیں پٹی پڑی ہیں۔

اب بلگیریا سترہ برس کے لڑکے تین تین ہفتے قواعد جنگ سکھا کر میدان کو روانہ کر رہی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمام تر فوجی قوت برباد ہو گئی۔ علی ہذا سرویا۔ مانٹی نیگرو اور یونان کے بھی بہت سے سپاہی مارے گئے ہیں۔ گو کہ ان کی تعداد اسقدر نہیں ہے جسقدر بلگیریا کی ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ترکان جنگ آزما بھی بہت بڑی تعداد میں شہید ہوئے اور بہت زخمی ہوئے ہیں۔ بعض بعض لڑائیوں میں بیس ہزار

ترک شہید ہوگئے ہیں۔ اور دس دس بیس بیس ہزار زخمی قسطنطنیہ کو بھیجے گئے ہیں۔ ایسی حالت میں ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ہمدردی اور اخوت اسلامی کی حمیت سے وہ مجروحوں کی امداد کرے۔ اور شہدا کے یتیم بچوں اور بیواؤں کی خبر گیری کرے۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے جس عالی ہمتی اور ہمدردی اسلام کا اس موقع پر ثبوت دیا ہے وہ نہایت قابل تعریف ہے۔ ملک کے ہر حصہ میں شہروں میں، قصبوں میں، یہانتک کہ گاؤں میں بھی ہلال احمر کی امداد کے لیے چندے ہو رہے ہیں۔ اور لاکھوں روپیے بھیجے جا چکے ہیں۔ صرف ایک شہر بمبئی میں چھ لاکھ روپیے جمع ہو چکے ہیں اور ابھی تک ہو رہے ہیں۔

مسلمان خواتین ہند نے بھی اس میں جس فراخ دلی کے ساتھ حصہ لیا ہے وہ قابل صد ہزار تحسین ہے۔ سب سے پہلے ہر ہائنس حضور بیگم صاحبہ والیہ بھوپال دام اقبالہا کا نام نامی ذکر کرنے کے قابل ہے جنکا قدم ہر ایک کار خیر میں سب سے آگے رہتا ہے اور جنھیں توفیق الہی کی شمع رستہ دکھلاتی ہوئی لے چلتی ہے۔ ہر ہائنس نے امداد ہلال احمر کے لیے ایک لاکھ روپیہ کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر ہائنس کی سعی مشکور فرمائے۔

ڈھاکہ میں بھی نواب زادی آمنہ بانو بیگم صاحبہ نے ایک جلسہ منعقد فرما کر اپنے خاندان کی تمام خواتین کو مدعو فرمایا اور اُس میں امداد مجروحین ترک کے لیے تقریر فرمائی۔ پھر خود اپنی جیب سے ایک ہزار روپیہ چندہ دیا۔ دیگر خواتین نے بھی دل کھول کر چندے دیئے۔

میرٹھ میں بھی مسلمان خواتین نے دو جلسے زیر صدارت بیگم صاحبہ جناب نواب محمد اسحاق خانصاحب بہادر منعقد کیے۔ ۷۰۰ روپیے ۸ آنے نقد وصول

ہوئے ۔ باقی چندہ وصول ہونے کی کوشش جاری ہے۔

کوئٹہ (بلوچستان) میں بھی مسلمان خواتین نے اسی غرض کے لیے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں سلطان کی فتحمندی کی دعائیں مانگیں اور تقریباً تین ہزار روپیہ چندہ جمع ہوا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ دیگر مقامات میں بھی ہماری روشن خیال بہنیں اس بڑے کار خیر کے لیے کوشش فرمائیں گی۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

بریں رواق زبرجد نوشتہ اند بزر　　　　کہ جز نکوئی اہل کرم نخواہد ماند

۶۔ دسمبر ۱۹۱۲ء کو زنانہ مدرسہ علیگڈھ میں علی گڈھ شہر کی بہنوں نے ایک جلسہ کیا اور سب نے مل کر نماز جمعہ ادا کی اور پھر چند نعتیہ نظمیں پڑہیں ۔ بعد اسکے سب نے مل کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں نہایت عاجزی سے دعا مانگی کہ اللہ اہل اسلام کو فتح نصیب فرمائے۔ اور موجودہ مصیبت کی حالت میں اسلام کی خاص نگہبانی فرمائے۔

ہم کو روئداد زیادہ تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ خود جلسے کے پروگرام سے تفصیل کا پتہ مل سکتا ہے۔ اس جلسہ کے لیے بہت سے خطوط عبداللہ بیگم صاحبہ کی طرف سے جاری ہوئے تھے۔ اور شہر کی بیبیاں وقت مقررہ پر جلسہ میں شریک ہوئیں۔ سب کے چہروں سے رنج اور دلی ہمدردی کے آثار نمایاں تھے۔ مدرسہ کی بچیاں بھی ایک سکوت اور افسوس کی حالت میں چپ چاپ تھیں۔

گو اس تاریخ پر چندہ جمع کرنے کا خیال نہ تھا صرف عبداللہ بیگم صاحبہ کو ایک تجویز پیش کرنی مقصود تھی کہ کس طور پر مسلمان بیبیوں کو ایثار سے کام لیکر ترک زخمی سپاہیوں اور یتیم بچوں اور بیواؤں کے لیے چندہ جمع کرنا چاہیے۔

مگر آجکل ہر مسلمان بی بی کے دل میں ایک درد ایسا ہی کہ اُن کو چندے کے لیئے
زیادہ تحریک کی ضرورت نہیں ہی۔ سب نے خوشی سے جو کچھ اُن کی جیب میں تھا دیدیا
اور اسی طرح سو روپیے کی رقم جمع ہو گئی۔
چندے کی تفصیل انسٹیٹوٹ گزٹ میں درج کی جائیگی اور آئندہ عبداللہ بیگم صاحبہ
کو جو کچھ وصول ہوتا جائیگا وہ برابر بھیجتی رہیں گی۔ چونکہ علیگڈھ میں محمود بیگم صاحبہ کے
مکان پر اس سے قبل ایک جلسہ ہو چکا تھا اور اس میں چندے کی ایک خاصی رقم جمع
ہو چکی تھی۔ اسلیے اب علیگڈھ میں بجز چھوٹے چھوٹے چندوں کے بڑے چندے کی
امید نہیں ہے۔ چندہ کے متعلق اگر کوئی بہن کوئی کام کرنا چاہے تو عبداللہ بیگم صاحبہ سے
خط و کتابت فرمائیں۔
ہم ذیل میں عبداللہ بیگم صاحبہ کی تجویز اور مسز ابوالحسن صاحبہ اور راُستانی شفاعت بیگم
صاحبہ کی نظمیں درج کرتے ہیں۔ باقی جن بہنوں نے تقریریں فرمائیں اُس میں مسز حسرت
صاحبہ کی تقریر بہت موثر تھی مگر بوجہ کمی گنجایش کے اس نمبر میں اب زیادہ تقریریں
نہیں چھاپ سکتے۔

عبداللہ بیگم صاحبہ کی تجویز

میری معزز بہنو! میں جانتی ہوں کہ آجکل ہر ایک مسلمان مرد اور عورت کے دل
کی کیا کیفیت ہی۔ مجھے اپنے اسلامی ترک بھائیوں کی حالت اور مصیبت آپکے سامنے
کچھ زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ روے زمین پر آج کل کوئی مسلمان ایسا نہوگا
جو ترکوں کی حالت سے بے خبر ہو۔ لاکھوں مسلمان اسوقت تک اپنے پیارے دین
اور سچّے مذہب پر اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے
گھیر رکھا ہی۔ اسلامی شہر اور مسلمان باشندے اُن لوگوں کے قبضے میں ہیں جو مسلمان کے

نام سے ایسی ہی نفرت کرتے ہیں جیسے مسلمان شیطان کے نام سے۔ وہ کسی مسلمان کو قتل کرنا یا ایذا پہونچانا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ لاکھوں مسلمان ایک آفت میں مبتلا ہیں۔ گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اُن کے مال و اسباب چھینے جا رہے ہیں۔ اُنکے گھر جلائے جا رہے ہیں۔ میاں۔ بیوی سے۔ بیوی میاں سے۔ بچے ماں باپ سے جُدا ہو رہے ہیں۔ اور یہ سب مصیبتیں صرف اسلیے ہیں کہ مصیبت زدہ ترک مسلمان ہیں اور اُنکے مخالف دنیا سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے کی فکر میں ہیں۔

اپنے بھائیوں کی ایسی مصیبت کا حال سُن سُن کر کون ایسا مسلمان ہے کہ جسکا دل رنج و درد سے نہ بھر آتا ہوگا۔ اور جو نہ اس بات پر آمادہ ہو جاتا ہوگا کہ گو خود جا کر اپنے بھائیوں کی مدد نہیں کر سکتا مگر ایسی تباہی کے وقت روپیہ پیسے سے اُن کی مدد کرے۔ ہم یہاں اس ملک میں اپنے شہنشاہ معظم کے شاندار تاج کے سایے تلے نہایت امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم اس قیامت خیز تباہی کا کیا اندازہ کر سکتے ہیں جسکو آجکل ہمارے ترک بھائی بھگت رہے ہیں۔ گو ہمارے ہندوستانی بھائیوں نے نہایت بے جگری سے ترک مجروحین اور یتیموں اور بیواؤں کے لیے چندے دیئے ہیں مگر ہنوز اور روپیے کی بہت ضرورت ہے اور جبتک ترک اس مصیبت سے نجات نہ پا جائیں مسلمانوں کو اپنے کیسہ کا مونھ کھُلا رکھنا چاہیے۔

یہ جسقدر چندے ہندوستان میں ہو رہے ہیں یہ کسی کے اوپر بار نہیں گذرتا کیونکہ اول تو سب لوگ تھوڑا تھوڑا چندہ دے رہے ہیں۔ دوسرے نہایت دلی ہمدردی سے دے رہے ہیں۔ ہمیں اب اگر ضرورت ہے تو صرف اس بات کی کہ کوئی خاص طریقہ ایسا قائم کریں کہ جس سے استقلال کے ساتھ لگاتار روپیہ وصول ہوتا رہے اور چندہ دینے میں اونی سے لیکر اعلیٰ تک ہر کلمہ گو مسلمان شریک ہو سکے۔ مردوں نے کوئی طریقہ اختیار کیا ہوگا مگر بیبیوں کے لیے میں ایک خاص طریقہ پیش کرتی ہوں اور وہ یہ ہے کہ

ہر شہر میں بذریعہ اخبارات کے وہاں کی بہنوں سے خواہش کیجائے کہ وہ اپنے ماہواری اخراجات میں سے ایک خاص رقم بچا کر ترکوں کے چندے میں دیں۔ یہ رقم کل خرچ کا جو بیبیوں کے ہاتھ سے ہوتا ہے بقدر پانچ فیصدی کے ہونا چاہیے۔ مرد جو کچھ چندہ دیں وہ اس چندہ سے الگ ہو۔ اور اس چندہ کا بار مردوں کے اوپر یا مردوں کی آمدنی پر نہیں ہونا چاہیے بلکہ گھر کے خرچ میں کفایت کرکے یہ رقم بچانی چاہیے۔ اس سے بیبیوں کا سچا ایثار ثابت ہوگا اور مجکو اس میں کوئی دشواری معلوم نہیں ہوتی۔ مسلمان بیبیوں کو ہمارے ایم اے او۔ کالج کے بچوں کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیے۔ کہ ان ہونہار طالب علموں نے کل دنیا کے مسلمانوں کے سامنے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے اور صرف اپنے کھانے کی چیزوں میں کمی کرکے فی کس دو روپیہ ماہوار بچت نکالی ہے جس سے دو ہزار روپیہ کی رقم ہر مہینے میں ٹرکی کے مجروحین یتیموں اور بیواؤں کے لیے جاتی ہے۔

کیا میری معزز بہنو! ہمارے لیے مشکل ہے کہ اگر ہم سو روپیہ ماہوار صرف کرتے ہیں تو اُس میں سے پانچ روپیہ بچا لیں اور پچانوے روپیے صرف کریں۔ ہم اپنے کھانے پینے اور گھر کے آرایشی سامان میں بہت سی اشیا دیکھتے ہیں جو بلا کسی تکلیف کے ہم کم کر سکتے ہیں۔ ہم چاء چھوڑ سکتے ہیں، ہم پان تمباکو کھانا چھوڑ سکتے ہیں۔ بجائے پانچ روپیہ کی جوتی پہننے کے چار کی پہن سکتے ہیں۔

جس ایثار کے لیے میں اسوقت اپنی بہنوں سے خواہش کرتی ہوں وہ کچھ بہت بڑا ایثار معلوم نہیں ہوتا اور میں امید کرتی ہوں کہ ہر بی بی میری اس تجویز پر عمل کرنیکے لیے آمادہ ہو جائینگی۔

علاوہ اسکے اگر ہماری باثروت بہنیں کچھ چندے کی رقمیں یک مشت دے سکتی ہوں تو اُس میں ہرگز دریغ نہ کریں اور اسوقت اپنے سب کاموں اور ضرورتوں پر

اپنے مصیبت زدہ ترک بھائیوں کی ضرورتوں کو ترجیح دیں۔

خاکسار

عبداللہ بیگم

نظم جناب اُستانی شفاعت بیگم صاحبہ

مسدس

سخن گوئی میں وحشت سے قلم تھرایا جاتا ہے ۔ دلِ بیتاب اندر سینہ کے گھبرایا جاتا ہے

گلِ مضموں ہاتھوں میں مُرے کُھملایا جاتا ہے ۔ فسانہ دیکھیے کس ... کا اب لب پہ آتا ہے

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں

مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

سُنو اے حاضرینِ دیں قیامت سر پہ آئی ہے ۔ سُناتی ہوں حکایت درد کی کیسی تباہی ہے

مصیبت کی گھڑی اب اہلِ ایمانوں پہ آئی ہے ۔ اُٹھاؤ ہاتھ سب اہل کرمِ مشکلکشائی ہے

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں

مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

چڑھائی ہر طرف سے اور اکیلا شاہِ ایمان ہے ۔ گروہِ قاتلاں غالب ہے اور سلطان حیراں ہے

مدد دو اور دعا مانگو اگر اسلام لینا ہے ۔ بپا ہے حشر اُن لوگوں پہ یارب تو نگہباں ہے

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں

مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

خزاں چلتی ہے اور اسلامی گلشن اجڑا جاتا ہے ۔ شجر برگ و ثمر ذی نیز ہر ایک اُجڑا جاتا ہے

ہر اک جامِ شہادت پی کے آگے بڑھتا جاتا ہے ۔ سفر آخر جوان و پیر جیسے کرتا جاتا ہے

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں

مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

جواں لاشے ہزاروں مرغ بسمل سے تڑپتے ہیں   ہزاروں طفل اپنی ماؤں کے آگے سسکتے ہیں
اور اُسپر یہ ستم ہے بھوک پیاسے فاقہ کرتے ہیں   غضب کا ظلم لاچاروں پہ وہ خونخوار کرتے ہیں

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں
مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

کلیجہ سے کوئی اُن ماؤں کے اِن داغوں کو پوچھے   ہزاروں زخم سینوں میں اِن سوا خونکو پوچھے
مرادوں منتوں سے پالے تھے جن نازنکو پوچھے   لٹے ہوں قافلہ اُن صاحب اولادوں سے پوچھے

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں
مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

ہمارے بھائی بہنوں قوم ہم مذہب پہ آفت ہے   غضب ہے ہم رہیں آرام سے اُنپر قیامت ہو
بھلا روز جزا پھر کیوں نہ مالک کو شکایت ہو   کرو وہ کام سب ملکر جواب اُنکی حفاظت ہو

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں
مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

تہلکہ جابجا اس حادثہ کے پڑتے جاتے ہیں   زر نقد اُن پہ اہل دین قربان کرتے جاتے ہیں
مدد دیتے ہیں نذریں پیشکش سب کرتے جاتے ہیں   ہر ایک ہمقوم رتبہ کے موافق پیش لاتے ہیں

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں
مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

تاسف کی جگہ ہے ہند میں ہم سوئیں راحت سے   ہماری بہنیں دن اور رات کو کاٹیں مصیبت سے
وہ تڑپیں اقربا فرزند و زن شوہر کی فرقت سے   نہیں امروز فردا میں اُنہیں مہلت ہے آفت سے

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں
مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

بغور گوش دل سے عرض اس احقر کی سن لینا ہو جس رتبہ کے قابل ملکے سب اُن کی مدد کرنا
محب بیبیو ہم جنس کی خاطر یہ دکھ سہنا کہ جو کچھ ہو سکے اسلامی لشکر کی خبر لینا

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں
مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

رجوع قلب سے مانگو دعا اب فتحیابی ہو چمک اسلام کی قائم رہے اور کامیابی ہو
ہر ایک بددین جو غالب ہے وہ لاجوابی ہو شفاعت کا دلی اب مدعا یا رب شتابی ہو

الٰہی دادرس ہو تو نبی امداد کرتے ہیں
مسلمانوں کہو آمین ہم فریاد کرتے ہیں

نظم جناب مسز ابو الحسن صاحبہ

خدایا تیری حمد ہو کس زباں سے کہ تو نے دو عالم کو پیدا کیا ہے
اشارہ سے کن کے دو عالم ہوں پیدا کوئی خاک سمجھے کہ کیا ماجرا ہے
ہیں سب تیری مخلوق جن و ملائک فضیلت میں انسان سب سے سوا ہے
کروں نعت احمد رقم کس قلم سے خلاصہ یہ ہے وہ حبیب خدا ہے
صلوٰۃ و سلام اُس رسول خدا پر جو ختم الرسل ہے شفیع الورا ہے
جہالت کی ظلمت کو جس نے مٹایا دو عالم میں جس نے اُجالا کیا ہے
کیا شرک کو دور جس نے جہاں سے کہا بس کہ خالق تمھارا خدا ہے
جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ نہیں کوئی معبود اس کے سوا ہے
ہزاروں درود اُس نبی پر کہ جس نے شفاعت کا اُمت کے ذمہ لیا ہے
ابو بکر صدیق اوّل خلیفہ کہ ضرب المثل جنکا صدق و صفا ہے
عمر ابن خطاب فاروق اعظم کہ اسلام کا جن سے ڈنکا بجا ہے

وہ عثمان غنی صاحب جود و ہمت | کہ قرآں اُنھوں نے مرتب کیا ہے

وہ مولا علی ہے چہارم خلیفہ | وہ شیرِ خدا ہے وہ مشکل کشا ہے

خدا اُن سے راضی وہ راضی خدا سے | یہ قرآں میں جابجا آچکا ہے

درود و سلام آلِ اطہار پر ہو | کہ گھر جنکا اُمت کی خاطر لُٹا ہے

امام حسنؑ سبطِ اکبر نبی کے | کہ کفار نے زہر جن کو دیا ہے

وہ شبیرؑ چھوٹے نواسے نبی کے | شہید ہو کے اُمت پہ سر دیدیا ہے

وہ اُمت پہ تھے مہرباں آہ کیسے | سُنو حال اُس قوم کا آج کیا ہے

جہاز اسکا طوفاں میں ایسا پھنسا ہے | یہ خطرہ ہے ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے

نہ بھائی کو بھائی سے باقی محبت | نہ اسلام کا درد دل میں رہا ہے

نہ قرآں کی تعلیم سے کچھ غرض ہے | ہر ایک شخص انگریزی ہی پڑھ رہا ہے

نہیں اپنے دیں کا کوئی پاس کرتا | ہر ایک حبِ دنیا میں ایسا پھنسا ہے

مصیبت ہوئی قوم پر ہے جو نازل | ہمارے ہی اعمال کی یہ سزا ہے

نتیجہ ہے سب غفلتوں کا ہمارے | کہ ٹرکی پہ یوں آج حملہ ہوا ہے

یہ کہتی ہوں لیکن نہیں ہوتا باور | کہ مولا نے حضرت سے وعدہ کیا ہے

نہ دنیا میں ہوگی سزا فعلِ بد کی | بروزِ قیامت جزاؤ سزا ہے

یہاں عیش و عشرت میں ہم مبتلا ہیں | وہاں بھائی مسلم کا سر کٹ رہا ہے

ہزاروں یتیم اور لاکھوں ہیں بیوہ | الٰہی یہ کیسا غضب آرہا ہے

کوئی بھوکے پیاسے ہیں ٹرکی میں لڑتے | یہاں منہ سے قورمہ اُڑ رہا ہے

ہم ابتک نہیں خوابِ غفلت سے چونکے | نہ معلوم دنیا میں کیا ہو رہا ہے

کریں کیا مدد وقتِ نازک میں ہم سب | کہ پردے کی رسی سے ہم کو کسا ہے

مگر پاس اپنے جو کچھ مال و زر ہے | لٹائیں یہ حکمِ رسولِ خدا ہے

[illegible] جب اپنی عزت ہو دنیا میں باقی — تو پھر مال و زر اپنے کس کام کا ہے
اگر اپنی حالت کو ہم نے نہ بدلا — تو سیدھا جہنم کا رستہ کھلا ہے
وہ تہذیب کے مدعی اہلِ یورپ — کہ خون جنکے ہاتوں سے اُنکا ہوا ہے
بتائیں کہ ہے کس بنا پر لڑائی — قصور ایسا ٹرکی بیچاروں کا کیا ہے
بس آؤ کریں آج سب مل کے توبہ — کہ وقتِ قضا سامنے آ کھڑا ہے
ہو اسلام کی فتح دشمن کی ذلت — یہی تجھ سے مولا ہماری دعا ہے
ترقی اسلام آنکھوں سے دیکھیں — تمنا یہی اور یہی التجا ہے
تو اب رحم کر اپنے بندوں پہ مولا — مثل ہے غریبوں کا حامی خدا ہے

بس اے خاکی خستہ خاموش ہو جا
فسانہ ترا یہ بہت غم فزا ہے

ہز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر صوبہ جات متحدہ
کی
تشریف آوری علی گڈہ کالج میں

[illegible] دسمبر کی شب کو ہز آنر مع جناب لیڈی مسٹن صاحبہ علیگڈہ میں تشریف لائے
[illegible] ساڑھے آٹھ بجے صبح کے ہز آنر ہمارے زنانہ مدرسہ کے بورڈنگ ہوس میں تشریف لائے
[illegible] حضور ممدوح کے خیر مقدم کے لیے ممبرانِ ایسوسی ایشن میں سے علاوہ اُن
حضرات کے جنھوں نے ہز آنر کا فرودگاہ پر استقبال کیا تھا اور جو برابر ہز آنر کی معیت
میں تھے احباب ذیل موقع پر حاضر تھے۔ جناب نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب۔
[illegible] عبداللطیف صاحب بیرسٹر ایٹ لا۔ جناب حاجی محمد موسیٰ خانصاحب۔
[illegible] مصطفےٰ خانصاحب۔ جناب مولوی محمد عبدالمجید صاحب خواجہ بیرسٹر ایٹ لا

جناب مشتر قادری صاحب بیرسٹر ایٹ لا، جناب محمد سرفراز خان صاحب، اور جناب شیخ عبداللہ صاحب (سکرٹری)

مسٹر ٹول صاحب پرنسپل ایم اے۔ او کالج بھی موقع پر تشریف رکھتے تھے۔ ہز آنر نے نہایت توجہ سے بورڈنگ ہاؤس زیر تعمیر کا معائنہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ پردے کی دیوار کس جانب تعمیر ہوگی اسپر سکرٹری نے نقشہ منگوا کر حضور ممدوح کے سامنے پیش کیا جس میں پردہ کی دیوار وغیرہ سب تفصیلات درج ہیں۔ اسکے بعد حضور ممدوح کمروں کے اندر تشریف لیگئے اور فرمایا کہ نہایت عمدہ اور ہوادار کمرے تعمیر ہوئے ہیں۔ نیز یہ بھی دریافت فرمایا کہ ہر ایک کمرے میں کسقدر لڑکیاں رکھی جائینگی۔ اسکے متعلق عرض کیا گیا کہ جو قاعدہ ہمارے ایم اے او کالج کے بورڈنگ ہاؤس کا ہے۔ وہی اس بورڈنگ ہاؤس میں بھی جاری ہوگا۔

اسکے بعد حضور ممدوح نے فرمایا کہ اسوقت تک کسقدر روپیہ صرف ہو چکا ہے اور آیندہ کسقدر روپیہ کی ضرورت ہے۔ اسپر عرض کیا گیا کہ ہم چند ممبران ڈپوٹیشن لیکر بارہ بجے دن کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہونیوالے ہیں اسوقت حضور کے سامنے کل اخراجات کا تخمینہ پیش کیا جائیگا۔

ٹھیک بارہ بجے دن کے نواب وقار الملک بہادر، خان بہادر نواب محمد مزمل اللہ خان، صاحبزادہ آفتاب احمد خانصاحب، حاجی محمد موسیٰ خانصاحب۔ اور شیخ عبداللہ صاحب سکرٹری حضور ممدوح کی خدمت میں کلکٹر صاحب کی کوٹھی پر حاضر ہوئے۔ حضور سے اجازت لیکر شیخ عبداللہ صاحب نے مدرسہ کے متعلق جملہ حالات تخمینہ جات حضور ممدوح کے گوش گذار کیے اور حضور سے مالی امداد کی استدعا کی۔ حضور نے سب واقعات نوٹ فرمالیے اور فرمایا کہ ہم کو بورڈنگ ہاؤس دیکھکر انتہا درجہ کی مسرت ہوئی ہے۔ نہایت عمدہ اور وسیع کمرے تعمیر ہوئے ہیں اور گو ہم اسوقت تو کچھ وعدہ نہیں کرتے تاہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈپوٹیشن کی درخواست پر خاص توجہ کرینگے۔ ایک مختصر سا گوشوارہ اپنی کل آمد و خرچ کا تیار کر کے ہم کو دیدو۔

اسکے بعد سب ممبران نے حضور کی نوازش کا شکریہ ادا کیا اور ڈپوٹیشن رخصت ہوا۔

رجسٹرڈ نمبر اے (۲۷۱)

خاتون

نمبر ۱۲	بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۲ء	جلد

ایڈیٹر شیخ محمد عبداللہ بی اے ایل ایل بی۔ سکرٹری تعلیم نسواں سیکشن

فہرست مضامین

۱۔ اسلامی اخلاق .... ا۔ ج۔ صاحب ۱

۲۔ جاپان .... سید خورشید علی صاحب ۷

۳۔ یعقوب باب چہارم .... عباسی بیگم صاحبہ ۱۳

۴۔ ٹرکش ریلیف فنڈ .... محمد بشیر مرزا صاحب ۲۶

۵۔ ایڈیٹوریل ۲۸

خاکسار عبداللطیف پرنٹر کے اہتمام سے

مطبع فیض عام واقع علی گڑھ میں طبع ہوا

شیخ محمد عبداللہ بی اے ایڈیٹر نے علیگڑھ سے شائع کیا

خاتون

(۱) یہ رسالہ ۴۸ صفحے کا علیگڈھ سے ہر ماہ میں شائع ہوتا ہی اور اسکی سالانہ قیمت (سے ۱/)
اور ششماہی ۱۲ ۱۲ سے ہے۔

(۲) اس رسالہ کا صرف ایک مقصد ہی یعنی مستورات میں تعلیم پھیلانا اور پڑھی لکھی مستورات
میں علمی مذاق پیدا کرنا۔

(۳) مستورات میں تعلیم پھیلانا کوئی آسان بات نہیں ہی اور جبتک مرد اس طرف متوجہ
نہونگے مطلق کامیابی کی امید نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس خیال اور ضرورت کے لحاظ سے اس رسالہ
کے ذریعہ سے مستورات کی تعلیم کی اشد ضرورت اور بے بہا فوائد اور مستورات کی جہالت سے
جو نقصانات ہورہے ہیں اس کی طرف مردوں کو ہمیشہ متوجہ کرتے رہیں گے۔

(۴) ہمارا رسالہ اس بات کی بہت کوشش کریگا کہ مستورات کے لیے عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر پیدا
کیا جائے جس سے ہماری مستورات کے خیالات اور مذاق درست ہوں اور عمدہ
تصنیفات کے پڑھنے کی اُن کو ضرورت محسوس ہو تاکہ وہ اپنی اولاد کو اس بڑے لطف سے
محروم رکھنا جو علم سے انسان کو حاصل ہوتا ہی معیوب تصور کرنے لگیں۔

(۵) ہم بہت کوشش کرینگے کہ علمی مضامین جہانتک ممکن ہو سلیس اور بامحاورہ اُردو زبان
میں لکھے جائیں۔

(۶) اس رسالہ کی مدد کرنے کے لیے اسکو خریدنا گویا اپنی آپ مدد کرنا ہی۔ اگر اس کی آمدنی سے
کچھ بچیگا تو اس سے غریب اور یتیم لڑکیوں کو وظائف دیکر استانیوں کی خدمت
کے لیے تیار کیا جائیگا۔

(۷) تمام خط و کتابت و ترسیل زر بنام اڈیٹر خاتون علی گڑھ ہونی چاہیے۔

اسلامی اخلاق

دنیا کی کوئی قوم۔ اور کوئی مذہب اخلاقی تعلیم سے خالی نہیں ہے۔ ہر ایک فرقہ میں نیکیاں اچھی اور برائیاں بری سمجھی جاتی ہیں۔ رہزنی، چوری، بے ایمانی، بددیانتی۔ نامہربانی سب کے نزدیک بُرے اوصاف ہیں۔ ایمان داری۔ حسن سلوک، میزبانی اور عفت کو تمام مذاہب کے پیرو اچھا سمجھتے ہیں۔ لیکن اسلام جس طرح دنیا کے تمام مذاہب سے بالاتر اور اکمل اور صحیح اور سچا مذہب ہے، اسی طرح اس کی اخلاقی تعلیم بھی تمام دنیا سے ممتاز تر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اسلام اخلاق سے ہے۔

اسلامی اخلاق انسان کو جادۂ مستقیم پر چلا کر اسکو اصلی انسانی اعتدال پر قائم رکھتے ہیں کیونکہ اسلام نے تمام اخلاقی اوصاف کی حقیقت اور باریکی پوری بیان کر دی ہے جسکو سمجھ کر انسان بصیرت کے ساتھ اُن پر چل سکتا ہے اور افراط و تفریط میں نہیں پڑتا۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو بنی نوع انسان کے سردار اور تمام انبیاء اور رسولوں نے

بڑھکر ہیں اُن کی ذات اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا مبدء ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے اُس رحمۃ دو عالم کی تعریف فرمائی ہے کہ انک لعلیٰ خلق عظیم یعنی تم بڑے اخلاق پر ہو۔ کسی شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آنحضرت کے اخلاق بیان فرمائیے اُنھوں نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن شریف تھا" اسکا مطلب یہ ہے کہ جو وحی آسمانی آپ پر اُترتی اُس کے پہلے عامل آپ ہی تھے۔ جس بات کا حکم ہوتا تھا اُسکو کرتے تھے اور جس بات کی ممانعت ہوتی تھی اس سے باز رہتے تھے۔

درحقیقت حضرت عائشہؓ کا جواب ایک نہایت پُر معنیٰ عالمانہ، بلیغانہ اور عجیب و غریب جواب ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاک کی رفاقت اور آسمانی وحی کی برکت سے ان کا دل اسرار الٰہی کے علمی خزانوں سے کس قدر معمور تھا۔ کیونکہ اخلاقی خوبیاں تزکیہ نفس سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور قرآن شریف تزکیہ نفس کے انتہائی درجہ پر انسان کو پہنچاتا ہے اور اس کے اکمل نمونہ حضور سرور کائنات تھے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں سب سے زیادہ قریب مجھ سے وہ شخص ہوگا جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہے۔ اور سب سے زیادہ دور مجھ سے وہ شخص ہوگا جس کے اخلاق سب سے زیادہ بُرے ہیں۔

ایک دفعہ کسی نے عرض کیا کہ زیادہ تر کس عمل سے لوگ جنت میں جائینگے؟ حضرت نے فرمایا کہ حسن اخلاق کی بدولت۔ پھر اُس نے پوچھا کہ جہنم میں زیادہ تر لوگ کس وجہ سے جائینگے فرمایا کہ غم اور خوشی کی بدولت۔

یہ جواب اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "نہ گئے کا غم کرو نہ آئے کی خوشی"

یہاں پر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ یہ غم اور یہ خوشی جس کی ممانعت فرمائی گئی ہے دنیاوی امور سے وابستہ ہیں۔ ورنہ فضائل ربانی اور سعادت اُخروی پر خوش ہونا

اچھا ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ " اللہ کے فضل و رحمت پر تم لوگ خوشی کرو" دنیا کے آنے گئے پر غم و خوشی کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں ابتک حرص و ہوا ہے۔ اور اسکا نفس اُس پر حکمراں ہے۔ ورنہ جسکو تزکیۂ نفس حاصل ہو جاتا ہے اُسکے نزدیک سب برابر ہے۔

اگر ہم اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالیں تو بیجا نہ ہوگا کہ اسلامی اخلاق دراصل تکمیل ایمان اور تزکیہ نفس کا نام ہے۔ اس موقع پر بندہ کو رضائے الٰہی کے خلعت سے سرافراز کیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ واقعات اُس پر گذرتے ہیں ان سب کو وہ دیکھتا ہے کہ مرضی الٰہی کے مطابق ہیں اسلیے نہ آنے کی خوشی ہوتی ہے نہ گئے کا غم۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اخلاق دوسری اقوام اور مذاہب کے اخلاق سے بالکل جداگانہ ہیں۔ کیونکہ ان کی سرحد نفسانی حکومت کی حد سے بالکل خارج ہے۔

اسلامی اخلاق کی بنیاد خوف خدا اور ایثار پر ہے۔ یعنی انسان صداقت اور اخلاص کے ساتھ دوسروں کے فائدہ کو اپنے فائدہ پر مقدم رکھے۔

حُسن اخلاق کے لیے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ انسان کے اندر صبر ہو۔ کیونکہ جبتک صبر نہ ہوگا۔ دوسروں کی مدد کرنا۔ انکے لیے اپنا نقصان برداشت کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور سب سے زیادہ تلخ چیز نفس کے لیے صبر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کے بڑے درجے رکھے ہیں اور اپنے کلام پاک میں ان کی بہت مدح کی ہے۔ حدیث میں ہے کہ صبر نصف ایمان ہے۔

بالاجمال یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلامی اخلاق کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرے جو اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو ۹۹ نام ہیں ہر ایک میں ایک صفت خاص ہے۔ انہیں صفات کو جہانتک انسانی طاقت میں ہے حاصل کرنا چاہیے۔ مثلاً رحمٰن سے رحم۔ کریم سے کرم۔ ستار سے عیب پوشی وغیرہ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرورِ کائنات نے فرمایا کہ مکارم اخلاق دس ہیں۔ سچائی۔ شجاعت۔ اپنے ساتھی یا اپنے پڑوسی کو بھوکا چھوڑ کر خود اپنا پیٹ نہ بھر لینا۔ سائل کو محروم نہ کرنا۔ جو احسان کرے اسکا بدل کر دینا۔ امانت داری۔ قرابت داری کا لحاظ۔ دوست کی خیر خواہی۔ مہماں نوازی۔ اور ان سب کی جڑ حیا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ یہ اخلاق آسمانی برکت ہیں۔ باپ میں ہوتے ہیں، بیٹے میں نہیں ہوتے۔ بیٹے میں ہوتے ہیں باپ میں نہیں ہوتے۔ غلام کو عطا ہوتا ہے آقا محروم رہتا ہے یہ اُسی کو حاصل ہوتے ہیں جسکے ساتھ توفیق الٰہی ہوتی ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سعادتمند بنانا چاہتا ہے۔

حضرت معاذؓ کو حضورِ اکرم نے جو وصیت فرمائی تھی اُس میں ارشاد کیا کہ اے معاذ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ کا خوف کرو، سچ بولو، جو وعدہ کرو اُسکو پورا کرو۔ امانت دار رہو۔ اور خیانت کو قریب نہ آنے دو۔ پڑوسی کے حق کا خیال رکھو۔ یتیم کے اوپر رحم کرو۔ نرم کلامی کو شیوہ بناؤ۔ سب کو سلام کیا کرو۔ عمل میں تندہی رکھو۔ اپنی امید کو کوتاہ کرو۔ ہر کام میں اعتدال رہے۔ ایمان کو مضبوط پکڑو۔ قرآن کے اسرار سمجھنے میں دل لگاؤ۔ آخرت کو اختیار کرو۔ حساب سے ڈرو۔ خاکساری تمہارا وتیرہ ہو۔ کسی شخص کو سخت کلمے نہ کہو۔ سچے کو جھوٹا نہ بناؤ۔ گناہگار کی پیروی سے کنارہ کشی کرو۔ امام عادل کی نافرمانی سے باز رہو۔ دنیا میں فساد نہ برپا ہونے دو۔ اور میں تم سے پھر کہتا ہوں کہ ہر جگہ خوف خدا کا اپنے دل میں رکھو۔ اور جو گناہ صادر ہو جائے اُس سے فوراً توبہ کرتے رہو آشکارا ہو تو آشکارا اور پوشیدہ ہو تو پوشیدہ۔ یہی بندگی کے آداب ہیں۔ اور انہیں مکارم اخلاق اور محاسن آداب کی طرف اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بُلاتا ہے۔

اس وصیت میں ایک جملہ یہ ہے کہ اپنی امید کو کوتاہ کرو۔ اس کی تشریح کی ضرورت ہے کہ غلط فہمی نہ ہو۔

مذہب اسلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہی کہ تم اپنی تمام امیدیں صرف اللہ تعالیٰ سے رکھو۔ یہ امیدیں کوتاہ رکھنے کا حکم اس وصیت میں نہیں دیا گیا ہی۔ کیونکہ ایمان درمیان امید و بیم کے ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے بیخوف ہو جاتا ہی جس طرح وہ ایمان سے خارج ہی اسی طرح وہ شخص بھی جو اس سے امید منقطع کرلے۔ اسلیے کہ رحمتِ ایزدی سے مایوس ہونا کفر ہے۔

بلکہ یہاں امید سے مراد وہ امیدیں ہیں کہ جو دنیا کے متعلق انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ یہی امیدیں تمام رنج و کلفت کا باعث ہیں اور نہیں سے تعلقات محبت میں فرق پڑ جاتا ہی اور دنیاوی زندگی کو یہ امیدیں پریشان اور غمناک بنا دیتی ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اشکِ مصیبت از مژۂ آرزو چکد
امید را بکش بہ نہانی کہ تا ابد

یعنی امید کا چپکے سے گلا گھونٹ دو کیونکہ ہمیشہ امید ہی کے پلکوں سے مصیبت کے آنسو ٹپکا کرتے ہیں۔

اسی امید کو حضور نے کوتاہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ایک حدیث میں یہ مضمون آتا ہی کہ ایک بار سرورِ پاک نے زمین پر ایک چھوٹی سی سیدھی لکیر کھینچی۔ اور اس کے دائیں بائیں اور لکیریں کھینچیں جسکی شکل یہ تھی

اور اصحاب سے فرمایا کہ دیکھو یہ چھوٹا سیدھا خط تو انسان کی زندگی ہے اور یہ بڑی بڑی لکیریں اس کی امیدیں ہیں جو وہ اس ناپائدار چھوٹی سی زندگی میں رکھتا ہی۔ زندگی ختم ہو جاتی ہی اور امیدیں پوری نہیں ہوتیں۔

اخلاق اسلامی کی تفصیل ہم آیندہ موقع موقع سے لکھیں گے۔ اس جگہ صرف یہ امر ناظرات کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ انسان کو ظاہری و باطنی جسقدر قوتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں اُن میں سے ہر ایک قوت کا صحیح استعمال کرنا۔ اور جادۂ اعتدال پر اُس کو

قائم رکھنا بھی اسلامی اخلاق ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ ہر ایک قوت کا صحیح استعمال کیا ہے اور اس سے کیا کیا غلطیاں اور کون کونسے نقصانات سرزد ہو سکتے ہیں۔ ان سب باتوں کی ایک ایک کرکے تفصیل کی جائیگی۔ ہمارے اس مضمون کو آیندہ اسلامی اخلاق پر جو مضامین لکھیں گے اُن کا دیباچہ سمجھنا چاہیے۔

ایک یہ امر بھی خیال رکھنے کے قابل ہے کہ اسلامی اخلاق جیسا کہ ہم پہلے دعویٰ کر چکے ہیں الہامی ہیں اور آسمانی وحی کے ذریعہ سے اُن کی تعلیم ہوئی ہے۔ اور وہ اسلامی عقائد عبادات اور معاملات کا ایک ضروری جزو ہیں۔ بلکہ بجائے خود ایک بہت بڑی عبادت ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان اپنی خوش اخلاقی سے قیامت کے دن وہ درجے حاصل کرلیگا جو بڑے بڑے روزہ دار اور نماز گزار حاصل کرینگے۔ یہ اخلاق انسانی ناقص اور کمزور عقل کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ پس جس شخص کے دل میں اسلامی عقائد کے اسرار جسقدر پختہ اور رچے ہوئے ہونگے اُسیقدر وہ ان اخلاق میں کامل ہوگا۔ اور جس کے عقائد جتنے کمزور ہونگے اُتنا ہی وہ اِن سے بے بہرہ ہوگا۔

عوارف میں اسکو اس طرح سمجھایا ہے کہ مسلمانوں کے بحیثیت اعتقاد کے تین درجے ہیں۔ ایک تو عابد لوگ جو ظاہری شریعت پر عمل کرتے ہوئے اسلام کے نور میں چلتے ہیں اُن کے اخلاق مثل پوست کے ہوتے ہیں۔ دوسرے زاہد جو ایمان کے رتبے پر پہونچے ہیں اُن میں اخلاق کا مغز ہوتا ہے۔ تیسرے مقربین جو احسان کے مرتبے یعنی اخلاص کے اس انتہائی درجہ پر پہونچے ہوئے ہیں کہ رضائے الٰہی میں اُن کی ہستی فنا ہوگئی ہے اُنکے اخلاق جوہر ہوتے ہیں۔

ہم ہر ایک درجہ کے لوگونکے اخلاق کے نمونے بھی دکھلائیں گے تاکہ مراتب کا فرق ناظرات کو معلوم ہوجائے۔ اور سب سے پہلے رسول پاک کے اخلاق کا نمونہ پیش کرینگے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ فقط

ا۔ ج۔

جاپان

اکیسواں باب

دو بڑی عیدیں

ہم نے ابتک جاپان کی اُس دو بڑی عیدوں کا ذکر نہیں کیا جو وہاں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ ایک تو سال نو کی عید ہے اور دوسری بوان ماستوری یعنی "مُردوں کی عید،، جو گرمیوں میں آتی ہے۔ نئے سال کی عید کے موقع پر جاپان میں برس بھر کی سب سے بڑی تعطیل ہوتی ہے۔ اسوقت چند روز تک کوئی شخص بھی کاروبار نہیں کرتا بلکہ خوشی منانے کے لیے اپنے تئیں سب لوگ بالکل وقف کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ تہوار جاڑوں کے عین وسط میں واقع ہوتا ہے لیکن اس کی رونق دوبالا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذشت نہیں کیا جاتا۔ تمام گلیاں سبز کمانوں سے بھر دی جاتی ہیں۔ ہر مکان کے سامنے ایک کمان قائم کیجاتی ہے۔ ہر مکان کے دروازہ پر ایک جانب صنوبر اور ایک طرف بانس کے درخت کی شاخیں لگائی جاتی ہیں۔ اس سے درازی عمر کا شگون لیا جاتا ہے۔ ان شاخوں میں ایک سے دوسری تک گھانس کی ایک رسّی باندھی جاتی ہے اور اس طرح اس رسّی کا سلسلہ ساری گلی میں قائم ہو جاتا ہے۔ خیال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ رسّی بُری ارواحوں کو گھر میں داخل ہونے سے روکتی ہے اور اس طرح گھر والوں کے واسطے نیا سال بہت مبارک ہونے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ جاپانی جھنڈیاں آراستگی کا بڑا جزو ہوتی ہیں۔ پتّوں کی کمانوں اور پھولوں وغیرہ کی کثرت سے گلیاں بالکل ایک سرسبز جنگل کی سی بنجاتی ہیں۔

جاپانی آپس میں اسقدر تہذیب اور شایستگی کا برتاؤ کرتے ہیں کہ بھیک مانگنے والے فقیر تک رستہ میں ایک دوسرے کو سلام کیے بغیر آگے نہیں بڑھتے۔ اس عید کے موقع پر سلام بھی بڑھ جاتے ہیں۔ اس عید کی ملاقات کا ایک خاص طریقہ ہے۔ اور جب دو ملاقاتی باہم ملتے ہیں تو اس میں ایک ذرہ بھر فرق نہیں آنے پاتا۔

اس موقع پر ضیافتیں بھی خوب ہوتی ہیں اور آپس میں تحفوں کا تبادلہ بھی ہوتا ہے جاپان میں تحفوں کا بہت رواج ہے اور ہر عمر کے آدمی کو دوسری عمر کے آدمی کیواسطے ہدیہ بھیجنے اور ان تحائف کو وصول کرنے کے قاعدے مقرر ہیں۔ تحائف کی شناخت ایک چھوٹی سی پتنگ سے ہوتی ہے جو سنہری یا سُرخ یا سفید کاغذ کی ہوتی ہے۔ اور جو اس کاغذی فیتہ میں بندھی ہوئی ہوتی ہے جس میں ہدیہ لپیٹ دیا جاتا ہے۔

اس تہوار میں اعلیٰ اور ادنیٰ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ آپس میں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے جلوس نکلتے ہیں۔ اعلیٰ پیمانہ پر میلے اور نمائشیں قائم ہوتی ہیں۔ دعوتیں کی جاتی ہیں۔ بلاکسی وقفہ کے برابر چائے اور ساکی کے دور ہوتے رہتے ہیں۔

شام کو جب کسی قدر تاریکی ہو جاتی ہے تو میلوں اور نمائشوں کا بڑا لطف آتا ہے۔ اسوقت یہ انتہا سے زیادہ دلچسپ۔ خوش نما۔ عجیب و غریب اور خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ رستوں اور دکانوں کو خوب آراستہ کیا جاتا ہے اور ساری آبادی ہر اُس رنگ کی جس میں کاغذ رنگا جا سکتا ہے۔ چھ انچھ سے چھ فٹ تک ہر قد کی بیشمار قندیلوں سے جگمگاتی رہتی ہے۔ لوگ اپنے بہترین اور خوب بھڑکیلے "کی مونو" پہنے ہوتے ہیں۔ "موزمس" اپنے خوبصورت اور منقش ریشمی کپڑوں میں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کے پٹکے بڑی بہار دیتے ہیں۔ ہر دکان سے باجوں کی آواز آتی رہتی ہے اور اسکے ساتھ رہگیروں کے جوتوں کی آواز ملکر ایک دوسرا لطف پیدا کر دیتی ہے۔

تھوڑی تھوڑی دیر سے مجمع کو کسی جلوس کے گذرنے کے لیے رستہ دینا پڑتا ہے
کبھی اژدہا پیکر رقاصوں کی کوئی ٹکڑی ہوتی ہے۔ اژدہے کی شکل رنگین مقوے سے تیار
کی جاتی ہے۔ ایک بانس پر اسکو لگا کر اس کے نیچے ایک لنبا کپڑا باندھ دیا جاتا ہے۔
جس میں ناچنے والا چھپا رہتا ہے۔

اژدہے کی آمد آمد کی خبر دینے کے لیے دو آدمی آگے آگے ڈھول اور بانسری بجاتے
ہوئے چلتے ہیں۔ کبھی قلیوں کی کوئی جماعت ایک گاڑی کھینچتی ہوئی آتی ہے جس پر چند
نقال کوئی تاریخی تماشہ پیش کرتے ہیں۔ بہت سے لڑکوں کا گروہ کبھی ایک قدیم ناچ
ناچتا ہوا نکل جاتا ہے۔ نیا سال شروع ہونے کے قبل کی شام کو ایک بہت عجیب وغریب
بازار لگتا ہے۔

جاپان میں یہ قاعدہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ اس کے ذمہ واجب لادا ہو نیا سال شروع
ہونے کے اوّل سب قرضخواہ کو ادا کر دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اسکا اعتبار باقی نہیں
رہتا۔ اس لیے سال کے اخیر دن وہ جاپانی جس کے ذمہ قرض باقی ہے اپنے سامان
میں سے چند چیزیں فروخت کرنے کو نکال لیتا ہے اور بازار لیجا کر بیچ ڈالتا ہے تاکہ اس سے
اپنا قرض ادا کر کے اپنے قرضخواہ کا حساب صاف کر دے۔

جاپان کے دار السلطنت ٹوکیو میں ہر سیاح اس بازار کی سیر ضرور کرتا ہے۔
برابر دو میل تک بازار لگتا ہے اور دکانوں کی دو قطاریں ہوتی ہیں جن میں تیل کی
قندیلیں جلتی ہیں۔ اس بازار میں جاپان کی غریبانہ زندگی کا سارا اسباب نظر آجاتا ہے
ہر شخص اپنے سامان کو دو مربع صندوقچوں میں بند کر کے ایک بانس کے دونوں سروں پر
ایک ایک صندوقچہ باندھ دیتا ہے اور بانس کو بیچ سے اپنے کندھے پر لیے ہوئے
بازار میں پہونچتا ہے۔ یہاں پہونچکر کسی چھوٹی سی دکان میں یا کسی پختہ چبوترہ پر اپنا اسباب
جما دیتا ہے۔

سامان میں عموماً چٹائیاں۔ توشکیں۔ پھٹے پُرانے کی مونو۔ کھڑاؤں۔ پاٹنا بے چھوٹے زیورات۔ چینی یا چاندی یا پیتل کے برتن وغیرہ ہوتے ہیں۔ بعضوں کے پاس حقیقت میں نہایت خوبصورت اور قیمتی چیزیں ہوتی ہیں۔ خاندان پر جب مصیبت پڑتی ہے اور سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں ہوتا تو مجبوراً ان عزیز اشیاء کو نکالنا پڑتا ہے۔

یہ چیزیں زیادہ تر کارچوب کا کوئی عمدہ نمونہ۔ چینی یا پیتل یا چاندی کی کوئی اعلیٰ درجہ کی صناعی کی چیز۔ ہاتھی دانت کے چھوٹے صندوق۔ مندروں۔ بُت خانوں۔ اور میناروں کے نمونے ہوتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کی صنعت کے بے نظیر کمال ہوتے ہیں برس کی اس شام کو غرض ہر قسم کی چیزیں بازار میں آتی ہیں۔

مُردوں کی عید موسم گرما میں واقع ہوتی ہے اور جاپان کے مختلف حصوں میں مختلف طریقوں سے منائی جاتی ہے۔ بچوں کے تو ہر جگہ جلوس نکلتے ہیں۔ اس موقع پر اُن کو بہترین لباس پہنایا جاتا ہے۔ ہاتھوں میں پنکھے۔ جھنڈیاں اور قندیلیں ہوتی ہیں۔ رستہ بھر گاتے جاتے ہیں۔ بڑے شہروں میں عید کی دھوم دھام مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

ناگہ ساکی میں عید کی پہلی رات ان قبروں پر جو پچھلے سال مرے ہوؤں کی ہوتی ہیں خوب روشنی کی جاتی ہے اور بڑی بڑی قندیلیں لگائی جاتی ہیں۔ دوسری رات اور تیسری رات کو تمام قبروں پر بلاکسی تخصیص کے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ انواع واقسام کی روشنی سے قبرستان بقعۂ نور بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ قبرستان کے راستے الگ آراستہ کیے جاتے ہیں اور ان میں خوب روشنی ہوتی ہے۔ یہیں بازار لگتے ہیں اور چائے خانے قائم ہوتے ہیں۔ پہاڑوں پر آتشبازی چھوڑی جاتی ہے۔ بان اور ہوائی ہر شخص کے ہاتھ میں نظر آتی ہے۔

قبرستانوں میں تمام لوگ جمع ہوتے ہیں اور اپنے بزرگوں کی یاد میں خوب لذیذ کھانے کھاتے ساکی پیتے اور جی کھول کر خوشی مناتے ہیں۔ یہ عام عقیدہ ہے کہ اس موقع پر مرحومین کی روحیں ان کے ساتھ موجود ہوتی اور ان کی دعوتوں اور خوشی چہل کے جلسوں میں شریک رہتی ہیں۔

عید کا اختتام ایک بہت عجیب و غریب اور دلکش انداز میں ہوتا ہے۔ یہ گویا مُردوں کو رخصت کرنا ہوتا ہے۔ تیسری رات کو دو بجے کے قریب روشن قندیلوں کا ایک بہت لمبا جلوس پانی کے کنارے آہستہ آہستہ جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پہاڑیوں کی بلندی پر سے یہ جلوس خلیج کے کنارے تاریکی اور خاموشی کے دامن میں جا پہونچتا ہے۔ یہ مقررہ بات ہے کہ مُردے پو پھٹنے کے پہلے کشتی میں سوار ہو کر غائب ہو جائیں۔ ان مُردوں کے پس ماندے گھاس کے ہزاروں جہاز انکے لیے مہیا کر دیتے ہیں اور ہر ننھے جہاز پر تھوڑا سا میوہ اور کچھ پیسے بھی رکھ دیتے ہیں تاکہ زاد راہ کا کام دے سکیں۔ ان جہازوں پر وہ تمام رنگین چراغ رکھ دیئے جاتے ہیں جو قبرستان میں جلائے گئے تھے۔

چٹائی کے چھوٹے چھوٹے پردے کھول دیئے جاتے ہیں اور صبح کی ٹھنڈی ہوا ان جہازوں کو کنارے سے لے چلتی ہے۔ نسیم سحری کی مدد سے یہ جہاز پانی میں تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں اس کے بعد ان میں آگ لگ جاتی ہے۔ اس طرح اِن چھوٹے چھوٹے جہازوں کا بیڑہ جل جاتا ہے اور چند منٹ میں کچھ باقی نہیں رہتا۔ اب یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ ارواحیں سب رخصت ہو چکیں۔ جیسا ہی اخیر جہاز جو اب تک بچا ہوا تھا جل اُٹھا اور آخری روشنی بجھ گئی اخیر مُردہ بھی زمین سے دوبارہ رخصت ہو گیا۔ فقط

سید خورشید علی

حیدرآباد دکن

ہمارے مکرم اور مہربان دوست اور خاتون کے خیرخواہ اور محسن مولوی سید

خورشید علی صاحب کی مفید اور دلچسپ کتاب جاپان کا یہ آخری باب تھا۔ اب یہ کتاب ختم ہوگئی۔ خواتین نے جس دلچسپی کے ساتھ اسکو پڑھا ہی اسکا تمام کریڈٹ سید صاحب موصوف کے دلکش طرز تحریر اور انکے مفید انتخاب کو ہے۔

حقیقت میں کسی زندہ قوم کے جیسی کہ جاپان ہی واقعات اور حالات بالخصوص انکے رسم و رواج وغیرہ نہایت سبق آموز اور دلچسپ قصے ہیں بالخصوص ہندوستان کی بہنوں کے لیے۔ اور اس پر خوبی یہ ہی کہ سید صاحب نے اسکو اس عمدگی کے ساتھ لکھا ہی کہ ترجمہ کا شبہ اسپر نہیں ہوتا بلکہ یہ خود ایک مستقل تصنیف معلوم ہوتی ہی۔ ہم خاتون کے تمام ناظرین اور ناظرات کی طرف سے سید صاحب کی اس عنایت اور مہربانی کے شکر گزار ہیں کہ اُنھوں نے محنت اُٹھا کر یہ کتاب سلسلہ وار خاتون کے لیے لکھی۔

ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ سید صاحب جس دلی جوش کے ساتھ تعلیم نسواں کے لیے کوشش کر رہے ہیں اور جس حمیت سے اُنھوں نے ہمارے صیغہ اور خاتون کی خدمت کی ہی وہ یقیناً کسی شکریہ سے مستغنی ہی۔ لیکن ہم اگر ان کا شکریہ ادا نہ کریں تو یہ ایک قسم کی احسان فراموشی ہی۔ اس لیے عملی طور پر اظہار شکریہ کا ذریعہ یہ ہی کہ ان کی یہ مفید کتاب جداگانہ خاتون کے دفتر سے نہایت عمدہ چھپوا کر شائع کی جائے۔ سید صاحب موصوف نے از راہ قومی ہمدردی اس کتاب کا حق ترجمہ زنانہ نارمل اسکول علیگڈھ کو عطا فرمادیا ہے۔ اور ہماری اس ممنونیت کو بھی اُنھوں نے اپنے احسان سے خالی نہ چھوڑا۔

انشاء اللہ جلد یہ کتاب دفتر خاتون سے نہایت نفاست کے ساتھ چھپوا کر شائع کی جائے گی۔

اڈیٹر

باب چہارم

میری قید خانے میں

قید کی بھی رات کیسی رات ہے
ایک میں ہوں اک خدا کی ذات ہے

میری کو جسوقت گرفتار کرکے قید خانے لے گئے اُس گھڑی قریب تھا وہ پاگل ہو گئی تھی۔ مگر جب اُسے کسی قدر ہوش آیا تو وہ اپنی حالت پر پھوٹ پھوٹ کر ہچکیاں لے لیکر رونے اور کف افسوس ملنے لگی۔ مگر اس خیال سے کہ ایسے وقت میں خدا ہی کی ذات باعثِ تسکین و آرام ہو سکتی ہے اُس نے خدا کی جانب اپنا دھیان لگایا۔ اور اسی حالت میں رنج و غم گریہ و زاری کے بعد وہ پیال کے بستر پر جا کر لیٹ رہی اور لیٹتے ہی نیند آ گئی۔

جسوقت اس کی آنکھ کھُلی تو رات باقی تھی۔ اور اسقدر تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سوجھائی نہ دیتا تھا۔ میری کو بہت دیر کے بعد قید خانے کا خیال آیا انگوٹھی کا واقعہ خواب و خیال معلوم ہو رہا تھا پہلے تو اُس نے سمجھا کہ وہ اپنے گھر اور اپنے بستر پر لیٹی ہوئی ہے۔ اسی خیال میں تھی کہ اُس کے ہاتھ میں پڑی ہوئی ہتکڑیاں محسوس ہوئیں اور زنجیروں کی آواز نے اُسکو پھر خوف زدہ بنا دیا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ بیٹھی اور خدائے پاک کی طرف رجوع ہو کے کہنے لگی۔

اے پاک پروردگار میرے اختیار میں اس کے سوا بھلا اور کیا ہے کہ زنجیر سے جکڑے ہوئے ہاتھوں کو تیرے آگے پھیلاؤں، اے کریم تو میری اس مصیبت میں مدد کر

تو اچھی طرح جانتا ہے کہ میں بے خطا ہوں۔ تو مظلوموں کا دستگیر ہی اس لیے میری بھی دستگیری فرما۔ مجھ پر اور میرے مجبور باپ پر کرم کر۔ میں تو اس سے دوگنی مصیبت اور سختی سہنے کو تیار ہوں مگر میرے باپ کو اس تکلیف سے نجات دے۔

باپ کا خیال آتے ہی اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ فرطِ رنج و غم سے اُس کی زبان بالکل بند ہوگئی اور اسی طرح بہت دیر تک ہچکیاں لیکر روتی رہی۔

اسوقت تک چاند ابر کی وجہ سے چھُپا ہوا تھا اب وہ بھی بڑی آب و تاب سے چمکنے لگا۔ سلاخدار کھڑکیوں کے راستے سے چاندنی قید خانے میں بھی پہونچی۔ میری نے اس تنگ و تاریک قید خانے کو اچھی طرح دیکھا۔ بے ڈھنگے پتھر چن چن کر دیوار قائم کی گئی تھی۔ گچ کے نشان یہاں پتھر باہم جوڑے گئے تھے۔ دیوار سے ملا ہوا چبوترہ جو کھانے کی میز کا کام دیتا تھا اور ایک مٹی کا گھڑا اور کھانے کا برتن اور ایک بنڈل پیال کا جو بستر کی جگہ تھا۔ میری کی نظر سے گذرا۔

باوجودیکہ یہ تمام مصیبت کا سامان پیشِ نظر تھا تاہم چاندنی نکل آنے اور تاریکی کم ہو جانے سے میری کی گھبراہٹ کم ہوئی۔ اور اس کی نظر میں چاند قدیم دوست معلوم ہونے لگا چنانچہ اُس نے اسکو مخاطب کرکے کہا کہ

اے چاند کیا تو اپنے پُرانے دوست کو دیکھنے کے لیے آیا ہی؟ مگر تیری وہ روشنی جو میرے گھر میں کھڑکی کی راہ سے (جسپر چاروں طرف انگور کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں) آتی تھی۔ اس روشنی سے جو اس سلاخدار کھڑکی سے آرہی ہے بدرجہا بھلی اور دلکش تھی۔

اور ہاں کیا تجکو بھی میری اس مصیبت پر افسوس آتا ہے؟ آہ کیا کبھی یہ خیال بھی تھا کہ میں اس حالت میں رہکر تجکو دیکھونگی۔ ہاں! کیا تو نے میرے باپ کو بھی دیکھا ہے؟ وہ کیا کر رہا ہے کیا وہ بھی میری ہی طرح جاگتا ہے۔ کیا تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ کاش! میں

بھی اُسے دیکھنے جاتی مگر کیا تو میری گریہ وزاری رنج کا حال اس سے نہ کہدیگا؟
میری تھوڑی دیر خاموش رہکر کہنے لگی۔ ہائیں میں اس حالت میں کیا کیا بک گئی
اے خدا جو کچھ میں نے کہا ہی معاف فرما۔ البتہ تو میرے باپ کو دیکھتا ہے تیری نظر مجھ پر
بھی ہے اور تو ہم دونوں پر رحم فرما۔
یکایک میری کو پھولوں کی خوشبو محسوس ہوئی اُسے بڑا تعجب ہوا کہ الٰہی اس قیدخانے
میں پھول کہاں سے آئے۔ صبح کو میری نے سالگرہ والی ٹوکری سے بچے ہوئے پھول
گلدستہ بنا کر اپنے سینہ پر لگایا تھا جو ابتک موجود تھے۔ انہیں پھولوں سے یہ خوشبو
آئی تھی۔
میری نے اپنے سینے پر نظر ڈالی تو گلدستہ کو دیکھا کہنے لگی "اے پھولو! تم میرے
ساتھ یہاں آئے ہو مگر تم کو قیدخانے سے کیا کام۔ آخر تم نے کونسی خطا کی تھی" یہ کہکر اُسنے
گلدستہ ہاتھ میں لیا اور چاندنی میں اُسکو دیکھ کر پھر کہنے لگی۔
آہ صبح کو میں ان گلاب کی کلیوں کو باغ سے اور ان مہندی کے پھولوں کو چشمہ کے
کنارے سے توڑ رہی تھی تو کیا یہ خیال بھی تھا کہ شام کو میں قیدخانے میں ہونگی۔ جب پھولوں کا
ہار اس ٹوکری کے کنارے کنارے رکھ رہی تھی تو بھلا یہ گمان بھی تھا کہ میرے ہاتھوں میں
ہتکڑیاں پڑی رہینگی۔ واقعی اس دنیا کی باتیں قابل اعتماد نہیں۔ یہ کوئی نہیں جانتا کہ کب
اس کی قسمت یک بیک پلٹا کھائے گی۔ کب اس کی قسمت پھوٹیگی۔ انسان کو چاہیے کہ
اپنے آپ کو اللہ کے حفظ و امان میں سپرد کردیا کرے۔
اتنا کہتے ہوئے اُس کے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔ رات کی چاندنی میں گویا یہ
معلوم ہو رہا تھا کہ اوس کے قطرے ان پھولوں پر ان کی پنکھڑیوں پر جھلک رہے ہیں۔
میری نے کہا خدا جو پھولوں کو شبنم و پانی سے تر و تازہ رکھتا ہے۔ کیا مجھے اور میرے
باپ کو فراموش کردیگا؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اے پیارے باپ جب یہ گلدستہ میرے ہاتھ میں آیا ہے مجھے تمہاری مفید اور قیمتی نصیحتیں یاد آگئی ہیں۔ بیشک جیسے کانٹوں کے بیچ گلاب کا پھول ہوتا ہے اُسی طرح میرے رنج وغم کے پردے میں خوشی و مسرت کی صورت چھپی ہوئی ہے۔ مگر ہر کام کے لیے ایک وقت ہوتا ہے جس طرح گلاب رفتہ رفتہ پھولتا پنکھڑیاں کھلتی اور پھر خوشبو پھیلتی ہے اسی طرح میری مصیبتیں بھی خدا کے فضل و کرم سے دور ہو جائیں گی۔

میں مقررہ وقت کا نہایت استقلال و صبر کے ساتھ انتظار کرونگی (اور دوسرا پھول دیکھ کر) جس طرح ابھی پھول کی بیل دیوار پر جڑ میں ہے اور غیر مصفا زمین پر نہیں پھیلتی ہے۔ اسی طرح اے اللہ میرا خیال بھی تیری جانب جاتا ہے اور تیری وجہ سے میرا دامن زندگی بدنامی و برائی کے داغ سے پاک و صاف رہیگا۔

(ایک دوسرے پھول کو دیکھ کر) اہاہا اس پھول کی بو اور پھولوں سے بھی زیادہ دلکش ہے۔ دیکھو تو یہ پھول کس درجہ نیک دل ہے کہ مجھے اپنی بو سے محروم نہیں رکھتا حالانکہ میں نے اس پر سخت ظلم کیا اس کی شاخ سے اسکو جدا کیا ہے۔ اچھا میں بھی اس پھول کی پیروی کرونگی اور ان لوگوں کو جنھوں نے بے وجہ مجھے اس قیدخانہ میں لاکر ڈالدیا ہے۔ برا نہ کہونگی جس طرح خدا بزرگ ان پھولوں کو برفباری وغیرہ سے محفوظ رکھتا ہے اسی طرح وہ مجھے بھی مصائب کے طوفان سے محفوظ رکھے گا۔

اسی گلدستہ میں دو چار پتیاں لارل[1] کی بھی تھیں اسکو دیکھ کر میری نے کہا جو لوگ دنیاوی تکالیف کا استقلال اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرینگے بیشک اُن کے سیلے جنت میں اس سے کئی ہزار درجے بہتر عزت و شان آرام و آسائش نصیب ہو گی اور بالکل پائدار۔

---

[1] لارل ایک پودا ہے جس کی شاخوں کا تاج قدیم زمانہ میں بہت عزت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ لارل حاصل کرنا عزت و افتخار حاصل کرنا۔

استنے میں ایک ابر کے ٹکڑے نے چاند کو چھپا لیا۔ میری پھر گھبرانے لگی لیکن پھر بہت جلد ابر ہٹ گیا۔ میری نے کہا بے شک مانند اُس ابر و چاند کے میری بیگناہی بھی (جسپر اب شک و شبہ کا پردہ پڑا ہوا ہے) یک بیک عیاں ہو کر رہیگی
میری انہیں خیالوں میں جو لیٹی تو اسکو نیند آگئی اور وہ تھوڑی دیر کے لیے بےفکر ہو کر سو رہی اُس نے ایک دل خوش کن خواب دیکھا جس سے اس کو ایک گونہ تسکین ہوئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ وہ ایک کسی غیر جگہ باغ میں ٹہل رہی ہے۔ باغ نہایت دلکش اور بہت فرحت بخش ہے۔ اس کے چاروں طرف صنوبر کے درخت اُگے ہوئے ہیں۔ چاند بڑی آب و تاب سے چمک رہا ہے۔ چاندنی سے باغ کی بہاریں کئی درجے زیادتی ہو رہی ہے۔ باغ میں داخل ہوتے ہی اسنے اپنے پیارے باپ کو موجود پایا جس کے بشرہ سے خوشی و مسرت ہویدا تھی اور چاندنی میں اسکا چہرہ منور ہو رہا تھا۔ فرط مسرت سے باپ کے گلے میں باہیں ڈالکر رونے لگی۔ جاگنے پر بھی یہ تری اس کے رخسار پر موجود تھی۔

میری سو کر اُٹھی ہی تھی کہ ایک افسر اسکو عدالت میں لیجانے کے لیے موجود تھا۔ عدالت کا کمرہ دیکھ کر میری تھرانے لگی۔ میری سے بہت سے سوالات بھوئے جنکے اُس نے نہایت راستبازی سے جواب دیئے۔ ہچکیاں لے لے کر روتی تھی اور استقلال ہمت سے جواب دے رہی تھی۔ اپنی بے گناہی کا اظہار کر رہی تھی آہ زمانہ بہت بدگمان ہو رہا ہے۔ کسی شخص کا امتحان ہو رہا ہے۔

پھر جولیٹی طلب کی گئی کیونکہ یہ میری سے بہ سبب حسد و رشک کے غلط گواہی دے رہی تھی کہتی تھی کہ میری نے انگوٹھی لیلی ہے۔ میری کی طرف دیکھ کر نہایت ڈھٹائی سے اُسکو کہہ رہی تھی کہ فلاں وقت تم نے انگوٹھی لی ہے۔ میں نے دیکھی تھی۔

آج کا دن تم کو نصیب ہونے والا تھا۔ میں نے جبھی سمجھ رکھا تھا اسی لیے میں نے جلدی نہیں کی۔

افسوس ہے کہ جولیٹی نے نہ خدا کا خوف کیا نہ اپنے کانشس کی پرواہ کی۔

جج اسوقت بڑی مشکل میں تھا وہ دل میں کہہ رہا تھا کہ کیونکر اسکا تصفیہ کروں۔ اتنی استقلال ہمت تو اتنی کم عمر لڑکیوں میں نہیں ہوا کرتی۔ کچھ عجب نہیں کہ میری بے گناہ ہو۔

پھر دوسرے دن یعقوب کو بُلوا کر سمجھایا گیا کہ قید خانے جا کر اپنی بیٹی کو سمجھائیے اور سزا کی دھمکی دیکر حقیقت حال معلوم کریئے۔

یعقوب قید خانے ایک افسر کے ساتھ بھیجا گیا۔ میری باپ سے لپٹ گئی۔ دونوں گھنٹوں روتے رہے۔ آخر ش یعقوب نے کہا (میری قطع کلام کر کے اور سخت تعجب سے) ہائیں! ابا کیا تمھیں بھی میرے بے خطا ہونے میں شک ہے آہ ابا یقین مانو تمھاری بیٹی ہرگز چور نہیں ہے۔ آہ اب زمانے میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے بے خطا سمجھتا ہو۔

باپ۔ اے بیٹی خاموش رہو مجھے ہر طرح کا اطمینان ہے۔ میں نے صرف حاکم اعلیٰ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔

دوسرے دن بہت غور و خوض کے بعد میری اور اُس کے باپ کو جلا وطن کر دیئے جانے کا حکم سُنایا گیا۔ اور یہ دونوں بیک بینی دو گوش اپنی قسمت پر رُوتے اپنے پیارے عزیز گھر سے گزر رہے تھے کہ جولیٹی نے ہنستے ہوئے (وہی پھولوں والی ٹوکری جو سالگرہ پر دی گئی تھی) انکے رستے میں پھینک دی اور کہا کہ چلتے ہوئے اسکو بھی ساتھ لیجاؤ تاکہ غمگساری کرے۔

یہ بات میری کو تیر سی لگی مگر کیا کر سکتی تھی اُس نے روتے ہوئے ٹوکری اُٹھالی

افسر نے انہیں صوبے کی سرحد پر پہونچا دیا اور انھوں نے خدا کو یاد کرتے ہوئے قدم بڑھائے۔

یعقوب دعا مانگ رہا تھا کہ "اے رحیم و کریم اب ہم کو غیر ملک میں پہونچانے سے پہلے تیری مدد درکار ہے تو ہم کو کسی ایسے گوشے میں جگہ دے جہاں ہم اپنی زندگی با اطمینان بسر کر سکیں۔ اس دعا کے بعد دونوں کا دل بے حد مسرور تھا ان کی طبیعت ہمیشہ سے زیادہ اولوالعزم تھی۔

پھرتا ہے سیلِ حوادث سے کہیں مردوں کا منہ　　شیر سیدھا تیرتا ہے وقتِ رفتن آب میں

باب پنجم

بُرے وقت کا ساتھی

دونوں باپ بیٹی ابھی راستے میں درخت کے سایے میں بیٹھے ہی تھے انہیں پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ پتوں کے کھڑکھڑاہٹ نے انہیں چونکا دیا۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اپنے مدت کے دوست قدیم خیرخواہ **انتھانی** کو پایا۔ یہ شخص کونٹ کا خاص شکاری ہے جو کونٹ کے ساتھ شکار کو جایا کرتا تھا۔

انتھانی۔ (سخت تعجب اور رنج سے) بعد سلام و پیام کے کہنے لگا "یعقوب کیا درحقیقت تم یعقوب ہو تمہاری آواز میرے کانوں میں آئی تھی اب معلوم ہوا کہ میں غلطی پر نہ تھا کیا تم سچ مچ جلاوطن کیے گئے۔ یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے کہ اس پیرانہ سالی میں تم اپنے عزیز گھر کو چھوڑنے پر مجبور کیے جاؤ"۔

یعقوب۔ انتھانی پیارے دوست خدا کی خدائی میں بہت جگہ پڑی ہے ہر جگہ خدا موجود ہے جو ہم پر فضل کریگا۔

انتھانی (دردمندانہ آواز میں) آہ تمہارے پاس کافی طور پر تن ڈھانکنے کو کپڑے

بھی نہیں۔ سب حسن چھین لی گئی۔
یعقوب۔ (نہایت مستقل مزاجی سے) جس نے زمین کو پھولوں کے لباس سے مزین کیا ہے وہ ہمیں ننگا نہ رکھیگا۔
شکاری۔ کیا کچھ روپیہ بھی پاس نہیں رہا۔
یعقوب۔ ہمارا کانشنس (ضمیر) اچھا ہے۔ اس نے ہمیں مستغنی بنا رکھا ہے۔
شکاری۔ آہ افسوس ایک شلنگ تک پاس نہیں۔
یعقوب۔ یہ خالی ٹوکری جو میرے پاس رکھی ہے تم کہو اس کی کیا قیمت ہوگی۔ بھلا تم کچھ کہو۔
شکاری۔ (حیران ہوکر) ایک فلورن یعنی ڈیڑھ روپیہ۔ یا ایک تھیلر (یعنی دو رُپیے چار آنہ) مگر اس سے کیا کام نکل سکیگا۔
یعقوب۔ تو پھر میں دولتمند ہوں بشرطیکہ خدا جسمانی طاقت اپنے فضل و کرم سے برقرار رکھے۔ صغر سنی میں والد کے پاس موسم خزاں میں جب باغبانی کا کام ہوتا نہ تھا میں نے اس طرح کی ٹوکریاں بنانے کا ہنر سیکھ لیا تھا۔ میں اس سے اب اسقدر والد کا شکر گزار ہوں کہ اگر وہ پندرہ ہزار روپیہ بھی رکھ چھوڑتے تو اسقدر مجھے خوشی کا موقع نہ ملتا۔ عمدہ کانشنس اچھی صحت ایمانداری کا کاروبار اس دنیا میں نعمت سے کم نہیں ہے۔
شکاری۔ خدا کا ہزار شکر ہے کہ تم اس حالت میں ہمت و نیک نیتی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ مصیبت زدہ دوست یہ بتاؤ اب تم کہاں جاؤگے۔
یعقوب۔ جہاں لوگ ہم کو نہ پہچانیں۔
شکاری۔ اچھا لو یہ چھڑی میری نشانی ہے اور (روپیے کی تھیلی پیش کرکے) یہ ناچیز رقم پیش کرتا ہوں اسکو قبول کرو۔

یعقوب ۔ چھڑی تو میں ایک فیاض شخص کی نشانی سمجھ کر لیلونگا ۔ مگر روپیہ کسی طرح نہیں لے سکتا ۔ کیونکہ یہ لکڑی کی قیمت ہی جو تمہاری نہیں بلکہ کونٹ کی ہی اسکو میں ہرگز نہ لونگا ۔

شکاری ۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں اے ایماندار یعقوب لکڑی کی قیمت میں نے جبھی ادا کر دی یہ مجھے ایک شخص کے پاس سے ملی ہی جو بیک بیک مدتوں کے بعد اُس نے مجھے واپس کی ہی ۔ جسکا مجھے ملنا دشوار ہو رہا تھا ۔ حقیقت میں خدا نے تمہارے لیے ہی یہ رقم بھیجی تھی ۔

یعقوب ۔ اچھا لاؤ اسکو میں قبول کرتا ہوں ۔ خدا اس کا اجر تم کو ضرور دے گا ۔ اور میری تم دیکھتی ہو کہ خدا ہماری کس طرح مدد کرتا ہے

اس کے بعد شکاری اُدھر ملول دونوں باپ بیٹی ادھر پریشاں روانہ ہوئے ۔

باب ششم

امید کی جھلک

کون بیکس کا معاون ہی بجز ذاتِ خدا
غیب سے اس کی مدد ایکی کمک ہوتی ہے

میری اور اُسکا باپ کئی دن تک چلتے رہے ان کی مسافت ختم نہوئی ۔ آخر کار جو کچھ انتہائی سے رقم تھوڑی سی ملی تھی وہ بھی کفایت شعاری کے ساتھ ختم ہو چلی تھی ۔ آہ اب وہ بہت پریشان ہو رہے تھے ۔ انسان ہزار خیالات کر کرکے تھک جاتا ہی مگر ہر ایک امر وقت مقرر پر ہوکے رہتا ہی ۔

چنانچہ مثل مشہور ہی اول رنج بعدہ گنج ۔ اب اس کی مصیبت کے دن باقی جو تھے

ان میں سے سب میں سخت دن سر پڑ گیا اور وہ فاقے کر کر کے تھکے۔ جان پر بن گئی تو ہاتھوں میں کشکول لیے گداگری کرنی پڑی۔ مگر آہ اسپر بھی مصیبت ختم نہ ہوئی۔ چار چار دن کشکول میں ایک سوکھا ٹکڑا نظر نہ آتا۔ خدا خدا کر کے کبھی کچھ مل جاتا تو ہزار شکریہ کے ساتھ کھا لیا کرتے۔

ایک دن حسب معمول کسی سڑک پر جا رہے تھے کہ یک بیک کئی دن کے فاقوں اور پیرانہ سالی کے تقاضے سے یعقوب کی حالت بگڑ گئی اور وہ غش کر گیا۔ اسوقت آہ میری کی حالت بالکل قابل رحم تھی۔ وہ کبھی ادہر جاتی کبھی اُدہر تاکہ ذرا سا پانی پائے اور اپنے بوڑھے باپ کو تسکین دے مگر آہ یہ بھی نصیب نہ تھا۔ بہت دیر کے بعد جبکہ وہ مایوس ہو چکی تھی۔ یک بیک اُسکو دور ایک کسان کا گھر نظر پڑا۔ یہ گویا ایک نعمت غیر مترقبہ سے بڑھکر ثابت ہوا۔

میری ہانپتی کانپتی گرتی پڑتی دوڑی جارہی تھی آخر کار بڑی مشکل سے اُس گھر کو پہونچی۔ دیکھا کہ ایک عمر رسیدہ میاں بی بی بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں۔ میری نے رو رو کر ہچکیاں لیتے ہوئے ان سے مدد چاہی۔ میری کے چہرے کو دیکھ کر کسان کی بیوی بے حد متاثر ہوئی حتی کہ رونے لگی اور میاں سے کہا کہ للّٰہ جلد چلو۔ ہم گھوڑا گاڑی منگا کر اُس بیمار بڈھے آدمی کو اُٹھا لائیں۔ چنانچہ دو نرم بستر اُس نے جلدی سے تیار کیے۔

میری پہلے پانی لیکر باپ پاس دوڑی۔ اب یعقوب کی حالت کچھ سنبھل گئی تھی۔ وہ میری کو نہ پاکر سخت متردد تھا۔ میری کو دیکھتے ہی بے حد خوش ہوا۔ آخر کار کسان اور اُس کی بیوی گاڑی لے آئے اور باپ بیٹی کو لیے ہوئے نہایت خوشی کے ساتھ روانہ ہوئے۔

یعقوب کی ہر طرح تیمارداری کی جاتی تھی۔ ان کے لیے جدا کمرہ تھا۔ کسان کی

بیوی کبھی کبوتر کبھی چکن پرات بنایا کرتی تھی۔ یعقوب کی اس قدر وہ خدمت کر رہی تھی گویا کہ اپنا بزرگ سرپرست ہے۔

ایک مدت اس طرح گذر گئی اب یعقوب کی حالت درست ہوتی چلی۔ چنانچہ ایک دن یعقوب نے اپنے میزبانوں سے کہا کہ "ہم نے ایک عرصہ تک آپ کو تکلیف دی ہے۔ اب ہم کو بھی قسمت آزمائی کہیں کرنی چاہیے"۔

اس بات سے دونوں میاں بیوی کو سخت رنج ہوا اُنھوں نے نہایت زبردستی کی کہ ہمیشہ کے لیے وہیں رہ جائیں اور کسان کی بیوی نے وعدہ کیا کہ یعقوب کی ٹوکریاں بہت سی بکوا دیا کریگی۔ اور میری جو سینے پرونے میں بے نظیر تھی وہ بھی خاموش نہیں رہا کرتی تھی۔ باپ کی خدمت کے بعد جو وقت ملتا سینے پرونے میں صرف کر کے کچھ کما لیا کرتی تھی۔ کسان کی بیوی نے اس پر بھی زور دیا کہ اور بہت سی سلائی وہ لوگوں سے لا دیا کریگی۔

غرضنکہ اتنا مجبور وہ دونوں کیے گئے کہ میزبانوں کے حکم کی تعمیل اُن پر واجب ہوگئی اور وہ خدا کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتے ہوئے رہنے لگے۔ یعقوب اپنی ٹوکریوں میں میری اپنی سلائی میں کمانے لگے۔ خدا کی مدد شاملِ حال تھی۔

بابِ ہفتم

آرام و چین کے دن

غم و الم میں اگرچہ بہت گذارے دن
خدا کے فضل سے آخر پھرے ہمارے دن

جب میری اور یعقوب پھر از سرِ نو اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ جب وہ کچھ درست ہوئے اور کچھ چین و آرام نصیب ہوا۔ یعقوب کو اپنا فنِ باغبانی پھر چین نہ لینے دیتا

تھا۔ چنانچہ وہ کسان کی اجازت سے اس کی تھوڑی زمین لیکر پھر اپنا کام شروع کرکے رہا۔ اب یعقوب پھر اسپر محنت کرنے لگا اور اُسکا لطف اور اپنی محنت کا ثمر دیکھ کر خوش ہونے لگا۔

میری بھی جب کام سے فرصت پاتی باپ کا ہاتھ بڑی دلچسپی اور استقلال کے ساتھ بٹایا کرتی۔ میری نے باپ سے کہہ کر کئی طرح کے پھول کے پودے منگوا کر لگا دیئے تھے اور جب وہ پھولنے پھلنے لگتے تو دلی مسرت اسکو ہوا کرتی۔ اب انکی زندگی ان کی ہمت استقلال کوشش خدا کے بھروسے قناعت کے سبب بہت سے ایسے لوگوں کے لیے جو یعقوب سے بھی زیادہ خوشحال تھے قابل رشک تھی۔

اب موسم بہار کا آغاز تھا۔ میری اور یعقوب اپنی محنت کے ساتھ اسکا ثمر نہایت خوبصورت دلکش پھول پتے پھل دیکھ دیکھ کر پھولے نہ سماتے تھے اور پھر یعقوب نے اپنی ہمیشہ کی پھولوں کے ذریعے تعلیم و نصیحت شروع کر دی جو روزانہ نئے نئے طریق سے میری کے ذہن نشین کر رہا تھا۔

ایک دن سہانی صبح کو جبکہ مسلسل بارش ہو کر تھم گئی تھی۔ میری اپنے باپ کے ساتھ باغ میں گئی۔ سوسن کے نئے پھول کھلے ہوئے تھے۔ آفتاب کی دھیمی روشنی اور بھی لطف دے رہی تھی۔ میری تمام گھر والوں کو بلا لائی۔ اُن سب کو بے حد مسرت اس پھول کے دیکھنے سے ہوئی۔

کسان کی بیوی بولی اُفوہ! اسپر تو نظر نہیں ٹھہرتی کس قدر شفاف سفید اس پھول کی رنگت ہو رہی ہے۔

یعقوب نے کہا اگر انسان کا دل ایسے ہی پاک و صاف ہو تو خدا اور فرشتے اس سے کسقدر خوش اور راضی ہونگے۔

اسی طرح محنت و مشقت سے جسمیں سبق آموز گفتگو ملی ہوتی تھی اپنی زندگی نہایت

اطمینان سے بسر کرتے تھے۔ اسی طرح کوئی اٹھائیس تیس سال کا عرصہ گذر گیا اور مزرعہ صنوبر کی مسرت بخش زندگی نے گذشتہ مصائب کو بالکل بھلا دیا۔ ایک دن موسم خزاں میں جبکہ اُسکا آغاز تھا یعقوب کی طبیعت کمزور ہوتی چلی اب پیرانہ سالی کے آثار پوری طرح سے ہویدا تھے اُس کی طبیعت اکثر خراب رہا کرتی اب اس کی جو نصیحتیں ہوتیں رنج کا پہلو لیے ہوتیں۔ میری اس تغیر کو بخوبی دیکھ رہی تھی۔

ایک دن شام کو یعقوب سیب توڑ رہا تھا اور میری حفاظت کے ساتھ باسکٹ میں رکھ رہی تھی۔ یعقوب نے کہا خزاں میں بھی کیسی سائیں سائیں کرتی ہوئی ہوا چل رہی ہے جو زرد پتوں اور میرے بالوں سے شوخیاں کرتی جا رہی ہے۔ اے میری یہ میری خزاں کے دن ہیں اور تمہارے لیے جلد وہ دن آنے والا ہے۔ تم کو بھی اسی درخت کی پیروی کرنی چاہیے جو ہم کو قیمتی پھل دے رہا ہے اور ہم کو مسرور کرتا ہے تم کو بھی ہر ایک پر اسی طرح احسان کرنا چاہیے تاکہ دنیا میں لوگ تم سے خوش و راضی رہیں۔

ایک دن میری بیج بو رہی تھی کہ یعقوب نے کہا جس طرح ہم بیجوں کو پردۂ زمین میں دفن کرتے ہیں اور پھر وہ خوبصورت شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب تم میری قبر پر پھول لگاؤ تو یاد رکھو کہ جس طرح پھول قبر پر اُگ رہے ہونگے اسی طرح انسان بھی مرکر پھر روزِ قیامت میں زندہ ہوگا۔ یہ سُنکر میری ازخود رفتہ ہوگئی کیونکہ اُسکو یقین ہوگیا کہ باپ اب بہت جلد جُدا ہونے والا ہے۔ قدموں پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بابِ ہشتم
یعقوب کی موت

ماراد یارِ غیر میں مجکو وطن سے دُور　　رکھ لی میرے خدا نے میری بیکسی کی شرم

جب میری کو اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ اب باپ زیادہ دن زندہ نہ رہیگا اُس نے

پادری کو جو "مزرعہ صنوبر" کے علاقے کا تھا اطلاع دیدی۔ پادری بہت نیک تھا کئی مرتبہ
یعقوب سے ملنے کو آیا اکثر مذہبی امور کی گفتگو ہوا کرتی۔ کسان اور اُس کی بیوی جو یعقوب
کی بے حد عزت کیا کرتے تھے اب اُس کے اخیر وقت میں پوری دلدہی کرنے لگے
دن میں بیسیوں مرتبہ مختلف اوقات میں آکر اُس کی مزاج پرسی کیا کرتے۔ اور میری
ہر مرتبہ محبت اور رنج آمیز لہجے میں اُن سے سوال کیا کرتی کہ "کیا میرا باپ سچ مچ
زندہ نہیں رہیگا"

ایک مرتبہ کسان کی بیوی نے کہا میرا خیال تو یہی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ درختوں
میں پتیاں نکل آنے تک زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کے بعد میری بلاناغہ اپنی کھڑکی پر بیٹھی رہتی
اب تک بہار کا موسم اس کے لیے باعث مسرت تھا مگر اس مرتبہ کروندے کے درختوں
میں پتیاں نکل آنے اور پرندوں کی نغمہ سنجیوں سے وہ بہت ملول ہوئی پھولوں
کو دیکھ کر سخت صدمہ ہوا۔ اس کی نظروں میں یہ سب سوگ کی نشانیاں معلوم
ہو رہی تھیں۔

ایک دن حسب معمول جب میری باپ کے پلنگ سے لگی بیٹھی تیمارداری کر رہی
ہی تین پہر رہے رات میں یعقوب نے کمزور آواز میں کہا کہ کھڑکیاں کھول دو طبیعت
بہت خراب ہو رہی ہے۔ میری نے جلدی سے کھڑکیاں کھول دیں۔ فقط

(باقی آیندہ)

عباسی بیگم حیدرآباد دکن

ٹرکش ریلیف فنڈ

رسالہ نومبر میں عبداللہ بیگم صاحبہ کی تجویز بخوشی پڑھی گئی ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر
ہے کہ مسلمانان ہر طبقہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور اسلامیت کیا چیز ہے۔ ٹریپولی اور

ٹرکش رلیف فنڈ کے چندوں نے جو ہر درجہ کے لوگوں نے اپنی حیثیت بلکہ اکثر حالتوں میں اپنی حیثیت سے زیادہ دیئے ہیں بتا دیا کہ وہ اپنے ترکی بھائیوں کی مصیبت میں کس درجہ دل سے شریک ہیں۔ اگرچہ اسوقت تک چندہ مختلف صورتوں میں دیئے جاچکے اور دیئے جارہے ہیں مگر جس صورت سے ہم اور دے سکیں بہتر ہے۔

عبداللہ بیگم کی تجویز ضرور قابل قدر ہے اور مجھے یقین ہے کہ اُن کی تجویز ان کی اکثر بہنیں پسند کرینگی بلکہ عملدرآمد بھی کرینگی۔

میں اسقدر رکھنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی کو کسی صورت میں پانچ فیصدی گراں ہو تو وہ شرح اختیار کی جائے جو ہمارے سچے مذہب نے زکوٰۃ کی صورت میں سکھائی ہے یعنی ڈھائی فیصدی۔ یہ ایسی شرح ہے جو کسی کو ذرا بھی گراں نہیں ہوگی اور گویا ہم اپنی مجوزہ تدبیر میں پاک احکام کی پیروی کرینگے۔ اسی ضمن میں مجکو دو باتیں اور لکھنی ہیں۔

(۱) خاتون ہماری ہندوستانی بیگمات کا پہلا اخبار ہے اور بہت زیادہ نہیں بلکہ خواتین کے واسطے وقف ہے پھر کیوں نہ ایک عام چندہ ٹرکی رلیف فنڈ کے واسطے اس اخبار میں کھولا جائے اسکے چندہ دہندگان زیادہ تر (یا بالکل) خواتین ہوں۔ ایک معقول رقم جمع ہوجانے سے خاتون ٹرکش رلیف فنڈ کے نام سے براہِ راست بھجوادیا جائے۔ عبداللہ بیگم صاحبہ کا یہ خیال کہ چندہ بہت ہوچکا ہے اور اب زیادہ بڑے (متواتر) چندوں کی امید نہیں میری رائے میں اگر نادرست نہیں تو پیش از وقت ضرور ہے۔

مسلمان باوجود اپنے افلاس کے بڑا عالی ہمت دل رکھتے ہیں۔ ایک غریب مسلمان بھی جسکو محض ایک روٹی میسر ہے اُس میں سے بھی ایک ٹکڑا ضرور اُس سائل کو جسنے کھاتے وقت آواز دی ہے اپنا اپنی بیوی اور بچوں کا پیٹ کاٹ کے ضرور دیگا۔

جہاں ہم مسلمانوں کی بدنصیبی ہے کہ اسلام پر سیاہ گھٹا چھا رہی ہے وہاں ہم ہندوستانی

مسلمانوں کی خوش نصیبی بھی ضرور ہی کہ اللہ کا شکر ہی کہ امن اور چین کی سلطنت میں رہ کر اس لائق اور ایسے آزاد ہیں کہ اپنے دینی بھائیوں کی جو مصیبت میں مبتلا ہیں اپنی حیثیت اور ہمت کے لائق مدد کرتے ہیں۔ میری راے ہی کہ "خاتون ٹرکش رلیف فنڈ" ضرور کھولا جاوے اور ہماری بہنیں حسب حالت اُس میں چندہ دیں۔

(۲) عبداللہ بیگم صاحبہ کی تجویز اگر ہر دل عزیز ہو اور اُس پر عمل درآمد کیا جاسے تو ایسی امدادی رقم جہاں تک ممکن ہو فقط "خاتون ٹرکش رلیف فنڈ" میں بھجوائی جائے "خاتون ٹرکش رلیف فنڈ کا انتظام عبداللہ بیگم صاحبہ خود لیں البتہ رسالہ خاتون کی زیر نگرانی رہے۔

اس صورت میں کہ اوپر کی تجاویز عمل میں آویں میں از طرف مسز مرزا عـــہ مد نمبر (۱) میں اور ڈھائی فیصدی مد نمبر (۲) میں دینے کا اعلان کرتا ہوں۔ والسلام

راقم
محمد بشیر مرزا دہلوی

اڈیٹوریل

نمایش زنانہ مصنوعات

یہ نمایش جو کئی سال سے کانفرنس کے اکثر موقع پر ہوا کرتی ہی اور جس سے زنانہ صنعت کو (علی الخصوص مسلمانوں میں) بہت ترقی ہوئی ہی۔ امسال اسکا انعقاد تمام تر ہمارے کالج کے قابل و پُرجوش اولڈ بواے مسٹر محمد عربی ایم اے بیرسٹرایٹ لا (لکھنؤ) کی مساعی جمیلہ کا ممنون احسان ہی۔ نمایش مذکورہ بالا کا افتتاح لیڈی مسٹن صاحبہ نے بتاریخ ۲۶۔ دسمبر ۱۹۱۲ء بوقت ساڑھے تین بجے سہ پہر عمارت دفتر انجمن تعلقداران اودھ

واقع قیصر باغ میں موجودگی یورپین و ہندوستانی خواتین اپنے دستِ مبارک سے فرمایا
نمایش کا سامان باوجود قلتِ وقت کے بقدر تقریباً پانچسو عدد اشیاء کے اس سال فراہم
ہوا تھا۔ جو عمدہ طریقہ سے سجایا گیا تھا۔ اشیاءِ نمایش کی قوم وار فہرست یہ ہے۔
ہندو لیڈیز ۵۳، پارسی ۱۶، عیسائی ۱۰، گورنمنٹ سیٹلمینٹ اقوامِ مرکب ۲۰،
خاتون اسٹور دہلی ۵۲ (ساختہ مسلمان مستورات)، بقیہ مسلمان مستورات ۳۴۳،
مس پوپ صاحبہ پرنسپل محمدن زنانہ اسکول لکھنؤ، مسز شاہد حسین، مسز محمد عربی۔ مسز وزیر حسن
اور مسز و مس ظہور احمد نے ہر لیڈی شپ کا استقبال کیا۔ لیڈی صاحبہ کی خدمت میں
حسب ذیل ایڈریس بیگم شاہد حسین صاحبہ نے پڑھا۔

نقل ایڈریس

بحضور جناب لیڈی ہسٹن صاحبہ دام اقبالہا

حضور عالیہ! ہم ممبرانِ کمیٹی نمایش زنانہ مصنوعات بادب عرض پرداز ہیں۔
برٹش گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت کے اندر جو آرام اور آسایش رعایا کو حاصل ہے وہ
اظہر من الشمس ہی اور ترقی اور بہبودی حال رعایا کے لیے جسقدر کہ گورنمنٹ اور اُس کے
حکام تردد اور فکر کرتے رہتے ہیں اسکا شکریہ ادا کرنے سے ہماری زبان قاصر ہی۔ مہربان
حکام میں خاصکر ہمارے موجودہ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر جو دلچسپی فلاح اور بہبودی
رعایا میں رہتے ہیں اور جس کی وجہ سے وہ اس قلیل مدت حکومت میں ہر دلعزیز
ہوگئے ہیں اُس کے بیان کرنے کے لیے یہ قلیل وقت اور ایڈریس کافی نہیں ہی۔ بلکہ ایک
دفتر چاہیے۔ جس محنت اور شفقت سے حضور عالیہ اور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر نے
ہماری نمایش کی سرپرستی فرمائی ہی اسکا شکریہ ہم تہ دل سے ادا کرتے ہیں اور دعا ے
افزونیِ دولت و حفظ جان و مال حضور عالیہ و نواب لفٹنٹ گورنر بہادر بالقابہ کی خدا ے
ذوالجلال سے کرتے ہیں۔ محمدن ایجوکیشنل کانفرنس ترقی تعلیم مسلمانان کی غرض سے

پچیس سال سے قائم ہی اور اُسکے وجود سے بیش بہا مفید نتائج قوم مسلمانان کے لیے
خاصتاً اور تمامی ہندوستان کے لیے عامتاً ظہور میں آئے ہیں۔ منجملہ اور مفید کاموں کے
اُس نے قریب دس سال سے زنانہ مصنوعات کی نمایش کا سلسلہ جاری کیا ہے
جس سے عورتوں کی دستکاری کو ترقی دینا مقصود ہی۔ بحمد اللہ یہ کام ساتھ کامیابی کے
ہر سال ہوتا آیا ہی۔ اس سال مقام کانفرنس کے قرار پانے میں دیر ہوئی جس کی وجہ سے
انتظام نمایش میں بھی دیر لگی۔ تاہم اس قلیل وقت میں جو کارکنان نمایش کو ملا جو کچھ ہو سکا
کیا گیا۔ اور جو کامیابی حضور عالیہ ملاحظہ فرمائینگی وہ سب ہمارے پُرجوش سکرٹری صاحب
مسٹر محمد عربی ایم اے بیرسٹر ایٹ لا کی خاص توجہ اور کوشش کا نتیجہ ہی جس کے ہم
تہ دل سے مشکور ہیں۔ نمایش زنانہ مصنوعات قوم اور ملت کے قیود سے آزاد ہے
اور حضور ملاحظہ فرمائینگی کہ ہر قوم اور طبقہ کی عورتوں کی بنائی ہوئی چیزیں یہاں موجود ہیں
جو بقدر لیاقت انعام و تمغہ کی مستحق ہونگی۔ اب ہم حضور عالیہ سے ملتجی ہیں کہ اپنے
دست مبارک سے اس نمائش زنانہ مصنوعات کی افتتاح فرمائیں اور ہم سب
کی عزت اور خوشی بڑھائیں۔

ایڈریس ساٹن پر چھپا ہوا زردوزی خریطہ میں رکھ کر (جسپر زردوزی کے کام
میں لیڈی مسٹن کا نام بھی تحریر تھا) مع ہار زردوزی لیڈی صاحبہ کی خدمت میں
پیش کیا گیا۔ لیڈی صاحبہ نے ایڈریس کا جواب عنایت آمیز الفاظ میں حسب ذیل دیا۔

جواب ایڈریس

بیگم صاحبہ و ممبران کمیٹی! میں دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ فی الواقع اس نمائش
میں آپ لوگوں نے بڑی محنت کی ہی۔ اور مجھے پوری امید ہی کہ جو لوگ یہاں آئینگے اُن کو
بہت دلچسپی ہوگی۔ اب صرف یہ کام باقی ہی کہ میں اعلان کروں کہ نمایش کھل جائے
یقین ہی کہ ہر طرح سے اس میں کامیابی ہوگی۔

لیڈی صاحبہ نمایش کو دیکھ کر بہت محظوظ ہوئیں۔ نمایش ۲۶ دسمبر سے ۳۰ دسمبر تک کھلی رہی، اور مرد عورتوں کی کثیر تعداد روزانہ دیکھنے کے لیے آیا کی۔ عورتوں کے لیے خاص وقت مقرر تھا اور پردہ کا انتظام بہت عمدہ طریقہ سے رکھا جاتا تھا۔ باہر کی معزز مہمان خاتونوں میں خاص کر مسز عبداللہ صاحبہ علیگڈھ سے اور جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ ڈیرہ دون سے تشریف لائی تھیں۔

بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۲ء ہز آنر جناب لفٹنٹ گورنر بہادر صوبجات متحدہ نے تشریف لاکر عزت بخشی۔ ہز آنر نے ہر شئے کو بنگاہ غور قریب ایک گھنٹہ کے ملاحظہ کرکے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ بعد اسکے مسٹر محمد عربی سکرٹری نمایش نے فہرست عطیہ جات و انعامات سُنائی۔ قوم جملہ عطیہ دہندگاں اور علی الخصوص ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال و لیڈی مسٹن صاحبہ کی بے حد ممنون ہے۔ ہر ہائنس کا عطیہ کارکنان نمایش کے بہت کام آیا، جس کی قوت سے وہ بہت سے تمغے تقسیم کرسکے۔ فہرست مذکورہ ذیل میں درج کی جاتی ہے جسکے پڑھے جانے کے بعد ہز آنر و معزز ناظرین کی تصویریں لی گئیں۔ بعد تصویر کے ہز آنر تشریف لے گئے۔ اور جملہ حضرات نے نمایش کی کامیابی پر اظہار مسرت فرمایا۔ مسٹر مختار حسین صاحب دہلوی کی محنت و قابلیت سے بھی کمیٹی کو بیش قرار مدد ملی۔

فہرست عطیہ جات برائے تمغہ جات

(۱) حضور ہر ہائنس بیگم صاحبہ بھوپال ایک سو رُپیہ جس سے نقرئی تمغے خرید کیے گئے (۲) عالیجناب لیڈی مسٹن صاحبہ تمغہ طلائی ۵۰ رُپیہ (۳) عالیجناب آنریبل سر راجہ صاحب محمود آباد تمغہ طلائی ۲۵ رُپیے تمغہ نقرئی یک عدد (۴) جناب رانی صاحبہ بلہرہ تمغہ طلائی ۵۰ رُپیہ (۵) جناب خان بہادر شیخ وحید الدین صاحب رئیس میرٹھ تمغہ طلائی ۲۵ رُپیہ (۶) جناب حافظ عبد الحلیم صاحب رئیس کانپور تمغہ طلائی ۲۵ رُپیے (۷) جناب عامر مصطفٰے خانصاحب ٹرسٹی محمدن کالج علیگڈھ تمغہ طلائی ۲۵ رُپیہ

(۸) جناب اہلخانہ منشی سید التفات رسول صاحب تمغہ طلائی ۵۲ روپیہ (۹) جناب منشی سید التفات رسول صاحب تعلقہ دار سندیلہ ۲ تمغہ جات نقرئی ۳۰ روپیہ (۱۰) جناب سید نبی اللہ صاحب بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ تمغہ نقرئی ۱۴ روپیہ (۱۱) جناب مولوی نظام الدین حسن صاحب تمغہ نقرئی ۹ روپیہ (۱۲) جناب سید وزیر حسن صاحب سکرٹری مسلم لیگ تمغہ نقرئی ۹ روپیہ (۱۳) جناب سید ظہور احمد صاحب وکیل تمغہ نقرئی ۹ روپیہ (۱۴) جناب خانصاحب منشی قبول احمد صاحب رئیس سندیلہ تمغہ نقرئی ۸ روپیہ (۱۵) جناب مسٹر ممتاز حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا تمغہ نقرئی ۵ روپیہ (۱۶) جناب اہلخانہ محمد عربی صاحب لکھنؤ تمغہ نقرئی ۵ روپیہ ۔ جملہ تمغہ جات ۳۴ قیمتی چار سو روپیہ (طلائی ۷، نقرئی ۲۷)

فہرست اُن لوگوں کی جنکو تمغے عطا کیے گئے

(۱) انڈسٹریل سٹلمنٹ پلوال پنجاب تمغہ طلائی ۵۰ روپیہ (۲) وکٹوریہ گرل اسکول بھوپال تمغہ طلائی (۳) سلطانیہ گرل اسکول بھوپال تمغہ طلائی (۴) خیر النسا بیگم صاحبہ پالکویہ مدراس تمغہ طلائی قیمتی ۵۰ روپیہ (۵) پنجابی ہندو اسٹیٹ گرل اسکول کشمیر تمغہ طلائی (۶) سروری بیگم صاحبہ دہلی تمغہ طلائی (۷) مسز زیڈ کے محمد یوسف امرتسر تمغہ طلائی (۸) مہدی باغ گرل اسکول ناگپور تمغہ نقرئی (۹) گومت کنہیا پاٹ شالہ جموں کشمیر تمغہ نقرئی (۱۰) مس یوسف معرفت محمد الیاس صاحب خیرپور سندھ تمغہ نقرئی (۱۱) فرسٹ مڈل اسٹیٹ گرل اسکول جموں کشمیر تمغہ نقرئی (۱۲) اہلخانہ سید محمد صاحب اٹیہ تمغہ نقرئی (۱۳) مسز رشید الدین صاحبہ بدایوں تمغہ نقرئی (۱۴) مس ملک صاحبہ ناگپور تمغہ نقرئی محمود آباد (۱۵) مس سلطان علی لکھنؤ تمغہ نقرئی (۱۶) مسز الیاس صاحبہ خیرپور سندھ تمغہ نقرئی ۔ (۱۷) مسز نواب علی حسن خانصاحب لکھنؤ تمغہ نقرئی (۱۸) میڈم روف صاحبہ لکھنؤ تمغہ نقرئی (۱۹) مسز ملری صاحبہ لکھنؤ تمغہ نقرئی (۲۰) مس یوسف الزماں صاحبہ لکھنؤ تمغہ نقرئی (۲۱) ریاح خاتون معرفت ایچ ایم ملک صاحب ناگپور تمغہ نقرئی ۔

(۲۲) مسز ملک صاحبہ ناگپور تمغہ نقرئی (۲۳) مس محمد عاد صاحبہ رائے بریلی تمغہ نقرئی (۲۴) مس محمد ہاشم صاحبہ بانکی پور تمغہ نقرئی (۲۵) خاتون اسٹورس دہلی تمغہ نقرئی (۲۶) مس احمدی بیگم صاحبہ ساگر تمغہ نقرئی (۲۷) مس وزیر حسن صاحبہ تمغہ نقرئی خاص التفات رسول صاحب (۲۸) مسز مختار علیخاں صاحبہ تمغہ نقرئی (۲۹) عاصمہ خاتون صاحبہ معرفت ملک صاحب ناگپور تمغہ نقرئی (۳۰) فاطمہ کبریٰ صاحبہ دہلی تمغہ نقرئی (۳۱) مس رضی الدین صاحبہ گولڈہ تمغہ نقرئی (۳۲) مس نبی اللہ صاحبہ لکھنؤ تمغہ نقرئی خاص محمد عربی صاحب (۳۳) از ابلا تھوبون کالج لکھنؤ تمغہ نقرئی۔

رپورٹ صیغۂ تعلیم نسواں

جو کانفرنس منعقدہ لکھنؤ کے اجلاس میں پڑھی گئی

حضرات! سال گزشتہ کی کانفرنس میں مینے آپ حضرات کو ایک خوشخبری سنائی تھی کہ ہمارے مقامی پروگرام کا سب سے اوّل مرحلہ یعنی ایک پردہ کا بورڈنگ ہوس کسی محفوظ مقام میں تعمیر کرنا۔

اب اس کی تعمیر شروع ہوگئی ہی۔ جناب لیڈی پوٹر صاحبہ نے جس بورڈنگ ہوس کا سنگ بنیاد سال گزشتہ نومبر کے مہینے میں رکھا تھا اب وہ بفضل خدا قریباً لاختتام ہی اس کل زمانہ میں پوری توجہ اس بورڈنگ ہوس کی طرف رہی ہے۔ اب صرف چند کمروں کی تعمیر باقی رہ گئی ہیں۔ یہ بورڈنگ ہوس ایک نہایت وسیع اور عالیشان عمارت ہی۔ ہم نے حضور عالیہ جناب بیگم صاحبہ والیہ بھوپال سے پہلے ہی درخواست کردی ہی کہ وہ ۱۹۱۳ء کی اوّل سہ ماہی میں کسی وقت میں علیگڈھ میں قدم رنجہ فرما کر اپنے دست مبارک سے اس بورڈنگ ہوس کے افتتاح کی رسم ادا فرمائیں۔ اس بورڈنگ ہوس میں سردست کل ضرورتوں کے لیے انتظام کیا گیا ہی۔ درمیانی بارک

کے کمرے جن کی تعداد چوبیس ہے اسوقت بورڈر طالبات کو دیئے جائینگے۔ دونوں جانب کے سات سات کمرے کلاس روم کا کام دینگے۔ استانیاں بھی جبتک علیحدہ مکانات نہ بنیں انہیں کمروں میں رہیں گی۔

اب اسوقت بننے کے بعد ہر شخص جسنے دیکھا ہے لڑکیوں کے لیے ہر لحاظ سے اس بورڈنگ ہوس کو مفید کہہ رہا ہے۔ اور خدا سے دعا ہے کہ ہماری قومی بہنوں کے لیے یہ عمارت باعثِ خیر و برکت ہو۔

صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ تعلیم نسواں اور پردے کی تمام دقتوں پر نظر کر کے سب سے اوّل یعنی مدرسہ کا خیال پیدا ہوتے ہی ہم نے ایک محفوظ پردے کے بورڈنگ ہوس کی تجویز کی تھی۔ اب تک ہم کبھی کا بورڈنگ ہوس بنا چکتے مگر زمین کے حاصل کرنے میں جسکا بڑا حصہ گورنمنٹ کی معرفت حاصل کیا گیا ہے چار سال سے زائد عرصہ لگ گیا۔ ہم کو صرف چودہ ماہ عمارت کے بنانے کے لیے ملے ہیں اور ان چودہ ماہ میں جو کام ہوا ہے وہ آپ خود جا کر اپنی چشمِ مبارک سے دیکھ سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے لڑکیوں کی تعلیم میں پردہ ضرور حائل ہے عام طور پر اسکولوں میں خواہ وہ پرائیویٹ ہوں یا سرکاری مسلمان لڑکیوں کو والدین کبھی بھیجنے پر رضامند نہیں ہوتے۔ ہم کتنا ہی پردے کی سواری کا یا پردے کی ڈولیوں کا انتظام کریں مگر حد سے حد تیرہ سال کی عمر کے بعد مائیں اپنی بچیوں کو گھروں سے نہیں نکلنے دیتیں اور اور پھر اس کے بعد شادی کی سوجھتی ہے۔

ہمارے کالج کے اولڈ بوائے مسٹر اعجاز حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا منصف کی صاحبزادی نے چار سال تک برابر استقلال کے ساتھ مدرسہ میں تعلیم پائی اور پانچویں جماعت تک پہونچ گئی اور اگر اسوقت تک برابر پڑھتی تو مڈل پاس کر لیتی مگر چونکہ اس کی عمر تیرہ سال سے تجاوز کر گئی تھی اسلیے لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ اب مدرسہ میں مت بھیجو۔ انھوں نے

بچی کو اُٹھا لیا۔ مجھے سخت افسوس ہوا مگر وہ بھی مجبور تھے۔

گزشتہ چھ سال سے اسوقت تک ہمارے ابتدائی مدرسہ میں دو سے نوے مسلمان لڑکیاں داخل ہوئیں اور اب اسوقت ۷۰ لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ جہاں تیسری اور چوتھی جماعتوں میں پہونچیں اور اُن کی عمر بارہ سال یا تیرہ سال کی ہوئی تو فوراً نوٹس آتا ہی کہ ہم آیندہ لڑکی نہ بھیجیں گے۔ جو لڑکیاں ابتدا میں داخل ہوئی تھیں ان میں سے اب ایک بھی مدرسہ میں نہیں رہی۔ جو لڑکیاں ۱۹۱۰ع کے آخر میں داخل ہوئی تھیں۔ ان میں سے چار لڑکیاں اسوقت تک پڑھ رہی ہیں اور اُن کی نسبت ہیڈ معلمہ صاحبہ کا خیال ہی کہ آیندہ سال مڈل کا امتحان کامیابی کے ساتھ دے سکیں گی۔ بشرطیکہ وہ مدرسہ میں رہ گئیں۔

یہ دقت ہم کو مدرسہ جاری کرنے سے پہلے ہی معلوم ہو رہی تھی اور اسکا علاج ہم نے صرف یہ سوچا تھا کہ ایک محفوظ پردہ کا بورڈنگ ہوس تعمیر کر کے مسلمان بہنوں کے انتظام اور نگرانی میں دیدیا جائے تاکہ لڑکیوں کے والدین کو اطمینان ہو کہ ہماری بچیاں ہمارے گھروں کی طرح اس بورڈنگ ہوس میں بے کھٹکا رہ سکتی ہیں۔

باوجود اسکے کہ لڑکیاں تعلیم کے اونچے مدارج تک نہیں ٹکتیں مگر جو کچھ بھی علیگڈہ میں ہوا اُس کی بھی ضرورت تھی۔ علی گڈہ خاص میں چار مدرسے ہندوؤں کے، ایک گورنمنٹ کا، اور ایک مشن کا ہی۔ ان مدارس میں سے ہندوؤں کے مدرسوں میں تو لڑکیاں پڑھ ہی نہیں سکتیں۔ گورنمنٹ کے مدرسے میں بھی صرف ہندی پڑھائی جاتی ہی گو اُستانی مسلمان ہی مگر جبکہ مسلمان لڑکیاں اس مدرسے میں جاتی ہی نہیں اور نہ پردہ کا کافی انتظام ہے پھر اُردو کی تعلیم غیر ضروری سمجھی گئی۔ البتہ جب ہمارا مدرسہ جاری ہوا تو مسلمان لڑکیوں کے لیے سوائے مشن اسکول کے اور کوئی جگہ تعلیم کی نہ تھی۔ اس زمانہ میں سب مسلمان لڑکیاں ہمارے مدرسہ میں آگئیں۔ اور پرائمری تعلیم جو دوسرے مدارس میں ہوتی ہی وہ بڑی خوشی سے سب نے حاصل کی۔ لوگ تعلیم دلانے کو تیار ہیں۔ مگر تعلیم کے لیے صرف قرآن مجید کا

پڑھنا اور تھوڑا سا حساب کتاب اور کچھ اردو کی نوشت و خواند سے بڑھکر نہیں جانتے۔

اس مدرسے کے لیے گورنمنٹ نصف خرچ دیتی ہے۔ باقی نصف ہماری دیسی ریاستوں کے عطیات میں سے ادا کیا جاتا ہے۔ انسپکٹرس صاحبہ حلقہ ہر ششماہی پر تشریف لاتی ہیں اور اس ماہ کے شروع میں جناب چیف انسپکٹرس صاحبہ نے بھی اس مدرسے کا معائنہ فرمایا۔

ہم اس بورڈنگ ہوس کے کھلنے پر اپنے پروگرام کی ایک اہم ضرورت یعنی ٹرینگ کلاس بھی کھول سکیں گے کیونکہ پھر لڑکیاں ایک خاص عمر تک مدرسہ میں رہکر ٹرینڈ معلمات بننے کے قابل ہو سکیں گی۔ اسوقت گو ہمارے پاس ایسی معلمات نہیں تھیں کہ ہم ٹرینگ کلاس کھول سکتے مگر اب تک اتنی تعلیم یافتہ لڑکیاں ہی میسر نہ آئیں کہ وہ ٹرینگ کلاس میں پڑھنے کے قابل ہوتیں۔ کہیں ملک میں ایک لڑکی بھی اس قابل نہ ملی۔ ہم نے اعلان کیا کہ اگر کوئی لڑکی باقاعدہ تعلیم یافتہ خواہ مڈل ہو یا مڈل کی کسی جماعت تک تعلیم یافتہ ہو کر ہمارے مدرسے میں داخل ہو اور وعدہ کرے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد معلمہ بنے گی تو ہم اُسکو وظیفہ دینگے۔ صدائے برنخواست اور ہم کو معلوم ہے کہ ایسی لڑکیاں نہیں ملتیں۔

ممکن ہے کہ جو کچھ توجہ اسوقت مسلمانوں کی تعلیم نسواں کی طرف ہو رہی ہے اُس کے اثر سے آیندہ مسلمانوں کے مختلف اسکولوں میں لڑکیوں کو ایک خاص درجے تک تعلیم حاصل کرنیکی اجازت ملا کرے اور وہ ہماری ٹرینگ کلاس کی ضرورت کو پورا کر سکیں۔

ہم کو اُستانیاں تیار کرنیکے متعلق ہمیشہ اس بات کا لحاظ رکھنا پڑیگا کہ جس عورت کو ہم سرٹیفکیٹ دیکر قوم کی معصوم شریف لڑکیوں کے تعلیم کا حق دیتے ہیں اور جو ہمارے سرٹیفکیٹ کے اعتبار پر ہر شریف گھرانے میں جگہ حاصل کر سکتی ہے وہ بلحاظ اپنے عادات و اخلاق کے بھی اسی قابل ہو کہ شریف زادیوں کی صحبت میں رہکر اُنکے اخلاق پر بجائے اچھا اثر ڈالنے کے بُرا اثر نہ ڈالے۔ میں اس بارے میں قوم کو نہایت بڑی احتیاط کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

ہم کو اُستانیاں تیار کرنے میں دیر ضرور ہو گی اور ایک قوم کے لیے جسنے اجتک اپنی

لڑکیوں کو عام تعلیم کے جائز حقوق سے محروم رکھا ہے۔ چند سال کی دیر سے کوئی خاص نقصان بھی نہ ہوگا مگر جلدی میں ہم سے کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ تعلیم کے لیے بہت دنوں کیلیے پھر تعویق کا عارضہ لاحق ہو جائے۔

انسان اپنی محدود نظر سے جسقدر آیندہ کے لیے منصوبے باندھ سکتا ہے اسی منصوبے کے لحاظ سے میں کچھ کہہ سکتا ہوں کہ بورڈنگ ہوس میں جو لڑکی رہکر تعلیم پائیگی اور پھر معلمہ بنیگی وہ ہمارے قومی مقاصد کو سب سے بہتر طریقے سے پورا کر سکیگی۔

امسال یونیورسٹی کے چندوں اور پھر ٹرکش رلیف فنڈ کی وجہ سے ہمنے تعلیم نسواں کے لیے کوئی چندہ نہیں کیا۔ اسلیے جو کچھ آمدنی ہوئی وہ صرف مستقل ماہواری عطیات سے ہوئی اور اسکے مقابل میں جو خرچ ہوا اسکا مقابلہ حسب ذیل ہے۔

امسال ہمارے مدرسہ کے لیے ایک استحکام کی اور خاصی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ ٹرسٹیان ایم اے او کالج نے اس مدرسے کو اپنی عام نگرانی میں لے لیا ہے۔ اور اب امید ہے کہ اسقدر زبردست جماعت کی وابستگی سے ایک خاصی تقویت پہونچے گی۔

عام اشاعت کا کام بذریعہ رسالہ خاتون کے برابر جاری رہا اور یہ خوشی کی بات ہے برہما سے، مدراس سے، کشمیر سے، شملے سے، شرقی بنگال اور بہت زیادہ ہمارے صوبہ سے پہلے ہی سے درخواستیں آگئی ہیں کہ بورڈنگ ہوس کھلتے ہی ہم اپنی لڑکیوں کو بھیج دینگے۔

مجھے اپنے علیگڈہ کے احباب کا نہایت احسانمندی سے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انھوں نے مجھے ہر کام میں بڑی ہمدردی سے مدد دی اور کبھی ایک لمحہ کے لیے اپنی قیمتی امداد سے دریغ نہیں کیا۔

موجودہ مدرسہ ایک طرح سے مسز عبداللہ کی ذات سے چل رہا ہے کیونکہ وہ ہر وقت اس کی نگرانی کرتی ہیں اور انہیں کے بھروسہ پر علیگڈہ کے شرفا اپنی بچیوں کو مدرسہ میں

بھیج رہے ہیں۔ اسوقت ہمارے پاس چار اُستانیاں ہیں اور شروع جنوری سے ہم نے ایک پانچویں اُستانی کا بھی تقرر کر دیا ہے۔ بورڈنگ ہوس کے کھلنے پر ایک بڑا مسئلہ یہ ہوگا کہ جو مدرسہ اسوقت شہر میں ہے آیا وہ بالکل بند کر دیا جائے۔ یا قائم رہے۔ لوکل تعلیمی اور دیگر حکام چاہتے ہیں کہ یہ مدرسہ بطور ایک پرائمری اسکول کے ہمیشہ جاری رہے اور اسکے لیے میونسپلٹی بھی کچھ امداد دیگی۔ یہ معاملہ مینجنگ کمیٹی میں طے ہوگا۔

گوشوارہ آمدنی وخرچ از جنوری ۱۹۱۲ء لغایت دسمبر ۱۹۱۲ء

آمدنی				خرچ			
تفصیل آمدنی	روپیہ	آنہ	پائی	تفصیل خرچ	روپیہ	آنہ	پائی
۱۔ بذریعہ گورنمنٹ گرانٹ	۱۰۸۹	۴	۶	تنخواہ ملازمان اسکول	۱۷۹۴	۲	۱
۲۔ بذریعہ عطیات ریاستہائے بھوپال خیرپور وبھاولپور وٹونک	۳۲۰۰	۰	۰	۲۔ کرایہ مکانات	۳۵۹	۰	۰
۳۔ متفرق طور سے	۲۰۶	۸	۰	۳۔ وظیفہ	۹۶	۸	۰
				۴۔ خرچ متفرق	۲۹۶	۱۳	۵
کُل میزان	۴۴۹۵	۱۲	۶	کُل میزان	۲۵۴۶	۷	۶

اشاعت خاتون

ہم نے خاتون کے گزشتہ نمبر میں خاتون کے خریداروں سے اپیل کیا تھا کہ وہ رسالہ خاتون کی اشاعت کی کوشش فرمائیں۔ خاتون کے ناظرین وناظرات نے اسوقت تک خاتون کی اشاعت کے لیے کوئی خاص کوشش نہیں کی تو اس میں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ ہماری جانب سے کبھی اُن کو توجہ نہیں دلائی گئی اور ایک قسم کا

استغنا ظاہر کیا گیا۔ فی الواقع مالی لحاظ سے ہم نے کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ ہمکو اپنے خریداروں کو اشاعت کے لیے تکلیف دینے کی ضرورت ہے۔ ہم شروع سے رسالے کے خود کفیل رہے ہیں اور ہمیشہ اپنی ذات سے روپیہ صرف کر کے بہت سی غریب لڑکیوں کو رسالہ مفت دیتے رہے ہیں۔

اب ہم نے چاہا کہ اور بہن بھائیوں کو بھی اس کار خیر میں شریک کریں اور نیز اُن اصلاحی مقاصد کے لیے جن کی وجہ سے یہ رسالہ جاری کیا گیا تھا اور جو کام یہ انجام دے رہا ہے اس کے لحاظ سے رسالہ کی توسیع اشاعت ہونا نہایت ضروری ہے۔ ہم کو نہایت خوشی ہے کہ ہماری اپیل کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے اور خریدار بڑھنے شروع ہو گئے ہیں۔ بعض بعض بہنوں نے ہم کو مہربانی سے بہت ہمدردانہ خطوط لکھے ہیں۔ منجملہ اُنکے ایک خط بہن بنت رشید الدین احمد صاحب کا ہے جنکے خط میں سے چند الفاظ ذیل میں شکریہ کے ساتھ درج کیے جاتے ہیں۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ باوجود خریدار ہونے کے میں اسوقت تک رسالہ کی خدمت نہ کر سکی۔ میرا خیال تھا کہ رسالہ کی اشاعت کافی ہے۔ چونکہ آپ کی طرف سے کبھی اطلاع نہیں دی گئی اسلیے شاید ناظرین رسالہ کسی نقصان کو محسوس نہ کر سکے۔ در اصل خاتون ہمارا سچا ہمدرد رسالہ ہے اسکا نقصان گویا ہمارا اپنا ہی نقصان ہے پھر کیوں ہم اس کی اشاعت کی کوشش نہ کریں۔ میں اسوقت تین خریداروں کے نام بھیجتی ہوں۔ اسوقت اُنکے نام وی پی بھیجدیجیے۔ میں آیندہ اور زیادہ خریدار پیدا کرنے کی فکر میں ہوں ... ... وغیرہ وغیرہ

ہم امید کرتے ہیں کہ ہماری کُل ناظرات رسالہ کی اشاعت کی طرف خاص توجہ فرمائینگی اور اپنی ملکی بہنوں کو اس رسالہ کے قائم اور جاری رکھنے کی طرف متوجہ کرینگی

اور بعض بہنوں نے بھی اسوقت ایک ایک خریدار پیدا کیا ہے۔ آیندہ کسی رسالہ میں
ہم سب ہمدرد بہنوں کے اسمار گرامی درج رسالہ کرینگے جن کی معرفت خریدار پیدا ہوئے

ہم نے ہمیشہ سلامت روی کی چال پر عمل کیا ہو اور ہر معاملہ میں جو قوم کے فلاح
کا ہو اور بالخصوص جو ہمارے ملکی بہنوں کی اصلاح و بہبودی اور بہتری کے لیے کسی صاحب
نے شروع کیا ہو ہم نے نہایت زور سے اُس کی تائید کی اور ہمدردان قوم کی توجہ
اس کی طرف مبذول کی۔ کبھی ہم نے کسی ایسے معاملہ میں کسی کی مخالفت نہیں کی جو
نیک نیتی سے کسی اچھے مقصد کو سامنے رکھ کر شروع کیا گیا ہو۔ اور دنیا کی کامیاب
اور مہذب قوموں میں بھی قومی ہمدرد اشخاص اسی رویہ کے پابند دکھائی دیتے ہیں
ہم کو بعض وقت رنج بھی ہوتا تھا کہ بعض اشخاص بلا وجہ
ذاتی مناقشوں کی وجہ سے علی گڈھ میں اُس کام کی مخالفت کر رہے ہیں جو اسلامی
بہنوں کی اصلاح و بہبودی کے لیے جاری ہوا ہے۔ اور جسکو ہم اُس عمارت کا
سنگ بنیاد بنانا چاہتے ہیں کہ جس کے قائم کیے بغیر زمانہ حال کی کشمکش اور
جد و جہد کے میدان میں مسلمان ہمیشہ بے سروسامانی اور کم مائگی کی حالت میں
رہیں گے۔

عورتوں کی تعلیم اور اصلاح وہ چیز ہے جسکو ہم کسی قوم کی کامیابی کے لیے اُتنا ہی
ضروری سمجھتے ہیں جتنا کہ کسی زندہ شے کے قائم ہونے کے لیے مختلف عناصر کا باہمی
ملنا۔ اگر کوئی زندہ چیز ایک ہی عنصر سے نہیں بن سکتی تو بلا عورتوں کی دماغی، ذہنی
اور اخلاقی ترقی کے کوئی قوم بھی ان اوصاف سے متصف نہیں ہو سکتی۔

ہم اپنے اسی عقیدہ کی بنا پر ہمیشہ اس بات کے متمنی رہے ہے کہ قوم میں بہت سے
مرد اور عورتیں کمر ہمت باندھیں اور عورتوں کی تعلیم کا جو ایک نہایت سخت مرحلہ

اس کے لیے ہم ممنون ہونگے اور اگر اسکے بعد بھی اپنے قدیم رویہ کے موافق
ایک دوسرے کے کام کی مخالفت اور تخریب کے درپے رہیں گے تو پھر قوم
کو اُن کے کام اور دوسرے کے کاموں کا موازنہ کرکے نتیجہ نکالنے کا کافی موقع
حاصل رہے گا۔

ریویو

فن خیاطی۔ منشی منیر الدین احمد صاحب نے سلسلہ کتب فنون کا نمبر اول
یہ رسالہ فن خیاطی شائع کیا ہے۔ اس میں سوئی پکڑنے کے طریقے سے لیکر سلائی
کے اقسام۔ کپڑوں کی معمولی مرمت کے طریقے۔ مختلف وضع کے کوٹ۔
ویسکوٹ۔ پتلون اور اچکن وغیرہ کے قطع کرنے کے اصول و قواعد درج ہیں۔
اور ہر ایک کا نقشہ بھی ساتھ دیا گیا ہے۔

چھپائی، لکھائی عمدہ کاغذ اعلیٰ درجہ کا اور کتاب مجلد ہے۔ قیمت ایک روپیہ
مستورات کے لیے اس قسم کی کتابوں کی بہت ضرورت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس
رسالہ سے وہ نفع اُٹھائیں گی۔

ملنے کا پتہ یہ ہے

زنانہ اسٹور۔ پیش دروازہ تحصیل۔ شہر میرٹھ